آیت۔ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

پ ۸ ۲ - اللہ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اسکے سینے کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔

فی التوحید

مؤلفہ


احمد جنگ۔ منشی فاضل، مولوی عالم، سول سروس (ریٹائرڈ)
حیدرآباد دکن

# فہرست مضامین

## قیمت

| | | |
|---|---|---|
| جامع العقاید مجلد | المختصر | ۸ر |
| ،، ،، غیر مجلد ے | المتوسط | ۵ر |
| | المبسوط مجلد | ے |
| | ،، غیر مجلد | ىک |
| | حج | ۱۲ر |


مِلنے کا پتہ

احمد جنگ ۔ سوماجی گوڑہ ۔ پوسٹ خیریت آباد

حیدرآباد ۔ اے ۔ پی ۔ انڈیا

Ahmad Jung
Somaji Guda
P. Khairatabad

Hyderabad, A.P.

INDIA.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہزار ہزار شکر ہے اُس رب العزت وحدہٗ لاشریک کا جو اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا ہے۔ ساری صفاتِ حمیدہ اس کیلئے ثابت ہیں، سارے نقائص سے اسکی ذات پاک ہے۔ وہ اپنی ذات سے موجود اور قائم ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اسکا علم ہر کلی اور جزئی پر احاطہ کیا ہوا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اُسکے ارادے کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اُس پر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا واجب نہیں ہے۔ اس نے ہم کو پیدا کیا اور ہمارے علم و عمل کو اسکی اُلوہیت کا اقرار اور اپنی عبدیت کا اظہار، نیت و عمل دونوں میں ہمارا اولین فرض ہے۔

بنی نوعِ انسان کو عقل دیکر تمام مخلوقات پر شرف بخشا ہی تھا، اُن میں ایسی شخصیتیں بھی پیدا کیں جو بندوں تک پیامِ الٰہی پہنچاتے اور راہِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے۔ ان سب کے آخر ایک برگزیدہ ہستی کو بھی پیدا کیا اور اس میں ساری خوبیاں جمع کر دیں جو دوسروں میں تقسیم ہوئی تھیں ع۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

رب العزت! ان سب کی پاک ارواح پر اور خاص کر ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پُرفتوح پر اپنی رحمتِ کاملہ کے پھول برسا۔ آپ پر اور آپ کے آل و اصحاب انصار و مہاجرین تابعین و تبع تابعین، ائمۂ اکرمین اور علماء دین متین پر۔

پروردگار! تیرا ہزار ہزار شکر ہے تو نے ہم کو اس افضل رسل اور خاتم انبیاء کی امت میں پیدا کیا، ہمیں ان کی اتباع نصیب کی۔ پروردگارِ عالم! تو ہی قوموں کی قسمتوں کو بناتا اور سنوارتا ہے۔ اس آخری امت کا سنوارنا تیرے ہی اقتدار میں ہے۔ ان میں اُخوت و مروت، اتحاد و محبت کے جذبات قوی سے قوی تر کر دے۔ انکو علمِ دین دے اور علومِ دنیا سے مالامال کر، کلمۂ حق کے اعلاء کی قابلیت عطا کر، نیت میں خلوص اور عمل میں برکت دے۔

**سببِ تالیف۔** پروردگارِ عالم! میں تیرا شکر گزار ہوں، تو نے اس بندۂ ناچیز کو تالیفِ امورِ دین کی توفیق دی۔ کمی بضاعت کے باوجود دقیق مطالبِ حق کی ترجمانی کی استطاعت دی۔ جیسا کہ اسکے پہلے رسالہ ہدایتِ خفیہ میں تذکرہ کیا ہے، لڑکوں کی تعلیم دینی کے لئے اولاً ایک مختصر رسالہ لکھا، جو آخر میں ایک وسیع تالیف "المبسوط" پر ختم ہوا۔ مگر ذوق باقی رہا، بڑھتا گیا۔ پیاس کو پانی بجھاتا ہے مگر علم کی تشنگی کو کوئی چیز سیراب نہیں کرتی۔ خدا کرے یہ تشنگی تا دمِ واپسیں قائم رہے۔ بفحوائے ارشادِ نبوی مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (جس کو جتنا علم تھا اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اسکو وہ علم بھی دیتا ہے جس سے وہ واقف نہ تھا) شریعت کے دوسرے اہم جزو کا مطالعہ شروع کیا اور تکمیل کا ذوق کے بعد عقاید کی یہ جامع تالیف شایع کر رہا ہوں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔

**ماخذِ تالیف۔** حقیقت میں اس تالیف کے دو مستقل ماخذ ہیں جنکا ذیل میں ذکر کیا گیا ہے۔ انکے علاوہ دیگر تصانیف سے جہاں کہیں استفادہ کیا ہے اسکا حوالہ درج کیا ہے۔

۱۔ عقیدۂ اہلِ توحید فی النثر مصنفہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد یوسف السنوسی الصوفی۔ موصوف مغرب کے ایک مشہور بنی سنوس قبیلہ سے تھے اور اسی تعلق سے سنوسی کہلائے۔ اتوار ۱۸ جمادی الآخری ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ میں بعد عصر وفات پائی اور تلمسان میں دفن ہوئے۔ یہ

میرا اپنا احساس یہ بھی ہے کہ اس مطالعہ سے پہلے میری نظر کے سامنے اسلام کی تنہا ایک تصویر تھی جس کے حُسن و جمال پر میں فریفتہ ہو رہا تھا۔ اب میں خود کو اس موقف میں پاتا ہوں کہ میری نگاہ میں متعدد تصویروں کا ایک گروپ بھی ہے جس کے ہر حسین نکتہ کو اپنی تصویر کے نقاط کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوں تو میری فریفتگی وارفتگی سے بدل جاتی ہے۔ ہر ایک تصویر کا حسین نکتہ اس میں دیکھتا ہوں اور جو خطوط دوسروں میں مفقود تھے اُنکو بھی اس میں درخشاں پاتا ہوں۔

| | |
|---|---|
| اَشرَقَ البدرُ علینا | وَاختفت منھا البدورُ |
| ایک ایسا چاند ہم پر نمایاں ہوا | کہ دوسرے سب چاند ماند ہو گئے |
| مِثلَ حُسنِکَ ما رأینا | قطُّ یا وجہَ السرورِ |
| تیرے حُسن کے مانند ہم نے نہیں دیکھا | کبھی کسی کو اے بہجت و سرور کے چہرے |

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کُنتُم خَیرَ اُمّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ۔ تم اُن سب اُمتوں میں بہتر ہو جو لوگوں کی فلاح و بہبود کیلئے پیدا کی گئیں۔ اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم ... دِینَکُم آج کے دن میں نے تمہارے دین کی تکمیل کر دی۔ ان دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ دینِ محمدی اکمل دین ہے اور امتِ محمدی خیر الامت ہے۔ یہ تو اسلام اور فلسفہ کے درمیان توافق کا خلاصہ ہے۔ بخلاف اسکے ملّتِ عیسوی فلسفہ کے تصادم سے سخت مفلوج ہو گیا اور صرف حالیہ کرسچین حکومتوں کی قوت اور دولت اسکو سنبھالے ہوئے ہے۔

**طرزِ تالیف** اس تالیف میں بھی میں نے ترجمہ کیا ہے مضامین کی ترتیب دی تصنیف نہیں کی۔ جہاں کوئی خلیج حایل نظر آیا اسکو کسی مستند قول سے پاٹ دیا اور ربط قایم کیا تقریر یا انشاء سے احتراز کیا۔ یہی میری عادتِ مستمرہ ہے جو میری تالیفات کی سند کیلئے کافی ہے کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض اجزا جو کسی قدر اصل مبحث سے ہٹے ہوئے تھے مگر فائدہ سے خالی نہ تھے انکے لئے بھی کہیں نہ کہیں جگہ نکال لی۔ اس طرح ممکن ہے کہ جواہر پاروں کے ساتھ کچھ سنگریزے بھی شامل ہو گئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی مضمون کو علیٰ غیرِ محلّہٖ بھی نصب کیا ہو معاف فرمائیے جواہرات کے توازن کیلئے سنگریزوں کی بھی ضرورت ہے یقین ہے کہ یہ بھی رائگاں نہ ثابت ہونگے۔

**علمِ کلام** پہلی صدی ہجری میں اگرچہ کہ مشاجرات کے اسباب پیدا ہوئے مگر دین میں خود رائی کا دخل نہیں ہوا اور نہ عقایدِ اسلام میں کوئی تفرقہ پیدا ہوا۔ دوسری صدی ہجری میں خلفاءِ عباسی ہارون و مامون کے عہد میں سریانی، رومی اور عبرانی زبانوں سے اکثر علوم کا ترجمہ عربی میں ہوا بعض اشخاص نے اس سے متاثر ہو کر قرآن اور احادیث میں موشگافی شروع کی اور متعدد فرقہ جات مبتدعہ کی بنا و قائم ہوئی۔ اس دور میں تبعِ تابعین کے اکثر علماء موجود تھے جنہیں توارث اور تعامل کے ذریعہ تعبیرِ قرآن کا علم حاصل تھا۔ قرآن کے معانی اور عقایدِ دین کی نسبت بہت سی تصنیفات لکھیں۔ مقاتل بن سلیمانؒ فضیل بن عیاض عبد الرزاق حمیری سفیان بن عیینہؒ سفیان بن ثوریؒ وکیع بن جراح شعبہ بن حجاجؒ یزید بن ہارونؒ آدم عسقلانی اور اسحٰق بن راھویہ کی تصانیف اس عہد میں لکھی گئیں۔ نصوص کو معنئِ متواترہ کے ساتھ بیان کیا گیا علماء نے جس طرح قرآن اسکی سورتوں اور آیتوں کو انکے رموز کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ محفوظ کیا اسی طرح معانیِ قرآن کو شانِ نزول اور مواقع اور محلِ نزول کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ

رسالۂ سنوسیہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ عقیدۂ اہلِ توحید کے علاوہ فقہ، عقاید، تصوف، منطق اور فلسفہ وغیرہ میں آپ کی کوئی چالیس پینتالیس تصنیفات ہیں۔ ان پر ۳۵ کے قریب شروح اور بیشمار حاشیے ہیں۔ رسالۂ توحید ۹-۱۰ مرتبہ مصر میں طبع ہوا۔ مراقش اور جاوا میں چھپا، ملائی اور جاوی زبانوں میں اسکی شروح شائع ہوئیں۔ اسکا ترجمہ اطالوی، جرمنی اور فرانسیسی زبانوں میں ہوا۔ اس متن پر شیخ ابراہیم بیجوری نے ۱۲۳۶ھ میں شرح لکھی اور اس پر شمس الانبابی نے حاشیہ کا اضافہ کیا۔

۲ جوہرۃ التوحید منظوم، تعداد ابیات ۱۴۴، مصنفہ شیخ ابو الامداد برہان الدین ابراہیم بن ابراہیم بن حسن بن علی اللقانی المالکی المتوفی $\frac{۱۰۴۱ھ}{۱۶۳۱ء}$۔ لقانی مصر کی جامع ازہر میں استاد تھے۔ مکہ معظمہ میں آپ کی بڑی عظمت تھی۔ اس تصنیف کی طرف منسوب کر کے انکو ولیِ جوہر کا لقب دیا گیا۔ فقہ اور عقاید پر انکی دیگر تصنیفات بھی ہیں۔ شیخ ابراہیم بیجوری نے ۱۲۳۴ھ میں تحفۃ المرید علی جوہرۃ التوحید کے نام سے شرح لکھی۔ اس شرح پر شیخ احمد اجہوری نے اپنی تعریبات کا اضافہ کیا۔ بیجوری اور عبد السلام کی شروح کا فرانسیسی میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔

حسنِ اتفاق سے ان دونوں متنوں کے شارح علامہ شیخ بیجوری نکلے۔ فقہ کی تالیف میں علامۂ موصوف میرے معلمِ روحانی تھے، اس وقت بھی موصوف نے میرے حال پر نوازش کی۔ گو شارح ایک ہی، گر متنوں کی طرزِ تحریر میں خاص امتیاز ہے۔ سنوسی نے توحید میں تفصیل کے ساتھ عقلی دلایل سے بحث کی ہے اور امام لقانی نے دلائلِ عقلی کو محدود کر کے دیگر ضروری مسائل کا اضافہ کیا ہے۔ بیجوری نے پہلے سنوسیہ کی شرح لکھی، دو سات سال کے بعد جوہرہ کی شرح لکھی اور اس میں شارح نے بمقابلہ پہلی شرح کے مسائل کی زیادہ توضیح کی۔ میں نے سنوسیہ کو اپنا مستقل ماخذ قرار دیکر جوہرہ کے اضافے اس میں شامل کئے اور اپنا ایک علحدہ متن بنا لیا۔ اس طرح میرے کام میں سہولت ہوئی اور تالیف کی افادیت میں اضافہ ہوا۔

**دیگر مذاہب**۔ کتاب عقاید کا مسودہ تیار ہو چکا تھا کہ مقدمہ میں دیگر مذاہب اور فلاسفہ کے حالات اور تصورات پر سرسری تبصرہ کا خیال ہوا۔ اس ضمن میں جو مواد فراہم کیا اتنا زیادہ ہو گیا کہ مقدمہ میں اسکا سمونا دشوار نظر آیا۔ اسکو حذف کرتے یا قطع و برید کرتے کہ عزیز کافی تردد کے بعد اسکو ایک مستقل جزء کی حیثیت سے کتاب کے آغاز میں شریک کر دیا اور تکمیل کیلئے ایک اقتباس اسلام کے تعلق سے بھی شامل کر دیا۔

ان مذاہب کی اصلیت اور صداقت سے ہمیں کوئی بحث نہیں مگر انکے بتائے ہوئے اصول اور تعلیمات کے سمجھنے اور ان پر غور کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ ابن رشد نے فصل المقال میں اس امر کا وجوب ظاہر کیا ہے کہ ہم اپنے مطلوب کی تحقیق میں قدماء کے اقوال سے مدد لے سکتے ہیں خواہ وہ ہمارے ہم مذہب ہوں یا نہ ہوں۔

اقتباس کے پیش کرنے میں میں نے احتیاط سے کام لیا ہے۔ کوئی تعقیب نہیں کی اور نہ اسلامی نقطۂ نظر کو دخل دیا۔ البتہ اس مقدمہ میں چند عنوانات کے تحت مختلف مکاتبِ خیال کی آراء کا تقابل کیا ہے۔ ممکن تھا کہ اس فریضہ کو ناظرینِ کرام کے تفویض کرتا، مگر بنظرِ "تصنیف را مصنف نیکو کند بیان" یا "رَبُّ الْبَيْتِ أَعْرَفُ بِمَا فِي الْبَيْتِ"۔ میرے لئے اس فرض کا انجام دینا آسان تر تھا بجا لایا۔ معاف فرمائیں اس ضمن میں مضامین کی کچھ تکرار ہو گی مگر قندِ مکرر کا لطف دیگی۔۔

**روح**۔ سقراط اور افلاطون کہتے ہیں، دوسری زندگی کی امید موت کے مرحلہ کو آسان کرتی ہے۔ ان امور پر اعتقاد کرنے میں ہمارا نقصان ہی کیا ہے۔ ڈیکارٹ کہتا ہے، میری انانیت میرے بدن سے جداگانہ ہے۔ میرا بدن تلف ہو جائیگا مگر میری روح تلف نہ ہوگی۔ روح غیر مادی ہے اور اس میں فکر کرنے کی صفت ہے۔ اسپینوزا کہتا ہے، روح انسانی بدن کے ساتھ تلف نہیں ہوتی بلکہ اسکا شرارہ باقی رہتا ہے۔ والٹیر کہتا ہے، اپنے ضمیر کی رہنمائی پر ایسی صورتوں میں بھی ہم عمل کرتے ہیں جبکہ اس دنیا میں کسی صلہ کی ہمیں توقع نہیں ہوتی۔ ہیگل روحانیت کا قایل تھا اور کہتا تھا، مادی دنیا محض مادیت کی وجہ سے قائم نہیں ہے۔ امرسن کہتا ہے، انسان کی روح، روحِ اوّل کی جزو ہے۔ برگسن کہتا ہے، انسان کی فطرت میں ایک ایسی چیز بھی ہے جو طبیعت سے بالاتر ہے۔ برگسن نے دل و دماغ کے درمیان امتیاز کرکے کہتا ہے کہ فہم و ذکاوت کا تعلق دماغ سے اور نیت و خلوص کا تعلق دل سے ہے۔ انسان کی فطرت میں ایک ایسی قوت بھی ہے جو کسی چیز کی ماہیت کا ادراک کر سکتی ہے۔ اسکو وہ انٹیوشن یا وجدان سے تعبیر کرتا ہے۔ سنتایانا اور ڈیوی کہتے ہیں کہ ذہن بھی ایک عضو ہے جو پیدا ہوتا، نمو پاتا، ترقی کرتا اور مرتا ہے۔

**بے ثباتیِ عقل**۔ ہیوم صاف طور پر کہتا ہے کہ میرا اعتقاد خدا کی نسبت کن وجوہ پر مبنی ہے میں نہیں جانتا۔ والٹیر کہتا ہے، انسانی ہیکل کے ایک حقیر جزو کو سمجھنے کیلئے تیس صدیاں درکار ہیں اور روح کی ماہیت اور حقیقت کو جاننے کیلئے تو شاید ابدالاباد بھی کافی نہ ہو۔ کانٹ کہتا ہے کہ ہمارے حواس اتنے ناقص اور محدود ہیں کہ آزادیِ عمل، روح اور خدا جیسے امور کے سمجھنے اور ثابت کرنے میں ہماری مدد نہیں کرتے۔

اصل کتاب میں موت، روح اور عقل کی نسبت تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ یہاں ہم صرف چند اقوال کا اعادہ کرتے ہیں۔

امام الحرمین محمد الجوینی استاد امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ روح ایک جسمِ لطیف و شفاف ہے جو جسم کے ساتھ اس طرح ملی جلی ہے جیسے ہری ڈالی میں رطوبت۔ شاہ ولی اللہؒ نے روح اور بدن کے درمیان رابطے کے طور پر ایک چیز نسمہ کے وجود کا اظہار کیا ہے جو بدن کے ساتھ تلف ہو جاتی ہے اور روح باقی رہتی ہے۔ شیخ ابنِ عربی کہتے ہیں، روح اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جس کو حس کے ذریعہ احساس نہیں کیا جاتا۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ کہہ دو روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے۔

**روحانیت**۔ فارابی فلاسفۂ اسلام میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے، انکے غور و فکر کے نتائج فلسفہ کے ہر شعبہ میں نمایاں ہیں۔ حکماءِ یونان کی تعلیمات کو سمجھا اور اپنے ذاتی تصورات قائم کئے جس کے نشانات فلسفہ میں ابتک قائم ہیں۔ ارسطو اگر معلمِ اوّل کہلایا تو فارابی معلمِ ثانی یا ارسطاطالیسِ عرب کہلائے۔ انکے سو سال کے بعد بوعلی سینا شیخ الرئیس وارد ہوئے۔ یہ فلسفی اور حکیم تھے، مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کی تھی۔ فارابی کے نظریات کو ترقی دے کر روحانیات کی منزل کے قریب پہنچا دیا۔ یہ سائینٹسٹ تھے، شیخ طریقت نہ تھے پھر بھی الہامِ الٰہی کے قایل تھے۔ جب کسی مسئلہ میں دشواری پیش آتی تو وضو کرکے جامع مسجد پہنچتے اور نماز پڑھکر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور حلِ مشکل کیلئے دعا مانگتے۔ شیخ وقت بابا طاہر نے ایک ملاقات کے بعد حکیم کی نسبت ان الفاظ میں اپنی رائے ظاہر کی "ہرچہ ما می بینیم او می داند"۔ ابن سینا کشف کی نسبت خواب سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ نیند کی حالت میں خواب میں نفسِ انسانی کو بعض معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے کوئی امر مانع نہیں کہ بیداری کی حالت میں بھی کوئی ایسا علم حاصل ہوسکے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ روحانیات ہماری فہم سے خارج ہیں۔ ہمارے انکے درمیان حجاب حایل ہے۔ روحانیت کا ادراک غور و فکر کے ذریعہ نہیں

توقیفی طور پر منتقل کرتے اور محفوظ کرتے گئے۔
احمد بن حارث محاسبی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم کلام میں کتاب تصنیف کی اور تردید کیلئے معتزلہ کے مسایل کو جمع کیا
اور انکو ترتیب دی۔ احمد بن حنبلؒ نے اعتراض کیا "تم نے معتزلہ کے حق میں مفید کام کیا۔ حارث نے جواب دیا "بدعت کی تردید واجب ہے
جبتک انکے خیالات کی ترتیب دیجائیگی تردید کیسے ہوگی۔ احمد حنبلؒ نے فرمایا "ٹھیک ہے تم نے انکے شبہات کو واضح کیا اور اسکے بعد اسکے
جوابات دیئے کیا اسکا امکان نہیں کہ کوئی شخص شبہات کا مطالعہ کرے اور جوابات کی طرف توجہ نہ کرے" شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے
دورِ عباسی کے فلسفہ سے بیدل ہوکر کہدیا "میں نہیں سمجھتا خدائے تعالیٰ مامون سے غافل رہیگا بلکہ اس امت پر اس نے جو مصیبت نازل
کی ہے اسکا ضرور بدلا دیگا"۔
ہمارے اس مضمون سے متعلق ایک اور واقعہ دلچسپ لائق ذکر ہے۔ امرسن کو چرچ کے مذہبی رسوم سے اختلاف تھا خاصکر
"لاسٹ سپر" کی تحقیر میں کہتا تھا "خدا کی نعمتوں کا شکریہ شراب و کباب سے نہیں بلکہ نیک اعمال کے بجالانے سے ادا کرنا چاہیئے۔ یہ سنکر اس کے
کسی مخالف نے کہا "ہم کو امرسن کے حال پر افسوس ہوتا ہے صاف طور پر ظاہر ہے کہ وہ دوزخ میں جائیگا"۔ امرسن کے ایک دوست نے
جواب دیا "مجھکو یقین ہے اگر امرسن دوزخ میں جائیگا بھی تو دوزخ کی فضا کو ایسی خوشگوار کریگا کہ جنت کی نیکیوں کی آماجگاہ ہوجائیگی"۔
اب ہم اصل مبحث کی طرف رجوع کرتے ہیں! احمد حارث کا قول یہ ہے کہ بدعت کی تردید واجب ہے! امام غزالیؒ لکھتے ہیں
فلسفیانہ تصورات اور انکے اصطلاحات کا استعمال گو لایق اعتراض ہے لیکن عقاید کے اثبات کیلئے صحیح دلائل کا پیش کرنا ممنوع نہیں ہے
کسی دوسری جگہ انہوں نے لکھا ہے "علم کلام سے یہ مقصود ہے کہ عقیدۂ اہلِ سنت کی حفاظت کیجائے اور انکو اہلِ بدعت کی تشویش سے بچایا جائے۔
توحید۔ توحید باری تعالیٰ کا مسئلہ اہم ترین اور بنیادی ہے اس بارے میں حکماء اور فلاسفہ کی فکر کی رسائی کہانتک ہوئی سرسری اندازہ
کیا جاتا ہے۔ سقراط توحید کا قایل تھا آخرت کا یقین رکھتا تھا اور کلمہ حق پر اپنی جان عزیز قربان کردی! افلاطون کہتا ہے "خدا کے وجود کا
اقرار کئے بغیر کوئی قوم قایم نہیں رہ سکتی" ارسطو کہتا ہے "خدا علت العلل ہے۔ وہ علت ہے دوسروں کیلئے اور اس کیلئے کوئی علت نہیں ہے۔
خدا عالم مدانہ ہے ہماری نظروں سے غائب ہے۔ بالکلیہ کامل ہے اس میں کوئی نقص نہیں۔ ڈیکارٹ خدا کی ذات کے ساتھ صفاتِ کمالیہ کا
اتصاف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا کی ذات اکمل ہے اس میں کوئی نقص نہیں۔ ہیوم گو مادہ پرست ہے مگر کہتا ہے "مجھکو خدا کے وجود پر
اعتقاد ہے مگر میں نہیں جانتا کہ یہ اعتقاد کن وجوہ پر مبنی ہے اور نہ میں ان وجوہ کے جاننے کی کوشش کرتا ہوں۔ والٹیر کہتا ہے کہ اگر خدا نہیں ہے
تو بھی ایک خدا کو ایجاد کرنا چاہیئے "خدا کا وجود لابدی ہے۔ کانٹ نے پہلے تو خدا کے وجود کی نسبت شبہ ظاہر کیا پھر اقرار کیا اور آخر میں پکار
اٹھا "خدا کو پالیا" صنعت کی کاریگری صانع کے وجود پر دلالت کرتی ہے! انسان کو چاہیئے کہ خدا کے معمہ کو حل کرنے کی کوشش کرے مگر خدا ایسا
معمہ ہے جو کسی سے حل نہیں ہوا اور نہ ہوسکیگا۔ ع کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا۔ برگسن کہتا ہے "خدا زندگی کی روح رواں ہے"
ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد فی الذات فی الصفات اور فی الافعال ہے۔ سارے صفاتِ کمالی اس کیلئے ثابت ہیں نقائص سے اسکی
ذات منزہ ہے اس کتاب کا اہم جز یہی مباحث ہیں۔

بالکلیہ روح سے تعلق ہوگا۔ موت کے بعد جسم ختم ہوجائیگا اور دوبارہ اٹھایا جائیگا یا اٹھایا نہ جا سکیگا۔ عناصرِ بدن سارے حل ہوگئے اور دوبارہ انکی ترکیب نہیں ہوسکتی۔ ہاں ضرور، مگر یہ عدمِ اقتدار غیراللہ کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا مٹی میں ملے ہوئے کل پرزوں کو جمع کرکے انسان نہیں بنا سکتا۔ انسان تو انسان ایک چیونٹی کو بھی پیدا نہیں کرسکتا۔ مگر اُس ذاتِ حق کیلئے جس نے اوّل مرتبہ خلق کیا تھا دوبارہ خلق کرنا ہماری تو سمجھ میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ہر ایک انسان کو اور اُسکے ہر عضو کو دوبارہ زندہ کرینگے حتیٰ کہ انگلیوں کی پوریاں بنائیں گے۔ فرسودہ ہڈیوں کو زندہ کرینگے، اُن پر گوشت اور پوست بھی چڑھائیں گے۔ اگر اس ساری تفصیل کو کسی کی عقل تسلیم نہ کرے تو اُسکی عقل کا قصور ہے۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔ خود فلاسفہ نے عقل کی کوتاہی کا اعتراف بھی کیا ہے۔

اگر یہ تصور کیا جائے کہ مرنیکے بعد جسمِ انسانی ختم ہوگیا اور صرف روح کا عمل دخل ہوا تو اسکی مثال ایک خواب کی ہوگی اور ثواب عذاب کا نفاذ اس طرح ہوگا جس طرح خواب میں تو پھر دوزخ کا خوف یا جنت کی تمنا کون کرے۔

**ارتقاء۔** ہندوازم میں ارتقاء کے معنی یہ ہیں کہ انسان جسمیت سے روحانیت کی طرف اس طرح ترقی کرے کہ برہمن کے رتبہ کو پہنچ جائے۔ اپی کیورس نے ڈارون کے دو ہزار دو سو برس پہلے ارتقاء کا تصور کیا تھا۔ مسکویہ نے لکھا ہے کہ موجودات کی آخری کڑی انسان ہے جس پر تمام ترکیبات ختم ہوتی ہیں۔ ارتقاء کے عام نظریہ سے جملہ فلاسفہ کو اتفاق ہے مگر فرق یہ ہے کہ ایک گروہ کہتا ہے کہ کائنات کی اسفل نوع ترقی کرتے ہوئے اعلیٰ نوع کو پہنچی ہے۔ دنیا کی تخلیق میں سب سے پہلے حرکت پیدا ہوئی۔ کئی مدارج طے کرتے ہوئے جماد کی حالت کو پہنچی اور پھر نبات، حیوان اور انسان بنے۔ یہ نظریہ قائلینِ تعلیل و طبیعت کا ہے۔ دوسرا گروہ، فلاسفۂ اسلام کا ہے جو کہتا ہے کہ ہر نوع میں بلحاظِ ترقی و اصلاح کے مختلف مدارج ہیں۔ جماد میں معمولی پتھر سے لیکر یاقوت و الماس جیسے جواہرات ہیں۔ نبات میں اعلیٰ قسم اُن درختوں کی ہے جنکے پتوں اور ڈالیوں میں احساس ہے۔ بعض حیوانات میں اوضاع فطری (انسٹنکٹ) اور ذہانت کی قوت بڑھی ہوئی ہے۔ بہرحال یہ لوگ ایک نوع سے دوسری نوع میں انتقال سے انکار کرتے ہیں۔ انکی دلیل یہ ہے کہ غیر ذی عقل سے ذی عقل نہیں پیدا ہوسکتا۔ یعنی حیوان سے انسان نہیں بن سکتا خواہ وہ حیوان بندر کیوں نہ رہا ہو۔ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق ہی اس طرح ہوئی ہے کہ اسفل ترین نوع کی اعلیٰ قسم اسکے اوپر کی نوع کی اسفل قسم سے قریب تر ہے اور یہ سلسلہ آغاز سے لیکر انتہا تک قائم ہے۔ اللہ تعالےٰ کائنات کی صرف ہر نوع کو نہیں بلکہ ہر فرد کو پیدا کیا اور ہر فرد کے ساتھ اسکی مخصوص صفات بھی پیدا کیں۔

**تناسخ۔** ہندوازم کا ادّعا ہے کہ طبقاتِ انسانی میں جو تفریق یا مدارج کی تقسیم نظر آتی ہے وہ تناسخ اور کرما کے سبب سے ہے۔ ہر شخص کا عمل اسکی صفات میں بلندی اور پستی پیدا کرتا ہے۔ اعمال مدارج کو بڑھاتے بھی ہیں اور گھٹاتے بھی اور پھر ایک نوع سے دوسری نوع میں بھی منتقل کرتے ہیں۔ ایک حریص برہمن اپنے اعمالِ حرص کی وجہ سے آئندہ زندگی میں ادنیٰ جانور کے قالب میں پیدا ہوسکتا ہے۔ ارسطو اور اُسکے پیرو تناسخ کی تردید میں دو وجوہ بیان کئے ہیں۔ تناسخ کے عمل کیلئے یہ ضروری ہے کہ ایک حادث میں دو نفوس پائے جائیں۔ حادث کا موجودہ نفس اور تناسخ والا حادثہ کی قابلیت کا نفس اور یہ محال ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ہم موجودہ زندگی کے پہلے کسی اور حالت میں پائے گئے تھے تو اُس حالت کا علم ہم کو حاصل رہنا چاہئیے ورنہ جزا و سزا کا تصور مرتفع ہوجاتا ہے۔ پھر ایک

بلکہ حس کے حجابات کے رفع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔
انسان کی دو حالتیں ہیں حالتِ خواب و حالتِ بیداری۔ خواب میں صورت و شکل نظر آتی ہے سنائی دیتا ہے بغیر آنکھوں اور کانوں کی وساطت کے۔ نومِ بے اختیاری کا نام خواب ہے اور نومِ اختیاری سے انسان کشف پاتا ہے۔ یہ عالمِ مثال ہے اسکے احکام عالمِ شہادت سے جداگانہ ہیں۔ عالمِ مثال سے اوپر عالمِ ارواح ہے جہاں نہ صورت ہے نہ شکل نہ طول ہے نہ عرض۔ بایزید بسطامیؒ کہا کرتے۔ اَخَذْتُمْ عِلْمَكُمْ مَيِّتًا عَنْ مَيِّتٍ وَاَخَذْنَا عِلْمَنَا عَنِ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوْتُ۔ تم نے اپنا علم ایک میت کے بعد دوسری میت کی وساطت سے حاصل کیا اور ہم نے راست اُس ذات سے حاصل کیا جو زندہ ہے اور جسکو فنا نہیں۔
امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔ بیداری میں ہم جس شئی کو حواس و عقل کے ذریعہ حقیقی سمجھ رہے ہیں وہ صرف اُس ربط کی وجہ سے ہے جو اُس شئی کو ہماری موجودہ حالت کے ساتھ قائم ہے۔ کیا ہم کو اسکا کامل یقین ہے کہ اِسکے بعد کوئی ایسی حالت نہ ہوگی جس کو بیداری کے ساتھ وہی نسبت ہو جو بیداری کو نیند کے ساتھ ہے اس طرح کہ موجودہ حالت جسکو ہم عقل کے ذریعہ بالکل حقیقت پر مبنی سمجھ رہے ہیں محض ایک بے حقیقت خواب ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام لوگ حالتِ خواب میں ہیں جب موت آئیگی تو بیدار ہونگے۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ۔ ہم نے تم سے تمہارے حجاب کو کھول دیا آج تمہاری بصارت تیز ہے۔
یہ ہے اسلام اور فلسفہ کا صحت مندانہ امتزاج جو دینی امور کے سمجھنے میں ہماری مدد دیتا ہے ہمارے دینی تیقنات کو تقویت پہنچاتا ہے اور قلب کو روشن کرتا ہے۔

**ثواب و عذاب**۔ سقراط و افلاطون اپنی فکر میں اس حد تک پہنچے تھے کہ موت کے بعد دوسری زندگی ہوگی اور اسکا اقتضا یہ تھا کہ دنیاوی زندگی کو انسان سنوارے اور سعادت حاصل کرے! ارسطو نے صفاتِ انسانی کے تین مدارج بیان کئے اور انکی اصلاح کے طریقے بتائے اور پھر انسانِ کامل کی تعریف کی۔ ابنِ رشد جو انقلابی فلسفی ہیں صاف صریح آیات و اخبار کی لا جواب گی میں معاد سے انکار تو نہ کرسکے مگر تاویل کی کوشش کی۔ اِنکا قول ہے کہ ہلاکت کے بعد بدن اسی حیثیت سے عود نہیں کرسکتا، البتہ اُسی جنس کی ایک نوع کی حیثیت سے عود کریگا۔ حیاتِ اُخروی میں حواس، حافظہ اور جذبات نہیں ہوتے صرف عقل باقی رہتی ہے۔ دوالٹیر کہتا ہے کہ روح غیر فانی ہے اور سزا و جزا دونو مقرر ہیں۔ براہمہ ہندیکی سزا اور جزاء کا عقیدہ رکھتے ہیں مگر انکا قول یہ ہے کہ لذت و آلام کی تکرار اسی زندگی میں ہوگی اور اسکا سلسلہ لامتناہی ہوگا۔ بہرحال ظاہر ہے کہ فلاسفہ بھی سزا و جزا سے انکار نہیں کرتے مگر اسکی نوعیت کیا ہوگی اسکا تعین نہ کرسکے اور غالباً اسکی ضرورت بھی نہ سمجھی اسلئے کہ دنیاوی فلاح کے اسباب پر غور کرتے رہے اور انکی نظر دنیا کی حد تک محدود رہی! البتہ الہامی مذاہب نے تعیّن کے ساتھ ظاہر کیا کہ آخرت میں ثواب و عذاب ہوگا
قرآن اور حدیث غیر مشتبہ الفاظ میں جنت اور دوزخ، ثواب و عذاب کی تفصیل ظاہر کرتے ہیں۔ انکے ظاہر پر اعتماد کرتے ہوئے علماءِ اسلام نے ثواب و عذاب کو جسمانی باور کیا اور اس بارے میں اجماع بھی ہے۔ ثواب و عذاب کے روحانی ہونیکے معنی یہ ہونگے کہ آخرت میں جسم نہ ہوگا اور صرف روح ہوگی۔ مگر بات یہانتک ختم نہیں ہوتی۔ یہی کہنا پڑیگا کہ محاسبہ روحانی ہو، حشر و نشر روحانی ہوگا اور بعث و قیامت کا

بین الاقوامیت آیندہ کیلیئے ضابطۂ عمل نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ آنے والے فلسفیوں کا کام ہے کہ آج کے معاشرتی اور اخلاقی تنازع کو رفع کرنے ان میں موافقت پیدا کریں۔ اس مقصد کیلیئے پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے بعد بین الاقوامی ادارے قائم کیئے گئے تاکہ مختلف حکومتوں کے خارجی تعلقات میں مفاہمت و مصالحت کے ذریعہ ہم آہنگی پیدا کیجائے اور اس طرح امنِ عالم کی حفاظت کیجائے۔ مگر اس قسم کے قوانین کے قائم کرنے کیلیئے اقتدارِ اعلیٰ لابدی ہے اور اسکا فقدان اُسکے مقصدِ قیام کو زائل کرتا ہے۔

**دنیا**۔ ملّتِ یہود تعلیم دیتا ہے کہ دنیا عبث نہیں ہے۔ وہ ایک بلند چڑھاؤ ہے جس کے ختم پر خدا کی حکومت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ زندگی خدا کی نعمت ہے۔ زندگی کے سفر کو طے کیا جائے، پوری طور پر خدا کی مرضی کے مطابق۔ شوپن ہاور کہتا ہے "دنیا نہ ہمارے موافق ہے اور نہ مخالف، ایک جنسِ خام کی طرح ہمارے ہاتھ میں ہے۔ جنت بھی ہو سکتی ہے اور دوزخ بھی، ہمارے زاویۂ نگاہ پر موقوف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اَلدُّنیا جِیفَۃٌ قَذِرَۃٌ**۔ دنیا سڑی گلی چیز ہے۔ پھر دوسرے موقع پر فرمایا۔ **نعم الدُّنیا مَطِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ بِھَا یَصِلُ اِلَی الْخَیرِ وبِھا یَنجُو مِنَ الشَّرِّ**۔ دنیا مومن کی سواری ہے! اسکے ذریعہ نیکی حاصل کرتا ہے اور برائی سے نجات پاتا ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دنیا بذاتہٖ نہ محمود ہے اور نہ مذموم، انسان کے عمل کے تعلق سے اسکی مذمت کیجاتی ہے یا ستائش۔

**سعادت**۔ ڈیوی کہتا ہے وہ آدمی بُرا ہے جو بگڑنے کی طرف مایل ہو خواہ وہ کتنا ہی نیک رہا ہو۔ وہ آدمی نیک ہے جو اپنے کو سنوارنے کی کوشش کرے اگرچہ وہ کتنا ہی بد رہا ہو۔ تصور کا یہ معیار انسان کو اپنے افعال کے موازنہ میں سخت اور دوسروں کے افعال کے موازنہ میں نرم کرتا ہے۔ حدیث صحیحین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے جس کسی نے اہلِ دوزخ کا عمل اس حد تک کیا کہ اسکے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فصل رہ گیا تقدیر کے لکھے نے سبقت کی اور اس نے اہلِ جنت کا عمل کیا پھر جنت میں داخل ہوا اور جو کوئی اہلِ جنت کا عمل کیا یہاں تک کہ اسکے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فصل رہ گیا اور اسکی تقدیر کے لکھے نے سبقت کی اور اس نے اہلِ دوزخ کا عمل کیا اور دوزخ میں داخل ہوا۔ عوام خاتمہ کا خوف کرتے ہیں اور خواص سابقہ کا۔

**اصلاح، تجدید یا ماڈرنزم**۔ ملّتِ عیسوی کی تاریخ کے سرسری مطالعہ سے ظاہر ہوگا کہ عیسیٰؑ کی بعثت کی مدت نہایت قلیل تھی حکومتِ روم جس نے یونان کے دانشمندوں کو پنپنے نہیں دیا تھا عیسائیت کو ایک مستقل مذہب کی حیثیت سے کیسے برداشت کرتی۔ دو تین صدیوں کی سرد مہری نے عیسیٰ علیہ السلام کی اصلی تعلیمات کو فراموش کر دیا۔ حکومتِ روم کے زوال کے ساتھ ملّتِ عیسوی کو اُبھرنے کا موقع ملا۔ پیشوایانِ ملّت نے کچھ پراگندہ ملفوظات جمع کئے اور مذہب کے اصول معین کئے۔ ایک طرف عیسیٰؑ کو الوہیت کا درجہ دیا تو دوسری طرف روم کے کنیسہ کے خطیب کو اسقفِ اعظم کا لقب دیا۔ اُنکی ذات کو اور چرچ کے ادارہ کو ایسا بڑھایا کہ معصوم کر دیا۔ تیرھویں صدی میں چرچ نے اتنی قوت حاصل کی کہ یورپ کی ریاستوں کو زیر دام کیا کسی کو تخت سے اتار دیا کسی کو تخت پر بٹھایا یا خارج کیا۔ اسی اثناء میں یونان کا کھویا ہوا فلسفہ عربوں کے دیئے ہوئے قالب میں یورپ میں پھیلا۔ اسپین کے زوال کے ورثہ میں یورپ کو کاغذ اور طباعت کے فنون ملے۔ انجیل کے نسخے ہر خاص و عام کے ہاتھ میں آئے۔ پندرھویں صدی میں وکلف اور جان ہس نے چرچ کے خلاف آوازیں بلند کیں اور سولھویں صدی کے آغاز میں مارٹن لیوتھر نے چرچ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ فلاسفہ نے عیسوی عقاید کی تنقید شروع کی۔ ہیوم نے عیسائیت کو بحیثیت مذہب

اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نظم کو کون قائم رکھتا ہے۔ کسی فرد سے یہ توقع کرنا محال ہے کہ اعلیٰ سے اسفل کی طرف بطور خود نزول کرے۔ تیسرا سوال یہ بھی ہے کہ اسفل نوع کو اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے کے لئے حسن و قبح اور خیر و شر کا معیار کیا ہے۔ کیا حیوان میں بھی خیر و شر کا امتیاز ہے؟ نہ عقل اسکی تائید کرتی ہے اور نہ تجربہ۔ مغالطہ کی یہ ساری شکلیں اسلئے پیدا ہوئیں کہ نقل کا فقدان تھا اور عقل اسکو حل نہ کرسکی۔ اسی غرض کیلئے پیام الٰہی کے ساتھ پیغمبر بھیجے گئے کہ عقل کی رہبری کریں اور انسان کی حیرانی اور سرگردانی کو دور کریں۔ تناسخ کے خیالِ باطل کو چھوڑ کر قیامت کی تصدیق کریں۔

**آزادیِ عمل** انسان کے ارادہ اور عمل کے جتنے بھی پہلو ہیں مسئلۂ جبر و قدر میں محدود ہیں۔ علماء نے اس بارے میں کافی غور کیا ہے۔ فخر رازی نے طویل بحث کی ہے۔ محقق طوسی نے آخر میں کہدیا ہے کہ نہ جبر ہے اور نہ تفویض، واقعہ دونوں کے بین بین ہے۔ علماء طریقت نے واقعاتِ خضر سے اعتبار حاصل کیا۔ حضرت خضر نے جو فعل بظاہر حسن سمجھا اسکو خدا کی طرف منسوب کیا اور جسکو بظاہر قبیح سمجھا اپنی طرف منسوب کیا۔ حالانکہ سارے افعال بارشادِ خداوندی خضر کے ہاتھوں انجام پا رہے تھے اور خضر کے ارادہ کو اس میں مطلق دخل نہ تھا۔ اسی سے طالب علا اکتسابِ توکل کا مسئلہ ہے۔ ہمارا ضمیر کہتا ہے کہ ہم جد و جہد کریں۔ شریعت ہم کو ہدایت دیتی ہے کہ سعیِ عمل سے باز نہ آئیں اور عمل کے نتیجہ کو خدا کے تفویض کریں اسی کا نام توکل ہے۔ اس اصول کی بہترین مثال اسوۂ حسنہ اور سیرِ خلفاء راشدین میں ملتی ہے۔ تقدیر یا قسمت یا قضا و قدر ہمارے حیطۂ علم سے خارج ہیں۔ ہم مشیت یا ارادۂ الٰہی سے ناواقف ہیں۔ اسلئے ہم سعیِ عمل میں آزادی محسوس کرتے ہیں مگر قوانینِ شریعت کے حدود کے اندر اسی طرح جس طرح کہ دیگر اقوام اپنے ملک کے حدود و قانون کے اندر۔ ان حالات میں یہ اعتراض کہ اسلام میں آزادی حاصل نہیں ہے صحیح نہیں۔ بلکہ اسلامی عقیدہ کی خوبی یہ ہے کہ عمل کے نتیجہ کو خدا کے تفویض کرکے ناکامی میں بھی مسلمان یک گونہ تسلی اور سکون پاتے ہیں۔

**وحدتِ عالم** ۔ براہمہ کہتے ہیں کہ ویدانت دنیا کی وحدت کے فلسفہ کی تائید کرتا ہے۔ نفس ایک ہے جسکو وہ اتمان کہتے ہیں۔ پیانتھی ازم ادعا کرتا ہے کہ تمام بنی نوع انسان کا بدن ایک ہے، روح بھی ایک ہے۔ دنیا میں ایک ہی وجود ہے اور وہ خدا کی ذات ہے۔ ایمرسن کہتا ہے کہ تمام افراد ایک ہی بنی نوع انسان کے اجزاء ہیں۔ انسان کی روح بھی روحِ اوّل کی جزو ہے۔ اس پر ول ڈیورانٹ مزاحاً کہتا ہے کہ مشرقی پیغمبروں نے خدا کی وحدانیت کی تلقین کی تھی تو اس مغربی پیغمبر نے بنی نوع انسان کی وحدت کا اعلان کیا۔ وحدۃ الوجود کے نظریہ میں اتحاد و حلول کا وہم پیدا ہوتا ہے اسلئے شرعاً ممنوع ہے۔ حلاج نے بپناہ وجد انا الحق کہا، شیخ طریقت جنید نے انکے قتل کا فتویٰ دیا۔ اس مسئلہ کو چھوڑ کر اگر کوئی یہ کہے کہ ساری مخلوق ایک ہے اور سارے انسان ایک ہیں تو یہ عبارت نکتہ کی تو بھلی معلوم ہوگی مگر بے معنی ہوگی۔ قومیں مختلف، تہذیبیں اور تمدن مختلف اور حکومتیں مختلف جو بنی نوع انسان کے باہمی اختلاف کے باعث ہیں۔ اس اختلاف کے باوجود تعاون کی کوشش صرف اخلاقیات کا ایک شعبہ ہے۔ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

امریکی فلسفی ڈیوی کہتا ہے کہ تنظیموں اور اداروں کا تعدد انفرادیت کو کم اور اجتماعی مفاد کو زیادہ کرتا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ

علماءِ دین نے صدیوں پہلے، تو صد احتیاط اور بے لوثی کے ساتھ، خصم کی شکست کے شوق میں نہیں بلکہ تفہیم اور استقامتِ دین کی غرض سے دیا ہے۔ لیکن ماضی اور حال میں فرق یہ ہے کہ ماضی کے مفکرین نے کسی خاص اصول کے تحت اختلاف کیا تھا تو حال کے معترضین نے کسی اصول کا تعین کئے بغیر من مانے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ عوام ناواقف تھے خیال کیا کہ بات نئی پیدا کی اور اسکو خوب اچھالا۔ بہر حال یورپ کے افسانہ نگاروں نے پبلک کی کشش کیلئے قلم اسٹوری میں تھرل پیدا کیا تو ان ہی خواہانِ اسلام نے عوام کے اہتزاز کے لئے دین میں رخنہ اندازی کی اور اسکا نام ریسرچ رکھا۔ آیت ۹ ہے۔ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ۔ جن کے دلوں میں کجی (جور) ہے متشابہات کی ٹوہ میں لگے ہیں تاکہ گمراہ کریں اور تاویل کریں۔

اسلام کی تکمیل آج سے پونے چودہ سو برس پہلے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کی آیت کے نزول سے ہوئی۔ صرف یہی ایک دین نہیں بلکہ سارے سابقہ ادیان کی تکمیل اس ایک آخری دین کی تکمیل سے ہوئی۔ اب کسی نئے دین کے اختراع کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ ہاں جو فروعات اور شکلیں پیدا ہونگی انکی نسبت نصِ شرعی کی روشنی میں قیاس کیا جائیگا اور اس طرح اجتہاد کا دروازہ کھلا رہے گا۔ جس دین کو آج اپنے پارینہ اور فرسودہ بتا رہے ہیں، پرائے[1] اسی دین کی صداقت کی شہادت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "دنیا کے مشہور مذاہب میں سے جدید ترین مذہب اسلام نہایت واضح اور آسان مذہب ہے"

[1] ڈیلز اور لائف

اب اگر توارث اور تعامل کو چھوڑ کر لغت اور محاورہ کے ذریعہ قرآن کے مطالب کا استخراج کرنے کی کوشش کیجائے تو ہم سمجھیں گے کہ شریعت کی تفہیم نہیں کیجا رہی ہے بلکہ لغتِ عرب کی تعلیم دیجا رہی ہے اور وہ بھی غیر عرب کی زبان سے۔ اور اگر یہ مقصود ہو کہ دین کو تقاضا و زمانہ کے موافق پیش کیا جائے تو ہمارا دعوےٰ یہ ہے کہ دینِ اسلام ہر ایک زمانہ اور ہر ایک قوم کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے یہ بات اور ہے کہ تقاضہ کا مفہوم زید کچھ ظاہر کرے اور عمرو کچھ۔

**یادِ رفتگاں**۔ میں اپنے بعض مرحوم احباب مولوی سعادت اللہ خاں اور ڈاکٹر ظہیر علی کی یاد کو تازہ کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تسوید کے زمانہ میں اپنے صلاح و مشورے سے میری مدد کی تھی، افسوس ہے کہ اسکے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے سے پیشتر ہم سے رخصت ہو گئے۔ یہ دونوں صاحبین سرزمینِ حیدرآباد کے ان لایق فرزندوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی ساری عمر خاموشی کے ساتھ علمِ دین میں صرف کی اور بہت سے باقیات صالحات شاگردوں اور تصانیف کی شکل میں چھوڑیں۔ مولوی مناظر احسن گیلانی جو میرے حال پر خاص شفقت رکھتے تھے وہ بھی گزر گئے۔ خدا انکی قبروں کو اپنے نور کی ضیاء سے روشن کرے اور انکی ارواح کو اپنے جوارِ قرب میں جگہ دے۔

**تشکر**۔ میں سب سے پہلے استادی مولانا مولوی عبدالقدیر صاحب صدیقی کے فیضِ صحبت کا ذکر باعثِ سعادت سمجھتا ہوں موصوف کے سرچشمۂ علم کے برکات کی یہ تالیف ایک بہتر مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ انکے علم و فضل کی ضیا پاشی کو تا دیر قائم رکھے۔ مفتی مولوی رحیم الدین صاحب ناظم دینیات نظامیہ نے اپنی صلاحِ خیر سے مجھکو استفادہ کا موقع دیا اور مولوی آقا حیدر حسن مرزا نے بالاستیعاب میرے مسودہ کا مطالعہ کیا اور زبان کے علاوہ دیگر فروگذاشتوں سے بھی مجھے آگاہ کیا۔ میں ان دونوں صاحبین کی خدمات میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔ پنجابی اِلسٹریٹڈ میگزین نمبراتِ خاص، ۱۷ فروری، ۱۰ مارچ، ۴ اپریل، ۲ جون ۱۹۵۵ء و ۴ ستمبر ۱۹۵۵ء کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان سے مذاہب عالم پر کافی مواد فراہم کردہ

اہمیت دینے سے انکار کیا۔ کانٹ یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ مذہب کو سائنس کی بنیاد پر قائم نہ کر سکو تو اخلاق کے اصول پر قائم کرو۔ ایمرسن نے عیسائی رسم "لاسٹ سپر" کی نسبت کہدیا کہ خدا کی نعمتوں کا شکر شراب کباب سے نہیں بلکہ خلوص باطن اور نیک اعمال کے ذریعہ ادا کرنا چاہیے۔ نطشے کہنے لگا کہ عیسائیت زندگی کی تائید نہیں کرتی، بائبل غلامی کی تلقین کرتی ہے۔ ٹیل نے آخر میں کرسچیانٹی کو اخلاقی قانون میں شمار کیا۔

یہ ہیں اسباب جو عیسائیت میں اصلاح کے باعث ہوئے۔ اب اگر کوئی مفکر ملت عیسوی کے زوال کے اسباب کو اپنے دماغ میں قائم کر کے اسی اصول پر اسلام کی نسبت غور کرے تو اسکو منطق میں قیاس مع الفارق کہتے ہیں۔ اسلام ان سارے مراحل کو کامیابی کے ساتھ طے کر چکا ہے آج نہیں، صدیوں بلکہ ہزار سال پہلے۔

جعد بن درہم نے کلام الٰہی سے انکار کیا۔ بعض فرقے نے صفات الٰہی سے انکار کیا اور بعض نے قضا و قدر سے۔ بعض نے ملائکہ اور جن کو قوائے طبیعیہ اور ملکات فطری سے تعبیر کیا، معجزات انبیا کو بعض نے تسلیم نہیں کیا۔ معتزلہ نے اپنے اصول کی بنیاد عقل پر قائم کی۔ بندہ کو اختیار دیا اور اللہ تعالیٰ پر بعض امور واجب گردانے۔ جبریہ نے بندے کے فعل کو بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ قدریہ نے قدر کی نفی کرتے ہوئے بندوں کے افعال کو بندوں کی قدرت کی طرف منسوب کیا۔ مشبہہ نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات سے تشبیہ دی۔ مجسمہ نے کہا کہ غیر متحیز کا وجود ہی نہیں ہے۔ مرجیئہ نے ادعا کی کہ ایمان ہو تو کوئی معصیت نقصان نہیں پہنچاتی جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی طاعت فائدہ نہیں دیتی۔ اس نظریہ کو جان کالوین نے سولھویں صدی میں چرچ کے خلاف استعمال کیا جسکو انٹی نامینیزم کہا جاتا ہے۔

اہل سنت کی تفسیر کے دو مسلک ہیں تفسیر بالمرویات اور تفسیر بالکلام۔ اول الذکر میں اخبار نبی اور آثار صحابہؓ سے مدد لی گئی ہے۔ تواریث اور تعامل کے ذریعہ ان روایات کی حفاظت کی گئی۔ اسکی ایک مثال تفسیر ابن کثیر ہے۔ تفسیر بالکلام میں فلسفیوں اور دیگر مخالفین کی دلیلوں سے بحث کی گئی ہے۔ تفسیر کبیر اس مسلک کی اہم تفسیر ہے۔ ایک تیسرا مسلک صوفیہ کا بھی ہے انہوں نے قرآن کے اسرار بیان کرنے کی کوشش کی۔ امام غزالیؒ نے شریعت او فلسفہ کا بہترین امتزاج کیا۔ حکمت اور فلسفہ کی بہترین مثال شیخ الرئیس حکیم بو علی سینا میں گیارھویں صدی میلادی کے آغاز میں ملتی ہے۔ فلسفہ اور شریعت کا امتزاج ابو حامد امام غزالیؒ میں بارھویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ فلسفہ، شریعت اور تصوف تینوں کا اشتراک شیخ محی الدین ابن عربی حاتمی اندلسی نے تیرھویں صدی میں کیا۔ امام غزالیؒ کی وفات کے ٹھیک پندرہ سال کے بعد ابن رشد قرطبہ (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ یہ ایک عقلانی فلسفی تھے اُنھوں نے غزالیؒ کے خلاف کافی خامہ فرسائی کی اور بطریق طنز کہدیا کہ غزالی کی عقل حکماء کے ساتھ تھی اور قلب شریعت کے ساتھ تھا۔ ابن رشد کا یہ فقرہ طنز آمیز ہی مگر آنیوالی نسلوں کے قلوب میں غزالی کی نسبت ایک خاص وقعت اور عظمت قائم کرتا ہے۔ انہوں نے عقل کو استعمال کیا، دین کو قائم رکھا اور بالآخر طریقۂ صوفیہ میں تسکین و تسلی پائی۔

تواریث اور تعامل کے ذریعہ تفہیم مسایل دین کا سلسلہ ابتک قائم اور جاری ہے۔ شیخ ابراہیم بیجوری جنکی تصنیفات ہمارے پیش نظر ہیں ابھی ایک صدی قبل گذرے ہیں۔ علما و انبیا کے وارث ہیں اور یہ ارشاد نبوی، کہ تعلیم بتواریث کے ذریعہ ہوئی اور ہوتی رہیگی۔ بہر حال زمانۂ حال میں یا ماضی قریب میں جدید تعقلات اصلاح کے نام سے پیش کئے گئے ہیں یہ سب فرسودہ ہیں۔ ان سب کے جوابات

دنیا کے

# اہم مذاہب

اور اقوامِ عالم کے چند

## مفکّرین اور دانشمندوں

کا تذکرہ

بہ تعلقِ وجودِ باری تعالیٰ و خلقتِ کائنات و اُخرویات

صفحہ

اس تالیف میں سہولت کا باعث ہوا۔ مولوی محمد عباس صاحب خوشنویس کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ المبسوط کے بعد اس عقاید کی کتاب کو بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ ہمارے قائدِ ہند پنڈت جواہر لال نہرو کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے ڈسکوری آف انڈیا کے بعض اقتباسات سے استفادہ کی اجازت دی۔

**معذرت**۔ ناظرین معاف کریں کہ منطق اور فلسفہ کے بعض اصطلاحات مجبوراً استعمال کئے ہیں جو عام فہم نہیں ہیں۔ توحید جیسے مسایل کی اثبات کیلئے دلایلِ عقلی سے استدلال کیا جاتا ہے اور دلایلِ عقلی کی بحث کی تکمیل ان اصطلاحات کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر انکو حذف کرتا تو دلایلِ عقلی بھی ترک ہو جاتے اور مباحث ناقص رہتے۔ یہ اور بات ہے کہ ناظرین خود اسکا تصفیہ آپ کریں کہ کن امور کو نظر انداز کریں یا نہ کریں۔ خُذْ مَا صَفَا دَعْ مَا كَدَرَ۔

**تنبیہ**۔ اس کتاب میں جتنی آیاتِ قرآنی کا ذکر کیا گیا ہے انکا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے۔ ۱۵/۱۶ ۶ سے مقصود پندرھویں پارہ سولھویں سورہ میں چھٹی آیت۔ آیتوں کے شمار کرنے میں بسم اللہ بھی ایک آیت ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
عَلٰى آلَائِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ

## ترتیبِ واقعات کے اظہار کیلئے بعض اہم تاریخیں اس جدول میں درج کی گئی ہیں۔

| اہم واقعہ | سن عیسوی | کیفیت | اہم واقعہ | سن عیسوی | کیفیت |
|---|---|---|---|---|---|
| ہندوزم وید | ۴۰۰۰-۱۵۰۰ ق م تک | مختلف اقوال | قادسیہ ایرانیوں کو شکست | ۶۳۷ | |
| موسیٰ علیہ السلام | ۱۴۰۰ " | | عثمان غنیؓ | ۶۴۴-۶۵۶ عیسوی | خلافت ۱۱ سال ۱۱ ماہ ۹ یوم |
| داؤد علیہ السلام | ۱۱۰۰ " | | علی کرم اللہ وجہہ | ۶۵۶-۶۶۱ " | " ۴ سال ۹ ماہ ۷ یوم |
| سلیمان علیہ السلام | ایک ہزار ق م کے بعد | | اسپین پر مسلمانوں کا قبضہ | ۷۱۰ " | |
| لاؤتزو | ۶۰۴ | | عمر بن عبدالعزیز متوفی | ۷۲۰ " | |
| گوتم بدھا | ۵۶۳ - ۴۸۸ ق م | | فرانس کے وسط تک مسلمان پہنچ گئے | ۷۳۲ " | |
| کنفیوشیس | ۵۵۱ - ۴۷۸ " | | جعفر صادقؒ | ۷۶۵ " | |
| سقراط | ۴۶۹ - ۳۹۹ " | | ابوحنیفہ نعمان بن ثابت | ۶۹۹ - ۷۶۷ " | عمر ۷۰ سال |
| افلاطون | ۴۲۷ - ۳۴۷ " | | مالک بن انسؒ | ۷۰۹ - ۷۹۵ " | عمر ۹۰ سال |
| ارسطو | ۳۸۴ - ۳۲۲ " | | ہارون الرشید دورِ حکومت | ۷۸۶ - ۸۰۸ " | |
| اِپی کیورس | ۳۴۲ - ۲۷۰ " | | محمد بن ادریس شافعیؒ | ۷۶۷ - ۸۱۹ " | عمر ۵۴ سال |
| عیسیٰ علیہ السلام | سن عیسوی کا آغاز عیسیٰؑ کی وفات سے | | مامون الرشید | ۸۱۳-۸۳۳ " | |
| ولادت محمد مصطفیٰؐ | ۵۷۰ عیسوی | | معتصم باللہ | ۸۳۳-۸۴۲ " | |
| بعثت | ۶۱۰ " | | احمد بن حنبلؒ | ۷۸۰-۸۵۵ " | عمر ۷۷ سال |
| ہجرت | ۶۲۲ " | | محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ | ۸۰۹-۸۶۷ " | |
| فتح مکہ | ۶۲۹/۶۳۰ " | | جنید ابوالقاسمؒ | ۸۰۳-۸۷۳ " | |
| ابوبکر صدیقؓ کا دورِ خلافت | ۶۳۲-۶۳۴ " | خلافت ۲ سال ۳ ماہ ۱۰ یوم | کندی | ۸۰۳-۸۷۳ " | |
| جنگ یرموق | ۶۳۴ " | شام، دمشق، بالمیرا، انطاکیہ تک | مسلمؒ | ۸۱۹-۸۷۴ " | |
| | | جروسلم پر مسلمانوں کا قبضہ | ابن ماجہؒ | ۸۸۶ " | |
| عمر فاروقؓ | ۶۳۴-۶۴۴ " | خلافت ۱۰ سال ۶ ماہ ۸ یوم | ترمذیؒ | ۸۰۸ " | |

# ہندوزم

۴۰۰۰ سے ۱۵۰۰ قبل مسیح تک مختلف اقوال

اقتباس از:- ۱ - امریکن لائف میگزین ، رفروری ۱۹۵۵ -

۲ - ڈسکوری آف انڈیا مصنفہ پنڈت جواہر لال نہرو۔

۳ - اسٹانڈرڈ انسائکلوپیڈیا -

مختلف ذرائع سے جو مواد دستیاب ہوا، بغیر کسی تنقید کے پیش کر دیا گیا' اسلامی نقطۂ نظر کو دخل نہیں دیا گیا۔

ہندوزم - وید - فرقہ بندی - فلسفۂ ہند - مہابھارت - بھگوت گیتا -

رامائن - بشکتی - نظم آغاز کائنات - اوم - کرما - جینزم -

آج سے ہزاروں برس پیشتر ہندو سادھو دریاؤں کے کنارے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دل و دماغ کو روشن کرنیوالی نظمیں گاتے حکمت و دانشمندی سے بھری ہوئی تقریریں کرتے پائے گئے۔ انکے پیشواؤں کا خیال ہے کہ ہندوزم کے اصول آج سے کم سے کم چار ہزار برس پہلے نمایاں ہوئے -

ہندوزم ادعا نہیں کرتا کہ ان کا مذہب آسمانی یا الہامی ہے یا اس میں کوئی مرکزیت ہے۔ اخلاق کی اصلاح کیلئے کسی معین قانون کی ضرورت نہیں ہے۔ شہروں میں' گلی کوچوں میں' انکے سادھو چار زانو بیٹھے ہوئے اپنے چیلوں کو اپنے خیالات اور تعلیمات کی تلقین کرتے رہے۔ ان کے تصورات کا تضاد اس سے ظاہر ہے کہ وہ خدا کو ایک بھی کہتے ہیں اور تیس کروڑ دیوتاؤں کے بھی قائل ہیں۔

**تعلیل و تناسخ** - سادھوؤں کا قول ہے کہ پتھر اور پہاڑ سب فنا ہونیوالے ہیں۔ زندگی کی تکرار یعنی تناسخ کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ کیڑے سے پاترنی' پاترنی سے انڈا اور انڈے سے کیڑا پیدا ہوتا ہے۔ ہر ایک کی زندگی کی تکرار ہوتی جارہی ہے نبات سے حیوان' حیوان سے انسان اور اس کے برعکس' اور پھر ایک انسانی قالب سے دوسرے انسانی قالب میں' اعلیٰ سے اسفل اور اسفل سے اعلیٰ درجہ میں انتقال ہوتا جاتا ہے لیکن اس پردہ کے پیچھے ایک خالص غیر متغیر روح کارگر ہے۔

یہ خارجی دنیا عارضی اور فنا ہونیوالی ہے۔ ہوا و ہوس کا انجام قنوطی ہے اور یہ قنوطیت نوع انسان کو آفتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ ان خواہشات کو قابو میں رکھنے سے صحیح معنی میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ ہندوزم کا انتہائی مقصد یہ ہے کہ اُس روح کے ساتھ اتحاد پیدا کیا جائے جو فنا نہ ہونیوالی ہے جسکو **برہمن** کہا گیا ہے۔ یہ اتحاد صرف مذہبی رسوم کے ذریعہ

| اہم واقعہ | سنِ عیسوی | کیفیت |
|---|---|---|
| ابوداؤد | ۸۱۷-۸۸۸ عیسوی | |
| رازی | ۹۲۵ " | |
| ابوالحسن اشعری | ۹۳۵ " | |
| فارابی | ۸۶۸-۹۵۰ " | |
| اخوان الصفا | ۹۶۰ " | |
| ابن مسکویہ | ۱۰۲۹ " | |
| ابن سینا | ۹۸۰-۱۰۳۷ " | عمر ۵۷ سال |
| جنگ صلیبی کا آغاز | گیارھویں صدی | |
| ابن ہیثم | ۹۶۴-۱۰۳۸ " | |
| غزالیؒ | ۱۰۵۸-۱۱۱۱ " | عمر ۵۳ سال |
| ابن باجہ | ۱۱۳۸ " | جوانی میں انتقال |
| پاپائے روم کا غلبہ | بارھویں اور تیرھویں صدی میں | |
| ابن طفیل | ۱۱۸۵ عیسوی | |
| سلطان صلاح الدین | ۱۱۹۳ " | |
| ابن رشد | ۱۱۲۶-۱۱۹۸ " | عمر ۷۲ سال |
| ابن عربیؒ | ۱۱۶۳-۱۲۴۱ " | |
| پاپائے روم کی قوت کا زوال | چودھویں صدی میں | |
| ابن خلدون | ۱۳۳۰-۱۴۰۲ " | عمر ۷۶ سال |
| غرناطہ (اسپین) کی آخری مسلم ریاست کا زوال | ۱۴۹۲ " | |

| اہم واقعہ | سنِ عیسوی | کیفیت |
|---|---|---|
| ابوعبداللہ محمد بن یوسف السنوسی الصوفی | متوفی ۱۴۸۶ عیسوی | مصنفِ متنِ توحید بہ نثر |
| لوتھر | ۱۵۴۶ " | |
| بیکن | ۱۵۶۱-۱۶۲۶ " | |
| ڈیکارٹ | ۱۵۹۶-۱۶۵۰ " | |
| اسپینوزا | ۱۶۳۲-۱۶۷۷ " | |
| لاک | ۱۶۳۲-۱۷۰۴ " | |
| ہیوم | ۱۷۱۱-۱۷۷۶ " | |
| والٹیر | ۱۶۹۴-۱۷۷۸ " | |
| کانٹ | ۱۷۲۴-۱۸۰۴ " | |
| ہیگل | ۱۷۷۰-۱۸۳۰ " | |
| شوپن ہاور | ۱۷۸۸-۱۸۶۰ " | |
| اِمرسن | ۱۸۰۳-۱۸۸۲ " | |
| اِسپنسر | ۱۸۲۰-۱۹۰۳ " | |
| نِٹشے | ۱۸۴۴-۱۹۰۳ " | |
| جیمس | ۱۸۴۲-۱۹۱۰ " | |
| برگسن | ۱۸۵۹-۱۹۴۱ " | |
| سانتایانا | ۱۸۶۳-۱۹۵۲ " | |
| ڈیوی | ۱۸۵۹-۱۹۵۲ " | |
| رسل | ۱۸۷۲ | |

# دھرم

(ڈسکوری آف انڈیا)

**آریا دھرم** کے معنی میں صرف مذہب داخل نہیں بلکہ اس پر کچھ اضافہ بھی ہے۔ اس میں اخلاق، سچائی اور انسان کے سارے فرائض اور ذمہ داریاں شامل ہیں۔ وہ سارے مذاہب داخل ہیں جنکا تعلق ہندوستان سے ہے خواہ وید پر مبنی ہوں یا نہ ہوں۔

**ویدک دھرم** میں سارا فلسفہ، اخلاق، عبادات اور مراسم داخل ہیں جنکی بنیاد وید پر ہے۔

**سناتن دھرم** کا لفظ ہندوستان کے قدیم مذاہب پر اطلاق کرتا ہے جس میں بدھزم اور جینزم بھی داخل ہیں۔ بدھزم اور جینزم وید پر مبنی نہیں ہیں اسلئے انکو ہندوزم میں شمار کرنا دشوار ہے۔ لیکن یہ مذاہب ہندوستان میں ہندوستانی دماغ سے پیدا ہوئے ہیں اور ان میں ہندوستانی زندگی۔ ہندوستانی تہذیب اور ہندوستانی فلسفہ شریک ہے۔

**ہندوزم** کو مذہب قرار دینا دشوار ہے۔ ہندوزم سے مراد مذہب ہے یا ہندوستان کا تمدن ہے؟ اس میں سارے عقاید موافق اور متضاد شامل ہیں۔ گاندھی جی نے کہا ہے کہ بغیر تشدد کے، سچائی کی تلاش کو ہندوستان کا مذہب کہا جا سکتا ہے۔ خدا سے انکار کرتے تو سنا ہے مگر سچائی سے انکار کرتے نہیں سنا۔ عدم تشدد کی شرط سے دوسروں کو اتفاق نہیں ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ صرف سچائی ہندوزم میں اہمیت رکھتی ہے۔ ہندوزم کو ہندوستانی تمدن کہنا بھی دشوار ہے! اس لئے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں نے بھی ہندوستان کے رسم و رواج اور تمدن کو اختیار کیا مگر مذہب کے لحاظ سے وہ عیسائی اور مسلمان ہی رہے۔

# وید

(انسائکلوپیڈیا)

**وید** مشتق ہے وِدْ سے اور وِد کے معنی علم کے ہیں۔ اصطلاحِ عام میں سنسکرت زبان میں ہندوؤں کے قدیم مکتوبات کو وید کہتے ہیں۔ اس میں اشعار، دعائیں، رسوم، قربانی، سحر و طلسم اور قدرت کے مناظر کی نظمیں سب شامل ہیں۔ پنڈت جی نے لکھا ہے کہ اس میں بت پرستی اور دیوتاؤں کے منادر کا ذکر نہیں ہے۔ ہندوستانی کلچر کا سب سے قدیم ریکارڈ وید میں پایا جاتا ہے جس کا تعلق دو ڈھائی ہزار قبل مسیح سے ہے۔ اکثر محققین نے رگ وید کی نظموں کو پندرہ سو برس قبل مسیح سے منسوب کیا ہے۔ وید دراصل آریائیوں کے ملفوظات ہیں جو انھوں نے ہندوستان میں داخل ہوتے ہوئے کہے تھے۔ **وید** کی چار کتابیں ہیں۔ رگ وید، سام وید، یجر وید، اور اتھر وید۔ ہر ایک وید کے ساتھ نثر میں ملفوظات ہیں جن میں سا مذہبی رسوم کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ اس کے دو ضمیمے ہیں جنکو آرنیا کاس اور اپنشد کہتے ہیں۔ ان میں برہما

نہیں بلکہ اخلاق کی اصلاح سے حاصل ہوتا ہے۔ اخلاق یہ ہیں۔ بے لوثی، نفس کشی، یک جہتی، سچائی، عدم تشدد، خیرات اور شفقت کا برتاؤ تمامی مخلوقات کے ساتھ۔

وجودِ اول کو برہمن کہا گیا ہے مگر اسکو معیّن نہ کرسکے۔ اُلوہیت کا اقرار کرتے ہیں مگر الوہیت کا تعلق اس دنیا سے کیا ہے توضیح نہ کرسکے۔ اسی لئے ہندوستان کی مذہبیت میں یکسانیت پیدا نہ ہوسکی جس طرح ہندوستان کا برّاعظم وسیع ہے اُسی طرح یہاں کے مذاہب کی بھی کثرت ہے۔ تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے انفرادی وجود کا اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سب ایک برہمن کی صفات ہیں۔

ہندوزم میں غیروں کے تصورات کو جذب کرنے کی خاص صلاحیت پائی جاتی ہے۔ چھٹی قبل مسیح میں جب بدھزم کا ظہور ہوا تو برہمنوں نے اُنکی بھی بعض تعلیمات کو اپنایا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدھزم عملی طور پر ناپید ہوگیا۔

وحدت کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کیلئے بہت سے قصّے اور کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ مورتیوں کی تعداد اسقدر زیادہ ہے کہ گویا ایک عجائب گھر ہے۔ قدرت کے اہم اور موثر چیزوں کو اوتار قرار دیا گیا جیسا کہ سورج، ہوا، آگ، پانی وغیرہ۔ دیوتاؤں کی مورتیں، انسانی شکل میں بلکہ جانوروں کی شکل میں بھی اُتاری گئیں۔ ان کے ساتھ بھوت، سورما، ناچنے اور گانے والیاں بھی ہوتی ہیں۔ دیوتاؤں کے خیالی تصورات ان مجسموں میں ظاہر کئے گئے۔ اندرا کی ہزار آنکھیں، برہما کے چار، گنیش کے سولہ ہاتھ بنائے گئے۔ ہندوزم گویا مختلف قصّوں سے مرکب ہے مگر در اصل دیکھا جائے تو ہر مورتی کی ہیئتِ ترکیبی کے پیچھے اسکی صفات کے تصوّر کو ظاہر کیا گیا ہے۔ گنیش کے متعدد ہاتھ اس کی غیر معمولی قوّت کا اظہار کرتے ہیں۔ برہما کے چار سر اسکی دماغی اور روحانی قوت پر دلالت کرتے ہیں اور یہ سب ملکر ایک برہمن ہیں۔ نجات اس میں ہے کہ ما و شما کے امتیاز کو دور کرکے ساری کائنات کو ایک ہی وحدت کا جز باور کیا جائے۔

**برہمن** میں زندگی کی قوت پوشیدہ ہے۔ یہ قوت جب خارج میں ظاہر ہوئی تو کائنات کی شکل اختیار کی اور اسکو **مایا** کہا گیا۔ مایا کو حرارت سے اور برہمن کو آگ سے تشبیہہ دیکر کہتے ہیں کہ آگ سے حرارت وجود میں آئی اور حرارت کا وجود آگ کے ساتھ قائم ہے مگر حرارت خود آگ نہیں ہے۔ برہمن حقیقت ہے اور مایا حقیقت کا اظہار ہے۔ مایا خود حقیقت نہیں ہے۔ ہندو میتھالوجی میں، برہمن جب برہما کے قالب میں آیا تو دنیا پیدا ہوئی اور جب وشنو کا قالب پایا تو دنیا قائم اور جاری رہی اور شیوا کی صورت اختیار کی تو دنیا کو فنا کردیا۔ انکا فلسفہ یہ ہے کہ ہیولیٰ کو بقا ہے البتہ صورت میں تغیر ہوتا ہے۔ انکا اہم قول یہ ہے کہ کوئی چیز عدم محض سے وجود میں نہیں آسکتی۔

ہندوزم میں **ارتقا** کے یہ معنی ہیں کہ جسمیت سے خارج ہوکر روحانیت کی طرف ترقی کریں۔ دنیا اور علائقِ دنیا کو ترک کریں بلکہ بھلائی اور برائی کے امتیاز سے بالاتر ہو جائیں تو انسان برہمن کے رتبہ کو پہنچتا ہے۔ اگرچہ کہ بقیدِ حیات ہوتا ہے لیکن بلحاظِ روح وہ برہمن کو پہنچ گیا۔

جانور کے قالب میں پیدا ہو سکتا ہے

**برہمن** ۔ فرقہ وارانہ امتیاز صدیوں میں چلکر برہمنوں میں تفوق کے جذبہ کو اسقدر قوی کردیا کہ خود کو دیوتاؤں سے صرف ایکدرجہ کم باور کرنے لگے۔ اچھوت کی قربت انھیں گندہ کرنے کیلئے کافی تھی' اس کے سایہ سے بھاگنے لگے۔ برہمن' برہمن کے ساتھ کھائیگا' برہمن کے ساتھ شادی کریگا۔ یہ رواج برہمنوں تک محدود نہیں' دیگر طبقوں میں بھی رائج ہے۔ برہمن ہو یا غیر برہمن اپنی بیوی کے ساتھ کھانا نہ کھائیگا۔ دنیا کی زندگی کو عارضی اور اس طرح اس برتاؤ کو بھی عارضی تصور کیا گیا۔

**چھوت چھات** ۔ غیر برہمن مختلف فرقے ایک باؤلی سے پانی لے سکتے ہیں اور ایک محلہ میں مل جلکر رہ سکتے ہیں مگر برہمن کیساتھ انکا لگاؤ نہیں ہو سکتا۔ بعض اقوام ایسے بھی ہیں جو آبادی کے کنارے بالکل علحدہ سکونت رکھتے ہیں۔ برہمنا کے نہانے دھونے کے مقام پر اچھوت کو گزرنے کی اجازت نہیں۔ اچھوت پوجا پاٹ سے آزاد ہے اور اگر کہیں ہے بھی تو بالکل سیدھا سادھا' کوئی علامت کھڑی کردی اور اسکی تعظیم میں ہاتھ جوڑ دئے اور بس۔ ان کیلئے کوئی مندر یا مقام ہی نہیں ہے۔

**فلسفہ**[1] ۔ برہمنی فلسفہ کے چھ شعبے ہیں۔ نیاۓ' ویشیشک' سانکھیہ' یوگ' مماس اور ویدانت۔ نیاۓ کی بنیاد معقولات پر ہے۔ اس میں عقل کی تعلیم دیجاتی ہے۔ ویشیشک ہر شخص کی انفرادیت پر زور دیتا ہے۔ دھرم کے اصول سے دنیا کا نظم قائم ہے۔ سانکھیہ کے فلسفہ میں انسانی دماغ کو پوری آزادی حاصل ہے اور اپنے قواء ذہنی پر اعتماد کرتا ہے۔ یوگ ہندو مذہب میں شادی' توالد و تناسل اور دولت کمانے کی اجازت ہے۔ لیکن درحقیقت وہ شخص مذہبی سمجھا جاتا ہے جس نے دنیا اور اسکی لذت سے کنارہ کشی کی اور اپنے کو خالص برہمن کے ساتھ وابستہ کیا۔ اس صفت کے حاصل کرنیکے لئے جو تربیت دیجاتی ہے اسکو یوگ کہتے ہیں۔ یوگی بھوک پیاس کو روک سکتا ہے' جسم کے اندرونی احشاء پر بھی قابو رکھتا ہے اپنے جسمانی احساسات کو بھی منقطع کرسکتا ہے۔ قلب کی حرکت کو ایک منٹ کیلئے اور سانس کو گھنٹوں روک سکتا ہے مماسا مادی عمل ہے اور اسکا رجحان کثرتِ الوہیات کی طرف ہے۔ ویدانت' دنیا کی وحدت کے فلسفہ کی تائید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نفس ایک ہی ہے جسکو **آتمان** کہتے ہیں۔ کثرت کو دور کرنے سے وحدت حاصل ہوتی ہے۔

[1] ڈسکوری

مذہب[2] کے تصور کیلئے قصوں اور علامتوں پر زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے۔ عوام لفظ بہ لفظ مذہب کی اتباع کو اہمیت دیتے ہیں۔ مورتیوں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتے ہیں جیسا کہ انسان یا حیوان کے ساتھ۔ انکو نہلاتے دھلاتے' لباس اور زیور پہناتے ہیں۔ لذیذ غذائیں انکے سامنے پیش کرتے ہیں حتیٰ کہ رات میں سُلاتے بھی ہیں۔ پڑھے لکھے گو ایسا عمل نہیں کرتے مگر اسکی مذمت بھی نہیں کرتے اور تاویل کرتے ہیں کہ اعلیٰ تصور کیلئے یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔

[2] لائف

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زندگی میں برہمن کو اتنی اہمیت نہیں دیجاتی جتنی وشنو اور شیوا کو۔ وشنو محبت کا دیوتا ہے اور اسکے پیرو بھگتی کے ذریعہ نجات پاتے ہیں۔ وشنو کے بہت سے اوتار ہیں جن میں اسکی عبادت کیجاتی ہے۔ نو اوتار

اور دنیا کی حقیقت پر گفتگو کی گئی ہے۔ چار ویدوں میں رگ وید خاص اہمیت رکھتا ہے اور سب سے پُرانا بھی ہے! اس میں ۱۰۲۸ نظمیں سنسکرت میں ہیں جس کے دس باب ہیں۔ اس کی تدوین تخمیناً ایکہزار قبل مسیح میں ہوئی۔ **ویدانت** ہندو فلسفہ کو کہتے ہیں جس کی بنیاد وید پر ہے۔ **اُپنشد** ویدوں کے فلسفہ کی شرح ہے۔ اس میں برہما اور دنیا کی حقیقت پر گفتگو کی گئی ہے۔ اُپنشد میں برہما کی مختلف پہلوؤں سے تعبیر کی گئی۔ ایک۱ خود مختار غیر جسمانی وجود۔ ایک۲ انسانی وجود جو جملہ اشیاء پر حاوی ہو۔ ایک۳ ایسا خدا جس نے خلقت کو پیدا کیا۔

# فرقہ بندی

## (لائف)

ذہانت اور عقل کے لحاظ سے جس طرح نفوسِ انسانی کے مختلف مدارج ہیں اسی طرح معاشرت میں بھی انکے مراتب میں فرق ہے۔ انکی تقسیم مختلف فرقوں میں ہوئی ہے اور پھر ہر فرقہ میں متعدد شاخیں پھوٹتی گئیں۔ کاسٹ یا فرقہ کے لئے سنسکرت میں "وارنا" کا لفظ ہے جس کے معنی رنگ کے ہیں۔ آریہ شمال سے دریائے سندھ کی وادیوں کے راستہ سے نیچے اُترے تو انکا رنگ گورا تھا اور جس قطعۂ ملک میں داخل ہوئے وہاں کے باشندوں کو سانولے رنگ میں پایا تو ان دونوں کے درمیان رنگ کا امتیاز پیدا ہوا جو ظاہری تقسیم کا باعث ہوا۔ تقسیم کار کے تعلق سے بھی تفریق پیدا ہوئی اور ابتداءً چار فرقے قرار پائے۔ برہمن، کھتری، ویش، شودر۔

برہمن مذہبی پیشوا جو ملک کی سیاسی پالیسی بناتے اور اس پر کاربند رہنے کی نگرانی کرتے ہیں۔ کھتری اہل حکومت اور سپاہی۔ ویش زراعت کرنیوالے لوہار، نجار اور تاجر وغیرہ۔ شودر غیر فنی عام مزدوری پیشہ اشخاص۔ ہر ایک فرقہ کا فرد اس فرقہ میں شادی بیاہ کرتا ہے اور معاشرتی نقطۂ نظر سے دوسرے فرقہ سے بالکل علیحدہ رہتا ہے۔ ان بڑے چار فرقوں کے درمیان پھر ذیل در ذیل بہت سے فرقے پیدا ہوتے گئے جنکی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ ہندوستان کی کسی آبادی کی تجزی کیجائے تو چند برہمن نکلیں گے اور غیر برہمن کثیر تعداد میں ہونگے۔

**تناسخ**۔ یہ تقسیم مذہبی نقطۂ نظر سے معاشرتی اور اقتصادی تقسیم تصور نہیں کیجاتی بلکہ باور کیا جاتا ہیکہ "کرما" اور تناسخ کے سبب سے یہ فرق پیدا ہوا۔ یہ فرق خود افراد کے عمل کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ہر شخص کا عمل اس شخص کی صفات میں بلندی اور پستی پیدا کرتا ہے۔ یہ عمل ایک ہی جنس پر موقوف نہیں ہے بلکہ ایک نوع کے قالب سے دوسری نوع کے قالب میں منتقل کرتا ہے۔ ایک زندگی میں انسان تھا تو اپنے اعمال کی وجہ سے دوسری زندگی میں حیوان سے بدل گیا۔ اعلیٰ طبقہ کے فرد کے حقوق بھی اعلیٰ ہیں اور ان پر بعض ذمہ داریوں کا اضافہ کرتے ہیں۔ برہمن کے مذہبی فرائض غیر برہمن کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں اور ان ذمہ داریوں کی خلاف ورزی جرم کو سنگین کردیتی ہے۔ حریص برہمن آیندہ نسل میں ادنیٰ

صفت اختیار کرکے انھیں تباہ بھی کرتی ہے۔ رحمدل بھی ہے اور ظالم بھی۔ بنگال میں اس دیوی کی پوجا موسم خزاں میں بڑے دھوم دھام سے کیجاتی ہے۔ کالی امراض وبائی کی دیوی ہے شکتی کی مورت کے منھ سے خون ٹپکتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک قینچی ہے جس سے زندگی کے رشتہ کو کاٹتی ہے۔ کالی کے ہاتھ میں خون آلود تلوار دکھیئی ہے۔ تصوّر یہ ہے کہ مصائب اور آلام بھی دیوتاؤں کی طرف سے اسی طرح صادر ہوتے ہیں جیساکہ راحت وآرام۔ قدیم زمانہ میں ایک فرقہ جو ٹھگ کے نام سے مشہور تھا، کالی کو خوش کرنے کے لئے انسان کو پھانسی دیکر ہلاک کرتا تھا۔ زمانۂ سابق میں قانون کے ذریعہ اس رسم کو مسدود کردیا گیا لیکن جانوروں کی قربانی اب بھی جاری ہے۔

**زُنّار** ایک سوت کی ڈوری ہے جو کندھے پر سے پہنی جاتی ہے۔ یہ علامت ہے مذہب میں داخل ہونے اور مذہبی فرائض کے قبول کرنے کی۔ اس رسم کو ایک مذہبی پیشوا انجام دیتا ہے جسکی پیشانی پر وشنو کے پیرو ہونیکی علامت کی تین لکیریں \/ ہوتی ہیں۔

**موکش** کہتے ہیں تناسخ کے مدارج کے طے کرنے کو جو ہر ہندو کا عین مقصد ہے۔ اس راہ میں سب سے بڑا واقعہ خود اسکی موت ہے۔ ہندو کی میّت کو عام طور پر جلاتے ہیں اور اسکی راکھ دریا میں بہاتے ہیں۔ البتہ سنیاسی کی میّت کو جس نے زندگی میں برہمن کے ساتھ اتحاد پیدا کرلیا تھا، جلایا نہیں جاتا بلکہ پتھروں کا وزن دیکر دریا میں غرق کیا جاتا ہے۔

**مذہب، فلسفہ** اور **سائنس** کے عنوان کے تحت پنڈت جی نے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

**مذہب** نے بنی نوع انسان کی ترقی میں بڑی مدد دی۔ ایسے اصول ظاہر کئے جو انسان کی زندگی کی اصلاح کیلئے ضروری تھے مگر صداقت کو خاص طریقوں میں مقید کردیا۔ غیرضروری رسوم کی ترغیب دی اور یہ باور کرایا کہ انسان غیب اور طلسم سے گھرا ہوا ہے جس نے ہمتوں کو پست کردیا۔ غور وفکر کے عوض صبر وقناعت کی تعلیم دی۔

**فلسفہ** نے ان موانعات کو برخاست کرکے غور وفکر کی ترغیب دی مگر روزمرّہ کی زندگی سے کوئی تعلق اور ربط نہیں رکھا۔

**سائنس** نے اصل مقصد کو نظرانداز کرکے فقط مادّہ کو اہمیّت دی۔ قدرتی ذخائر کو قابو کیا، معاشرتِ انسانی کو ترقی دی اور تہذیب وتمدّن کو چمکایا لیکن اس میں ایک اہم چیز مفقود ہے۔ آخری منزل کا علم تو درکنار مقصدِ حیات کو بھی حل نہ کرسکا۔

وید اور دوسرے سنسکرت کے ملفوظات کے اقتباس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے تاکہ مذہبی تصوّرات کا ایک سرسری خاکہ ظاہر ہوسکے۔ رگ وید میں آغاز کائنات کی ایک نظم جس کو میاکس ملر نے "نامعلوم خدا" کا عنوان دیا ہے یہ ہے۔

# آغاز کائنات

(ڈسکوری)

ا۔ وہاں نہ عدم تھا اور نہ وجود تھا۔ خلاء نہیں تھا اور نہ اس کے ورے آسمان تھا۔

کیا چیز ڈھانپی تھی اور کہاں، سایہ کہاں تھا، پانی اور پانی کا عمق کہاں تھا۔

مخصوص ہیں اور ان میں بھی دو اُوتار اہم ہیں جنکو **رام** اور **کرشنا** کہتے ہیں۔ رام کی زندگی کا حال **رامائن** میں بیان کیا گیا ہے۔ رام شمالی ہند کی ایک راج دھانی کا شہزادہ تھا جسکو اس کے باپ نے بلا وجہ جلا وطن کردیا۔ **سیتا** نے اپنے خاوند کا ساتھ نہ چھوڑا۔ سیتا کے جذبات ذیل کے ترجمہ سے ظاہر ہیں۔

سواری، گھوڑا اور آراستہ محل عورت کی زندگی کیلئے بیکار ہیں۔

محبت کرنیوالی وفادار بیوی کو اسکے خاوند کا سایہ زیادہ محبوب ہے۔

اثنائے سفر میں سیتا کو **راون** اُڑا کر لنکا کو لے گیا۔ رام نے بندروں کے دیوتا **ہنومان** کی مدد سے ایک فوج تیار کی اور راون سے لڑائی کرکے سیتا کو چھڑا لایا۔ رام کے نام کو نہایت مقدس مانا جاتا ہے۔

**کرشنا** بھی نہایت ہر دلعزیز اُوتار سمجھا جاتا ہے۔ اسکی نسبت بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ کرشنا نے جوانی میں گوپیوں کے ساتھ محبت کی اور خاصکر رادھا کو اپنی محبت کا نشانہ بنایا۔ گوپی دودھ بیچنے والی گوجن کو کہتے ہیں۔ اس کہانی سے یہ سبق لیتے ہیں کہ جس طرح گوپیوں نے اپنے آپ کو کرشنا کی محبت اور اطاعت میں وقف کردیا تھا اسی طرح ہر شخص خود کو رادھا کی طرح خدا کے سپرد کردے۔

**مہابھارت**[1] میں اُن لڑائیوں کا ذکر ہے جس کے ذریعہ آریاؤں نے ہندوستان پر حکومت قائم کی۔ اس کا تعلق ڈیڑھ ہزار برس قبل مسیح سے ہے۔ اسی میں **بھگوت گیتا** ہے **رامائن** کی کہانی کا تعلق اُس دور سے ہے جبکہ آریاؤں کا نفوذ اور اثر جنوب کی طرف بڑھنا گیا۔ بھگوت گیتا کے سات سو اشعار ہیں۔ اسکا آغاز ارجن اور کرشنا کے درمیان مکالمہ سے ہوتا ہے۔ یہ مکالمہ عین میدان جنگ میں شروع ہوتا ہے۔ ارجن میں رحمدلی اور عدم تشدد تھا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ خونریزی ہو۔ کرشنا اس امر پر زور دیتے ہیں کہ جہاں حالات کا اقتضا ہو جنگ کرنا عین مقصد ہے اور بالآخر کرشنا کی رائے غالب ہوئی اور لڑائی کی گئی۔

**شکتی**[2]۔ وشنو اور شیوا کے دو بڑے فرقوں کے علاوہ بہت سے ذیلی فرقے بھی ہیں جن میں سب سے زیادہ تعداد شکتی کی ہے اس فرقہ کے پیرو اپنے دیوتا کی پوجا ماں کے قالب میں کرتے ہیں شکتی کے بھی دو فرقے ہیں ایک دکشنا مرگس اور دوسرا وَاما مرگس۔ دکشنا مرگس داہنے راستے کے پیرو کو کہتے ہیں جنکا مسلک ترک دنیا ہے۔ یہ لوگ اپنے مسلک کا اظہار کرتے ہیں۔ وَاما مرگس بائیں راستے کے پیرو کو کہتے ہیں جو دنیا اور دنیاوی لذات سے استفادہ کرتے ہیں لیکن اپنے مذہب کا اخفاء کرتے ہیں شکتی کے فرقہ میں شنکر، رام کرشنا اور دیوے کنانڑا مقدس بزرگ گزرے ہیں۔ اس فرقہ میں جنسیت کا اظہار ہے۔ روح مذکر اور مادّہ مونث ہے اور کہتے ہیں کہ ان دونوں کے ملنے سے کائنات پیدا ہوئی۔ عوام کا تصور یہ ہے کہ شکتی شیوا کی بیوی بھی اور اسکے کئی نام ہیں۔ دُرگا، کالی، پاروتی، اُما، بھوانی، دیوی وغیرہ شکتی میں دو متضاد صفات بتائی جاتی ہیں شکتی میں ماں کی محبت ہے جو اپنے پیرؤں کو محبت کی دعوت دیتی ہے اور پھر اپنے خاوند شیوا کی صفت

[1] ڈسکوری

[2] لٹل الانب

اختلافات انسان ہی کے افعال کا نتیجہ ہیں۔ کرما کے لفظی معنی عمل کے ہیں۔ انسان کی ایک زندگی کے عمل کا نتیجہ اسکی بعد کی زندگی میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ایک لامتناہی گردش ہے۔ کرما کی تعلیمات کا ترجمہ ذیل میں ہے۔

انسان اپنی قسمت کو آپ بناتا ہے۔ رحمِ مادر میں بھی وہ اپنی گزری ہوئی زندگی کے اثر سے متاثر ہوتا ہے۔ پہاڑ کی بلندی یا سمندر کی گہرائی، ماں کی گود میں یا ماں کے سر پر، اپنے سابقہ اعمال کے اثرات سے محفوظ نہیں رہتا۔ انسان کے افعال اسکی زندگی کے آلام و لذات کو معیّن کرتے ہیں۔ انسان اس کا ثمرہ اُسی عمر میں، طفولیت میں جوانی میں یا پیری میں، پاتا ہے جس میں اس نے اپنی سابقہ زندگی میں اسکا ارتکاب کیا تھا۔ انسان اپنی زندگی میں اُسی چیز کو پاتا ہے جو اسکی قسمت میں معیّن ہو چکی تھی۔ کوئی دیوتا بھی اسکو نہیں بدل سکتا۔ اسی لئے میں اپنی قسمت پر تعجب نہیں کرتا اور نہ رنج کرتا ہوں، اسے سونا کا! جو چیز لکھی جا چکی ہے وہ محو نہیں ہو سکتی۔ ڈرا ہوا چوہا اپنے بل کی طرف بھاگتا ہے، پریشان سانپ کنوئیں کی طرف، گھبرایا ہوا ہاتھی جنگل کی طرف، لیکن انسان اپنے کرما سے کہاں بھاگیگا۔ انسان مقررہ وقت سے پہلے نہیں مر سکتا اگر چکیا اس پر لاٹھیاں برسیں۔ جب موت آتی ہے تو کُوسا کے پودے کی ایک مہین کونپل سے جو زخم پہنچا تھا وہ ہلاک کرنے کیلئے کافی ہوتا ہے۔ انسان وہی پاتا ہے جو اسکی قسمت میں مقرر ہے۔ وہیں جاتا ہے جہاں اسکی قسمت لیجاتی ہے۔ اسیقدر لذت یا الم پاتا ہے جس قدر کہ اسکی زندگی میں معیّن ہے۔ جب ایسا ہی ہے تو اس زندگی میں رنج کس بات کا ہے۔

ابر کا سایہ، گناہوں کی لذّت، غیر کی عورت کے ساتھ ارتباط، جوانی اور دولت، یہ پانچوں باتیں اس دنیا میں عارضی ہیں۔ زندگی عارضی ہے۔ جوانی اور دولت عارضی ہے۔ زندگی کے سراب میں، بیویاں، اولاد، رشتہ دار اور دوست، سب ڈھلتے ہوئے سایے کے مانند ہیں۔ صرف حُسنِ عمل باقی رہتا ہے۔ سو سال کی زندگی کی مدت بھی بہت تھوڑی ہے۔ اس کا آدھا حصّہ تو رات کے نذر ہوا۔ دوسرا آدھا حصّہ بیماری، رنج، مشقت اور بیکاری میں رائگاں گزرا۔ سو برس کا آدھا حصّہ، رات میں سوتے گزرا، بچپن اور لڑکپن میں دوسرے آدھے کا آدھا حصّہ گزرا۔ جو کچھ باقی رہا اس میں سے بھی کچھ زمانہ رنج، آفت اور مشقّت میں گزرا۔ بقیّہ زمانہ بھی حادثات میں صرف ہوا جیسا کہ سمندر کی موجیں۔ آہ زندگی کی انتہا کیا ہے؟ فخر، شہرت اور عزّت کیا چیز ہے؟ موت، دن رات، بڑھاپے کے لباس میں گھومتی پھرتی ہے اور نگل جاتی ہے ساری مخلوق کو جیسا کہ اژدہا بڑی ہوا کا سانس کھینچ لیتا ہے۔

(گاروداپُرانا)

## جینزم

(ڈسکوری)

**جین** کا مذہب چھٹی صدی قبل مسیح میں برہمنزم ہی سے پیدا ہوا لیکن اس نے برہمنزم کے بعض اہم اصول، کو

۲ ۔ نہ موت تھی اور نہ دوام تھا ۔ دن اور رات کو جُدا کرنے والی کوئی علامت نہ تھی ۔
ایک چیز جو سانس نہ لیتی تھی اپنی ہی فطرت سے اس نے سانس لیا ۔ اس سے متجاوز کوئی چیز نہ تھی ۔

۳ ۔ تاریکی تھی ۔ تاریکی میں ڈھپا ایک غیر ممیز ہیولیٰ تھا ۔
تب جو کچھ تھا اس کی نہ شکل تھی اور نہ صورت ۔ گرمی کی قوت سے وہ فرد پیدا ہوا ۔

۴ ۔ اس کے بعد، آغاز میں خواہش نمایاں ہوی ۔ خواہش میں ابتدائی بیج اور روح کا جرثومہ ہے ۔
دانشمندوں نے اپنے دلوں کی گہرائی میں ٹٹولا تو وجود کا تعلق عدم کے ساتھ پایا ۔

۵ ۔ ایک لکیر تقسیم کرنے والی بیچ میں تھی ۔ اس کے اوپر اور اس کے نیچے کیا تھا ؟
وہاں پیدا کرنیوالے تھے ۔ وہاں بڑی قوتیں تھیں ۔ آزادی عمل یہاں اور طاقت وہاں ۔

۶ ۔ کون جانتا ہے اور کون کہہ سکتا ہے، یہ کائنات کیسے پیدا ہوئی اور کہاں سے آئی ؟
دیوتاؤں کا وجود، دنیا کے پیدا ہونیکے بعد ظاہر ہوا ۔ تب کون جانتا ہے کہ پہلے مرتبہ وہ کہاں سے وجود میں آیا ۔

۷ ۔ وہ جو اس کائنات کی ابتدا ہے ۔ اس نے یہ سب کچھ بنایا یا نہیں بنایا ۔
جسکی آنکھ نگرانی کرتی ہے اس دنیا کی، اونچے آسمانوں سے، وہی جانتا ہے یا شاید وہ بھی نہ جانتا ہو ( رگ وید ۱۰-۱۲۹ )

# اُوم

(لائف)

ہندوزم میں اُوم کا مختصر لفظ نہایت متبرک اور متقدس مانا جاتا ہے ۔ یہ لفظ ہر ایک پابندِ مذہب شخص کی زبان پر ہوگا گہوارہ سے قبر کو پہنچنے تک ۔ متعدد طریقوں سے اسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن ذیل کی عبارت صاف و صریح ہے :-
وہ ایسا مقصودِ اصلی ہے جس کا تمام ویدوں نے اعلان کیا ہے ۔ ساری پرہیزگاریوں کا مقصد وہی ہے جسکی انسان خواہش کرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے ۔ وہ اُوم ہے ۔ یہ مختصر لفظ اُوم برہمن ہے ۔ یہ لفظ سب سے اعلیٰ ہے ۔ وہ شخص جو یہ لفظ جانتا ہے جو چاہتا ہے حاصل کرتا ہے ۔ یہ بڑا ممد و معاون ہے ۔ جس نے اسکی مدد پر اعتماد کیا، برہما کی دنیا میں اسکی پرستش کی گئی ۔ ( اُپنشد ۱-۲-۱۵-۱۰ )

# کرما

(لائف)

ہندوزم کی تعلیمات میں، زندگی کے سارے اختلافات بشمول فرقہ واریت کرما کے عقیدہ پر موقوف ہیں ۔ یہ

## چھٹی صدی قبلِ مسیح

امریکن لائف میگزین، مارچ ۱۹۵۵ء اور اسٹانڈرڈ انسائکلوپیڈیا سے مواد فراہم کیا گیا
اور بغیر کسی تنقید کے پیش کیا گیا۔

گوتم بدھا۔ ہنایانا و مہایانا۔ کرما و نروانا۔ صداقتیں۔ فضائل و ممنوعات۔

**بُدھا** کے لفظ سے عام طور پر سِدھارتا گوتما مراد لیا جاتا ہے اور اس کو شکیا مُنی بھی کہا گیا ہے۔ اسی نے بدھزم کی بنا ڈالی
بدھا حقیقت میں بدھزم کے پیشواؤں کا لقب ہے جس کے معنی دانشمند کے ہیں۔ اس لقب کے بہت سے افراد گزرے ہیں اور انکے منجملہ گوتم بھی ایک ہے۔ سِدھارتا گوتم، ساکیاس نامی ایک آریائی کھتری خاندان کے راجہ کا فرزند تھا۔ جو بنارس سے سو میل شمال میں، نیپال کے نواح میں آباد تھا۔ گوتم ۵۶۳ قبل مسیح میں پیدا ہوا اور ۴۸۸ قبل مسیح میں فوت ہوا۔ ان تاریخوں میں جزوی اختلاف ہے مگر یہ ثابت ہے کہ انکی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اسکی پیدائش کے وقت کسی نے انکے رجحانِ طبع کی نسبت پیشین گوئی کی تھی کہ تارکِ دنیا ہوگا اس سے روکنے کیلیئے اس کے باپ نے شروع سے بہت سے احتیاطی تدابیر اختیار کئے تھے۔ اسکی سیر و تفریح کے اسباب محلات ہی میں مہیا کئے تھے تاکہ باہر نکلنے کی رغبت نہ پیدا ہو۔ چنانچہ ایک سُترا میں بدھا نے خود بیان کیا ہے کہ میرے تین محل تھے۔ ایک محل سرما کیلیئے، دوسرا گرما کیلیئے اور تیسرا بارش کیلیئے۔ بدھا سپاہیانہ فنون میں مشتاق تھا، تیراندازی میں کمال رکھتا تھا۔ ایک راجہ کی لڑکی سودھرا سے اسکی شادی ہوئی اور جب ان دونوں کو ایک لڑکا تولد ہوا تو سارے خاندان میں جشن منایا گیا اور اس مسرت میں باپ نے ستھارتا گوتم کو محل سے باہر جانے کی اجازت دی۔

گوتم جب گھومتا چلا تو اس کو بعض مناظر ایسے نظر آئے جنھوں نے اسکو متاثر کیا۔ ایک پیرِ فرتوت اسکی نظر سے گزرا، کہیں بیمار ناچار نظر آیا، کہیں کسی کی نعش دیکھی اور کہیں کسی سادھو کو تپس کرتے پایا۔ ان مناظر نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا۔ محل اور محل کے ناز و نعم کو چھوڑ کر ایک رات اچانک باہر نکل گیا۔ چار ابرو کی صفائی کی گیروا کرتا پہنا اور گھومتا چلا۔ پانچ سادھو ملے انکے ساتھ ہو گیا۔ چھ برس مشقت و ریاضت میں کاٹے۔ بھوک پیاس کی سختیوں نے اسکو نحیف و لاغر کر دیا مگر اس نے دیکھا کہ اس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ سادھوؤں کا ساتھ چھوڑا اور خود اپنا راستہ آپ تلاش کرنیکے ارادہ سے چلا۔ بہار میں "گیا" کے مقام پر "بودھ" کے درخت کے نیچے آسن مار کر بیٹھ گیا اور عہد کیا کہ جبتک روشنی

ترک کردیا۔ فرقہ داریت اس میں نہیں ہے۔ ویدکی تعلیمات کو بھی اہمیت نہیں دی۔ اس مذہب کی کتابوں کی تدوین پانچویں صدی قبل مسیح میں شروع ہوئی۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ ہر جاندار کے لئے آئندہ زندگی ہے۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ جاندار کی جان لینا ان کے پاس بڑا گناہ ہے۔ علتِ اوّل کے وجود سے یا تو صریحی انکار کرتے ہیں یا سکوت کرتے ہیں۔ مہاویر اس مذہب کے بانی ہیں۔

**بدھ ازم** ہندستان میں پیدا اور ہندستان ہی میں اپنی ترقی کے مدارج طے کئے مگر پھر اپنے وطن سے خارج بھی ہوگیا چونکہ اس مذہب کے اصول خاص تھے اور اہمیت رکھتے تھے اس لئے مستقل عنوان کے تحت اس بارے میں مواد فراہم کیا گیا۔

جیسا کہ خواہشاتِ نفسانی کے انہماک میں اپنے کو گُم کر دینا۔ اس نے ان دونوں کے درمیان ایسے راستہ کی رہنمائی کی جو

اِفراط و تفریط دونو سے پاک ہو۔

**بُدھ مت** کے دو عناصر ہیں کرما اور نِروان۔ **کرما** کے معنیٰ عمل کے ہیں اور بُدھ مت کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اپنے کردار کی اصلاح کر کے نِروان کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے۔ **نِروان** کہتے ہیں زندگی کے گرداب سے آزادی حاصل کرنے کو اور یہی مُکتی یا نجات ہے

بُدھا نے کبھی اُلوہیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ اپنی پرستش کی اجازت دی۔ بلکہ اس نے بعض اصول ایسے بتائے جو نفسِ انسانی کے ارتقا کا باعث ہو سکتے تھے۔ اُس کے پاس مذہب میں داخل ہونے یا مذہب سے خارج ہونیکا سوال ہی نہیں تھا اُس کا خیال تھا کہ ذہنی ارتقاء کیلئے کسی قوانین اور قواعد کی ضرورت ہی نہیں۔

اسکی تعلیمات کا دارومدار دو اصول پر ہے جو اس نے بنارس کے مرغزار میں اپنی پہلی تقریر میں بیان کئے تھے۔

یہ چار شریف صداقتوں اور آٹھ شریف راستوں کے نام سے مشہور ہیں۔

**صداقتیں** چار ہیں۔ ۱۔ آفات اس زندگی میں ناگزیر ہیں۔ ۲۔ ان آفات کی علت نفسانی خواہشات ہیں۔ ۳۔ ان آفات سے نجات مل سکتی ہے نفسانی خواہشات کو دور کرنے سے۔ ۴۔ نفسانی خواہشات کو دور کر سکتے ہیں وسط کا راستہ اختیار کر کے

**فضائل** کے آٹھ طریقے یہ ہیں۔ سچا علم، سچا ارادہ، سچی بات، سچا کردار، معیشت کا سچا ذریعہ، سچی سعی، سچی توجہ، سچی مرکزیت، تصورات میں۔

**ممنوعات** ۔ بُدھا کی پانچ نصیحتیں بھی ہیں۔ جان لینے سے احتراز کرے۔ اس چیز کے حصول سے احتراز کرے جو نہیں دی گئی۔ ناجائز جنسی تعلقات سے احتراز کرے۔ جھوٹ نہ بولے۔ نشہ نہ کرے۔

**رذائل** ۔ دس صفات کی بُدھا نے مذمت کی اور انکے ترک کر نیکی ترغیب دی۔ ان میں سے تین کا تعلق بدن سے چار کا تعلق زبان سے اور بقیہ تین کا تعلق قلب سے ہے۔ جسمانی تین عیوب یہ ہیں کسی جاندار کو ہلاک کرنا۔ چوری کرنا اور جنسی جرائم کا ارتکاب کرنا۔ زبان سے تعلق رکھنے والے چار عیوب یہ ہیں۔ جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، دُرشت کلامی اور لاطائل گفتگو۔ تین قلبی عیوب یہ ہیں۔ حسد وہم پرستی، علت و معلول سے انکار۔

حاصل نہ ہوگی اپنی جگہ سے حرکت نہ کریگا۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ شر و فساد کی ایک بڑی فوج نے اس پر حملہ کیا پتھراور آگ کے شعلے برسائے اور اس فوج کے سردار مارا نے اسکے سامنے دنیا کی ساری نعمتیں اس شرط پر پیش کیں کہ گوتم اپنے ارادے سے باز آئے لیکن گوتم اپنے ارادہ میں اٹل تھا۔ قائم رہا۔ ۴۹ روز کی ریاضت کے بعد گوتم کو روشنی نصیب ہوئی اُٹھا اور بنارس کے نواح میں پہنچا۔ یہاں اسکو پرانے ساتھی پانچوں سادھو ملے۔ انکے سامنے پہلی مرتبہ زندگی کے مقصد اور مفہوم پر تقریر کی۔ اسکے بعد ۲۵ برس تک شمالی ہند میں گھومتا پھرتا اپنی تعلیمات کی تلقین کرتا رہا۔ جدھر چلا جوق در جوق لوگ اسکے پیرو ہونے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ **اسوک** (۲۷۲-۲۳۲ قبل مسیح) کے عہد میں بدھزم کا اثر انتہائی عروج کو پہنچا لیکن اسکے بعد اس مذہب کا زوال شروع ہوا اور آخرکار ہندو دھرم نے اسکو مغلوب کر لیا اور مغلوب کیا تو اس طرح کہ ہند کے وسیع براعظم میں مشکل چند نفوس اس مسلک کی پیروی کرنیوالے باقی رہ گئے۔ ابھی ۱۹۵۹ کی بات ہے کہ تبت کے اندرونی امور میں چین کی راست مداخلت سے ناراض ہوکر تبتیوں کے پیشوا دلائی لاما تبت سے فرار ہوکر اپنے دس پندرہ ہزار پیروؤں اور ساتھیوں کے ہمراہ شمال مشرقی گھاٹیوں کے راستے ہند میں داخل ہوئے اور فی الوقت حکومتِ ہند کے مہمان ہیں سیلون، ہندوستان کے مشرقی خاکنائے اور جاپان کے جزائر میں بدھزم کو فروغ حاصل ہوا اور خاصکر چین میں کثرت سے پھیلا۔ تبت کے علاقہ میں **لامایزم** کی شکل اختیار کی جس میں مذہبیت اور رسمیت شدت سے ہے۔

بدھزم کے دو بڑے فرقے ہیں۔ ہنایانا اور مہایانا۔ **ہنایانا** کے معنی چھوٹی سواری کے ہیں شخصی کردار اور پرہیزگاری کے ذریعہ نجات کے حاصل کرنیکے طریقہ کو ہنایانا کہتے ہیں۔ اس فرقہ کے پیرو جنوبی ایشیا میں ہیں۔ ان کو تھرا داد بدھسٹ کہا جاتا ہے تھراواد کے معنی بزرگوں کی تعلیم کے ہیں۔ **مہایانا** کے معنی بڑی سواری کے ہیں اور اس فرقہ کے تصور میں نجات حاصل ہوتی ہے اعتقاد اور حسن عمل کے ذریعہ۔ یہ فرقہ چین، جاپان، کوریا، تبت اور منگولیا میں پھیلا ہے۔

بدھا کی زندگی قدیم ہندوزم سے شروع ہوئی، مگر اس نے رسمی مذہب، وہم پرستی اور رسم و رواج کی سخت مذمت کی اور غور و فکر اور شخصی کردار کو اہمیت دی معقولات پر اپنی تعلیمات کی بنا قائم کی۔ ہر اس چیز کو جو عقل انسانی سے خارج تصور کی گئی نظر انداز کیا۔ اس نے یکلخت فرقہ واریت ختم کردی۔ اس کا قول تھا کہ غریب و امیر ادنیٰ اور اعلیٰ سب مساوی ہیں۔ بدھزم میں یہ سب اس طرح متحد ہیں جیسا کہ سمندر میں دریا۔ نفرت کے ذریعہ نفرت پر غلبہ حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ محبت کے ذریعہ نفرت کو مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ غصہ کا مقابلہ شفقت سے اور برائی کا مقابلہ بھلائی سے کیا جائے۔ ایک آدمی نے لڑائی میں ہزاروں پر غلبہ پایا تو کیا کیا اگر اس نے اپنے نفس کو مغلوب نہیں کیا انسان کی شرافت اور رذالت اسکی پیدائش پر موقوف نہیں ہے بلکہ اسکے کردار پر۔ کردار نیک ہوں تو انعام کا مستحق ہے اور برے ہوں تو سزا کا مستوجب۔ دنیا رنج والم کی آماجگاہ ہے۔ عقلمند اس سے خلاصی کی کوشش کرتا ہے۔ ترکِ دنیا اچھی چیز ہے مگر بہیمی خواہشات اور سبوعی جذبات کو ترک کرنا ضروری ہے۔ بھوک اور پیاس سے جسمِ انسانی کو تلف کرنا ایسا ہی برا ہے

اصول تینوں میں عام بھی ہیں۔ تینوں مذاہب انسان کو باتلطیع خیر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نیچر کی تقلید کر کے انسان سعادت حاصل کر سکتا ہے۔

**مذہب قدیم**۔ کنفیوشیس سے صدیوں پہلے، چینی قوم اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کی پرستش کرتی اور اس کے ساتھ ساتھ پہاڑوں، دریاؤں اور زمین جیسے قدرت کے مناظر کی عظمت سے مرعوب رہتی تھی۔ انھیں کنفیوشیس کے فلسفہ، تاؤزم کے تصوف یا بدھزم کے معقولات کی خبر نہیں تھی۔ انکے ذہن زیادہ تر بجز دیتے کے عجائبات، قدرت کے توادرات اور موسمی کرشموں سے مغلوب تھے۔ انکی نارضامندی سے ڈرتے اور انکو خوش کرنے کیلئے مختلف رسوم انجام دیتے تھے۔

**خیر و شر** کے دو علیحدہ دیوتاؤں کو مانتے ہیں۔ آرام و راحت پہنچانے والے دیوتا کو **شن** اور رنج و مصیبت میں مبتلا کرنیوالے دیوتا کو **کوئی** کہتے ہیں اور باور کرتے ہیں کہ ان دیوتاؤں کے تصرفات انسان کی زندگی میں حادثات پیدا کرتے ہیں۔ ہر گوشہ سے انسان کو خطرہ لگا ہوا ہے۔ چوپایوں، پرندوں اور پانی کے جانوروں کی شکل میں بھوت انسان کی تاک میں لگے ہیں۔ انکی تھوڑی بھی ناخوشی انسان پر مصیبت ڈھاتی ہے کوئی خوشی کی تقریب یا رنج کا موقع انکے تصور سے خالی نہ ہوتا۔ ان رسوم کے ماہر کی رائے کے بغیر کسی عمارت کی بنیاد نہ ڈالی جاتی، کوئی قبر نہ کھودی جاتی۔ ان رسوم کے واقف اشخاص کا ایک فرقہ ہے جسکو **فینگ شوئی** کہا جاتا ہے۔ سارے رسوم نہایت جوش و خروش سے اس طرح مناتے ہیں گویا کہ یہ تفریح کے مواقع ہیں نہ کہ عبادت کے۔

**ثنویت** چینی فلسفی انسان اور نیچر کی باہمی موافقت کو نہایت اہمیت دیتے ہیں۔ انکے خیال میں کائنات کی محرک دو قوتیں ہیں۔ ایک فعّالی اور دوسری انفعالی۔ فعّالی قوت کا نام **یانگ** اور انفعالی قوت کا نام **ین** ہے۔ حرکت گرمی، سختی، خشکی، روشنی اور تولیدی قوت یانگ میں داخل ہے۔ سورج کی روشنی، آگ کا جوہری عنصر، پہاڑ کی جنوبی سمت اور دریا کا شمالی ساحل یانگ ہے۔ ین کی انفعالی قوت ہر چیز میں بحالتِ جمود موجود ہے جیسا کہ سکون، سردی، نرمی، رطوبت اور تاریکی۔ پہاڑ کی شمالی سمت کا سایہ اور دریا کا جنوبی ساحل ین میں شامل ہے۔

دیگر فلسفوں میں بھی دوئی ہے مگر فرق یہ ہے کہ روشنی اور تاریکی، بھلائی اور برائی کا بالمقابل تصور اگر دیگر فلسفوں میں تصادم کرتا ہے تو چینی فلسفہ میں یانگ اور ین کے تصور میں موافقت پیدا کرتا ہے۔ جو قوت اس توافق کی باعث ہے اسکو **تاؤ** کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ **لاؤتزو** نے اپنی نظموں میں تاؤ کے تصور کو بہت ترقی دی۔ ان نظموں کا مجموعہ **تاؤتی چنگ** کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں تاؤ کے تصور کو ان الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

## تاؤ

**تاؤ** ایسا وجود ہے جسکو کوئی نام یا لفظ معتین نہیں کر سکتا۔ تاؤ ہر ایک شئی کا منبع اور کائنات کا راز ہے۔ تاؤ ہی سے ہر ایک

## (چین کا مذہب) چھٹی صدی قبل مسیح

امریکن لائف میگزین ۴ اپریل ۱۹۵۵ء اور اسٹانڈرڈ انسائیکلوپیڈیا سے مضامین اخذ کئے گئے ہیں -

کنفیوشینزم، بدھزم اور تاؤزم کا تقابل، خیر و شر، شوس، تاؤتی چنگ، تعلقات۔

ایک مرتبہ کنفیوشس سے اس کے ایک شاگرد نے سوال کیا "شفیق استاد! ہم کو موت کے بعد کی زندگی کا کچھ حال بتائیے" استاد نے جواب دیا "ہم نے ابھی اس زندگی کو نہیں سمجھا، موت کو کہاں سمجھ سکتے ہیں"۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسکی زیادہ تر توجہ اس دنیا کی زندگی کو بہتر بنانے اور دنیاوی سعادت کے حاصل کرنیکی طرف مرکوز تھی۔ اس زندگی کے بعد کیا ہوگا، اسکی کوئی فکر نہ تھی۔ اہل چین کی نظر میں اہل علم کی قدر و قیمت بہت زیادہ تھی بہ نسبت مذہبی پیشواؤں کے چینی دو طبقوں میں منقسم ہو سکتے ہیں۔ عوام اور تعلیم یافتہ۔ عوام اُن تصورات اور توہمات کے حامل تھے جو صدیوں سے نسلاً بعد نسل چلے آئے تھے تعلیم یافتہ طبقہ کنفیوشینزم کی اخلاقیات کو اہمیت دیتا تھا۔ بہرحال اہل چین کے مذہب کی عمارت تین ستونوں پر قائم ہے۔ کنفیوشینزم، بدھزم اور تاؤزم۔

**کنفیوشینزم** میں مذہبیت کم ہے اور اخلاق کی تعلیم زیادہ۔ شخصی تعلقات کی خوبیوں کو اہمیت دی ہے۔ کنفیوشس چھٹی صدی قبل مسیح میں گزرا۔ اسکی تعلیمات چینیوں کے دل و دماغ میں بس گئیں۔ چینی سوسائٹی، اتحاد خاندان کی بنیاد پر قائم ہے۔

**بدھزم** پہلی صدی عیسوی میں ہند سے چین کو پہنچا۔ بدھزم نے ان میں مذہبیت پیدا کی۔ مذہب کے پیشواؤں کا طبقہ قائم ہوا، عبادت کے طریقے مقرر ہوئے، انسان کی شکل میں بتوں کو تراشا گیا۔

**تاؤزم** کے حدود خال کا نمایاں کرنا آسان نہیں ہے۔ **لاؤتزو** کے فلسفہ کو تاؤزم کہا جاتا ہے۔ لاؤتزو کنفیوشس کا ہم عصر ہے۔ اس کی تعلیمات کا رجحان یہ تھا کہ شہریت کو بکھیر دے اور افراد کو مدنیت سے نیچر کی طرف لیجائے تاکہ تاؤ کے ساتھ موانست پیدا کرے۔ تاؤ نام ہے اُس ابدی راستہ یا اعلیٰ قوت کا جو تمام دنیا پر موثر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا مذہب اور طلسم دونوں کا امتزاج تاؤزم میں ہوا ہے۔

**خلاصہ** یہ کہ مذہبی پیشواؤں کو چھوڑ کر بقیہ چینی ان تینوں فرقوں (کنفیوشینزم، بدھزم اور تاؤزم) میں سے کسی ایک کی طرف تخصیص کے ساتھ خود کو منسوب نہیں کرتے۔ انکا تصور یہ ہے کہ تینوں راستے ایک ہی منزل کو پہنچاتے ہیں! اکثر

تاؤزم کے پیرو اصل تعلیمات کو چھوڑ کر ماورائے بشری روحانی قوتوں کا ادعا کرنے لگے۔ حیاتِ ابدی کے حصول کی کوشش میں جسمانی ریاضتوں میں مصروف ہو گئے بستیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور صحراؤں کا راستہ اختیار کیا۔ پہلی صدی عیسوی میں بدھ مت نے جو ہند میں پیدا ہوا تھا چین میں سرایت کی اور تاؤزم کو متاثر کرنے لگا تو چیانگ لنگ نے اس کے مقابلہ کیلئے ایک جدید مذہب کا اختراع کیا جو دوسری صدی کے آخر میں فروغ پایا۔ مندر بنے، مذہبی پیشواؤں کا طبقہ وجود میں آیا۔ چلتے چلتے بت پرستی اور توہمات کے تصورات میں تبدیل ہو گیا۔

شئی کو وجود اور قالب ملا ہے۔ تاؤ کا وجود آسمان اور زمین کے قبل تھا۔ وہ جوہرِ فرد ہے اور غیر متغیر۔ وہ ہر ایک شئی میں سرایت کیا ہوا ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ تاؤ سے موافقت پیدا کرے اور اسکی وساطت سے امن اور روشنی حاصل کرے۔ اگر ہر شخص تاؤ کی اتباع میں سادگی اختیار کرے، حرص و ہوس کو ترک کرے اور وتشدد کا استعمال نہ کرے تو دنیا میں ہمدردی اور اخوت کا مظاہرہ ہوگا۔ تاؤ جنگ وجدل سے منع کرتا ہے۔ سپاہی برائی کے ہتھیار رہیں، شریف انسان کے آلات نہیں ہیں۔ فتح پانے میں کوئی خوبی نہیں ہے جو شخص فتحمندی کو سراہتا ہے گویا کہ خونریزی کی ترغیب دیتا ہے۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے کرو۔ اسلئے کہ محبت جس طرح ہدایت میں کامیاب ہوتی ہے اسی طرح مدافعت میں بھی مغلوب نہیں ہوتی۔ جس نے محبت کی خصلت اختیار کی تباہی سے بچا۔

**تاؤتی چنگ** کی تعلیمات کو دیگر علماء اور حکماء نے اس قدر ابھارا کہ آخر میں تاؤزم کے نام سے ایک مستقل فلسفہ بن گیا کنفیوشیس نے اپنے شاگردوں کو اخلاق کا درس دیا تو لاؤتزو نے سادگی، بے لوثی اور خلوص کی تعلیم دی۔

**تعلقات**۔ کنفیوشیس نے پانچ تعلقات کو اہمیت دی۔ حاکم اور رعایا کا تعلق، باپ اور بیٹے کا تعلق، خاوند اور بیوی کا تعلق، بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی کا تعلق، عمر میں بڑے اور عمر میں چھوٹے دوست کا تعلق۔ ان پانچ تعلقات کو صحیح اصول پر قائم رکھا جائے تو سوسائٹی میں بلکہ ساری دنیا میں امن و امان کی ضمانت ہو جائے کسی شاگرد کے اس سوال پر کہ "کوئی اصول ایسا بتائیے جو زندگی کو کامیاب کر سکے"۔ کنفیوشیس نے جواب دیا "ہمدردی۔ جو بات اپنے لئے پسند نہ کرو دوسرے کے ساتھ اس پر عمل نہ کرو"۔ کنفیوشیس کے شاگردوں نے ان پانچ شکلوں کا تقابل کرکے دس صورتیں قائم کیں۔ باپ میں پدری شفقت اور بیٹے میں پسری اطاعت۔ بڑے بھائی میں شفقت تو چھوٹے بھائی میں انکساری۔ راستی کا برتاؤ شوہر میں تو فرمانبرداری بیوی میں۔ ہمدردی بزرگوں میں تو خدمتگزاری خردوں میں۔ فیاضی حاکم میں تو وفاداری رعایا میں۔

**حکومت**۔ کنفیوشیس قانونی سختی کا مخالف تھا اور کہتا تھا کہ کردار تمدن کی جڑ ہے۔ اگر حاکم نیک ہے تو اس کے ماتحت بھی نیک ہونگے۔ عقلمند وہ ہے جو بنی نوع انسان کی خدمتگزاری میں مصروف رہے۔ غیر محسوسات جو بالائے عقل و فہم ہیں انکی نسبت غور و فکر کرنا تضیع وقت کا باعث ہے۔

لاؤتزو ۶۰۴ قبل مسیح میں اور کنفیوشیس ۵۵۱ قبل مسیح میں پیدا ہوا اور یہ دونوں ایک حد تک ہم عصر سمجھے جاسکتے ہیں۔ ان دونوں کی تعلیمات نے چینیوں کے تمدن کو ڈھائی ہزار برس قائم رکھا

کنفیوشیس نے کبھی بانی مذہب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ایک حکیم و دانشمند کی زندگی بسر کی۔ آنے والی نسلوں نے اسکی عزت کو بڑھایا۔ امپرر کا وتسو نے ۱۹۵ قبل مسیح میں اسکی قبر کی زیارت کی اور قربانی دی، امپرر ووتی نے کنفیوشینزم کو اپنے ستام کی تربیت کیلئے معیار قرار دیا۔ ۵۹ عیسوی میں تمام مدارس میں اسکے نام کی عظمت کیجانے لگی ساتویں اور آٹھویں صدی میں اسکے اور اسکے پیرؤوں کے نام سے تمام سلطنت میں، مندر اور چلے قائم کیے گئے۔

سال میں ایک مرتبہ جروسلم کی زیارت کی اجازت دیجاتی رہی۔

چوتھی صدی عیسوی میں کنسٹانٹیں اعظم نے جروسلم میں کنیسہ کی تعمیر کی۔ تقریباً چھ صدیوں تک رومیوں کا قبضہ فلسطین پر رہا۔ ۶۳۷ء عیسوی میں عربوں نے اسکو فتح کیا۔ پانسو برس کے بعد اس قطعۂ ملک کو واپس حاصل کرنیکے لئے یوروپین ممالک کی امداد سے گیارھویں صدی میں مذہبی جنگ شروع کی گئی جو **جنگ صلیبی** کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جنگ کامل دو سو سال جاری رہی۔ اثنائے جنگ میں عیسائیوں کو بعض وقت غلبہ بھی حاصل ہوا مگر انکا قبضہ زیادہ دن نہ رہ سکا اور عربوں نے انکو پسپا کردیا۔ ۱۵۱۷ء میں ترکوں نے فلسطین کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا مسلمانوں کے صدیوں کے تسلط کے بعد حالیہ پہلی جنگ عظیم کی ڈسمبر ۱۹۱۷ء میں برطانیہ کی فوج فلسطین میں داخل ہوئی۔ **زینزم** کی تحریک جو ۱۸۹۰ء میں اسرائیلیوں کو فلسطین میں بسانے کی غرض سے پیدا ہوی تھی ۱۹۲۱ء میں بار آور ہوئی۔

**جروسلم** کی آبادی میں چار قوموں کیلئے چار محلے مخصوص ہیں۔ یہودی، آرمینی، عیسائی اور مسلمان علٰحدہ محلوں میں رہتے ہیں۔ جروسلم میں بہت سی مسجدیں ہیں جن میں ایک مسجد عمرؓ کے نام سے مشہور ہے بعض مقامات ہیں جنکو عیسائی مقدس مانتے ہیں۔ جروسلم کی عبادت گاہ (**مسجد اقصیٰ**) کی مغربی دیوار کو **ویلنگ وال** (دیوارِ گریہ) کہتے ہیں یہ دیوار سلیمانؑ کے زمانہ سے چلی آتی ہے اور اس کو یہودی اور مسلم دونو اہمیت دیتے ہیں۔ عرب جروسلم کو **القدس** کہتے ہیں۔

**بائیبل**۔ متبرک احکام اور قوانین کی کتابوں کے مجموعہ کو بائیبل کہتے ہیں۔ اسکے تین حصے ہیں

**اولڈ ٹسٹامنٹ** (یعنی عہد نامۂ عتیق (تورات) کا تعلق یہودیوں سے ہے۔ یہ عبرانی زبان میں ۳۹ کتابیں ہیں۔ ان میں قانون اور پیغمبروں وغیرہ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

**نیو ٹسٹامنٹ** یعنی عہد نامۂ جدید (انجیل) کا تعلق عیسائی مذہب سے ہے۔ یونانی زبان کی ۲۷ کتابیں ہیں! ان میں چار گاسپلس' اپاسٹلس کے قواعد' ۲۱ مکتوبات اور الہامات کی کتاب ہے۔

**اپاکریفا** مذہبی تحریرات ہیں جنکا وجود عبرانی زبان کی اولڈ ٹسٹامنٹ میں نہیں پایا جاتا گو یہودی اور عیسائی اسکو مانتے ہیں۔ وہ صرف یونانی زبان کے سپٹواجنٹ اور لاطینی ولگیٹ میں پائی جاتی ہیں۔ ان تحریرات میں مطالب کو مثالوں کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے۔

بائیبل کے جملہ ۱۱۸۹ ابواب ہیں جن میں سے ۹۲۹ اولڈ ٹسٹامنٹ میں اور ۲۶۰ نیو ٹسٹامنٹ میں ہیں اور اولڈ ٹسٹامنٹ میں ۲۳۲۱۴ ورسس (جملے) اور نیو ٹسٹامنٹ میں ۷۹۵۹ جملے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ساری بائیبل میں ۷،۷۴،۶۸۰ الفاظ ہیں۔

**سپٹواجنٹ**' عبرانی کتابوں کا یونانی ترجمہ ہے جسکو تیسری اور دوسری صدی قبل مسیح میں' اسکندریہ میں یہودی علمأ نے مرتب کیا تھا۔

# ملتِ یہود

## ۱۴۰۰ - قبلِ مسیح

امریکی لائف میگزین ۱۳ جون ۱۹۵۵ء اور اسٹانڈرڈ انسائیکلوپیڈیا اور دیگر

کتب سے مضامین اخذ کئے گئے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے اسکو دخل نہیں دیا گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کی بعثت۔ بادیہ گردی بنی اسرائیل۔ بائبل اولڈ ٹسٹامنٹ

عہدنامۂ عتیق۔ تالمود۔ عقائد۔ مذہبی رسوم۔ اصلاح۔

**موسیٰ** علیہ السلام، ملتِ یہود کے بانی ہیں جنکو "موزز" کہا جاتا ہے۔ آپ کے والدین عمرام اور جوشے بدہیں۔ آرون (ہارون) موسیٰؑ کے بڑے بھائی اور مریم بڑی بہن تھیں۔ کہتے ہیں کہ فرعون کی بیٹی نے آپ کو آغوش میں لیا اور ایک شاہزادہ کی طرح آپ کی تربیت کی۔ آپ آغاز عمر میں میڈین (مداین) گئے اور چرواہے کا پیشہ انجام دیا۔ پھر مصر واپس آکر بنی اسرائیل کے پیشوا بنے۔ مصر سے اسرائیلیوں کو فرعون کی غلامی سے چھوڑا کر روانہ ہوئے تو کنعان کے نواح میں پھرتے رہے **پس گاہ** کے پہاڑ کے پاس آپ نے اس دارفانی سے رحلت فرمائی۔

**بادیہ گردی**۔ کہا جاتا ہے کہ موسیٰؑ مصر سے بنی اسرائیل کو جب لے چلے چودہ ۱۴ سو قبل مسیح کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد گیارہ ۱۱ سو قبل مسیح میں "ساؤل" نے اسرائیلی حکومت قائم کی۔ ان دونوں واقعات کے درمیان کامل تین سو برس کی طویل مدت بنی اسرائیل کیلئے نہایت سراسیمگی کی حامل تھی۔ باہر سے ان پر حملے ہوتے رہے، اندرونی خلفشار علحدہ تھا۔

**جروسلم**۔ فلسطین کے ایک قدیم شہر کا نام ہے جو بندرگاہ جافہ سے ۳۶ میل اور ریلوے سے ملا ہوا اور بحیرۂ اسود سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ داؤدؑ نے ایکہزار قبل مسیح میں اس شہر پر قبضہ کیا سلیمانؑ نے یہاں عبادت گاہ بنائی سلیمانؑ کے بعد ملک کی تقسیم ہوگئی۔ اسرائیلی حکومت شمال میں اور جوڈی حکومت جنوب میں قائم ہوی۔

اسیرینس نے ۷۲۲ قبل مسیح میں اسرائیلیوں پر حملہ کیا، بابلیوں نے ۵۸۶ قبل مسیح میں انکو شکست دی سلیمانؑ کی بنائی ہوئی عبادت گاہ کو تباہ کیا اور بنی اسرائیل کے بہت سے شریف خاندانوں کو غلام بناکر لے گئے۔ جب ایرانیوں نے بابلیوں کی قوت توڑی تو یہود پھر برسرحکومت آئے اور ۵۱۵ میں اس معبد کی دوبارہ تعمیر کی۔ سکندر اعظم نے ۳۳۲ قبل مسیح میں اور سیریئنس نے ۱۹۸ قبل مسیح میں ان پر حملہ کیا۔ ۶۳ قبل مسیح میں فلسطین کا پورا ملک روم کی سلطنت میں شامل کرلیا گیا۔ ۷۰ء میں رومیوں نے جروسلم پر قبضہ کیا اور دوبارہ تعمیر کردہ معبد کو تباہ کردیا۔ اسکے بعد اسرائیلیوں کو

فرائض کا ذکر ہے اور جمارا میں اسکی شرح ہے۔ تالمود بھی دو قسم کی ہیں۔ ایک جروسلم کی تالمود اور دوسری بابیلان کی۔ کہا جاتا ہے کہ مشنا اور جمارا دو نو چھٹی صدی عیسوی میں تدوین کئے گئے اور اس مجموعہ کو تالمود کہنے لگے۔ اس سے قبل مشنا کے قوانین سینہ بہ سینہ محفوظ چلے آتے تھے۔ خوف تھا کہ اگر اسکو قلمبند کیا جائے تو تورات کے ساتھ خلط ملط ہو جائیگا۔

شِیمَا یِسْرِوئِیلْ اَدُوْنَائے اِلُوہیِنَا اَدُوْنَائے اِکُوْدْ (عبرانی)

ہِیَرْ اُوْ اِسْرائِیل دِی لارْڈْ آوَرْ گاڈْ دی لارْڈْ اِزْوَنْ (انگریزی)

سنو اے اسرائیل! رب ہمارا خدا ہے، رب ایک ہے (اردو)

**کلمہ** جو خدا نے موسیٰؑ کی زبان سے یہودیوں کو سُنایا تھا تین ہزار برس سے صبح و شام ہر ایک یہودی کی زبان پہ ہے۔ بچے کو بچپن میں پہلی بات جو سکھائی جاتی ہے یہی کلمہ ہے۔ زندگی کی آخری سانس میں اس کلمہ کا دُھرانا باعثِ نجات ہے۔

**عقیدہ**۔ "میں ہوں جو ہوں سو ہوں" موسیٰؑ کی زبان سے خدا کہتا ہے۔ دوسری ساری مخلوق بالکلیہ اُسی کی محتاج ہے ساری نیکیاں اُسی سے نکلتی ہیں۔ وہ بذاتہٖ خدا ہے، اس معنی میں نہیں کہ اسکا جسم ہے۔ وہ انسان کے ساتھ اپنی مرضی سے عمل کرتا ہے۔ انصاف قہر اور محبت سے۔ **دُنیا** عبث نہیں ہے۔ وہ ایک بلند چڑھاؤ ہے جس کے ختم پر خدا کی حکومت کا وعدہ ہے۔ زندگی ایسا بھاری بوجھ نہیں ہے جسکو سر سے اُتار کر پھینک دیا جائے۔ بلکہ خدا کی نعمت ہے۔ زندگی کے سفر کو طے کیا جائے، پوری طرح پر خدا کی مرضی کے مطابق۔ "مجھ کو ڈھونڈو اور جیو" اس فقرہ میں دارِ آخرت کا تصوّر مضمر ہے اور دنیا دی زندگی کا لائحۂ عمل پیش کرتا ہے۔ اخلاقی تعلیم پر زور دیتا ہے اور ہر چیز میں خدا کی مرضی حاصل کرنیکی تاکید کرتا ہے۔

**انسان** مُشتِ خاک ہے لیکن اس میں نورِ الٰہی کی تجلّی ہے۔ انسان خدا کی صورت پر بنایا گیا ہے۔ یعنی اس میں آزادی اور خود مختاری ہے۔ قدرت کے تحت زندگی بسر کرتا ہے لیکن ہر وقت اسکو نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا۔ آدمؑ کا جنّت سے ہبوط ایسا دھبّہ نہیں ہے جو وراثتہً منتقل ہوتا رہا بلکہ وہ ایک ایسی فطری کمزوری ہے جو بار بار دُھرائی جاتی ہے۔ خدا سے محبت کرنیکے لئے اسکے صفات کی تقلید کرے اور اسکے حصول کیلئے بنی نوع انسان سے محبت اور ہمدردی کرے۔ قانون پر محبت کو سبقت حاصل ہے یا عدل پر رحمت کو؟ یہ پرانی بحث ہے سچے یہودی کا جواب یہ ہے کہ محبت اور قانون دو نو یکساں ہیں مسیح موعود کے ورود پر یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی دَور کے بعد خدا کی حکومت ہوگی۔

**روح** کو بقا ہے، حشر میں عذاب اور ثواب ہوگا، دنیا میں بھی ہو سکتا ہے۔ جنّت بھی ہے اور دوزخ بھی۔

اگرچہ کہ اس نے مذہبی احکام کی تعمیل نہیں کی، گر یہودی یہودی ہی رہیگا جب یہودی گھر میں پیدا ہوا۔ مذہبی رسوم میں یہودی مبالغہ نہیں کرتے۔ انکے معابد بُتوں سے خالی ہیں۔ انکی قوم کا بڑا کارنامہ خود انکی قوم کی تاریخ ہے۔ انکی بڑی مورت انکا تصوّر ہے کہ خدا حی و قیّوم ہے۔ انکا مشن یہ ہے کہ بت پرستی کا مقابلہ کریں۔ انسان کے ہاتھ سے بنائے ہوئے

نفت سہو ر

**وَلگیٹ** بائیبل کا لاطینی ترجمہ ہے جسکو ہیروم نے چوتھی صدی عیسوی میں لکھا تھا۔ ولگیٹ کا مکمل ترجمہ انگریزی میں، سب سے پہلے جان ویکلف نے ۱۳۸۰ء میں کیا۔ نیوٹسٹامنٹ اور پنٹاٹیوک کا ترجمہ انگریزی میں، انکی اصلی زبانوں سے ولیم ٹنڈیل نے (۱۵۲۵ - ۱۵۳۴) میں کیا تھا۔ مَیلش کورڈیل نے سب سے پہلے ۱۵۳۵ء میں انگلش بائیبل کو شایع کیا

**پنٹا ٹیوک** یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں پانچ جلدوں کی کتاب۔ یہ نام دوسری صدی عیسوی میں دیا گیا ان پانچ کتابوں کے نام یہ ہیں۔ جینیسس، اکسوڈس، لیوی ٹیکس، نمبرس اور ڈیوٹرونامی۔ یہ عبرانی تورات ہے جو ایک ہی رول یعنی ایک ہی لمبے کاغذ پر لکھی جاتی ہے۔

**جینیسس** کے معنی اصل کے ہیں۔ اس میں بنی نوعِ انسان کی ابتدائی تاریخ اور ابراہیمؑ، اور اسحقؑ اور یعقوبؑ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

**اِکسوڈس** کے معنی ہجرت کرنیکے ہیں۔ اس میں مصریوں کی غلامی سے اسرائیلیوں کے رہائی پانے اور سفر کرنے کے حالات درج ہیں۔ موسیٰؑ کی تیاری" دس وبائی بیماریوں "پاس اوور" بحیرۂ احمر کا عبور، سینائی کے صحرا میں اسرائیلیوں کی بادیہ گردی کا ذکر ہے۔ اسی میں دس احکام (**ٹن کمانڈمنٹ**) اور معاہدہ (کوے نانٹ) کی کتاب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مذکورہ دس احکام پتھر کی دو تختیوں پر لکھے ہوئے موسیٰؑ کو تبلیغ کیلئے ملے تھے اور آپ اس پر عمل کرنیکے لئے تلقین کرتے تھے۔ موسیٰؑ بہت دنوں بنی اسرائیلیوں سے غائب رہنے کے بعد جب واپس آئے تو اپنی قوم کو گوسالہ پرستی میں مشغول پایا اور عین غصہ کی حالت میں سینا کے پہاڑ سے ان تختیوں کو اپنے ہاتھ سے گرا کر توڑ دیا۔ دس احکام یہ ہیں۔ ایک خدا (جہووا) پر ایمان لانا۔ بت پرستی سے باز آنا۔ خدا کا نام تمسخر کے طور پر استعمال نہ کرنا۔ ہفتہ کے چھ دن کام کرنا اور ساتویں دن عبادت کرنا۔ والدین کی تعظیم کرنا۔ قتل نہ کرنا۔ زنا نہ کرنا۔ چوری نہ کرنا۔ جھوٹی گواہی نہ دینا اور حرص نہ کرنا۔

**لِوِیٹیکس** میں مذہبی قانون اور مذہبی رسوم کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ قربانی کے طریقے، پیشواؤں کی ہدایات، صفائی، بخشایش کا دن، نذر اور خراج کی تفصیل درج ہے۔

**نمبرس** (اعداد) کی کتاب میں، بادیہ گردی کے دوران میں جو خاص واقعات گزرے انکا ذکر ہے۔ بعض قبائل کی بغاوت، بارہ جاسوسوں کے حالات جو کنعان کو پہنچے اور بعلیم کے وفد کا ذکر ہے بعض قوانین بھی درج ہیں۔

**ڈیوٹرونامی** کے معانی قانون کی کتاب کے ہیں۔ اس میں تاریخی مقدمہ، قانون کی تفصیل، معاہدہ کی تجدید لوئیس کی رہنمائی کیلئے قانون، موسیٰؑ کا نغمہ اور ایک نظم جس میں آپ کی دعا اور وفات پانے کی تفصیل درج ہے۔

**تالمود،** ربیّوں کی مختلف تحریرات کے مجموعہ کا نام ہے جسکو بائیبل کا رتبہ دیا جاتا ہے۔ ربّی عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں میرا مالک۔ ربّی سے مراد وہ عالم ہے جو یہودی قانون اور رسم و رواج کی نسبت فتویٰ دیتا ہے۔ تالمود کو بعض موسیٰؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بعض عذرا، کی طرف۔ تالمود کے دو حصے ہیں، مشنا اور جمارا۔ **مشنا** میں قواعد اور

**رُوش ہاشانا** سال نو کی تقریب ہے جو ستمبر یا اکتوبر کے آغاز میں واقع ہوتی ہے۔
**یومِ کپّور** کو بخشایش کا دن تصوّر کیا جاتا ہے جو سالِ نو کے سات دن کے بعد آتا ہے۔ ۲۴ گھنٹے روزہ رکھتے گناہ سے توبہ کرتے اور دعا مانگتے ہیں۔

**پورِم** فروری یا مارچ میں واقع ہوتا ہے۔ اس دن بچے خوشی مناتے اور رقص کرتے ہیں۔ یہ دن یادگار ہے اس بات کی کہ ملکۂ اِستھر نے ہمان کے مظالم سے یہودیوں کو نجات دلوائی۔ ایران کے بادشاہ اہسیورس کے وزیر اعظم ہمان نے یہودیوں کے تباہ کرنے کے لئے ملکہ وَشتی کے ساتھ سازش کی تھی۔ ملکۂ استھر نے اس راز کو فاش کیا۔ ہمان کو اس پاداش میں سولی پر چڑھایا گیا۔ یہ پانچواں صدی قبلِ مسیح کا واقعہ ہے جو اولڈ ٹسٹامنٹ میں درج ہے۔

**ہنوخہ** چراغوں کی عید ہے جو نومبر یا دسمبر میں منائی جاتی ہے۔ یہ عید اہل یہود میں اسی طرح منائی جاتی ہے جیسا کہ کرسمس عیسائیوں میں۔

**ختنہ** کیا جاتا ہے لڑکے کی ولادت کے آٹھویں دن۔

**شادی** کے بھی دلچسپ رسوم انجام دئے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے دولہن کی رونمائی ہوتی ہے۔ دولھا سے توقع کیجاتی ہے کہ تورات کی چند آیتیں تلاوت کرے۔ ایجاب و قبول ہوتا ہے خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ چھلّے پہناتے ہیں۔ سات مرتبوں کے ساتھ دولہن رومال کا ایک گوشہ تھامے ہوئے رقص کرتی ہے۔ رومال کے ذریعہ اسلئے رقص کرتی ہیں کہ اہلِ یہود میں عورت اجنبی مرد کے بدن کے کسی حصہ کو مس نہیں کرسکتی۔ آخر میں جروسلم کی تباہی کی یادگار میں شراب کا پیالہ توڑتے ہیں۔

آغازِ سنِ عیسوی میں جب جروسلم پر رومیوں کا قبضہ ہوا تو یہودیوں پر سخت مظالم ڈھائے گئے۔ یہودی مشرقِ قصیٰ اور یوروپ کے ممالک میں پھیل گئے۔ عیسائیت کے عروج کے زمانہ میں ان پر تشدد کا اعادہ ہوتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ عربوں کے دورِ حکومت میں اسپین میں اہلِ یہود کو جو امن نصیب ہوا اسکی کہیں مثال نہیں مل سکتی۔ صدیوں کے انقلابات کے باوجود انکا مذہبی جذبہ قائم رہا۔ غربت اور بیچارگی کا یہ اثر ہوا کہ باہمی اتحاد اور اتفاق بڑھ گیا۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ انکے تصورات میں بھی تبدیلی واقع ہوی اور تین فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔ متعصب، قدامت پسند اور اصلاحی۔

**متعصب** فرقہ لفظ بہ لفظ مذہبی قانون کی تعمیل کرنا چاہتا ہے۔ کوشر کے قواعد اور سبت کا احترام نہایت ضروری سمجھتا ہے۔ معابد کی عبادت میں مردوں اور عورتوں کی نشستیں علحدہ رکھی جاتی ہیں۔ عبرانی زبان کو بھی اپنی عبادتوں میں قائم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذہبی قوانین اور قواعد کو ترمیم کرتے رہنا مذہب کو کالعدم کرنیکے مساوی ہے۔ انکی رائے ہے کہ تورات الفاظ میں موسیٰؑ پر نازل ہوئی اور زمانۂ مابعد میں تالمود کی شکل میں جو تورات کی تفسیر کی گئی وہ بھی الہامی رہنمائی کے تحت کی گئی۔ اس فرقہ کا خیال ہے کہ محض انسانی سہولت کیلئے قانون میں ترمیم نہ کیجائے۔

**قدامت پسند** فرقہ اسی حد تک ترمیم کی تائید کرتا ہے جو زمانۂ حال کے ساتھ مطابقت کرے۔ جماعتی عبادتوں میں

دیوتاؤں کا مقابلہ کریں، پتھر اور دھات کے بنائے ہوئے دیوتا نہیں بلکہ جھوٹے اور خیالی تصورات کا بھی۔

"رب ہمارا خدا، رب ایک ہے"

یہودیوں کے پاس انکا میز عبادت گاہ ہے دعا پڑھتے ہیں کھانے پر، پانی پر، نئے لباس کے پہننے پر۔ انکا گھر خدا کا گھر ہے۔ گھر کے دروازے کی چوکھٹ پر ایک ڈبیہ میں توراۃ کی چند آیتیں لکھکر لٹکاتے ہیں۔ آنیوالا اور جانیوالا اسکو بوسہ دیتا ہے۔ ایسی ہی ایک ڈبیہ سر پر اور دنڈ پر قلب کی جانب تسمے سے باندھتے ہیں عبادت کے وقت۔

**مٹزواہ** کے معنی عملِ صالح کے ہیں۔ قدیم زمانہ میں مذہبی پیشواؤں نے ۶۱۳ اعمالِ صالحہ کی فہرست مرتب کی تھی۔

**تالمود** میں اخلاق کی تعلیم پر زور دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مکالمہ کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

عقلمند کون ہے؟ جس نے سب سے سیکھا۔

طاقتور کون ہے؟ جس نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھا۔

دولتمند کون ہے؟ جو اپنی قسمت پر راضی رہا۔

عزت کے لائق کون ہے؟ جس نے دوسروں کی عزت کی۔

**مذہبی رسوم** جو اہلِ یہود میں رائج ہیں۔

**سبّت** یعنی ہفتہ کا ساتواں دن عبادت اور آرام کیلئے مختص ہے۔ یہ دن جمعہ کے روز سورج کے غروب سے شروع ہوتا ہے اور دوسرے دن سورج کے غروب پر ختم ہوتا ہے۔ جمعہ کی شام کو گھر کی مالکہ سات شاخوں والی شمع جلاتی ہے۔ صاحبِ خانہ کھانے کے میز پر جام شراب پر تقدوس پڑھتا ہے۔ سبّت کی صبح کی عبادت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس دن توراۃ کی تلاوت ثواب میں داخل ہے۔ یہ دن آرام کیلئے مخصوص ہے۔ کوئی کام نہ کرینگے اور نہ سفر پر روانہ ہونگے۔ اس دن سواری کا استعمال بھی ممنوع ہے۔ سبّت کے ختم کرنیکی رسم بھی خاص ہوتی ہے شمع روشن کرتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور خوشبو جلاتے ہیں اور اسکو "ہو فدلہ" کہتے ہیں۔ گویا یہ رسم سبّت کے دن کو ہفتہ کے بقیہ چھ دنوں سے جدا کرتی ہے۔

**غذا** میں سور کا گوشت اور چھلکے دار مچھلی ممنوع ہے۔ جانور کو ذبح کرکے خون بہانا ضروری ہے۔ کھانے کے برتنوں کو کوشر کرتے ہیں۔ کوشر کہتے ہیں برتن کو مذہبی طور پر صاف کرنے کو۔ گوشت کے استعمال کے برتن علٰحدہ اور دودھ وغیرہ کے برتن علٰحدہ رکھتے ہیں۔ ان دو قسم کے برتنوں کو ملانے کی اجازت نہیں۔

**پاسوور** اہم عید ہے جو سات روز منائی جاتی ہے۔ فرعون کی غلامی سے اسرائیلیوں کی خلاصی پانے کی یادگار ہے۔ پاسوور کیلئے ایک پرتکلف ضیافت ترتیب دیجاتی ہے۔ زراعت پیشہ اپنے فصل کی کچھ پیداوار اس تقریب میں بانٹتے ہیں۔ ضیافت کے آغاز میں **سیڈر** کی کڑوی جڑی بوٹی شراب کے ساتھ چباتے ہیں جو فرعون کی غلامی کے تلخ تجربہ کی یادگار ہے۔ جو لڑکے اور لڑکیاں پندرہ سال کی عمر کو پہنچی ہیں انکو اس تقریب کے موقع پر مذہب میں داخل کرنیکی رسم انجام دیجاتی ہے

# تثلیثِ عیسوی

اقتباس از ۱۔ امریکن لائف میگزین ۲۶ دسمبر ۱۹۵۵ء
۲۔ اسٹانڈرڈ انسائیکلوپیڈیا
۳۔ ایچ۔جی۔ ویلز۔ مختصر تاریخ عالم
۴۔ ہنڈرک وان لون۔ اسٹوری آف دی بائیبل

معترضہ بالا ذرائع سے مواد فراہم کیا گیا تنقید نہیں کی گئی اور نہ اسلامی نقطۂ نظر کو دخل دیا گیا

تاریخ و جغرافیہ۔ عیسیٰ علیہ السلام۔ حواریین۔ سوشٹامرٹ (عہد نامہ جدید) عقائد۔

سرمن آن دی مونٹ۔ پاپولر پریر۔ چرچ کا عروج۔ اصلاحات۔

اصل مبحث کے شروع کرنے سے پیشتر مناسب ہے کہ اس قطعۂ ملک کے جغرافیائی تاریخی اور سیاسی حالات اور مذہبی روایات کا مختصر تذکرہ کیا جائے جس سے عیسیٰؑ کی زندگی کے سمجھنے میں مدد مل سکے۔

**جوڈیا** اس قطعۂ ملک کا قدیم نام ہے جو فلسطین کے جنوب اور شرقِ اردن کے مغرب میں واقع ہے۔ انجیل میں جوڈیا کا نام عام طور پر مغربی فلسطین پر اطلاق کیا گیا ہے۔

**جروسلم**، فلسطین کے خاص شہر کا نام ہے۔ جس کی تفصیل ملتِ یہود کے ضمن میں صـ۲۲ پر مذکور ہے۔

**بیتلحم** (بیت اللحم) فلسطین کا ایک شہر ہے جو جروسلم سے ۵ میل ہے۔ یہ عیسیٰؑ کی ولادت کا مقام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ داؤدؑ بھی یہیں پیدا ہوئے تھے۔ یہاں گروٹو آف نیٹی ویٹی اور مختلف عیسائی فرقوں کی کنیسائیں ہیں۔ گروٹو کے معنی غار اور نیٹی ویٹی کے معنی جائے ولادت کے ہیں۔

**سیپلکر** کے معنی قبر کے ہیں اور ہولی سپلکر سے مراد وہ قبر ہے جس میں بقولِ نصاریٰ عیسیٰؑ دفن کئے گئے۔

**نازارتھ** (ناصرہ) فلسطین کا ایک شہر ہے جو پہاڑوں کے جوف میں، بحیرۂ ارزق اور بحیرۂ گلیل کے وسط میں واقع ہے عیسیٰؑ کی زندگی کا ابتدائی دور یہاں گزرا تھا اسلئے زمانۂ قدیم سے یہ مقام زیارت گاہ ہے۔

**کالواری** وہ جگہ ہے جہاں عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھایا گیا۔ دریافت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مقام کالواری چیپل کے نیچے واقع ہے۔

**آگسٹس سیزر** ۶۳ قبلِ مسیح میں پیدا ہوا اور ۱۴ء کو فوت ہوا۔ آگسٹس جولیس سیزر کی بھانجی کا بیٹا تھا جسکو اسکے

مرد اور عورت کو مل کر بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے۔ آرگن کے باجے کے ساتھ جماعتی گانے کو عبادت میں ترجیح دیتا ہے۔ سبت
کے احترام سے بعض امور کو مستثنیٰ کرتا ہے۔ سیر و تماشے اور خرید و فروخت کیلئے سواری کے استعمال کو منع کرتا ہے۔

**اصلاحی** فرقہ تورات کی لفظی پابندی کو لازم نہیں قرار دیتا اور اسکو ذہنی اور روحانی ارتقاء کا ذریعہ تصور کرتا ہے۔
تورات کے الفاظ میں نازل ہونے پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ غذا کے قواعد اور سبت کے احترام کے سوائے دوسرے رسوم
کی پابندی کرتا ہے۔ بزرگوں اور گزرے ہوئے لوگوں کی روحوں کیلئے سال میں ایک مرتبہ شمع جلاتے ہیں لیکن جنازہ کے وقت
کپڑے پھاڑ کر ماتم کرنا پسند نہیں کرتے

تاکید کے ساتھ کہا گیا ہے کہ خدا اپنے بندوں کے ساتھ بیحد محبت کرتا ہے۔ آپ کی تقریریں حکمت اور دانشمندی سے بھری تھیں
آپ نے اپنی حیثیت خدا کے بیٹے کی ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ بیٹے کی حیثیت سے خدائی پیام انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔
حکامِ وقت نے آپ کی اس تعلیم کو عوام کیلئے مضر قرار دیا اور آپ کو اُنکی تبلیغ سے روکنا چاہا۔ آپ جروسلم میں اپنے
پیرؤں کے ساتھ لاسٹ سپر (آخری کھانا) کھا چکے تھے کہ آپ کے ایک پیرو جوڈس اسکاریٹ کی سازش سے آپ کو گرفتار کیا گیا
اور پانٹیس پیلیٹ کے روبرو آپ کے حالات کی تحقیقات کی گئی۔ آپ نے دورانِ تحقیقات میں انتہائی عزم واستقلال کا ثبوت
دیا۔ کچھ تذبذب کے بعد پیلیٹ نے سزائے موت تجویز کی۔ آپ کو کالواری کے ٹیلہ پر سولی پر چڑھایا گیا اور دو بھی دو سارقین
کے ساتھ۔ جس دن آپنے وفات فرمائی اسکو گڈ فرائی ڈے (مبارک جمعہ کا دن) کہتے ہیں۔ جوزف نامی ایک شخص نے آپ کے
جسدِ مبارک کو لیجا کر دفنایا۔ کہا جاتا ہے کہ تیسرے دن آپ قبر سے برآمد ہوئے اور اکثر ومیشتر اپنے پیرؤں پر ظاہر بھی ہوتے رہے
چالیس دن کے بعد اُن پیرؤں کے روبرو آپ نے آسمان کی طرف عروج کیا۔

**حواریین**۔ عیسیٰؑ کے بارہ منتخب پیرو تھے جنکو اپاسٹلس یعنی حواریین کہا جاتا ہے۔ ان میں سے جوڈا اسکاریٹ غدار ثابت
ہوا۔ اس نے عیسیٰؑ کے گرفتار کروانے میں سازش کی تھی۔ پیٹر کی شخصیت خاص عظمت کی حامل ہے۔ انکے سوائے بقیہ حواریین
بالکل گمنام ہیں۔ انجیل سے ظاہر ہے کہ پیٹر پہلے شخص ہیں جنھوں نے عیسیٰؑ کی بعثت کی تصدیق کی اور انھوں نے ہی پہلے فصل
کی ضیافت (پنٹی کاسٹ) پر وعظ (**سرمن**) کہا تھا۔ بالآخر روم میں نیرو نے انکو ۶۵ عیسوی میں قتل کروایا۔

**سینٹ پال**۔ عیسیٰؑ کے بعد حواریین کی چھوٹی سی جماعت رہ گئی تھی۔ اس جماعت کو تکالیف پہنچانے میں "سال" نے
ابتداءً بہت بڑا عملی حصہ لیا مگر ۳۵ عیسوی میں انکے خیالات میں کچھ ایسی تبدیلی ہوئی کہ خود عیسائی بنگئے اور اپنا نام پال رکھا۔
۶۵ عیسوی میں پال بھی قتل کردئے گئے اور آگے چلکر سینٹ پال کہلانے لگے۔ سینٹ پال نہایت ذہین اور فریس تھے۔
یہودی اور زردشتی (متھرا ازم) مذاہب سے واقف تھے۔ اسکندریا میں یہودی علماء سے درس لیا تھا۔ عیسائی مذہب کی
تقویت میں انھوں نے بڑا کام کیا۔ تقریباً سارے مکتوبات جنکو **اپسٹلس** کہا جاتا ہے اور جو انجیل کے اہم جزء ہیں ان ہی کے
لکھے ہوئے ہیں۔ لائف میں لکھا ہے کہ پیٹر اور پال کے مسائل کا نتیجہ ہے کہ مسیحیت نے مذہب کی شکل اختیار کی۔ یہ بھی
اضافہ کیا ہے کہ عیسوی مذہب کے متعلق جو کچھ معلومات حاصل ہوئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسکے پیش کرنیوالے عیسیٰؑ نہیں
بلکہ سینٹ پال ہیں۔ ویلز نے لکھا ہے کہ پال نے دیگر مذاہب کے تصورات کو بھی جو مفید نظر آئے عیسائیت میں داخل کردیا۔
عیسیٰؑ کی اصل تعلیم اور تلقین اور جنت کے دارِ آخرت ہونے کے تصور کو واضح کرنے یا ترقی دینے کی طرف انھوں نے بہت کم
توجہ کی۔ انکی تعلیم یہ تھی کہ عیسیٰؑ صرف مسیح موعود یا یہودیوں کے پیشوا نہیں بلکہ آپ کی موت ایسی قربانی بھی تھی جیسی کہ
قدیم زمانہ کے پیشواؤں کی قربانیاں جو بنی نوعِ انسان کی نجات کی باعث تھیں۔ سینٹ پال نے اپنے پیرؤں کو تعلیم
دی تھی کہ عیسیٰؑ خدا تھے اور انھوں نے اپنی جان دی تاکہ پھر اُٹھیں اور بنی نوعِ انسان کو بقا عطا کریں۔

ماموں نے آغوش میں لیا۔ جولیس سیزر کے مارے جانیکے بعد آگسٹس روم کا کونسل منتخب ہوا۔ سلطنتِ روم کی تین حصوں میں تقسیم ہوئی تو مغربی حصہ آگسٹس کو دیا گیا۔ آگے چلکر مصر کا علاقہ بھی اسکو ملا۔ انتونی کی شکست کے بعد مشرقی حصہ بھی اسکے قبضہ میں آیا اس طرح آگسٹس ۲۹ء میں ساری سلطنتِ روم کا مالک تھا۔

**پانٹیس پیلیٹ** سلطنتِ روم کی جانب سے جوڈیا، سماریا اور انڈوماکیا کا پروکیوریٹر (گورنر) تھا۔ اسی کے دورِ حکومت میں عیسیٰؑ دار پر چڑھائے گئے۔ عیسیٰؑ کی نسبت منسوبہ الزامات کی تحقیقات کے دوران میں اسکا طرزِ عمل کیا تھا اس بارے میں اس طویل زمانہ میں مختلف اور متضاد روایتوں کا اظہار ہوتا رہا۔ ابی سینا کا کنیسہ ۲۵ جون کو اسکی یادگار سیلار سینٹ کے مناتا ہے اور مشرقی کنیسہ ۲۷ اکتوبر کو اسکی بیوی روکولا کی یاد مناتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پلیٹ گاؤں کو جلاوطن کیا گیا اور وہاں اس نے خودکشی کرلی۔

**بپاپٹسم** یا بپتسما کہتے ہیں عیسوی مذہب میں داخل کرنیکی رسم کو۔ پانی میں ڈبو کر یا سر پر پانی چھڑک کر پاک کیا جاتا ہے۔ عام کنیسوں میں یہ رسم طفولیت میں ادا کیجاتی ہے لیکن پروٹسٹنٹ اسکو بلوغ تک ملتوی کرتے ہیں اور پورے بدن کو پانی میں ڈبوتے ہیں۔ کنیسہ میں اس عمل کیلئے مخصوص مقام ہوتا ہے۔

**جیسس کرائسٹ** عیسیٰؑ کا نام ہے۔ جیسس یونانی لفظ ہے جو عبرانی لفظ "جوشوا" سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں "جھوا سچا تا ہے"۔ کرائسٹ یونانی لقب ہے جو عبرانی مسِتیا (مسیحا) کے مقابل ہے۔ عیسیٰؑ کی ابتدائی زندگی کے حالات ظاہر نہیں ہوئے ہیں۔ سینٹ پال نے کچھ اشارے کئے تھے جنکا ذکر گاسپلس میں ہے۔ روم میں آگسٹس سیزر کے عہد میں عیسیٰؑ جوڈیا میں اُس مقام پر پیدا ہوئے جسکو بیتلیم کہا جاتا ہے۔

آپ کی ولادت کی نسبت عیسائیوں میں نہایت اہم اختلاف ہے۔ سینٹ میتھیو اور سینٹ لیوک کے گاسپلس کے بعض جملوں کی بناء پر عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ آپ کی والدہ مریم (بتول) باکرہ تھیں۔ بکارت کے واقعہ سے عیسیٰؑ کی عصمت کی تائید ہوتی ہے لیکن بعض فرقوں نے جسارت کے ساتھ یہ ظاہر کیا ہے کہ آپ کے والد جوزف ناصرہ کے نجار تھے۔

ولادت کے کچھ دنوں بعد آپ کو کنیسہ میں لیگئے اور پھر آپ نے ناصرہ میں اپنے خاندان میں پرورش پائی آپ کی طفولیت کا ایک اہم واقعہ یہ بتایا گیا ہے کہ بارہ سال کی عمر میں، جروسلم میں کنیسہ کے مذہبی علماء کے ساتھ آپنے بحث کی تھی تیس سال کی عمر تک آپ نجاری کا پیشہ انجام دیتے رہے۔ اسکے بعد آپ کے ایک رشتہ دار جان نے شرقِ اردن میں آپ کا بپتسمہ کیا۔ آپ نے چالیس دن صحرانوردی کی، لوٹ کر آئے تو بارہ پیروؤں کو جمع کیا اور ان کو ساتھ لیکر تین برس گھومتے پھرے اور تعلیم و تلقین کرتے رہے۔ آپ کہانیوں کے پیرایہ میں تقریر کرتے تھے۔ آپ کی ایک تقریر سرمن آن دی ماؤنٹ (پہاڑ پر وعظ) کے نام سے مشہور ہے۔ آپ سے بہت سے معجزے ظہور میں آئے۔ آپ زیادہ تر حکومت کے نمایندوں کی تنقید کرتے اور انکے سلوک پر اعتراض کرتے تھے۔ گو آپ کے ملفوظات پراگندہ ہیں مگر ان میں

# سَرمَن آن دی مَونٹ

(وعظ)

مبارک ہیں وہ لوگ جو خوشحال نہیں ہیں اسلئے کہ آسمان کی بادشاہت رکھتی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو رنج سہتے ہیں اسلئے کہ انکو راحت ملیگی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو پستی میں ہیں اسلئے کہ وہ زمین کے وارث ہونگے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو حق میں بھوک پیاس برداشت کرتے ہیں اسلئے کہ انکی سیری ہوگی۔ مبارک ہیں رحم کرنے والے، اسلئے کہ انکے ساتھ رحم کیا جائیگا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنکا دل پاک ہے اسلئے کہ انکو خدا کا دیدار نصیب ہوگا۔ مبارک ہیں صلح کرنے والے اس لئے کہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنکو حق کیلئے اذیت دیجائیگی اسلئے کہ جنت کی دولت رکھتی ہے۔ مبارک ہو تم جب لوگ تم کو ملامت کرینگے، اذیت پہنچائیں گے، ہر قسم کے جھوٹے طعنے تشنے تراشیں گے، میری وجہ سے۔ خوش رہو اور مسرت کرو، اسلئے کہ جنت میں تم کو بڑا صلہ ملیگا۔ اسلئے کہ جو پیغمبر تم سے پہلے گزرے ہیں انکو بھی انھوں نے ایسی ہی اذیت پہنچائی تھی۔ تم زمین کے نمک ہو لیکن نمک نے اپنا ذائقہ کھو دیا ہے۔ کیسے نمک دیا جائیگا جبکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے سوائے اسکے کہ باہر پھینک دیا جائے تاکہ انسانوں کے پاؤں کے نیچے روندا جائے۔ تم دنیا کی روشنی ہو۔ شہر جو پہاڑ پر ہے وہ چھپ نہیں سکتا۔ نہیں ہو سکتا کہ لوگ بتی کو جلائیں اور پیپے کے اندر رکھیں بلکہ شمع پر تاکہ وہ روشنی دیتی ہے سارے گھر والوں کو۔ اپنی روشنی کو انسانوں کے سامنے اس طرح چمکنے دو کہ وہ تمھارے نیک اعمال کو دیکھ سکیں اور تمھارا باپ جو جنت میں ہے تم پر فخر کرے۔

# پاپولر پریئر

(مشہور دعا)

او ہمارا باپ جو آسمان میں ہے۔ تیرے نام کی عظمت ہو۔ تیری حکومت آئے۔ تیرا حکم زمین پر چلیگا جیسا کہ جنت میں چلتا ہے۔ ہم کو آج ہماری روزانہ روٹی دے۔ ہماری زیادتیوں کو معاف کر جیسا کہ ہم نے درگزر کیا ان سے جنھوں نے ہمارے حق میں زیادتی کی۔ ہم کو حرص و ہوس میں مبتلا نہ کر بلکہ بدی سے نجات دے۔ اسلئے کہ تیری ہی حکومت، قدرت اور عظمت ہمیشہ کیلئے۔ آمین

**اختلاف**۔ عیسیٰؑ کی اُلوہیت اور دنیا کو پیدا کرنیوالے خدا کی الوہیت کے درمیان کیا تعلق ہے، اختلاف پیدا ہوتا گیا۔ اس کے نتیجے کے طور پر تین فرقے وجود میں آئے۔ ایریس، سیابیلینس اور تثلیثی۔

**ایرینیس** کہتے تھے کہ عیسیٰؑ میں اُلوہیت ضرور تھی مگر یہ الوہیت خدا کی اُلوہیت سے بالکل جداگانہ اور کمتر تھی۔

**سیابیلینس** کہتے تھے کہ عیسیٰؑ میں خدا کا ایک رُخ تھا اور خدا خود عیسیٰ اور خدا دونو بیک وقت تھا۔

**بائیبل** کی تفصیل اسکے قبل ملّتِ یہود کے ضمن میں صفحہ میں بیان کی گئی ہے۔ یہاں نیوٹسٹامنٹ یا **انجیل** کے تعلق سے مزید صراحت کیجاتی ہے۔

**گاسپلس** جمع ہے گاسپل کی۔ گاسپل کے معنی ہیں بشارت کے۔ نیوٹسٹامنٹ کی پہلی چار کتابوں کو مجموعی طور پر گاسپلس کہا جاتا ہے۔ عیسیٰؑ کی زندگی اور انکی تعلیمات کی نسبت جس قدر معلومات فراہم ہوسکیں وہ ان میں درج ہیں۔ پہلے تین گاسپلس **مارک**، **میتھیو** اور **لیوک** کی لکھی ہوئی ہیں۔ انکے جملوں اور عبارت کی یکسانیت کی وجہ سے انکو سینا پٹک گاسپلس کہتے ہیں۔ چوتھی گاسپل جو **جان** کی طرف منسوب ہے وہ جداگانہ امور پر شامل ہے۔ مارک جو سب سے پہلے ہے اس نے پیٹر کے ذاتی معلومات سے استفادہ کیا۔ میتھیو نے اپنے طور پر یادداشت مرتب کی جس میں غالباً قیاس کا بھی دخل ہے۔ مارک کے ۶۶۱ جملوں میں سے ۳۰ کو چھوڑ کر بقیہ سب میتھیو، لیوک یا دونوں میں ہیں۔ میتھیو اور لیوک میں مجموعی طور پر مزید ۲۰۰ جملے ہیں۔ مارک کو پیٹر اور پال کا شرفِ صحبت حاصل رہا، سفر میں ان دونو کے ساتھ رہا۔ **لون** لکھتا ہے کہ ان گاسپلس کی زبان کی طرز کہتی ہے کہ یہ دوسری صدی عیسوی کی زبان ہے اور حقیقت میں اسکے مصنف مارک، میتھیو اور جان نہیں ہیں بلکہ انکے پیروؤں نے یہ کام کیا ہے۔ دوسری صدی عیسوی میں جو معلومات انکو حاصل ہوئے تھے انکو انھوں نے جمع کیا۔ ان گاسپلس کے مصنفین کو عیسیٰؑ کی صحبت حاصل نہیں ہوئی اور نہ انھوں نے عیسیٰؑ کو دیکھا اور نہ تبلیغ کرتے سُنا تھا۔

**عقائد**۔ خدا پر ایمان لاؤ جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا جیسس کرائسٹ پر جو اسکے اکلوتے بیٹے ہیں جن میں روح قدس نے سرایت کی اور مریم بتول سے پیدا ہوئے۔ انھیں سولی پر چڑھایا گیا اور فوت ہوئے اور دفن کئے گئے۔ پھر تیسرے دن قبر سے ظاہر ہوئے اور جنّت کی طرف عروج کئے۔ وہ پھر نازل ہونگے، زندوں اور مُردوں کے درمیان انصاف کرنیکے لئے۔

ایمان لاؤ روحِ قدس پر اور مقدس کیتھلک چرچ پر اور سینٹس (اولیاء) کی حاضری پر آخری کھانے (کمیونین آف سینٹس اِن دی لارڈس سپر) پر گناہوں کی بخشایش پر بدن کے حشر پر اور حیاتِ ابدی پر۔ لائف نے یہ بھی لکھا ہے کہ عیسوی مذہب کے اعتقادات کا اہم جز عیسیٰؑ کی اُلوہیت پر ایمان ہے۔

لہ لائف

ولز نے لکھا ہے کہ دنیائے عیسائیت کی اکثریت یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ عیسیٰؑ خدا کے قالب میں تھے۔ وہ خدا جو تمام روئے زمین کا خدا ہے جس کا یہودیوں نے اعتراض کیا تھا۔ آپ بڑے ہمدرد، رحمدل، جوشیلے، جذباتی اور تندمزاج تھے آپ کی تعلیم کی بنیاد ایک جدید آسان عقیدہ پر تھی۔ خدا کو بنی نوع انسان کا محبت کرنے والا باور کرتے اور دارِ آخرت پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اپنے لوگوں پر فخر کرنے اور دوسروں کی حقارت کرنے کی خصلت کی مذمت کرتے تھے۔ آپ نے اعلان کیا تھا کہ سب مال خدا کا مال ہے۔ آپ خانگی دولت کی بُرائی بیان کرتے اور فرماتے "اونٹ کیلئے سوئی کے ناکے میں سے گزرنا آسان ہے بہ مقابل اسکے کہ ایک دولتمند جنّت میں جائے۔" آپ فرماتے، نہ جائداد ہو نہ امتیاز، نہ فخر اور نہ فوقیت۔

کے آخر میں اسپین پر قبضہ ملنے کے ساتھ یورپ کو کاغذ اور طباعت کے فنون بھی ملے۔ بائیبل کے نسخے ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں آ گئے اور چرچ اور پیشوایانِ چرچ کی پیشوائی سے آزاد ہوئے۔

**مارٹن لیوتھر** نے ۱۵۱۷ء میں چرچ کے محل پر اپنے تاریخی ۹۵ سوالات کا پرچہ نصب کر دیا۔ اسکا ادعا یہ تھا کہ گنہگار کیلئے خدا کی طرف سے نجات یقینی ہے بشرطیکہ اس نے آسمانی وعدہ پر ایمان قبول کیا ہو۔ اسکے بعد کسی وسیلہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی نہ چرچ کی وساطت کی ضرورت ہے نہ کسی مقدس انسان کے وسیلہ کی۔ اس ضمن میں پوپ اور چرچ کی کونسلوں کی عصمت سے بھی انکار کیا اور دعوے کیا کہ فقط بائیبل انسان کی روحانی رہبری کیلئے کافی ہے۔

**جان کالون** (۱۵۰۹-۱۵۶۴ء) ایک بڑے فرانسیسی مذہبی عالم نے تقدیر کے مسئلہ کو آگے بڑھایا اور دعویٰ کیا کہ خدا

---

جس بندہ کو چاہے نجات دے اور جسکو چاہے بدبخت ٹھیرائے۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کے ارادہ کے موافق ہوتا ہے۔

آکنائیس لایالا نے اس خیال کی مدافعت کیلئے سوسائٹی آف جیسس قائم کی۔

**تفریق**۔ ان مباحث کا نتیجہ یہ کہ عیسائی مذہب کے پیرو تین گروہ میں تقسیم ہو گئے۔

۱۔ رومن کیتھلک۔

۲۔ ایسٹرن آرتھاڈکس۔

۳۔ پروٹسٹنٹ۔ پروٹسٹنٹ کے پھر بہت سے فرقے ہو گئے۔

رومن کیتھلک اور آرتھاڈکس چرچ کے آسمانی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور پوپ کی پیشوائی پر ان کا اعتقاد ہے۔ رومن کیتھلک سمجھتا ہے کہ جب وہ چرچ میں داخل ہوا تو غیب کے ایسے مقام پر داخل ہوا جہاں عیسیٰؑ موجود ہیں۔ پروٹسٹنٹ اس مقام پر حیران ہو جاتے ہیں اور انکے پیشوا سرمن (وعظ) کو اہمیت دیتے ہیں۔ رسوم مذہبی کی نسبت بھی ان میں اختلاف ہے۔ کیتھلک اور آرتھاڈکس سات مذہبی رسوم کو مانتے ہیں اور پروٹسٹنٹ صرف دو کو۔ پروٹسٹنٹ کہتے ہیں "ایک لارڈ (رب) ایک دین اور ایک بپتسما" بائیبل اور بائیبل کی تعبیر جو پادریوں نے کی ہے اسکو قطعیت کا درجہ دیتے ہیں۔ پوپ اور پادریوں کی روحانی قیادت پر کیتھلک ایمان رکھتے ہیں اور انکو معصوم باور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عوام کا منصب اسیقدر ہے کہ پادریوں کی وساطت سے جو روحانی نعمتیں ملتی ہیں انکو قبول کرے۔

**تکملہ**[1] کے طور پر چند متفرق امور آخر میں درج کئے جاتے ہیں۔

**آنٹی نامینزم**، نجات کیلئے صرف ایمان کافی ہے۔ دوسری صدی میں یہ تصور پیدا ہوا اور اسکے بعد سے مذہبی پیشوا اسکی تردید میں مصروف ہو گئے۔

**اِسکاٹالاجی**، دینیات کے اُس شعبہ کا نام ہے جسکا تعلق موت سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ موت، حشر اور محاسبہ وغیرہ

---

ڈاکٹر پال ٹِلچ کہتا ہے کہ بڑے خطرے کی علامت یہ ہے کہ موت کے بعد کے مسایل سے غفلت کیجاتی ہے۔ اگر عیسائیت کو دنیا وی

[1] لہ لالہ

تثلیث عیسوی

**تثلیث**۔ یہ کہتے تھے کہ خدا کی ذات میں ایک ہونے اور تین ہونے کی دونوں صفات مضمر ہیں، باپ، بیٹا اور روحِ قدس۔ بادی النظر میں یہ خیال تھا کہ شاید ایرینس کی رائے کو غلبہ ہوگا لیکن شدید ہنگاموں کے بعد ۳۲۵ء میں ایک بڑی کانفرنس میں تثلیث کے عقیدہ پر اتفاق ہوا اور عیسائیوں کا مسلمہ عقیدہ **تثلیث** قرار پایا۔

چوتھی اور پانچویں صدی میں جبکہ روم کی سلطنت کا سورج ڈھلنا شروع ہوا تو عیسوی مذہب کو فروغ پانے کا موقع ملا۔ روم کے پوپ نے اسقفِ اعظم کا لقب اختیار کیا۔ پانچویں صدی میں روم کے پادریوں نے سینٹ پیٹر کے جانشین ہونیکی حیثیت سے دوسروں پر فوقیت کا دعوےٰ کیا تو قسطنطنیہ کے پادریوں نے نہ صرف انکے دعوے کو تسلیم کرنے سے انکار کیا بلکہ انکے مذہبی دعاوی کی نسبت بھی اعتراضات کئے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی اور مشرقی کنیساؤں کے درمیان اختلاف کی زبردست خلیج حائل ہوگئی۔

**ولادتِ پیغمبرِ اسلام**۔ چھٹی صدی (۵۷۰ء) میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وحدانیت کے زبردست اعتقاد کے ساتھ پیدا ہوئے اور اپنی رسالت کو ارفع و اعلیٰ اور مختتم ظاہر کرتے ہوئے سابقہ پیغمبروں کی رسالت کا بھی اقرار کیا۔ تھوڑی ہی مدت میں اس جدید مذہب کو اسقدر قوت حاصل ہوئی کہ اسپین سے چین تک پھیل گیا۔ فلسطین کے یہودی اور عیسائی مقدس مقامات بھی مسلمانوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ آٹھویں اور نویں صدی میں ہارون الرشید اور مامون الرشید کے دورِ حکومت میں عربوں کی سلطنت انتہائی عروج کو پہنچ گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ یورپ خانہ جنگیوں اور لوٹ گھسوٹ میں تباہ و تاراج ہو رہا تھا۔ یورپین اقوام نے گیارھویں صدی میں فلسطین کے مقاماتِ مقدسہ کے واپس لینے کے ارادہ سے **جنگِ صلیبی** کا آغاز کیا مگر دو سو سال کی بے نتیجہ جنگ و جدل کے بعد انکا جوش سرد ہوگیا۔

**چرچ کا عروج**۔ قرونِ وسطیٰ میں تیرھویں صدی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ عیسائیوں میں چرچ کا اقتدار انتہائی عروج کو پہنچ گیا۔ پوپ اور چرچ کے احکام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنیکی کسی کو مجال نہ تھی۔ ہر ریاست کا تقریباً ایک تہائی حصہ چرچ کے تابع ہوگیا۔ ہر شخص اپنی آمدنی کا دسواں حصہ چرچ کو ادا کرتا تھا۔ جرمنی میں تختِ شاہی کی جانشینی کا تصفیہ پوپ اِنوسنٹ سوم نے کیا۔ فرانس کے بادشاہ کو اپنی مطلقہ بیوی کو واپس لینے پر مجبور کیا۔ اسپین کے بادشاہ لیون کو پوپ کے حکم سے اپنی بیوی کو چھوڑنا پڑا۔ اراگان کے بادشاہ نے پوپ کی اطاعت قبول کی۔ انگلینڈ کے بادشاہ جان کو مذہب سے خارج کرکے سالانہ خراج کے ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔

**فلسفہ**۔ عربوں کا فلسفہ اور سائنس تیرھویں اور چودھویں صدی میں یورپ پر اثرانداز ہوا۔ یونان کا کھویا ہوا فلسفہ عربوں کی وساطت سے انھیں ملا۔ سارے ملک میں خودمختار ریاستیں قائم ہوئیں۔ اور ایک عام بیداری شروع ہوئی۔ جان وکلف اور جان ہس نے چرچ کے خلاف آوازیں بلند کرنی شروع کیں۔ دنیاوی امور میں پادریوں اور چرچ کی مداخلت کی مذمت کی۔ بہرحال بقولِ ویلز ان دونو نے ایسی فضا پیدا کی جو آئندہ اصلاح کی باعث ہوئی۔ پندرھویں صدی

# حکماءِ یونان

## پانچویں صدی قبلِ مسیح

اقتباس از ۱۔ اسٹوری آف فلاسفی۔ مصنفۂ وِل ڈیورانٹ۔
۲۔ گریٹ فلاسفرس۔ مصنفۂ ٹامس اینڈ ٹامس۔

ہم نے ابھی دنیا کے اہم مذاہب کا ذکر کیا ہے جو اسلام سے قبل رائج تھے۔ ان میں سے بعض الہامی یا آسمانی کہے جا سکتے ہیں اور بعض انسانی دماغ اور ذہن کے پیدا کردہ ہیں! اسکے بعد ہم اُن اصول کو بیان کرتے ہیں جو یونان کے حکماء نے قائم کئے تھے۔ بعثتِ عیسیٰؑ سے پہلے پانچ صدی ایسے گزرے ہیں جس میں مسلسل یکے بعد دیگرے سرزمینِ یونان میں اعلیٰ دماغ رکھنے والے مفکرین پیدا ہوئے ہیں۔ انھوں نے سارا وقت بلکہ اپنی ساری عمر اس غور و فکر میں صرف کردی کہ اس کائنات کے اسبابِ علل اور غرض و غایت کو دریافت کرے! اس پیش رفت میں انھوں نے منطق، فلسفہ، مابعد الطبیعیات، اخلاق اور سائنس کے قوانین اور قواعد مرتب کئے اور انکو آلہ بنا کر خلقتِ کائنات کے اسباب دریافت کرنیکی کوشش کی۔ جن مبادیات سے ڈھائی ہزار برس پہلے انھوں نے بحث کی اور اصول قرار دئے تھے وہ آجتک بھی اپنی جگہ اٹل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فرد ایسا ہے جو ابتدائی زمانہ میں شاگرد تھا اور آگے چلکر اپنے وقت کا استاد بنا اور ایسا استاد بنا کہ سیکھے ہوئے فنون کی تنقید کی، نقائص نکالے اور پھر اصلاح کی اور اپنی ذاتی فکر کے نتائج کا اضافہ کرکے ان فنون کو تکمیل کیا۔ ممکن ہے کہ ان حکماء کی تعداد کثیر رہی ہو مگر ہم ان میں سے صرف چند مشہور شخصیتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| سقراط | ۴۶۹ - ۳۹۹ | قبل مسیح | عمر ۷۰ سال |
| افلاطون | ۴۲۷ - ۳۴۷ | قبل مسیح | عمر ۸۰ سال |
| ارسطاطالیس | ۳۸۴ - ۳۲۲ | ″ | عمر ۶۲ سال |
| اپی کیورس | ۳۴۲ - ۲۷۰ | ″ | عمر ۷۲ سال |

زندگی کی حد تک محدود کر دیا جائے تو مذہب ایک قالبِ بے جان ہو کر رہ جائیگا۔

**ماڈرنزم** یعنی جدت پسندی۔ تعبدی امور (ڈاگ ماز) کو نظر انداز کرتے ہوئے، تمدنی، اخلاقی، روحانی اور ادبی قدروں کا لحاظ کرتے اور محض معقولات کے ذریعہ بائبل کی تنقید کرنے کو ماڈرنزم کہتے ہیں۔ اکثروں نے اسکی مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ مذہبی ہدایتوں اور احکام کو سائنس کے نتائج کے ساتھ مطابق کرنیکی کوشش فعل عبث ہے۔

**سائنس، فلسفہ اور مذہب** کے امتزاج کے عنوان کے تحت بلاوسکی نے اپنی کتاب جلد دوم سیکرٹ ڈاکٹرین میں لکھا ہے کہ "سائنس دانوں کے نظریئے اور انکے نتائج قیاسی ہیں اور مغالطہ میں مبتلا کرتے ہیں اور ناواقف لوگوں کو اس سے دھوکہ ہوتا ہے۔ دھوکہ کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اسکا علم نہیں ہے کہ مذہب کی نسبت جب یہ بحث کرتے ہیں تو انکے فرض کئے ہوئے قضایا اور انکے نتائج دونوں ان ہی کے دماغ کے پیدا کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ کیسے ہی قابل کیوں نہ ہوں غلطی سے مبرا نہیں ہوتے۔ تجربہ شاہد ہے کہ سائنس کے نظریئے آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ مذہبی امور سے انکار کیا جاتا ہے اور اسکا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ اسکے باوجود روحانیات کے ماہر اور مذہب کے پیشوا اپنے دعوی پر قائم ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بیکن سے لیکر حالیہ رائل سوسائٹی تک، اس ساری طویل مدت میں سائنس کے مطالبات میں مضحکہ خیز غلطیاں ظاہر ہوتی رہی ہیں۔ اسکا نتیجہ ہے کہ ہم حالیہ سائنسی مفروضوں پر اعتماد کرنیکے عوض اپنے پیشواؤں پر بھروسہ کرنے لگے ہیں۔

انسان کی نسبت طبعیات کے ماہر کہتے ہیں کہ دنیا کے کسی قطعۂ زمین اور کسی آب وہوا میں کیوں نہ ہو سب انسان یکساں ہیں، رنگ، شکل وشباہت اور ساخت میں کچھ فرق یا قد وقامت میں کوئی تفاوت ہو تو ہو۔ یہ دعوے کہ انسان بندر جیسی نسل سے ترقی کرتا ہوا موجودہ شکل کو پہنچا ہے، سراسر محال ہے۔ اس کیلئے لاتعداد ہی مرحلے طے کرنیکی ضرورت ہے جو دوپاؤں کے حیوان کی شکل پیدا کرے اور پھر غیر ذی عقل سے ذی عقل کا پیدا ہونا قطعاً محال ہے۔

بھی ہوجائے تو کیا کہنا۔ دوسری زندگی کی امید موت کے مرحلہ کو آسان کر دیتی ہے (عزہ اور احباب کے موت کے صدمہ کو برداشت کرنیکی قوت دیتی ہے۔ ان امور پر اعتقاد کرنے میں ہمارا نقصان ہی کیا ہے بلکہ ہمارا اور آنیوالی نسلوں کا اسمیں فائدہ ہی فائدہ مضمر ہے"۔ یہ مختصر الفاظ افلاطون کے ذہنی صداقت کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہیں۔

**کردار**۔ انسان کے کردار کی تربیت کے لئے اس نے ایک طویل نظام العمل ترتیب دیا تھا۔ اس نے تجویز کی تھی کہ ہر شخص بیس برس تک کسان کا پیشہ انجام دے۔ اسکے بعد تیس برس تک فوج میں کام کرے اور اس طرح پچاس برس گزارنے کے بعد اس میں یہ اہلیت و صلاحیت پیدا ہوگی کہ دوسروں کی نگرانی اسکے سپرد کیجائے۔

**دولت** کی نسبت اسکی رائے تھی کہ کوئی شخص عام رعایا کی آمدنی کی چوگنی جائداد پیدا کرے تو اضافۂ مال کو قوم کے سپرد کرے۔ حاکم سے سارے ملکیت کے حقوق سلب کر دئے جائیں اور پھر خدمتِ خلق اسکے تفویض کیجائے۔ حاکم کسی مال و جائداد کا مالک نہیں بن سکتا اور نہ کوئی میراث چھوڑ سکتا ہے۔

**افلاطون**، ۴۲۷ قبل مسیح میں پیدا ہوا اور ۸۱ سال کی عمر میں ۳۴۷ قبل مسیح میں فوت ہوا۔ بیس برس کی عمر میں سقراط کی شاگردی میں داخل ہوا اور آٹھ سال تک اسکی صحبت میں رہا۔ سقراط کے ساتھ روم کی حکومت نے جو سلوک کیا اس سے اسقدر متاثر ہوا کہ ترکِ وطن کرے۔ اٹلی میں فیثاغورث کے صوفیانہ فلسفہ کو سیکھا۔ سیاحت میں بہت سا وقت صرف کیا۔ سسلی، سیرینی، مصر، جوڈیا اور کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں گنگا کے کنارے تک پہنچا۔ ایتھنس کے باغ میں "اکاڈمیا" کے نام سے اس نے درس گاہ قائم کی تھی۔

**فلسفی**۔ اسکا مقولہ تھا کہ یا تو فلسفی حاکم بنائے جائیں یا حاکم کو مجبور کیا جائے کہ فلسفہ کا مطالعہ کرے۔ بغیر اس کے بنی نوعِ انسان کی مشکلات حل نہیں ہوسکتیں۔

---

مذہب کی نسبت اسکا خیال تھا کہ وہی مذہب سچا ہے جسکی عقلِ انسانی تائید کرے اور وہ قانون ملک بہتر ہے جو مختصر اور سیدھا سادھا ہو اور اس پر عمل کرنا بھی آسان ہو۔ بدکار قابلِ رحم ہیں، انکو بدکاریوں سے روکا جائے نہ کہ سزا دیجائے۔ حُسن، انصاف اور محبت مترادف الفاظ ہیں۔

ڈیانی سیس نے سسلی میں سیراکیوس کے مقام پر افلاطون کو بلایا لیکن اسکی تعلیمات کو سنکر ایسا خوفزدہ ہوا کہ بطور غلام کے فروخت کر دیا۔

اسکی اکثر تصنیفات مکالمہ کی شکل میں ہیں اور انمیں سے ۳۵ مکالمے ہم تک پہنچے ہیں۔ ان مکالموں میں اہم متکلم سقراط ہے۔ سقراط کے زبانی اُن نظریوں کو پیش کیا ہے جو سقراط کے بعد قائم ہوئے ہیں۔ ان مکالموں میں مشہور مکالمے گارگیاس، پروٹاگورس، فایڈو، سمپوزیم، لاز اور ریپبلک ہیں۔ فلسفہ میں اس نے اپنے خصوصی نشانات چھوڑے جسکی وجہ سے فلسفہ کے ایک شعبہ کو افلاطونی فلسفہ کہا جاتا ہے جس نے آگے چلکر نیو پلیٹانک فلاسفرس پیدا کئے۔

# سقراط

## ۴۶۹-۳۹۹ قبل مسیح - ۷۰ سال

"میں اسی قدر جانتا ہوں کہ کچھ نہیں جانتا"

سقراط کا یہ قول اسکی دانشمندی اور فراست پر دلالت کرتا ہے۔ انسان کیا ہے اور کیا ہو سکتا ہے؟ نیکی کے کیا معنی ہیں اور بہترین حالت کونسی ہے؟ سقراط کا سارا وقت انہی مسایل کے غور و فکر میں گزرتا تھا۔ مذہب کی نسبت اسکا ذاتی عقیدہ عوام سے علیحدہ تھا۔ وہ ایک خدا پر ایمان رکھتا تھا اور یقین رکھتا تھا کہ موت اسکو فنا نہ کریگی۔ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ موت کا وقت آگیا ہے اور مرنے کیلئے اس سے بہتر موقع نہیں ملیگا جس سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔

"مجھے اپنا انجام معلوم ہے دعا کرتا ہوں کہ خدائے تعالےٰ اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف میرے سفر کو آسان کردے۔ میری التجا ہے کہ میری دعا بارگاہِ قبول کو پہنچے"۔ یہ الفاظ اسکے قلب کی سلامتی کو ظاہر کرتے ہیں۔ سقراط کے خلاف حکومتِ وقت نے یہ **الزام** عاید کیا تھا کہ

۱۔ عام خداؤں کو، جنکی پرستش اسوقت کیجاتی تھی، چھوڑکر سقراط نے ایک نیا خدا اپنے ذہن سے تراشا تھا۔

۲۔ نوجوانوں کے خیالات بگاڑ رہا تھا۔

اس الزام کو ثابت قرار دیکر موت کی سزا تجویز کیگئی۔ سقراط خندہ پیشانی کے ساتھ زہر کا پیالہ نوشِ جان کرتا ہے اور حکومتِ وقت سے خطاب کرکے کہتا ہے۔ "تم میرے عنصرِ خاکی کو ہلاک کرسکتے ہو مگر میری روح تمھارے قبضۂ اقتدار سے خارج ہے وہ باقی رہیگی اور دوسروں کیلئے مشعلِ ہدایت کا کام دیگی"۔

---

سقراط توحید کا قایل تھا، آخرت کا یقین رکھتا تھا اور اسی اصول پر نوجوانوں میں تبلیغ کرتا تھا۔ آخر وقت تک اپنے اس عقیدہ پر ثابت قدم رہا اور کلمۂ حق پر اپنی جان عزیز قربان کردی۔

۴۶۹ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ ابتدائی زندگی میں سپاہی رہا، تین فوج کشیوں میں حصہ لیا اور اسکے بعد فلسفہ میں مستغرق ہوگیا۔ زینوفن اور افلاطون اسکے دو خاص شاگرد تھے۔ ۳۹۹ قبل مسیح میں اسکی موت واقع ہوئی مگر اسکی تعلیم زندۂ جاوید ہے۔

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق ثبت است بر جریدهٔ عالم دوامِ ما

# افلاطون

## ۴۲۷-۳۴۷ قبلِ مسیح - ۸۱ سال

---

"خدا کے وجود کا اقرار کئے بغیر کوئی قوم دائم نہیں رہ سکتی"۔ خدا کے یقین کے ساتھ اگر شخصیت کی بقاء کا یقین

میں صرف غذائیت اور تولید کا کام کرتی ہے۔حیوانات میں احساس کے ساتھ حرکت بھی پیدا کرتی ہے۔انسان میں غور وفکر کا اضافہ کرتی ہے۔قوائے جسمانی کا مجموعہ روح ہے' جسم کے بغیر اسکا وجود نہیں۔روح اور بدن باہم ایسے ملے جلے ہیں جیسا کہ موم اور اسکی صورت صرف تصور میں دونو کے درمیان تقسیم ہوسکتی ہے' حقیقت میں دونو ذات واحد میں متحد ہیں۔

۶۔ **خیر** بذاتہٖ زندگی کا مقصد نہیں ہے بلکہ ذریعہ ہے سعادت کے حصول کا۔دوستی سے سعادت کو خارجی امداد ملتی ہے' دوسروں کی شرکت سے سعادت میں نسبتہً اضافہ ہوتا ہے۔

۷۔ **صفاتِ انسانی** کے تین مدارج ہیں۔پہلا دوسرا اور تیسرا درجہ۔یا یوں کہئے ایک لکیر میں تین نقطے ہیں۔لکیر کے دو کناروں کے دو نقطے اور ان دونو کے درمیان وسط میں ایک نقطہ۔تیسرا طریقہ یہ ہے کہ افراط' تفریط اور اوسط انسانی صفات میں افراط اور تفریط دونو مذموم ہیں اور صرف اوسط ممدوح ہے۔ایک طرف بزدلی مذموم ہے تو دوسری طرف دلیری بھی مذموم ہے اور ان دونو کے درمیان بہادری ممدوح ہے۔ذلت اور فخر کے درمیان انکساری' رازداری اور بیہودہ گوئی کے درمیان دیانت داری۔خاموشی اور مسخرے پن کے درمیان ظرافت۔تند مزاجی اور خوشامد کے درمیان دوستی سہل انگاری اور جلد بازی کے درمیان خودداری۔

**طریقِ اصلاح**۔اپنی صفت کی ایک انتہا کا علم ہونے پر اس صفت کی دوسری انتہا کے حصول کی کوشش کیجائے تو اوسط درجہ کو پہنچنا آسان ہوسکتا ہے جو مستحسن ہے۔خمدار لکڑی کے خم کو دور کرنے کیلئے لکڑی کے خم کے خلاف اسکو جھکایا جاتا ہے۔ناواقف انتہا پسند' اوسط کی خوبی کو عیب تصور کرتا ہے۔بزدل بہادر کو دلیر سمجھتا ہے اور دلیر بہادر کو بزدل اسی طرح دیگر صفات کی نسبت قیاس کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ **انسانِ کامل** وہ شخص ہے جو بے محل اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالے' لیکن جب اسباب مقتضی ہوں تو جان کے قربان کرنے میں دریغ نہ کرے۔دوسرے کی خدمت کرے' دوسرے سے خدمت لینا عار سمجھے۔اپنے محاسن کا اعلان کرنے سے باز آئے اور دوسرے کی ستائش کا منتظر نہ رہے۔حسد و بغض نہ کرے کسی سے نقصان پہنچے تو اسکو بھول جائے غیبت نہ کرے۔حرکت کرے تو سنجیدہ' بات کرے تو سوچ سمجھکر اور متین لہجہ میں۔زندگی کے حادثات کو استقلال کے ساتھ برداشت کرے۔وہ اپنا آپ دوست ہوگا اور گوشۂ عزلت میں عافیت پائیگا۔

۹۔ **اشتراکیت** کے خلاف ارسطو کا تصور یہ ہے کہ مشقت کے برداشت کرنیکے لئے نفع کے حصول کی توقع ضروری ہے' ملکیت کا جذبہ مشقت کی تلخی کو دور کرتا ہے۔عام انسان حیوان سے زیادہ قربت رکھتے ہیں بہ نسبت الوہیت کے نتیجہ یہ کہ کاہل اور سست افراد کی کثرت ہے' ایسے افراد قعرِ مذلت میں ہونگے حکومت کی جانب سے انکی مدد کرنا ایسا فعلِ عبث ہے جیسا کہ ٹوٹے ہوئے کوزے میں پانی ڈالنا بعض افراد پیدایش سے اطاعت کیلئے پیدا ہوئے ہیں اور بعض حکومت کیلئے۔

۱۰۔ **حکومت** فرد کیلئے ہے نہ کہ فرد حکومت کیلئے۔بوڑھے حکومت کیلئے اور جوان اطاعت کیلئے زیادہ موزوں ہیں۔

# ارسطو

## ۳۸۴ - ۳۲۲ قبل مسیح - عمر ۶۲ سال

**ارسطو** ۳۸۴ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ اسکا باپ مقدونیہ کے بادشاہ کا طبیب تھا۔ اس نے خود طب کی تعلیم پائی۔ تکمیل تعلیم کیلئے ایتھنز گیا اور ۲۰ سال وہاں رہا۔ ایک مدت اس نے افلاطون کی شاگردی میں صرف کی۔ ۳۴۷ میں جب افلاطون فوت ہوا تو ارسطا طالیس نے ایتھنز کو ترک کیا۔ ۳۴۳ میں مقدونیہ کے بادشاہ فلپ کی طلبی پر مقدونیہ گیا اور اس کے بیٹے الگزینڈر (اسکندر) کا اتالیق بنا اور الگزینڈر کی تاجپوشی کے بعد ایتھنز واپس ہوا اور افلاطون کی طرح **پری پیاٹاٹس** (علمائے مشائین) کے نام سے مدرسہ قائم کیا۔

ارسطو اپنے زمانہ کا بہت بڑا دانشمند اور مفکر تھا آنیوالی نسلوں نے اسکو اتنا سراہا کہ معلم اوّل کا لقب دیا۔ آرگیانن، ارسطو کی ایسی تصنیف ہے جس میں منطق، اخلاق، سیاست اور فلسفہ کے فنون میں اپنے اصول اور تصورات کو اس نے قلمبند کئے ہیں۔ افلاطون اور ارسطو کی تعلیمات میں یہ فرق ہے کہ افلاطون نے تصور (ارادہ اور رویت) کو اہمیت دی تھی تو ارسطو نے تصور اور حقیقت کے درمیان بہترین امتزاج کیا۔ ارسطو کا سیاسیات کا نظریہ بنیاد ہے **پولٹیکل فلسفہ کا۔** ارسطو کی اخلاقیات دراصل یونانی تصورات کی تشریح ہے منطق کے جو اصول اور مبادیات اس نے مقرر کئے تھے وہ آج دو ہزار برس تک قائم رہے۔ اسکی تصنیف ڈی انیما (روح کی نسبت) نہایت اہمیت رکھتی ہے۔

مختلف فنون میں، ارسطو کے بعض نظریئے ذیل میں قلمبند کئے جاتے ہیں۔

۱۔ **انسان** حیوانِ ناطق (راشنل) ہے۔

۲۔ کسی مسئلہ کی نسبت صحیح **سوال** کرنے میں اس مسئلہ کا نصف علم حاصل ہوتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ کسی فن میں کوئی سوال پوچھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی نسبت پہلے سے ایک حد تک علم حاصل ہو مگر وہ علم تشنہ ہو۔ یہ دونو امور منطق اور فلسفہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

۳۔ **خدا** کی نسبت اسکا تصور یہ ہے کہ خدا علت العلل ہے یعنی وہ علت ہے دوسروں کیلئے اور اس کیلئے کوئی علت نہیں ہے اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ خدا خود پیدا نہیں کرتا بلکہ وہ حرکت دیتا ہے۔ عالم (دنیا) کو اور وہ عالم کا علت العلل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا عالم کو اسی طرح حرکت دیتا ہے جیسا کہ معشوق عاشق میں حرکت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

۴۔ **خدا** عالمِ بذاتہٖ ہے، ہماری نظروں سے غائب ہے۔ وہ خود کچھ نہیں کرتا، کوئی خواہش اور غرض نہیں رکھتا۔ بالکلیہ کامل ہے، کوئی نقص اس میں نہیں ہے

۵۔ **روح**، جسم میں عمل کرنیوالا اہم جزو ہے۔ بدن کے سارے قویٰ کے عمل کا دارومدار روح پر ہے۔ روح، عالمِ نباتات

۱۔ دنیا کبھی معدوم نہ تھی اور نہ عدم سے وجود میں آئی۔ اسلئے کہ کوئی چیز عدم محض سے وجود میں نہیں آ سکتی۔

۲۔ دنیا فنا نہیں ہو سکتی۔ اسلئے کہ کوئی چیز جو موجود ہے معدوم نہیں ہو سکتی۔

۳۔ نتیجہ یہ کہ مادّہ (ہیولیٰ) ہمیشہ قائم رہیگا۔

**آٹمس** نہ بڑھتے ہیں اور نہ گھٹتے اور نہ فنا ہوتے۔ اس دنیا کی طرح بہت سے عالَم ہیں۔

**سعادت** کی بنا ء لذت پر قائم کی بلکہ اسکا قول ہے کہ فقدانِ آلام کا نام لذت ہے۔ ضرورت اسکی ہے کہ لذت کی نوعیت کا صحیح تصوّر پیدا کیا جائے محض انفرادی لذت کوئی چیز نہیں ہے۔ قلب کے کامل اطمینان کا نام لذت ہے۔ **خیر** کے بغیر قلب کو اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ اِپی کیورس کے اس نظریہ کے خلاف اسکے پیرؤں نے سعادت کو محض جسمانی لذتوں کی حد تک محدود کر دیا۔

**اِرتقاء**۔ ڈارون سے کامل ۲۲۰۰ برس پہلے اِپی کیورس نے ارتقاء کا نظریہ پیش کیا تھا۔

**تردید**۔ دیگر فلسفیوں نے اِپی کیورس کے نظریوں کی اسطرح تردید کی ہے کہ غیر ذی عقل مادہ سے ذی عقل تصوّر کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ آٹمس میں حرکت کیسے پیدا ہوئی، اسکی وجہ غیر ظاہر ہے۔ ہم موت پر قابو نہیں پا سکتے مگر موت کے خوف کو دور کر سکتے ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ سعادت کم سے کم مشقت کے ذریعہ حاصل کریں۔

**۱۱۔ سعادت۔** انسان ایک مقصد کیلئے پیدا ہوا ہے اور وہ مقصد حصولِ سعادت ہے۔ سعادت حاصل ہوتی ہے خیر کے عادی ہونے پر۔ ہم بعض وقت سعادت حاصل کر سکتے ہیں سعادت کو ترک کر کے۔

**۱۲۔ عورت** عقل اور بدن دونوں میں ناقص ہے۔ نوعِ انسانی کی نامکمل جنس کو عورت کہتے ہیں۔ مرد کو عورت پر فطرۃً فوقیت حاصل ہے۔ مرد کو سرداری اور عورت کو اطاعت زیبا ہے۔ عورت کا ارادہ کمزور ہے، اسلئے کامل آزادی کے لائق نہیں۔ عورت کیلئے بہتر فضا گھر کے سکون میں ہے اور خارجی امور مرد کے مشوروں پر موقوف ہیں۔ عورت کو امورِ خانہ داری میں فوقیت دینی چاہئے۔ مرد کی خوبی حکومت میں ہے اور عورت کی خوبی اطاعت میں۔ خاموشی عورت کی بڑی صفت ہے۔

**۱۳۔ اسقاط۔** ولادت کے بعد، بچوں کے ہلاک کرنیکے مذموم طریقہ کو بند کر کے حمل کے اسقاط کو رائج کرنا چاہیئے۔ اسقاط کا ارادہ کیا جائے جنین میں جان پڑنے سے پیشتر۔

**۱۴۔ ڈسپلن** یعنی تادیب۔ جس نے اطاعت کی عادت نہیں کی وہ اچھا سردار نہیں ہو سکتا۔ اچھے شہری ہونے کے لئے دونو صفات کی ضرورت ہے۔

**تصنیفات۔** ارسطو نے میٹافزکس (معقولات) میں آلہیات سے بحث کی ہے، پالیٹکس میں سیاستِ مدن سے اور اتھیکس (اخلاق) میں تدبیر منزل سے۔ بہترین سیاستِ مدن وہ ہے جس میں ہر شخص کو آزادیٔ عمل حاصل ہو اور عافیت کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ ارسطو کو افلاطون کی ریپبلک سے اختلاف تھا۔

# اپی کیورس

## ۳۴۲۔۲۷۰ قبل مسیح۔ عمر ۷۲ سال

**اپی کیورس،** یونان کے جزیرۂ ساموس میں ۳۴۲ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ ایتھنز میں گارڈن آف اپک کے نام سے ایک درسگاہ اس نے قائم کی جس میں اپنی تعلیمات کی تلقین کرتا تھا۔ اس درسگاہ کی خصوصیت یہ تھی کہ متعلمین نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اس نے خدا کی الوہیت سے انکار کیا مگر انسان کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا۔ منکرین نے اسکی نظموں کو بائیبل کا رتبہ دیا۔ ۲۷۰ قبل مسیح میں اسکی موت واقع ہوئی۔ اسکے بعض اقوال یہ ہیں۔

**زندگی** کا مقصد یہ ہے کہ اس سے ممکنہ لطف حاصل کیا جائے۔ دنیا کے حادثات میں ایک حادثہ زندگی بھی ہے۔ اس حادثہ کو خوشگوار اور دلچسپ بنایا جا سکتا ہے۔ یہ اُسی وقت حاصل ہوگا جبکہ ہم اپنے دماغ سے دیوتاؤں اور موت کے خوف کو دور کر دیں۔ زندگی ایک مسلسل کشمکش کا نتیجہ ہے جسم کی طرح روح بھی فنا ہوتی ہے۔ **دنیا** کسی خدا کی صنعت نہیں ہے بلکہ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ غیر محدود خلا میں آٹمس کی حرکت سے دنیا پیدا ہوئی۔

**دلائل۔** امور ذیل کو اپنے قیاسات کی بناء قرار دیتا ہے۔

# کندی

## (ابو یوسف یعقوب بن اسحٰق) ۸۰۳-۸۷۳ ۷۰ سال

**کندی** کے والد اسحٰق ابن صباح خلفائے عباسیہ مہدی، ہادی اور رشید کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے۔ کندی بصرہ میں پیدا ہوئے۔ عام قدیم تعلیم کے ساتھ انھوں نے سُریانی اور یونانی زبانیں سیکھیں۔ خلفاء عباسیہ کا دَورِ اوّل علوم و فنون کی ترویج میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ مامون الرشید کے زمانہ میں دیگر زبانوں سے علوم و فنون کا ترجمہ عربی میں کیا گیا تو مترجمین کے طبقہ میں کندی کو خصوصیت حاصل تھی۔ انھوں نے ارسطو کی تعلیمات پر شرحیں لکھیں اور اپنی تعلیقات کا اضافہ کیا اور ارسطو کے خیالات کی تدریس میں اپنی عمر وقف کردی۔ بخلاف دیگر فلاسفہ کے کندی کو علمِ کیمیا سے نفرت تھی۔ کندی کے مزاج میں بحالت وجز ورسی تھی انکی نظموں میں حزن و ملال کا غلبہ ہے جو فلسفیوں کا امتیازی وصف ہے۔ کندی طبیب بھی تھے۔ کندی کی تالیفات معقولات کی حدتک محدود تھیں۔ دینی مسائل سے بہت کم بحث کی ہے۔

**وحدت وبساطتِ** واجب الوجود۔ کندی نے رسالۂ توحید میں واجب الوجود کی وحدت اور بساطت کا نظریہ پیش کیا ہے جو اصل میں ارسطو کے دماغ کی کاوش کا نتیجہ ہے اس نظریہ کے حامی صفتِ مطلقہ سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صفتِ مطلقہ ذات سے ممیز ہوتی ہے۔ ارسطو صفات کا منکر تھا اسی معنی میں اور کہتا تھا کہ ذات اور صفات شیٔ واحد ہیں اور بساطتِ واجب الوجود سے مراد یہی ہے۔

**معتزلہ** اسی کی تقلید میں کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ بذاتہٖ علیم اور بذاتہٖ قادر ہے۔ وہ جانتا ہے اور قدرت رکھتا ہے اور اس علم و قدرت کیلئے اسکو کسی صفت کی احتیاج نہیں ہے۔

**جمہورِ مسلمین** کا صفاتیہ گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ صفاتِ علم و قدرت کے ذریعہ علیم اور قادر ہے اور یہ صفات اسکی ذات کے ساتھ قایم ہیں اور اسکی ذات سے منفصل نہیں ہوتیں۔

**الحاد**۔ خلیفۂ متوکل کے عہد میں کندی پر الحاد کا الزام لگایا گیا۔ کندی کے مخالفین میں سے دو اشخاص محمد اور احمد نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اتنا تعاقب کیا کہ اسکو گرفتار کروایا اور اسکی کتابیں چھنوا دیں۔

# فارابی

## (ابو نصر) ۸۶۸-۹۵۰ ۸۲ سال

**فارابی** فارسی الاصل تھے، خراسان میں، فاراب کے قطعہ میں شہر وسیج میں پیدا ہوئے۔ انکی زندگی نہایت عسرت میں گزری۔ دمشق میں باغ کی نگرانی پر مامور تھے اور چوکیدار کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرتے تھے۔ بچپن میں وطن چھوڑا اور

# فلاسفۂ اسلام

**اقتباس** از تاریخ فلاسفۃ الاسلام مؤلفہ محمد لطفی جمعہ مترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین

فلاسفۂ اسلام کے دو گروہ ہیں فلاسفۂ مشرق و فلاسفۂ غرب

فلاسفۂ شرق میں مشہور کندی، فارابی، ابن سینا اور غزالی ہیں انمیں صرف کندی عراقی ہیں اور بقیہ تینوں کا تعلق ماوراء النہر سے ہے۔

فلاسفۂ غرب میں مشہور ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن رشد ہیں۔ ان تینوں کا تعلق اندلس (اسپین) سے ہے۔ شرق و غرب کی تقسیم بلحاظ وقوع بحر اوسط (میڈی ٹرینین سی) کیگئی ہے۔ اندلس چونکہ بحر اوسط کے غرب میں واقع ہے اسلئے اندلس کے فلاسفہ 'فلاسفۂ غرب' کہلائے اور انکے مقابل بحر اوسط کے شرق کے فلاسفہ 'فلاسفۂ شرق' کہلائے۔ سہولت کیلئے بعض خلفاءِ عباسی کے عہدِ حکومت کی تواریخ بھی درج کیجاتی ہیں۔

## دورِ حکومت

| | |
|---|---|
| ہارون الرشید | ۷۸۶ - ۸۰۸ء |
| مامون الرشید | ۸۱۳ - ۸۳۳ء |
| معتصم باللہ | ۸۳۳ - ۸۴۲ء |

## فلاسفہ

| | | | |
|---|---|---|---|
| کندی | ۸۰۳ - ۸۷۳ء | ۷۰سال | ۱۸۸ - ۲۵۸ھ |
| فارابی | ۸۶۸ - ۹۵۰ء | ۸۲سال | ۲۶۰ - ۳۳۹ھ |
| اخوان الصفا | ۹۶۰ | | وسط صدی چہارم |
| ابن مسکویہ | ۱۰۲۷ء | | ۴۲۱ھ |
| ابن سینا | ۹۸۰ - ۱۰۳۷ء | ۵۷سال | ۳۷۰ - ۴۲۸ھ |
| ابن ہیثم | ۹۹۴ - ۱۰۳۰ء | ۴۶سال | ۳۵۴ - ۴۳۰ھ |
| غزالی | ۱۰۵۸ - ۱۱۱۱ء | ۵۳سال | ۴۵۰ - ۵۰۵ھ |
| ابن باجہ | ۱۱۳۸ء | | ۵۳۳ھ جوانی میں فوت |
| ابن طفیل | ۱۱۸۵ء | | ۵۸۰ھ |
| ابن رشد | ۱۱۲۶ - ۱۱۹۸ء | ۷۲سال | |
| شیخ ابنِ عربی | ۱۱۶۳ - ۱۲۳۹ء | ۷۶سال | ۵۶۰ - ۶۳۸ھ |
| ابن خلدون | ۱۱۳۹ - ۱۴۰۳ء | ۷۴سال | ۷۳۲ - ۸۰۸ھ |

**قوتِ متخیلہ** بعض افراد میں قوی ہوتی ہے اور اسی لحاظ سے انکے مدارج کا تعیّن ہوتا ہے۔ ہر انسان مدنیۂ فاضلہ کا رئیس ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ رئیس تمام کمالات کا جامع ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس پر عقلِ فعال کے ذریعہ وحی نازل کرتا ہے۔

**حکومتِ** اعلیٰ وہ ہے جسکا حاکم فلسفی ہو۔ بہتر حکومت وہ ہے جو دینی اور دنیاوی دونوں امور پر حاوی ہو۔

**روح،** ایک جوہرِ بسیط ہے اور مادہ کی مدد کے بغیر فہم و ادراک پر قادر ہے۔ اسکے مختلف مظاہر اور متعدد وظائف ہیں۔

# اِخوانُ الصّفا

## (جمعیتِ) تخمیناً ۔۔ چوتھی صدی ہجری کا وسط

**بنیادی ارکان۔** ۱۔ ابو سفیان محمد بن معشر البستی مشہور بہ مقدسی۔

۲۔ ابو الحسن بن علی بن ہارون الزنجانی۔ ۳۔ ابو الحمد المہرجانی۔ ۴۔ العوفی۔ ۵۔ زید بن رفاعہ۔

**جمعیتِ اخوانُ الصّفا۔** دورِ عباسی میں حکمارِ یونان کی تصنیفات کے ترجمے عربی زبان میں ہوئے اور انکی تعلیمات کی عام طور پر اشاعت ہوئی کندی نے زیادہ کام ترجموں کا کیا تو فارابی نے ان فنون میں اتنا ملکہ حاصل کیا کہ ان پر شرحیں لکھیں اور اپنی جانب سے بعض اضافے کئے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب اور فلسفہ کے درمیان ایک نوع کا تصادم ہونے لگا۔ تقریباً سو سال گذرے تھے کہ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں "جمعیتِ اخوان الصفا" کے نام سے بغداد میں ایک خفیہ جماعت قائم ہوئی جسکا مقصد یہ تھا کہ شریعت کے مسائل کو فلسفہ کے سانچے میں اس طرح ڈھالا جائے کہ باہمی منافرت کو دور کرکے موافقت پیدا کیجائے۔ اس جماعت کے اجلاس پوشیدہ ہوا کرتے تھے۔

**تصنیفات۔** اس جماعت نے اپنے خاص اغراض کی تکمیل کیلئے باون (۵۲) رسالے تصنیف کئے۔ تعلیمی ریاضی میں چودہ (۱۴)۔ طبیعیات میں سترہ (۱۷)، نفسیات میں دس (۱۰) اور الٰہیات میں گیارہ (۱۱)۔ ان باون رسائل کے فلسفہ کا خلاصہ ایک جامع رسالہ کی شکل میں بھی مرتب کیا گیا۔ **معتزلہ** اور انکے متبعین ان رسائل کو نقل کرتے، انکا درس دیتے اور بلادِ اسلامی میں انکی اشاعت کرتے تھے۔

**اجلاس۔** اس جماعت کے اجلاس پوشیدہ ہوا کرتے جس میں اراکین منتخبہ معتینہ اوقات میں جمع ہوتے۔ کسی اجنبی کو شرکت کی اجازت نہ ہوتی۔ نہایت رازداری کے ساتھ شریعت کے مسایل اور فلسفہ کے مختلف فنون و علوم کی نسبت تبادلۂ خیال کرتے۔ تصنیفاتِ مخولۂ بالا سے اس جماعت کی تعلیمات کا بہ تفصیل انکشاف ہو سکتا ہے۔ ہم یہاں چند امور کا ذکر کرتے ہیں۔

**طبائعِ** انسانی کے اختلاف کے پانچ وجوہ بیان کئے ہیں۔ اخلاطِ بدن، آب و ہوا، عقائدِ میراثی اور احکامِ نجوم بوقتِ استقرارِ حمل ان سب کے اثرات ایسے ہیں جو افرادِ انسانی کی طبائع میں امتیاز پیدا کرتے ہیں۔

**مراتبِ** انسانی کے تین مدارج بیان کئے ہیں۔ ایک مرتبہ نفسِ انسانی کے اوپر اور ایک نیچے اور ایک خود مرتبۂ انسانی۔

**اخلاق** کی بھی تقسیم کی ہے۔ بعض اخلاق کو نفس نباتی شہوانی سے منسوب کیا ہے اور بعض کو سبعی غضبی سے اور بعض کا تعلق

بغداد پہنچے اور بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ فارابی مسیحی استاد یوحنا سے قدیم علوم کو حاصل کیا۔ علوم حکمیہ ریاضی اور طب میں مہارت رکھتے تھے۔ فارسی اور ترکی کے علاوہ یونانی اور سُریانی زبانیں سیکھیں۔ ارسطو کی کتابوں کا ترجمہ کیا اور ان پر شرح لکھی منطق، طبعیات، ماوراء الطبیعیات، سیاستِ مدن اور اخلاق پر انکی تصنیفات مشہور ہیں۔ ارسطاطالیس اگر معلمِ اول کہلاتا تھا تو فارابی معلمِ ثانی یا "ارسطاطالیسِ عرب" کہلانے لگا۔

**ارکانِ مجردہ ستہ**۔ فارابی کہتا ہے کہ ارکانِ مجردہ چھ ہیں مبدءِ اول، سبب اول فرد ہے اس میں تعدد نہیں۔ عقل اجرام سماویہ، عقلِ فعال، نفس، صورت اور مادۂ معنویہ۔ پہلے تین ارکان اجرام نہیں ہیں اور آخری تین اجرام تو نہیں ہیں مگر اجرام سے تعلق رکھتے ہیں۔

**اجرام** کی قسمیں یہ ہیں۔ اجرامِ فلکیہ، انسان، حیوان، نباتات، معدنیات اور عناصرِ اربعہ۔

**عقل** کے چھ معنی فارابی نے بیان کئے ہیں

۱۔ وہ معنی جو عام طور پر جمہور میں رائج ہیں اور جسکے لحاظ سے انسان کو عاقل کہا جاتا ہے۔

۲۔ وہ معنی جو متکلمین کہتے ہیں کہ یہ وہ چیز ہے جسکو عقل واجب قرار دیتی ہے یا جسکی نفی کرتی ہے۔

۳۔ ارسطو نے وہ معنی لئے ہیں جس سے صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز ہوتا ہے۔

۴۔ عقل وہ ہے جس کے ذریعہ خیر و شر میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ جو انسان میں پیدا ہوتی ہے اور عمر کے ساتھ ترقی کرتی ہے (ارسطو کتاب اخلاق)۔

۵۔ عقل بالقوۃ، عقل بالفعل، عقلِ مستفاد اور عقلِ فعال (ارسطو کتاب النفس)۔

۶۔ عقلِ فعال (ارسطو کتاب النفس)۔

**تقسیمِ موجودات**۔ ہر موجود ضروری ہے یا ممکن۔ وجود کا کوئی بھی سبب ہو، سلسلۂ اسباب غیر متناہی نہیں ہو سکتا ایک ہستی کے وجود پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے جو بغیر کسی سبب کے خود اپنی ذات سے موجود ہے۔ وجودِ اول سے ایک روح کی تخلیق ہوئی جو مخلوقِ اول ہے اور اس روح کے بعد، ایک دوسرے سے آٹھ ارواح جرمیہ پیدا ہوئیں۔ تیسرے درجہ میں عقلِ فعال انسانیت میں پائی جاتی ہے جسکا نام "روح القدس" ہے۔ چوتھے درجہ میں انسانی نفس کا وجود ہے۔ اس کے بعد ان سے مادہ اور صورت پیدا ہوتی ہے۔

**قُوائے انسانی**۔ قوتِ غاذیہ، قوتِ متخیلہ، قوتِ ناطقہ اور قوتِ نزوعیہ۔ قوتِ نزوعیہ وہ ہے جس سے کسی چیز کی طرف شوق یا کسی چیز سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور قوتِ نزوعیہ ہی سے ارادہ کی تکوین ہوتی ہے۔

**ارادہ** کی آزادی صرف انسان ہی کو حاصل ہے۔ ارادی افعال جو سعادت کے حصول میں معاون ہیں فضائل کہلاتے ہیں اور جو سعادت سے باز رکھتے ہیں قبائح۔

**قوتِ ناطقہ** کی دو قسمیں ہیں۔ عملی اور نظری۔

**قصہ**۔ ابن سینا اپنے زمانہ کے بڑے حکیم تھے اور آپ کے ہمعصر **بابا طاہر** شیخ طریقت تھے۔ ان دونو کی ایک مرتبہ ملاقات ہوئی۔ تین روز مسلسل ایک بند کمرے میں گفتگو میں مصروف رہے۔ صرف نماز جماعت کیلئے باہر آتے تھے، کسی کو اجازتِ دخل نہ تھی۔ جب ابن سینا رخصت ہوکر چلے تو انکے شاگردوں نے سوال کیا "شیخ را بچہ حال یافتی" حکیم نے جواب دیا "ہرچہ من میدانم او می بیند"۔ اسی طرح مریدوں نے حکیم کی نسبت سوال کیا تو شیخ نے جواب دیا۔ ہرچہ ما بینیم او می داند"۔

مخالفین کی طعن و تشنیع کا جواب بوعلی سینا نے اس رباعی میں کیا خوب دیا ہے۔

کفر چو منی گزاف و آسان نبود — محکم تر از ایمانِ من ایمان نبود
در دہر چو من یکی و آن ہم کافر — پس در ہمہ دہر یک مسلمان نبود

# غزالیؒ

## (ابو حامد محمد بن محمد) ۱۰۵۸ - ۱۱۱۱ - ۵۳ سال

**غزالیؒ** خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوئے۔ بعض نے لکھا ہے "آپ کے والد سوت کاتتے تھے اسلئے آپ کو غزّالی بہ تشدید کہا گیا" بعض کا قول ہے کہ طوس کے مضافات میں ایک مقام کا نام غزالہ ہے اور اسکی نسبت سے غزالی بتخفیف کہلائے۔ علمائے کلام میں آپ کا پایہ بلند تھا، شافعی المذہب تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں پائی اور نیشاپور میں اسکی تکمیل کی۔ سلطان ملک سلجوقی کے وزیر نظام الملک نے آپکو مدرسۂ نظامیہ بغداد کی صدارت پر مامور کیا جبکہ آپکی عمر ہنوز ۳۳ سال تھی۔ کچھ دنوں بعد آپ نے حج کا ارادہ کیا اور نظامیہ چھوڑا۔ دمشق، بیت المقدس اور اسکندریہ کا سفر کیا اور پھر نیشاپور آئے اور مدرسۂ نظامیہ کی تنظیم کی۔ پھر اپنے وطن طوس پہنچکر خانقاہ بنوائی اور صوفیانہ زندگی اختیار کی اور آخری ایام عبادت و غور و فکر و ذکرِ الٰہی میں گزارے۔

**تصنیفات**۔ آپ کی تصنیفات میں "احیاءِ علوم الدین" مشہور کتاب ہے جس میں شعارِ مذہبی، حیاتِ دنیاوی، منجیات اور مہلکات سے تفصیلی بحث کی ہے۔ دیگر تصنیفات ایُّھا الولد، المُنقِذُ من الضلال، المقاصد، کتاب تہافۃ، مقاصد المقاصد، اور المضنون بہ ہیں۔ کتاب المقاصد میں علوم فلسفہ کی تلخیص کی اور پھر کتاب تہافۃ میں اسکی تردید کی اور اسکے بعد مقصد المقاصد میں اپنی تردیدات کو واپس بھی لیا۔ اجرام فلکی، انکے دوائر اور انکے نفوس سے بحث کی، آلہیات کے مسایل کو دلایل عقلی سے ثابت کیا اور آخر میں حدیث خاطبوا الناس علی قدر عقولھم پر عمل کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی کہ سوائے اعلیٰ نفوس اور عقول سلیمہ کے عام لوگوں کیلئے ان امور کا جاننا ممنوع ہے۔ المضنون بہ میں مسئلۂ قدمِ عالم پر فلاسفہ کے ساتھ اتفاق کیا اور یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کا علم کلیات پر محیط ہے نہ کہ جزئیات پر اور اسکی ذات صفات سے مجرد ہے۔ بعض اصحاب نے اس کتاب کو غزالی کی طرف منسوب کرنے سے احتراز کیا ہے۔

**تغیرِ حالات**۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ " فلاسفۂ دینیہ و حکمیہ کے مبادی کی تعلیم حاصل کرنے اور ان پر غور و فکر کرنے کے بعد

نفس ناطقہ سے ظاہر کیا ہے اور بعض کا نفس عاقلہ حکمیہ سے اور بعض کا نفس ناموسیہ ملکیہ سے۔
**عالم** انسان کبیر ہے اور خود انسان عالم صغیر ہے۔ اس نظریہ کی تائید بعض فلاسفۂ یونان نے کی ہے۔ ابن سینا نے بھی سطر اشارہ کیا ہے۔ اسپنسر نے سیاست مدن کی بنیاد اسی پر قائم کی ہے۔ اخوان الصفا کہتے ہیں کہ عالم سے زمین، آسمان اور تمام مخلوقات مراد ہیں اور تمامی کائنات کو جسم واحد کے اجزاء تصور کرتے ہیں جنکا نفس بھی واحد ہے۔

# بوعلی سینا

(شیخ الرئیس ابوعلی حسین ابن عبداللہ ابن سینا) ۹۸۰ - ۱۰۳۷ - ۵۷ سال

**ابن سینا** فارسی الاصل تھے۔ ماوراء النہر کی ولایت میں نشو ونما پائی۔ انکے باپ اور بھائی کا تعلق اسماعیلیہ فرقہ سے تھا۔ دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ عبداللہ ناتیلی سے عام تعلیم حاصل کی اور عیسیٰ بن یحییٰ سے طب کی تکمیل کی۔ اپنی نو عمری میں امیر بخارا کا ایک مہلک مرض میں علاج کیا۔ بخارا سے جرجان، خوارزم، خراسان اور داغستان گئے اور پھر جرجان لوٹے۔ لطیف غذا کا شوق رکھتے اور یار باش تھے۔ غیر محتاط زندگی کی وجہ سے انکے قویٰ میں ضعف پیدا ہوگیا تھا۔ توبۂ نصوح کی اور عبادت و ذکر آلہی میں مشغول ہوگئے۔ علامۂ جرجانی نے لکھا ہے کہ ابن سینا کو کسی مسئلہ کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی تو وضو کرکے جامع مسجد پہنچتے اور نماز پڑھکر اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرتے اور حل مشکل کیلئے دعا مانگتے۔ آپ کا ایمان آپ کی ذکاوت کا جزو تھا۔

**تصنیفات**۔ قانون وشفاء آپ کی مشہور تصنیفات ہیں۔ شفاء کی ۱۸ جلدیں ہیں جسکا خلاصہ نجدہ میں ہے۔ منطق، طبیعیات، فلکیات، روح، حیاتیات میں آپ کی خاص تصانیف ہیں۔

**عقول عشرہ** میں فارابی نے دیگر فلاسفہ کی تائید کی اور کہا کہ سبب اول سے براہ راست صرف واحد اثر پیدا ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا علم کلیات پر احاطہ کئے ہوئے ہے اور جزئیات کے علم کا تعلق دوائر سے ہے اور عالم ازلی ہے خاص سبب کی وجہ سے۔

**علوم** کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ طبیعیات اور ماوراء الطبیعیات اور وسطی۔ طبیعیات کا تعلق مادّے سے ہے یا ماوراء الطبیعیات کا تعلق مادّے سے نہیں ہے اور وسطی علوم کا تعلق طبیعیات اور ماوراء الطبیعیات دونوں سے ہے۔

**موجودات** کی تین قسمیں ہیں۔ وہ اشیاء جو ممکن ہیں پیدا ہوتی ہیں اور فنا ہوتی ہیں۔ وہ اشیاء جو بذاتہٖ ممکن ہیں لیکن خارجی سبب کی وجہ سے ان میں وجوب پایا جاتا ہے۔ تیسری قسم وہ جو واجب بذاتہٖ ہے۔

**سعادت**۔ ابن سینا نے نفوس کو جد وجہد کرنیکی نصیحت کی۔ مادّے کو مغلوب کرنے اور آلائش سے پاک کرنے پر زور دیا یہانتک کہ الہام آلہی حاصل کرے۔ عالم تقلید میں یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی۔

**الہام**۔ ابن سینا نے اشارات میں لکھا ہے کہ تجربہ اور قیاس دونوں سے یہ امر ثابت ہے کہ نیند کی حالت میں **خواب** میں نفس انسانی کو بعض معلومات حاصل ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ بیداری کی حالت میں بھی کوئی ایسا علم حاصل ہو

**عقل** ۔ بعض عوامل انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں اور عقل کو فکر کی جانب متوجہ کرتے ہیں ۔ علم کی غایت یہ ہے کہ تقرُّب الی اللہ اور عقلِ فعّال سے اتصال حاصل کرے جس شخص کا عمل روح حیوانی کے لحاظ کے بغیر محض غور و فکر کا نتیجہ ہو اسکو عملِ آلہی کہنا بجا ہوگا ۔ انسانی افعال کا صدور قوتِ عاقلہ کے ذریعہ ہوتا ہے اور یہ قوت کسی غایت یا غرض کیلئے موضوع ہوتی ہے۔

**اعمال** ۔ بعض اعمال ایسے ہیں جنکا مقصد سوائے جسمانی فائدہ کھانے پینے لباس اور رہایش کے اور کچھ نہیں ہوتا بعض اعمال غرض روحانی کیجانب رجوع کرتے ہیں اور بعض اعمال کی غایت سرور و اطمینان حاصل کرنا ہوتا ہے اور بعض اعمال سے عقل و فکر کی تکمیلِ مقصود ہوتی ہے ۔

**اَعراض** ۔ بعض اعراض جسمانی ہیں اور بعض خاص روحانی اور بعض عام روحانی ہیں ۔ عام روحانیت انسان کو عقلی اور خلقی صفات کیجانب مایل کرتی ہے ۔ انسان کے بعض اخلاق حیوان میں بھی پائے جاتے ہیں جیسے شیر میں شجاعت کی صفت اور کُتّے میں بیداری کی ۔ یہ صفت ان حیوانات کی جنس کیلئے عام اور طبعی ہے لیکن انسان میں انفرادی طور پر خاص صورتوں میں نمایاں ہوتی ہے ۔ اعراضِ جسمانیہ کو بالکلیۃ نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا اور بالکلیہ اس پر اعتماد بھی نہیں ہو سکتا عقلمند ضرورت کے لحاظ سے جسمانی اعمال کی تکمیل کریگا ۔ جسمانی شئ کو روحانی شئ پر تقدم نہ دیگا ۔ فلسفی بالطبع ایسا کامل انسان ہے جو الوہیت کی صفات سے متّصف ہوتا ہے اور ناقص صفات جسمانی کو دور کرتا ہے اور جب اعلیٰ روحانی صفات بھی اس سے دور ہو جاتی ہیں تو صفتِ آلہی سے متصف ہوتا ہے ۔

**اعراض** روحانی چار ہیں ۔ پہلی قسم عام ہے اور حواس سے تعلق رکھتی ہے ، دوسری قسم کا تعلق طبیعت سے ہے ، تیسری قسم روحانی خالص ہے جو فکر سے پیدا ہوتی ہے ۔ چوتھی قسم ان اعراض کی ہے جو غور و فکر کے بغیر محض عقلِ فعّال کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے

**ترقی و تنزّل** ۔ اپنے سے اعلیٰ انسان کے عرض پر غور کرنے سے ادنی درجہ کا انسان ترقی کر سکتا ہے اور اسی طرح اپنے سے ادنیٰ انسان کے عرض کی طرف اپنی توجہ کو مرکوز کر کے ایک اعلیٰ انسان اپنے تنزل کا باعث بھی ہو سکتا ہے ۔

**متوحّد** (آئی ڈیل میان) کا انتہائی مقصد اعراضِ معقولہ ہیں ۔ ان اعراض تک متوحّد صرف غور و فکر کے ذریعہ پہنچتا ہے ۔ انسان اپنی روح کے لحاظ سے تمام موجودات میں عقل فعّال سے قریب تر ہے ۔ انسان محض اپنے علم نظری کی قوت کے ذریعہ اپنی ذات اور عقل فعّال کا ادراک کر سکتا ہے ۔

# ابن طفیل

## (ابو بکر محمد بن عبد الملک) اوائل ۱۱۰۰ - ۱۱۸۵ء

**ابن طفیل** شہر غرناطہ کے محلہ وادی آش میں پیدا ہوئے ۔ ریاضی ، کلیات اور طب میں ماہر تھے اور شاعر بھی تھے ۔ انھوں نے ایک خاص نظامِ فلکی دریافت کیا جو بطلیموسی نظام سے جداگانہ ہے ۔ حاکمِ غرناطہ کے معتمد ہوئے اور پھر امیر یوسف ابو یعقوب کے

مجھے ہر چیز میں تشکک ہونے لگا اور انکارِ مطلق کی نوبت پر پہنچ گیا۔" آپ پچاس سال کی عمر تک مختلف علوم کی تحقیقات میں غور و خوض کرنے حیران و سرگرداں رہے بالآخر طریقۂ صوفیتہ کی طرف رجوع کیا اور اس میں تسکین و تسلی پائی۔

**بے ثباتیِ عقل**۔ آپ لکھتے ہیں کہ کوئی شئے عقل کے مبادی کی صحت کو ثابت نہیں کر سکتی۔ بیداری میں ہم جس شئی کو حواس یا عقل کے ذریعہ حقیقی سمجھ رہے ہیں وہ صرف اس ربط کی وجہ سے ہے جو اس شئی کو ہماری موجودہ حالت کے ساتھ قائم ہے۔ کیا ہم کو اسکا کامل یقین ہے کہ اسکے بعد کوئی ایسی حالت نہیں ہے جسکو بیداری کے ساتھ وہی نسبت ہو جو بیداری کو نیند کے ساتھ ہے' اس طرح سے کہ موجودہ حالت جسکو ہم عقل کے ذریعہ بالکل حقیقت پر مبنی سمجھ رہے ہیں محض ایک بے حقیقت **خواب** ہو۔ المنقذ من الضلال میں انھوں نے لکھا ہے کہ' خواب میں بہت سی باتیں نظر آتی ہیں جن پر بحالتِ خواب ذرا بھی شک نہیں کیا جاتا اور جاگنے کے بعد وہ تمام خیالات بے بنیاد معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح کیا یہ ممکن نہیں کہ بحالتِ بیداری جن امور کا احساس کیا جاتا ہے اور بحالتِ زندگی اسکو صحیح باور کیا جاتا ہے' ایک اور حالت طاری ہو جائے جسکو عالمِ بیداری کے ساتھ وہی نسبت ہو جو خواب کو عالمِ بیداری کے ساتھ ہے۔ اسوقت انسان سمجھ لیگا کہ زندگی میں عقل کے ذریعہ جن امور کا یقین کیا تھا وہ محض خیالات تھے۔ صوفیہ دعوے کرتے ہیں کہ حواسِ ظاہری سے غائب ہو کر ایسے حالات کا ادراک کیا جا سکتا ہے جو موجودہ معقولات کے موافق نہیں۔ شاید یہ حالتِ **موت** ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تمام لوگ حالتِ خواب میں ہیں جب موت آئیگی تو بیدار ہونگے آیت۔ فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ۔ پس کھولدیا ہم نے تم سے تمھارے پردے کو پس تمھاری بصارت آج کے روز تیز ہے۔ عقل انسانی تمام مطالب پر احاطہ کرنے اور لاینحل معموں پر سے پردہ اٹھانے کیلئے کافی نہیں ہے۔ صدیوں بعد جرمن فلسفی کانت نے انکی تائید کی۔ ۲۲

عقلی اور شرعی علوم کی تفتیش کے دوران میں جن مسلکوں کو غزالی نے اختیار کیا اور جن علوم کا انھوں نے مطالعہ کیا انکے ذریعہ انکو اللہ تعالےٰ کی ذات' نبوت اور یوم آخرت پر کامل ایمان حاصل ہوا اور ایمان کے یہ تینوں اصول جو انکے نفس میں راسخ ہوگئے کسی معین مجرد دلیل کے ذریعہ نہیں بلکہ اسباب قرینیہ اور تجربوں کے ذریعہ جنکی تفصیلات کا حصر ممکن نہیں ہے۔

# ابن باجہ

## ابوبکر محمد بن یحییٰ لقب ابن صائغ بھی ۱۰۰۰ - ۱۰۳۸ ع

**ابن باجہ** اندلس کے مشہور عالم ہیں۔ طب' ریاضی' فلکیات اور موسیقی کے ماہر ہیں۔ عود کے بجانے میں ان کو کمال حاصل تھا۔ سرقسطہ میں پیدا ہوئے' اشبیلیہ' غرناطہ اور مغرب میں رہے۔ نوجوانی میں فوت ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ زہر خورانی سے انکی موت واقع ہوئی۔ ابن باجہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اندلس میں علوم فلسفہ کی اشاعت کی۔ ابن باجہ کہتے ہیں۔

**تغیر**۔ زمانہ میں ایک دائمی تغیر جاری ہے۔ کوئی شئی ایک حالت پر قائم نہیں رہتی موت ہر شئی کی انتہا ہے۔

ان اجرام کے خاص نظامات ہیں جو انکی زندگی، انکے ادوار اور انکے باہمی اثرات اور انسانی زندگی پر انکے اثرات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابن رشد نے عقلِ فعّال اور عقلِ منفعل کی شرح میں سابقہ شارحین کی تردید کرتے ہوئے مقالۃ فی النفس میں لکھا ہے کہ وہ قوت جو معقولات کا ادراک کرتی ہے سوائے ادراک کے اثر کے کسی اور سے متاثر نہیں ہوتی۔ عقل صورِ معقولات کی تخلیق کے وقت عقلِ فعّال کہلاتی ہے اور انکو اخذ کرنیکے وقت منفعل کہلاتی ہے۔ عقل فعّال کو بقا ہے اور عقلِ منفعل کو فنا ہے عقلِ فعّال واحد ہے اور دنیاوی عقول کا عقلِ فعّال کے ساتھ اتحاد ہے۔

**سعادت**۔ انسان کی زندگی کی غایت یہ ہے کہ نفس کی اعلیٰ قوتیں اُسکے حواس پر غالب رہیں۔ جو شخص اس رتبہ پر فائز ہو جائے وہ جنت میں داخل ہوگا، اسکا عقیدہ خواہ کچھ ہو۔ اسی کا نام سعادت ہے۔ کمالِ انسانی میں کمالِ بدنی کے برعکس ترقی ہوتی ہے۔ ابن رشد یہ بھی کہتے ہیں کہ **حیاتِ اخروی** میں حواس علاً فقط اور جذباً باہنیں ہوتے صرف عقل باقی رہتی ہے۔

**معاد**۔ وجود جو فانی ہے ہلاکت کے بعد بالکل اسی حیثیت سے عود نہیں کرسکتا البتہ اسی جنس کی ایک نوع کی حیثیت عود کریگا۔ اس بارے میں قرآن مجید میں جو محسوس تمثیلات دیگئی ہیں عوام الناس کی تفہیم کیلئے ہیں۔

**قضا و قدر**۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں چند قوتیں ودیعت کی ہیں جنکے ذریعہ ہم متضاد اشیاء کا اکتساب کرسکتے ہیں مگر انکا اکتساب ممکن نہیں جبتک کہ خارجی اسباب جنکو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مسخر کئے ہیں ہمارے موافق نہ ہوں۔ ہمارے ارادہ کو دخل ہے مگر خارجی اسباب ہمارے ارادے کے موافق ہوں تو ہمارے ارادہ کی تکمیل ہوگی ورنہ نہیں۔ ہمارے جسم کے داخلی اسباب کا بھی یہی حال ہے۔ وہ نظام جو ان داخلی اور خارجی اسباب پر مشتمل ہے ناقابل حل ہے جسکو قضا و قدر سے تعبیر کیا گیا اور لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ **غزالی** کی نسبت پورے ایک سو سال کے بعد ابن رشد نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ غزالی کی عقل حکماء کے ساتھ تھی اور قلب شریعت کے ساتھ تھا۔

**تشبیہ**۔ ابن رشد کہتے ہیں کہ خَلَقْتُ بِیَدَیَّ میں نے اپنے دونوں ہاتھ سے بنائی اور اِسْتَوَاء دراز ہوا، جیسی آیتیں علمائے راسخین کی غور و فکر کیلئے مخصوص ہیں برہانی طریقہ سے اسکا سمجھنا محال ہے۔ کوئی خاص خیال ایک انسان کیلئے زہر ہوتا ہے اور دوسرے کیلئے تریاق۔ غزالی کہتے ہیں، شریعت کے ظاہری معنی بیان کردیں اور جمہور پر حکمت و شریعت کی مطابقت کو واضح نہ کریں۔ جمہور کو حکمت سے ناآشنا رکھنا بہتر ہے۔ تاویل کرنیوالا اجماع کے خلاف بھی تاویل کرے تو کافر نہیں۔

**ایمان** اور شریعت کے لحاظ سے ابن رشد نے انسان کی تین طبقوں میں تقسیم کی ہے **خطابیین** جنھیں تاویل سے سروکار نہیں، **جدلی** وہ لوگ جو طبیعت اور عادت کے اثرات کے تحت جدلی ہوتے ہیں اور **برہانی** جو بالطبع حکمت کے تحت تاویل کرتے ہیں۔

وزیر اور طبیب خاص ہوئے۔ ابن رشد کو امیر کے دربار میں انھوں نے پہنچایا۔ طب میں دو کتابیں تصنیف کیں۔ اپنے زمانہ کے فلسفہ کو ایک خیالی قصہ کی شکل میں اپنی کتاب "حی بن یقظان" میں پیش کیا ہے۔

**عقل** اول سے نفس بشری کا تعلق ظاہر کیا۔ شریعت اور فلسفہ میں تطبیق کی کوشش کی۔

**شک** کی نسبت کہا ہے کہ اگر فلسفہ کے مباحث موروثی عقاید میں شبہ پیدا کریں تو یہی ایک فائدہ کچھ کم نہیں ہے۔ شک نہ ہو تو انسان غور و فکر نہ کریگا اور جو غور نہ کریگا اسکو بصیرت حاصل نہ ہوگی۔ عمر بھر جہالت کی تاریکی میں مبتلا رہےگا۔

| | |
|---|---|
| خُذ ما تراہ ودع شیئًا سمعت بہٖ | تم جو دیکھتے ہو اسکو لو اور سنی ہوئی بات کو چھوڑ دو |
| فی طلعۃِ الشمسِ ما یُغنیک عن زُحل | سورج کی روشنی ایسی ہے جو زحل سے بے نیاز کرتی ہے |

**وجود**۔ سوائے ذاتِ حق کے کسی شئی کا وجود نہیں۔ وہ آفتاب کے نور کے مانند ہے جسکا پرتو اجرامِ کثیفہ پر پڑتا ہے۔

# ابن رشد

## ۱۱۲۶ - ۱۱۹۸ - ۷۲ سال

**ابن رشد** اندلس میں قرطبہ میں پیدا ہوئے اور مراقش میں فوت ہوئے۔ انکے والد اور دادا قاضی حنبلیہ مذہب کے پیرو تھے۔ ابن رشد نے شریعت کی تعلیم اشعری طریقہ پر اور فقہی اصول کی تعلیم امام مالکؒ کے طریقہ پر حاصل کی۔ ابن رشد کو ابن طفیل نے امیر یوسف ابو یعقوب کے دربار میں پہنچایا۔ امیر نے انکو اپنا طبیب خاص مقرر کیا اور بعد میں قرطبہ کی قضاوت انکے سپرد کی۔ عربی کے سوائے کسی دوسری زبان سے واقف نہ تھے۔ ابن رشد نے ارسطو کی تعلیمات عربی میں پڑھیں جالینوس کی تصنیفات سے علم طب سیکھا۔ مجسطی سے فلکیات کو اخذ کیا۔ بطلیموس کے فلکیات کی تنقید کی۔ ارسطو کی تصنیفات میں اتنا عبور حاصل کیا کہ انکی شرحیں لکھیں جنکا ترجمہ آگے چلکر عبرانی اور لاطینی زبانوں میں ہوا۔ شرح کبیر، شرح وسط اور شرح صغیر اسی فن میں ہیں۔ ابن رشد نے ۳۶ برس تالیفات میں گزارے۔ انکا اسلوب بیان کسیقدر درشت ہے۔

ابن رشد کی تعلیمات فلاسفۂ عرب کی تعلیمات سے ملی جلی ہیں لیکن انھوں نے نو افلاطونی نظریوں کا اضافہ کیا۔ فلاسفۂ عرب نے ارسطو کی تعلیم میں عقول، دوائر اور کرویات کا اضافہ کیا جو متحرک اول اور عالم کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ تمام کائنات کا صدور خدا کی ذات سے ہے۔ متحرکِ اول کی حرکت کا اتصال سب سے پہلے قریبی کرہ سے ہوتا ہے اور اس کے بعد اسکے قریب کے کرہ سے اور بتدریج طور پر عالم ارض سے۔ یہ انبثاق عام کا نظریہ ہے۔

**ثنویت**۔ ارسطو نے عالم کی علت دو مطلق عناصر پر قائم کی تھی جو فی ذاتہٖ ایک دوسرے سے مستقل اور بالکل علحدہ ہیں یہ دو قوت اور مادّہ ہیں۔

**ارتقاء**۔ ابن رشد نے نظریۂ ارتقاء کی تائید کی۔ آسمان ایک ذی حیات شئی ہے اسکی تکوین کئی اجرام سے ہوئی ہے۔

۱۔ صوفی وہ ہے جسکی معرفت کا نور اس کے تقوے کے نور کو زایل نہیں کرتا۔
۲۔ صوفی کا باطنی علم کتاب اللہ و سنت کے ظاہری معنی کے خلاف نہیں ہوتا۔
۳۔ کرامتیں اسکو آمادہ نہیں کرتیں کہ اللہ تعالےٰ کے محارم کے پردے کو چاک کرے۔
**جنیدؒ** فرماتے ہیں ہم نے تصوف کو قیل وقال سے حاصل نہیں کیا بلکہ بھوکے رہنے، ترکِ دنیا کرنے اور مالوفاتِ دنیا سے احتراز کرنے سے حاصل کیا۔
**سہروردیؒ** فرماتے ہیں صوفیا مقربین کے طریقہ پر ہوتے ہیں اور انکے علوم مقربین کے احوال کے علوم ہیں۔ ابرار جو بعض مقربین کے حالات کا علم رکھتے ہیں اور ابھی مقربین کی کیفیت ان میں پیدا نہ ہوئی ہو تو وہ **متصوف** ہیں اور جب مقربین کی کیفیت بھی ان میں پیدا ہو جائے تو صوفی کہلاتے ہیں۔
**اصطلاحات**۔ بعض اصطلاحات صوفیہ یہ ہیں۔
**وقت** جس میں تو موجود ہے، صاحبِ وقت سے قطبِ غوث مراد ہے۔
**مقام**، سالک کا ایسا مرتبہ جس کو جد و جہد سے اس نے حاصل کیا۔
**حال** اُس کیفیت کا نام ہے جو قلب پر بغیر جد و جہد ظاہر ہوتی ہے۔
**قبض وبسط** کی کیفیات خوف و رجا سے گزرنے کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔
**ہیبت و اُنس** قبض و بسط کے مافوق ہے۔
**جمع و فرق**۔ فرق وہ ہے جو تجھ سے منسوب ہو اور جمع وہ ہے جو تجھ سے سلب ہو
**جمع الجمع** بالکلیہ استہلاک کو کہتے ہیں۔
**فنا و بقاء**۔ اوصافِ مذمومہ کے زایل کرنے کو فنا اور اوصاف حمیدہ کے حاصل کرنے کو بقا کہتے ہیں۔
**غیبت و حضور**۔ غیبت، خلق کے احوال سے بے خبر ہونا اور واردات میں مصروف ہونا اور حضور، حق کے سامنے حاضر ہونا۔
**قرب و بُعد**۔ قرب، عبادت سے اتصاف اور بُعد، مخالفت سے تلویث کرنے اور عبادت سے پہلوتہی کرنے کو کہتے ہیں۔
**شریعت و حقیقت**۔ شریعت التزام عبودیت اور حقیقت مشاہدۂ الوہیت کو کہتے ہیں۔ شریعت جسکی حقیقت تائید نہ کرے ناقابل قبول اور حقیقت جو شریعت سے مقید نہ ہو ناقابل حصول ہے۔
**صاحبِ انفاس**۔ صاحبِ وقت کو مبتدی، صاحبِ احوال کو درمیانی اور صاحب انفاس کو منتہی سمجھتے ہیں۔
**خواطر** وہ خطاب ہے جسکا ورود قلب پر ہوتا ہے۔ فرشتہ کی جانب سے ہو تو **الہام**، نفس کی طرف سے ہو تو **ہاجس** شیطان کی طرف سے ہو تو **وسواس**، اور اللہ کی طرف سے ہو تو **خاطرِ حق** کہتے ہیں۔
**قدماءِ صوفیہ** مشہور یہ ہیں۔

# فلسفۂ تصوّف

تصوّف۔ اصطلاحات صوفیہ۔ قدمائے صوفیہ۔ تصانیف صوفیہ

**تصوّف**۔ محمد لطفی جمعہ نے اپنی کتاب فلاسفۃ الاسلام میں لکھا ہے کہ فلسفۂ تصوّف کی ابتدار اور ترقی خلفائے عباسیہ کے تیسرے دور یعنی چوتھی صدی ہجری میں ہوئی اور یہ جدید شرعی علوم سے ہے۔ غالباً اس سے انکا مطلب یہ ہے کہ اس دور میں اس علم کے ساتھ سائنس اور فلسفہ کا امتزاج ہوا اور تصوّف بھی فلسفہ کے سانچے میں ڈھالا گیا۔ ورنہ اسلامی تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ میں اصحاب صُفّہ کی ایک جماعت تھی جو عابد و زاہد تھے دنیاوی ثروت سے انکو کوئی سروکار نہ تھا۔ ابو ھریرہؓ انکے سردار اور عریف تھے۔ انکی تعداد کم سے کم ستّر اور کبھی زیادہ سے زیادہ چار سو تک پہنچی تھی۔ مسجد نبوی میں انکی سکونت منافقین کو ناگوار تھی۔ کلام مجید میں جب یہ آیت (پ۷ ع۲) وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (اُن لوگوں کو نہ نکالو جو صبح و شام اپنے پروردگار کی طاعت میں مصروف ہیں اور اسکی رضا چاہتے ہیں، تم پر انکی کسی بات کی ذمّہ داری نہیں ہے اور نہ اُن پر تمھاری کوئی ذمّہ داری ہے کہ تم انکو نکال باہر کرو۔ اگر تم ایسا کروگے تو حق کے خلاف کروگے) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے مسجد کے آخری حصّہ میں کچھ جگہ معیّن فرمادی اور انکی گزربسر کیلئے کچھ جائداد بھی وقف کردی تھی۔ یہ تو آغاز سن ہجری کا زمانہ ہے آگے معلوم ہوگا کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں مشہور صوفیائے کرام گزرے ہیں۔ پانچویں صدی میں امام غزالیؒ نے اور شیخ محی الدین ابن عربی نے چھٹی صدی میں فلسفہ سیکھا اور پھر اسکے ساتھ علم تصوّف میں یدطولیٰ حاصل کیا۔ صوفیہ نے قرآن کریم سے تمام رموز و اشارات مستنبط کئے جیسے غوث، نور، نار، تراب، کاس وغیرہ۔ طریق تصوّف میں زہد و نفس کشی و ریاضت بھی شامل ہے جو دوسرے مذاہب میں بھی پائے جاتے ہیں مگر اسلامی تصوّف ایک خالص اسلامی نظام ہے۔

**صوفی** کا لفظ صفا یا صفّہ سے مشتق ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اس طبقہ کے حضرات اکثر صوف کا لباس پہنا کرتے تھے اسلئے صوفی کہا گیا۔ شیخ ابوالقاسم قشیری لکھتے ہیں کہ اس نام کی تائید نہ کسی قیاس سے ہوتی ہے اور نہ اشتقاق سے۔ انھوں نے اس لفظ کو نہ صوف سے نسبت دیا اور نہ صُفّہ سے۔

**غایت**۔ صوفی یا متصوّف کی غایت حقیقت کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ چند اصطلاحی الفاظ صوفیہ میں رائج ہیں اور بعض اسرار راز پنہاں ہیں۔ یہ ایک قوم کا باطنی نظام ہے جو بظاہر پردۂ خفا میں ہے۔ ان میں اوتاد، ابدال اور اقطاب ہوتے ہیں اور سب سے اعلیٰ مرتبت غوث کی ذات ہے۔ انکا اہم فرض نظام کائنات کو قائم رکھنا ہے۔

**صوفی** کی تین صفات بیان کیگئی ہیں۔

عبدالرحمن البسطامی متوفی ۸۵۸ھ۔ تراجم العلماء۔
محمد بن سلیمان کفیجی متوفی ۸۷۹ھ۔ تفسیر آیات متشابہات۔
ابوعبداللہ محمد بن یوسف الحسنی السنوسی الصوفی متوفی ۸۹۵ھ۔ عقیدۂ اہل توحید۔ عقیدۂ اہل توحید الصغری۔ اس کا جرمنی اور فرانسیسی میں ترجمہ ہوا ہے۔ آپ کی عمر ۶۳ سال تھی تلمسان میں آپ کی قبر ہے۔ (مولف) عقاید کی اصل کتاب کا متن دو کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ ایک یہی عقیدۂ توحید ہے جو نثر میں ہے اور دوسری کتاب امام لقانی کی منظوم ہے۔
شہاب الدین بن احمد بن زروق البرنوسی الفاسی متوفی ۸۹۰ھ۔ آپ کی بہت سی کتابیں تصوف پر ہیں۔

**سماع**۔ صوفیاء متقدمین ذوالنون مصری، جنید و حلاج رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے کہ سماع وجد پیدا کرتا ہے۔ ملامتیہ نے سماع پر تنقید کی ہے اور اسکو روحانی شہوتوں میں شمار کیا ہے۔ حلاج نے بھی اعتراض کیا ہے۔ سماع مقصود بالذات نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ احساس مفقود ہو اور وجدانی حالت پیدا ہو۔ یہ چوتھی صدی کے واقعات ہیں۔ ساتویں صدی ہجری میں عراق اور مشرقی عرب میں ہند کے متصوفین کا ورود ہوا جو حکماء آنبتین کے شعبدہ بازوں کی طرح تھے انکا نام "بیخ اسرار" رکھا گیا۔ انھوں نے اس پر رقص کا اضافہ کیا جو اس زمانہ تک "موسوتیہ" درویشوں میں رائج ہے۔ اسکے بعد کپڑے چاک کرنے لگے۔ اور پھر ذکر تو مفقود ہو گیا اور شعبدے سے ملتے جلتے اعمال شروع ہوئے جیسا کہ بصرہ کے رفاعیہ، قاہرہ کے بومیتہ اور مکناس کے عیسویہ۔ سانپوں، اژدہوں کو کھا جاتے، شعلوں کو نگلتے اور جلتے ہوئے لوہے کی سلاخ سے بدن کو زخمی کرتے۔ مزید تفصیل شیخ محاسبی کی کتاب التوھم میں ملیگی۔
شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ ابوسعود شبلی بغدادی کا قول ہے کہ مبتدی کیلئے سماع حرام ہے اور منتہی کو اسکی احتیاج نہیں البتہ متوسطین کیلئے مباح ہے۔ حدیث۔ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ میں نے نذر کیا ہے کہ آپ کے مواجہہ میں دف بجاؤں تو آپ نے فرمایا اگر تم نے نذر کیا ہے تو، ورنہ نہیں۔ اگرچہ کہ سماع مباح ہے مگر اکابر اولیاء کے پاس عدم سماع اولی ہے۔ آخر میں شیخؒ نے لکھا ہے کہ سماع مطلق طور پہ مباح ہے اسلئے کہ سماع کی تحریم کی نسبت کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ثابت نہیں ہے۔

# ابن مسکویہ

## (ابوعلی خازن احمد بن محمد بن یعقوب) متوفی ۱۰۲۷ء

**مسکویہ** مجوسی تھے، مسلمان ہوئے۔ مسکویہ فارس کے ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے قبائل عرب میں نشو و نما پائی اور اعلی مناصب پر فایز ہوئے۔ ذکاوت ذاتی رکھتے تھے، فلسفہ، منطق، فقہ، ادب اور تاریخ کے علوم کے باوجود کیمیا کا شوق رکھتے تھے اور اپنی ساری پونجی اس شوق میں اڑا دی اور بنو بویہ کی ملازمت اختیار کی۔ انھوں نے اپنے نفس سے معاہدہ

**ابوسعید** حسن المیسانی بصری متوفی ۱۲۱ھ ۔ مدینۂ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد زید بن ثابت کے غلام اور والدہ خیرہ ام سلمہ کی خادمہ تھیں۔ بصرہ میں نشوونما پائی، مدینۂ طیبہ میں قیام کیا اور پھر بصرہ کے قاضی ہوئے۔

ابو اسحٰق **ابراہیم بن ادہم** بن المنصور متوفی ۱۶۱ھ۔ بلخ کے باشندے اور شاہی خاندان سے تھے۔ ایک بدوی سے اسمِ اعظم "اللہ" کی تعلیم پائی اور امارت کو ترک کیا اور محنت کر کے قوت بسری کرتے تھے۔

**فضیل** ابن عیاض متوفی ۱۸۷ھ۔ خراسان کے ضلع مرو کے باشندے تھے۔ ابتدائی زندگی بدنامی میں گزری۔ ایک لڑکی کی محبت میں دیوار پر پہنچے تھے کہ یہ آیت انکے کان پر پڑی۔ (۲۷/۱۸ ۲) اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (کیا وقت نہیں پہنچا ایمان والوں کو کہ گڑگڑاویں انکے دل اللہ کی یاد سے) توبہ کی اور صوفیہ میں بڑا رتبہ پایا۔

**معروفِ کرخی**۔ ابومحفوظ معروف بن فیروز کرخی متوفی ۲۰۰ھ۔ نومسلم تھے۔ انکا اساسی اصول عمل تھا۔ اللہ کی اطاعت، بنی نوع انسان کی خدمت اور انکو نصیحت۔

**ذوالنّون مصری**۔ ثوبان ابن ابراہیم الفیض متوفی ۲۴۵ھ۔ مولد تھے۔ آپ کے والد نوبی تھے۔ صحرا میں ایک اندھے چنڈول کو آسانی سے رزق پاتے دیکھا، توبہ کی اور عزلت گزیں ہوئے۔

ابوالحسن سری بن مغلس **سقطی** متوفی ۲۵۳ کرخی کے شاگرد اور جنید کے ماموں اور استاد۔ نظریۂ طمانیت کی تعلیم دیتے تھے۔

ابونصر بشر بن الحارث **الحافی** متوفی ۲۲۷ھ۔ مرو کے باشندے۔ اتباعِ سنت، صالحین کی خدمت بھائیوں کی نصیحت، اپنے اصحاب اور اہل بیت سے محبت کر کے مراتب حاصل کئے۔

ابویزید طیفور بن عیسٰی **البسطامی**۔ متوفی ۲۶۱ھ۔ آپ کے دادا مجوسی تھے۔ ائمۂ صوفیہ سے تھے۔

ابوالقاسم **جنید**۔ نہاوند میں پیدا ہوئے، عراق میں نشوونما پائی۔ براہِ راست آپ پر علم کا فیضان ہوا۔

ابوعثمان **الحیری** متوفی ۲۹۸ھ۔ رے میں پیدا ہوئے، نیشاپور میں سکونت اختیار کی۔

ابوعبداللہ احمد بن یحیی **الجلاء**۔

ابوعبداللہ الحسین بن **منصور الحلاج**۔ ۲۴۴ھ میں بمقام طور بیضا پیدا ہوئے، واسط میں نشوونما پائی، مکہ مکرمہ، ہند اور ترکستان کی سیاحت کی دو مرتبہ قید کئے گئے بالآخر ۳۰۹ھ میں دار پر چڑھائے گئے۔

# تصانیف اکابرِ صوفیہ

تاج الدین بن عطاء اللہ اسکندری **شاذلی** متوفی ۷۰۹ھ۔ الحکم العطائیہ۔ تاج العروس۔

جمال الدین عبدالرزاق **کلشانی** متوفی ۷۳۰ھ۔ الاصطلاحات الصوفیہ۔ الرسالۃ فی القضاء والقدر۔

قطب الدین عبدالکریم بن ابراہیم بن سبط۔ عبدالقادر جیلی متوفی ۸۲۶ھ۔ الناموس الاعظم فی الاربعین۔

عل ہو جانے کے بعد نفس بالکلیہ معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ غلط ہے۔

# ابن ہیثم

## (ابو علی محمد) ۹۹۴-۱۰۳۸ء ۴۴ سال

**ابن ہیثم** بصرہ میں پیدا ہوئے۔ طبیب تھے جالینوس کی کتابوں کا خلاصہ کیا، ارسطو کی تلخیص کی، ریاضی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ بصرہ میں ملازم ہوئے مگر خللِ دماغ کا حیلہ کرکے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ مصر میں دریائے نیل پر بند باندھنے کے مشورہ کیلئے بلائے گئے مگر تجویز بار آور نہیں ہوی۔ مصر کے شہروں میں گھومتے رہے۔ بالآخر قاہرہ میں جامع ازہر میں قیام کیا مجسطی اور اقلیدس کے نسخے لکھکر فروخت کرتے اور قوت بسری کرتے تھے۔

**حق۔** ابن ہیثم کہتے ہیں، حق ایک ہے اور حق کے بارے میں سارے اختلافات سلوک کے اشتباہ سے ہیں۔ حق کی دریافت سوائے ایسے افکار کے ناممکن ہے جنکا مادّہ امورِ حسّی ہو اور صورت امورِ عقلی۔ ابن ہیثم کا طریقۂ فکر ڈیکارٹ اور اسپینوزا کی طرح ریاضی کے اصول پر مبنی ہے۔

**تصوّف** انھوں نے صوفیانہ زندگی بسر کی۔ انکی وفات کے بعد ان پر کفر کا الزام لگایا گیا جسکی بنا پر تیرھویں صدی کے اوایل میں بغداد میں انکی کتابیں نذرِ آتش کی گئیں۔

# ابن عربیؒ

## (شیخ محی الدین ابوبکر طائی حاتمی اندلسی) ۱۱۶۴-۱۲۳۹ء ۷۶ سال ۵۶۰-۶۳۸ھ ۷۸ سال

۲۸ ربیع الثانی

**ابن عربی** اندلس میں شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے اور اپنے وطن ہی میں تحصیل علم کی۔ پھر مصر، دمشق، مکہ مکرمہ اور بغداد کی سیاحت کی۔ روم کے شہروں میں بھی قیام کیا۔ حاکمِ روم تک جب آپ کی شہرت پہنچی تو آپ سے ملاقات کی اور کہا "اس شخص کو دیکھنے سے تو بڑے سے بڑا آدمی بھی گھبرا جائے"۔ اس حاکم نے ایک مکان مالیتی ایک لاکھ دینار آپ کے نذر کیا۔ کسی سایل کے سوال کرنے پر آپ نے جواب دیا "میرے پاس اس مکان کے سوائے کچھ نہیں ہے۔ پس یہ لے لو" کہکر مکان سے نکلے اور چلتے بنے۔ ابن مسدی لکھتے ہیں کہ "ابن عربی عبادات میں ظاہری مذہب رکھتے تھے اور اعتقادات میں باطنی النظر تھے"۔

**طرزِ فکر** شمس الدین آپ کی تالیفات کی نسبت لکھتے ہیں "اگر وہ اپنے کلام میں غلو نہ کرتے تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ شاید انھوں نے یہ غلو سُکر یا غیبت کی حالت میں کیا ہے"۔ علامہ محمد بن شاکر بن احمد کتبی نے لکھا ہے "شیخ محی الدین ابن عربی کے کلام میں جو کچھ بھی قابلِ فہم ہے بہتر ہے اور جو مشکل ہے اسکے علم کو ہم خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ نہ تو ہم انکی اتباع کیلئے مکلّف ہیں اور نہ انکے اقوال پر عمل کرنا ہمارے لئے لازم ہے"۔

کیا تھا۔ ثعالبی لکھتے ہیں، مسکویہ کو ادب، بلاغت اور شاعری میں کمال حاصل تھا۔

**فلسفہ** کی دو قسمیں بیان کی ہیں، نظری اور عملی۔ جو شخص علم و عمل کے لحاظ سے اس رتبہ پر فایز ہو جائے وہی عالم ہے اور اسکو عالمِ صغیر سے موسوم کرنا بجا ہوگا۔ وہ شخص دنیا میں اپنے خالق کا خلیفہ ہوتا ہے۔ فلسفہ انسانی حیات کی اصل غایت ہے اور دائمی ترقی کی شاہراہ کے سفر میں رہبری کرتا ہے۔

**قوائے** نفسی تین ہیں۔ نفسِ بہیمی جو سب سے ادنیٰ ہے، نفسِ سبوعیہ اوسط مرتبہ رکھتا ہے۔ نفسِ ناطقہ سب سے اعلیٰ ہے یہ تینوں نفوس جب متصل ہو جاتے ہیں تو ایک شئی ہو جاتے ہیں۔ جو شخص نفسِ ناطقہ سے غفلت کرے اور سلطانِ شہوت کو اس پر مسلط کرے تو اسکی مثال ایسی ہے جیسا کہ یاقوتِ سُرخ کو دہکتی آگ میں ڈالدیا۔

**نفس** نہ جسم ہے اور نہ عرض نفس تمام موجودات غائب و حاضر اور معقول و محسوس کا ادراک کرتا ہے نفس جوہر ہے اور زندہ ہے اور باقی رہیگا، موت اور فنا کو قبول نہیں کرتا نفس کے کمال کو **سعادت** اور انحطاط کو **شقاوت** کہتے ہیں۔

**ارتقاء**۔ انسان موجودات کی آخری کڑی ہے جس پر تمام ترکیبات منتہی اور ختم ہوتی ہیں۔ حرکت کے ذریعہ صانع کے وجود پر استدلال کیا ہے۔

**حرکت** سے مراد چھ امور ہیں۔ حرکتِ کون و فساد، نمو، نقصان، استحالہ، نقل مقام۔ ہر متحرک میں ایک محرک کے ذریعہ حرکت ہوتی ہے۔ تمام اشیاء کا محرک غیر متحرک ہے۔ صانع کا علم سلبی طریقہ سے حاصل کرنا ممکن ہے نہ کہ ایجابی طریقہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو لاشئی محض سے پیدا کیا۔ ان میں محض صوری تبدیلیاں ہوتی ہیں۔

**سعادت**۔ ارسطو نے سعادت کے تین اقسام بیان کئے ہیں۔ سعادتِ نفس جیسے علومِ معارف و حکمت۔ سعادتِ بدن جیسے جمال و صحتِ مزاج، اور سعادتِ خارجی جیسے نیک اولاد، شریف احباب و دولت و شرافتِ نسب۔ مسکویہ نے اسی اساس پر اپنی کتاب "ترتیب السعادات" کی تالیف کی ہے جس میں سعادت اور شقاوت کی دو متضاد حالتوں کا مقابلہ کیا ہے **مَثَلِ اعلیٰ** کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس شخص کو اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے ایک وجود (دنیاوی زندگی) کو چھوڑکر دوسرے کامل وجود (موت کے بعد کی حالت) کو اختیار کر لینے والا ہے۔ گویا وہ اپنے وطن کی طرف سفر کر رہا ہے۔

لہ انسانِ کامل

**تصوف**۔ اسی ضمن میں صوفیہ کے دقیق عقاید پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ جوں جوں انسان منزلِ مقصود سے قریب تر ہوتا ہے اسکے اطمینان و سکون میں اضافہ ہوتا ہے۔ واصلینِ حق کے کئی مدارج ہیں بعض دور کی اشیا کو واضح طور پر دیکھتے ہیں اور بعض قریب سے ایسا دیکھتے ہیں جیسا کہ پردے کی آڑ سے۔ قوتِ باصرہ غور و خوض میں مداومت کرنے سے تھک جاتی ہے برخلاف اسکے بصیرت کی آنکھ غور و فکر سے تقویت حاصل کرتی ہے اور دوامی مطالعہ سے جلا پاتی ہے۔

**موت**۔ مسکویہ کی کتاب الاخلاق کا بہترین جز، موت کے خوف کے علاج کی نسبت ہے۔ موت کا خوف اسی شخص کو ہوتا ہے جو یہ نہیں جانتا کہ اسکی حقیقت کیا ہے اور اسکا نفس کہاں منتقل ہو رہا ہے۔ یہ گمان ہوتا ہے کہ بدن کے ترکیبی اعضاء کے

ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مہدیؑ کو اپنے پاس بلائیگا۔ اسکے بعد عرش، ہوا، ملک اور برزخ کی بحث کی ہے۔

**چوتھی** اور آخری جلد میں مرنے کے بعد کے حالات کا ذکر کیا ہے۔ حکمتِ آلہیہ اور فلسفۂ شرعیہ میں یہ بحرزخار ہے۔

**سلطان سلیم** اوّل عثمانی نے شام میں شیخ کی قبر کا پتہ چلایا۔ کہا جاتا ہے کہ خود شیخ نے اپنی قبر کی رہنمائی کی۔ آپ نے فرمایا تھا "جب سین شین میں داخل ہوگا تو محی الدین کی قبر کا انکشاف ہوگا"۔ شام کے پایۂ تخت دمشق میں آپ کی قبر زیارتگاہِ ہر خاص عام ہے۔

# ابن خلّدون

## (ابوزید عبدالرحمٰن) ١٣٣٩-١٤٠٣ء-٧٤ سال

**ابن خلدون** کے اجداد اندلس میں اشبلیہ کے متوطن تھے، تونس کو منتقل ہوئے اور ابن خلدون تونس میں پیدا ہوئے اور تعلیم بھی یہیں پائی۔ وبائی مرض کے شائع ہونے پر ہوازہ گئے اور فاس میں سلطان تلمسان نے کتابت پر انھیں مامور کیا۔ ٧٦٥ھ میں غرناطہ آئے، پھر اسکندریہ اور وہاں سے قاہرہ پہنچے، جامعہ ازہر میں مالکی فقہ کی تعلیم دیتے رہے، وہیں وفات پائی۔

**تاریخ** ابن خلدون مشہور عالم ہے اور خاص طور پر مقدمہ کی پہلی جلد چار سو صفحوں پر مشتمل ہے۔ ابن خلدون علوم اجتماعی، اقتصادیات اور فلسفۂ تاریخ کے بانی ہیں۔ مقدمۂ تاریخ میں ابن خلدون نے لکھا ہے کہ فلاسفہ ایمانی عقاید کی صحت کا دارومدار نظری استدلال پر کرتے نہ کہ سماعی دلائل پر، اور کہتے ہیں کہ عقاید ایمانی عقلی معلومات کے منجملہ ہیں فلسفی کہتے ہیں کہ سعادت موجودات کے علم سے حاصل ہوتی ہے اور موجودات کا علم موقوف ہے استدلال اور برہان پر۔ وجود کے متعلق انکے معلومات کا خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے حِس کے ذریعہ جسم سفلی کا معائنہ کیا اور حیوانات کے حس و حرکت کی وجہ سے ان کے نفس کے وجود کا شعور ہوا۔ پھر نفس کی قوتوں کے ذریعہ عقل کا احساس کیا۔ بڑھتے بڑھتے اجرام فلکی پر ذاتِ انسان کے احکام عاید کئے۔ فلک کیلئے بھی نفس اور عقل کو لازمی قرار دیا۔ انکی تعداد میں اضافہ کرتے ہوئے دس تک پہنچا دی جن میں نو مرکب اور ایک مفرد ہے۔ فلسفی کا عقیدہ ہے کہ اس طرح وجود کا ادرک کیا جائے تو سعادت حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ نفس کو تہذیب دیں اور اسکو فضایل سے آراستہ کریں۔ انسان کی عقل نیک و بد کے امتیاز کی قوت دیتی ہے۔ اس کمال کے حصول کو سعادت اور اس سے غفلت کو جہل اور دائمی شقاوت سے تعبیر کیا ہے۔ انکے نزدیک آخرت کی راحت اور عذاب سے یہی مراد ہے۔ خلفائے بنی عباس کے دور میں ان حکمائے متقدمین کی کتابوں کا یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوا تو اکثر اہل مذہب نے انکی پیروی شروع کی اور بعض فروعی مسایل میں ان سے اختلاف کیا

ابن خلدون فلاسفہ کی اس رائے کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان تمام موجودات کو عقلِ اوّل کیطرف منسوب کرنا اور واجب الوجود کی طرف ترقی کرنے میں اسی پر اکتفا کرنا ان اشیاء کے جہل کی وجہ سے ہے جنکی خدائے تعالےٰ نے تخلیق کی ہے۔ وجود، عقل اوّل سے زیادہ وسیع ہے۔ اللہ تعالےٰ ایسی چیزوں کو پیدا کرتا ہے جنکا ہمیں علم نہیں ہے۔"

**تصنیفات** ۔ آپ کی تصنیفات بہت سی ہیں جن میں فتوحات مکیہ و فصوص الحکم مقبول عام ہیں۔ فتوحات مکیہ کی چار ضخیم جلدیں ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہونگے جو جملہ فصول کو یا کسی ایک فصل کو پوری طرح سمجھ سکے ہونگے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کتاب کی تالیف الہام سے ہوی ہے۔ پہلی جلد کی ابتدا سے یہ دو اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

| | |
|---|---|
| اَلرَّبُّ حَقٌّ وَالْعَبْدُ حَقٌّ | یَا لَیْتَ شَعْرِی مَنِ الْمُکَلَّفْ |
| رب حق ہے اور بندہ بھی حق ہے | کاش میں جانتا، ان میں مکلف کون ہے |
| اِنْ قُلْتُ عَبْدٌ فَذَاکَ مَیِّتٌ | اَوْ قُلْتُ رَبٌّ اَنّیٰ یُکَلَّفْ |
| اگر میں کہوں بندہ (مکلف) ہے تو وہ تو مردہ ہے | اور کہوں رب ہے تو وہ کیسے مکلف ہوگا |

ابن عربی جیسی کسی صوفی میں شعروسخن کی استعداد نہ تھی بعض مقامات میں روانی عبارت ایسی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریا ہے کہ بہا جارہا ہے۔ جس میں سیلاب بھی ہے طوفان اور بھنور بھی۔ کبھی سیلاب اپنی تیز رو میں بہالے گیا تو کبھی طوفانی موج سر پر سے نکل گئی اور کبھی بھنور میں غوطہ لگایا۔ بہرحال پڑھنے والے کا خدا ہی حافظ ہے، اور اسکے بعد شیخ صاحب ہی ناخدائی کریں اور ساحلِ عافیت کو پہنچائیں تو شاید۔ یہ ہے اس ناچیز مولف کی رائے۔ شیخ صاحب اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ بتاتے ہیں کہ ایک ذی مرتبت انسان نے فرمایش کی تھی۔ میں نے اس کتاب میں وہ اسرار بیان کئے ہیں جنکی توضیح کیلئے وقت نہیں اور نیز اکثر لوگ انکے سمجھنے کے قابل نہیں۔ پس میں نے اساسی اصول پر اکتفا کیا اس خوف سے کہ کہیں وضع الشئ علی غیر محلہٖ کا مصداق نہ بنجائے۔ اس جلد میں احکام شرع اور اسکے اسرار تفصیل سے بحث کی ہے۔
**دوسری** جلد میں اولیاء کے مراتب، رسولوں کے اپنے رب سے فیضیاب ہونے اور انبیاءؑ کے مقابل رسولوں کے مدارج، اور اولیاء کے مقابل انبیاء کے مراتب کی تصریح کی ہے۔ تشریعی نبوت اور نبوتِ مطلقہ میں فرق بتایا ہے۔ رسولوں میں بعض ایسے ہیں جو بعض امور میں خصوصیت رکھتے ہیں اور بعض خصوصیت نہیں رکھتے۔ بعض اولیاء انبیاء کے رتبہ کے قریب پہنچتے ہیں اسلئے کہ تشریعی نبی کے متعلق خدائے تعالیٰ فرماتا ہے مالم تحط بہ خبراً۔ نبوت کے اسرار و احکام کے بعد، شکر، توبہ، مجاہدہ، خلوت، تقویٰ، خوف و رجاء کے مقامات، شہوت وارادہ کا فرق، لذت، قناعت، توکل، ذکر و فکر کے مقامات اور انکے اسرار بیان کئے۔ خدا تعالےٰ کے ظاہری اور باطنی اسماء اور علم اسماء کی تشریح کی۔ مقامِ محمدی سے حوضِ کوثر کے رتبے، مقامِ موسوی سے زیارتِ موتیٰ کے مرتبے بیان کئے ہیں۔
**تیسری** جلد میں مقامِ موسوی اور محمدی کی توضیح کی اور اس امام کے مرتبہ کو ظاہر کیا جو قطب کے بائیں جانب ہوتے ہیں مہدیؑ کا نزول اسوقت ہوگا جبکہ روئے زمین پر ظلم وستم عام ہو جائیگا۔ دنیا کا ایک دن بھی باقی رہے مہدیؑ کا ظہور لازمی ہے۔ مہدیؑ عترتِ رسول سے ہونگے۔ لوگوں سے رکن اور مقام کے درمیان بیعت لیں گے۔ عدل قائم کریں گے۔ ۵، ۷ یا ۹ سال زندہ رہیں گے اور مذاہب کے اختلاف کو رفع کرینگے۔ آپ کے زمانہ میں عیسیٰؑ کا دمشق کے مشرقی مینار پر نزول

# فلاسفۂ یوروپ و امریکہ

حکماء یونان کا دور پانچویں صدی قبل مسیح میں شروع ہوا اور تقریباً پانسو سال جاری رہا۔ اسکے بعد ملتِ عیسوی کا آغاز ہوا۔ حکومتِ وقت نے عیسیٰؑ کے ساتھ نہایت ظالمانہ برتاؤ کیا۔ اور کم از کم تین سو سال تک عیسائیت کی اشاعت میں مزاحمت کیجاتی رہی۔ حتیٰ کہ کانسٹینٹین اعظم نے ۳۱۱ء میں مذہب عیسوی کی رواداری کے بارے میں ایک فرمان جاری کیا۔ چوتھی اور پانچویں صدی میں یونانی اور لاطینی حکومتوں کے زوال کے بعد مذہب عیسوی کا فروغ شروع ہوا مگر یونانی فلسفہ کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ بظاہر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ملتِ عیسوی کو جس قالب میں ڈھالا گیا تھا یونانی فلسفہ اس کا ساتھ نہ دے سکتا تھا۔

**عباسیوں** نے آٹھویں صدی کے اواخر میں اس جانب توجہ کی۔ حکماء یونان کی تصنیفات تلاش کرکے جمع کی گئیں۔ اسلامی علماء نے سریانی، عبرانی اور یونانی زبانیں سیکھیں اور علماء یہود کے تعاون سے قدیم فلسفہ کو عربی زبان میں منتقل کیا اور چودھویں صدی کے آغاز تک برابر اس فلسفہ کو ترقی دیتے رہے۔ یہاں یہ وجہ تھی کہ اسلام اور فلسفہ میں منافرت شدید نہ پائی گئی اور کچھ اختلاف تھا بھی تو علماء اسلام نے بآسانی اس میں توافق پیدا کیا۔

**اسپین**۔ آٹھویں صدی کے آغاز میں اسلامی افواج نے شمالی افریقہ کو طے کرتے ہوئے اسپین میں نفوذ کیا اور مسلمان سات سو سال تک یوروپ کے جنوب مشرقی قطعۂ ملک میں قائم رہا۔ اسی اثناء میں پائے تخت روم میں چرچ اور پوپ کی قوت ترقی کرتی رہی حتیٰ کہ بارھویں اور تیرھویں صدی میں اس درجہ قوی ہوئی کہ یوروپ کی اکثر حکومتوں کو زیر و زبر کیا۔ کسی کے ملک کا ایک ربع حصہ چرچ کے تحت لیا تو کسی پر خراج عاید کرکے معاف کیا گیا۔ کسی کو تخت پر بٹھلایا اور کسی کی وراثت کا تصفیہ کیا۔ چرچ کی اس شدید مداخلت نے عوام کی ذہنیت میں انقلاب پیدا کیا۔ چرچ کے امتیازی سلوک کی وجہ سے سارا یوروپ جو تاریک بادلوں میں گھرا ہوا تھا قرطبہ کے چراغ سے دھندلی روشنی پا چکا تھا۔ گو یہ چراغ پندرھویں صدی کے آخر میں خاموش ہوگیا مگر اس کی ضیاء پاشی یوروپ کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لئے کافی تھی۔ بہت سے مصلح، مفکر اور فلسفی یوروپ میں اور اس کے بعد امریکہ میں پیدا ہوتے گئے۔ جن میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

محض قیاسات عقلی پر اکتفا کرنا اور ماورائے عقل چیزوں سے غفلت کرنا بڑی غلطی ہے۔

ذہنی قیاسات سے جو نتائج مستنبط ہوتے ہیں انمیں اور خارجی موجودات میں مطابقت غیر یقینی ہے۔ یہ احکام ذہنی کلی اور عام ہیں اور موجودات خارجی اپنے مادہ کے ساتھ متشخص ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ مادے میں کوئی ایسی خصوصیت ہو جو ذہنی کلی کو خارجی شخصی کے مطابق نہ ہونے دے۔ وہ موجودات جو ماورائے حس ہیں جیسے روحانیات، انکی ذات مجہول ہے۔ نہ ان تک پہنچنا ممکن ہے اور نہ انکے ثبوت میں کوئی دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ذوات روحانیہ کا ہم کو ادراک نہیں ہوتا۔ ہمارے اور انکے درمیان حجاب حایل ہے۔ اسلئے انکے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں پیش کیجا سکتی سوائے نفس انسانی اور اسکے احوال کے (بخصوصاً خواب) **عالمِ رویا** کے وجود کے جو ہر شخص کیلئے نفس الامر ایک وجدانی [illegible] ہے۔ ہاں انکے ثبوت کیلئے کوئی ذریعہ نہیں اور انکے ماورا جو حقائق ہیں اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے مبہم اور پوشیدہ ہیں۔ انکے علم تک پہنچنے کیلئے ہمارے لئے کوئی راستہ کھلا نہیں۔ افلاطون خود کہتا ہے "الہیات کا کوئی قطعی علم نہیں ہو سکتا۔ ان مسائل کے متعلق جو بھی حکم لگایا جائیگا محض قیاسی اور ظنی ہوگا۔"

**سعادت۔** فلاسفہ کہتے ہیں کہ دلائل کے ذریعہ موجودات کی حقیقت کا علم حاصل کرنے میں سعادت ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے انسان دو اجزاء سے مرکب ہے ایک جسمانی اور دوسرا روحانی اور یہ روحانی جزو بھی جسمانی جزو کے ساتھ مخلوط ہے۔ ہر ایک جزو کے خاص مدارک ہیں اور ان دونوں میں مشترک مدرک ہے اور وہ روحانی جزو ہے۔ یہ کبھی روحانی مدارک کا ادراک کرتا ہے اور کبھی جسمانی مدارک کا لیکن فرق یہ ہے کہ روحانی مدارک کا ادراک بلا واسطہ ذاتہ ہوتا ہے اور مدارک جسمانی کا ادراک جسم کے آلات دماغ و حواس کے ذریعہ۔ ہر مدرک کو اپنے ادراک کی وجہ سے ایک خاص سرور حاصل ہوتا ہے۔ بلاشبہ وہ مسرت جو بلا واسطہ ذاتی ادراک کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے زیادہ قوی ہے۔ اس لحاظ سے نفس روحانی کو بلا واسطہ ادراک کرنے میں جو لذت محسوس ہوگی اسکی تعبیر ممکن نہیں۔ اس ادراک کا حصول غور و فکر کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ حس کے حجابات کے رفع ہونے اور جسمانی مدارک کے ہٹ جانے سے حاصل ہوتا ہے۔ متصوفین اسی ادراک کے حصول کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ریاضت کے ذریعہ جسمانی قویٰ اور انکے مدارک کو حتیٰ کہ فکر کو بھی دماغ سے زایل کرتے ہیں تاکہ یہی ادراک حاصل کریں۔ آخر میں ابن خلدون اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ فلاسفہ کا یہ علم انکے مقاصد کے لحاظ سے ناکافی ہے اور ساتھ ساتھ شرایع سے بھی اختلاف رکھتا ہے لیکن انکے قوانین کمال صحت پر مبنی ہیں۔ اسکے ذریعہ مختلف اہل علم کے مذاہب آراء سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور انکی غلطیوں کو نکالنے میں مدد ملتی ہے۔ پس ان لغویات سے بچکر اس فن کا مطالعہ کیا جائے تو بہتر ہے۔

**ابن تیمیہ** نے دورِ عباسی کے فلسفہ سے بیدل ہو کر لکھدیا "میں نہیں سمجھتا کہ خدائے تعالیٰ مامون سے غافل رہیگا بلکہ اس امت پر اس نے جو مصیبت نازل کی ہے اسکا ضرور بدلہ لیگا۔" امام حسن کی نسبت اسکے مخالف نے اسی طرح اظہار خیال کیا تھا ملاحظہ ہو۔

**ڈیکارٹ** فرانسیسی ہے۔ ماہر ریاضی تھا اور فلسفی۔ گو اس نے مذہبی فرقہ جیسوئٹ سے تعلیم پائی مگر ان پر اعتماد نہیں کیا۔

**حرکتِ ارض**۔ ڈیکارٹ اس نظریّہ کا بانی ہے کہ زمین متحرک ہے اور گردش کرتی ہے۔

**شک** بیکن کی طرح ڈیکارٹ بھی کہتا ہے کہ کسی امر کو خاموشی کے ساتھ تسلیم نہ کرے۔ نہ فوراً یقین کرے اور نہ انکار کرے۔ "شک ہی میرے وجود کی دلیل ہے۔ میں ایک سوچنے والا مخلوق ہوں۔ میں جو کچھ ہوں اپنے نفس کی وجہ سے ہوں۔ میری انانیت" میرے بدن سے جدا گانہ ہے۔ میرا بدن تلف ہو جائیگا مگر میری روح تلف نہ ہوگی۔ بدن مادّی چیز ہے اور روح غیر مادّی ہے اس میں فکر کرنے کی صفت ہے۔

**خدا**۔ صفاتِ کمالیّہ کا اتّصاف خدا کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ خدا میں نقائص نہیں خدا کی ذات اکمل ہے۔

**انسان**۔ انسان کا جسم میکانکی ہے جس کی زندگی کیلئے اُسکے بدن میں جان ہے اور خدا کی ذات اس کے اوپر سایہ فگن ہے، اسکو قائم رکھتے ہوئے اس کی رہنمائی کرتی ہے۔

**زندگی** سے محبت کریں مگر موت سے نہ ڈریں۔

# اسپینوزا

## (باروش) ۱۶۳۲ - ۱۶۷۷ - ۴۵ سال

دنیا - پیان تھیزم - روح

**اسپینوزا** ہالینڈ میں یہودی گھرانے میں پیدا ہوا۔ چونکہ معقولیت پسند تھا اسلئے یہودیوں نے اسکو قومیت سے خارج کردیا اور چونکہ نسلاً یہودی تھا اسلئے اوروں نے بھی مقاطعہ کیا۔ اس تنہائی کا اثر یہ ہوا کہ ایک خاص طرزِ فکر پر غور کرنیکا عادی ہوگیا۔ اسکا ذہن ہمیشہ ان سوالات میں الجھا رہا۔ اس دنیا کی حقیقت کیا ہے۔ ہم کو اس دنیا میں کون لایا؟ اور کیوں لایا؟ اس غرض کیلئے وہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ دنیا کی ساخت کیسے ہوئی۔ خدا کی ذات کی ماہیت کیا ہے اور انسان کی زندگی کیا ہے۔

**دنیا** ایک حقیر امٹی جزو ہے کُل کے لامتناہی جسم میں۔ خلا اور زمانہ لامتناہی ہیں اور اسی طرح دنیاؤں کی تعداد بھی لامتناہی ہے۔ دنیا غیر فانی ہے، ہے اور تھی اور رہیگی۔ دنیا عدم سے وجود میں نہیں آئی اور نہ معدوم ہوگی۔

**خدا**۔ اس دنیا میں ہم کو کون لایا۔ اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ خدا لایا اور پھر کہتا ہے دنیا خدا ہے، جو کچھ ہے وہ خدا ہے اور ہر چیز خدا میں ہے۔

**زندگی**۔ ڈیکارٹ کا مقولہ ہے کہ زندگی تین اجزا پر شامل ہے۔ میکانکی بدن، قوّتِ مفکرہ اور اسکے اوپر خدا کی ذات۔ اسپینوزا نے ان تینوں اجزا کو ایک کُل میں سمو دیا۔

**پیان تھی اِزم** یعنی ہمہ اوست، کا نظریّہ یہ ہے کہ تمام بنی نوع کا بدن ایک ہے اور روح بھی ایک ہے۔ دنیا میں

## اقتباس از ۱۔ اسٹوری آف فلاسفی مصنفۂ ول ڈیورا نٹ ۔
## ۲۔ گریٹ فلاسفرس مصنفۂ ٹامس اینڈ ٹامس ۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بیکن | ۱۶۲۶ - ۱۵۶۱ | شوپنہار | ۱۸۶۰ - ۱۷۸۸ |
| ڈیکارٹ | ۱۶۵۰ - ۱۵۹۶ | امرسن | ۱۸۸۲ - ۱۸۰۳ |
| اسپینوزا | ۱۶۷۷ - ۱۶۳۲ | اسپنسر | ۱۹۰۳ - ۱۸۲۰ |
| لاک | ۱۷۰۴ - ۱۶۳۲ | نٹشے | ۱۹۰۰ - ۱۸۴۴ |
| ہیوم | ۱۷۷۶ - ۱۷۱۱ | جیمس | ۱۹۱۰ - ۱۸۴۲ |
| والٹیر | ۱۷۷۸ - ۱۶۹۴ | برگسن | ۱۹۴۱ - ۱۸۵۹ |
| کانٹ | ۱۸۰۴ - ۱۷۲۴ | سنتایانا | ۱۹۵۲ - ۱۸۶۳ |
| ہیگل | ۱۸۳۰ - ۱۷۷۰ | ڈیوی | ۱۹۵۲ - ۱۸۵۹ |
| رسل | ۱۸۷۲ | | |

---

# بیکن

## (فرانسس) ۱۵۶۱ - ۱۶۲۶ - ۶۵ سال

**بیکن** انگلستان میں ملکۂ الزبتھ کے دور میں گزرا۔ فلسفی ہے مگر اسکا کردار نہایت متزلزل۔ اپنے محسن ارل آف ایسکس کے ساتھ اس نے غداری کی۔ اسکے طرز زندگی کی تصدیق اس قول سے ہوتی ہے۔ "اپنے دوست کے ساتھ محبت کا برتاؤ اس طرح کرو گویا کہ وہ تمہارا دشمن ہے اور دشمن کے ساتھ ایسے رہو گویا کہ وہ تمہارا دوست ہے۔" وہ وقت کا منتظر رہتا اور اپنے ارادے کی تکمیل کیلئے کوئی نہ کوئی حیلہ تراشتا۔ منصب عدالت کو بھی ملحوظ نہیں رکھا اور رشوت میں ماخوذ ہو کر سزا پائی۔

**شک** ۔ بیکن نے شک کو اہمیت دی کہتا ہے کہ جبتک شک کی خلش نہ ہو انسان میں تجسس کا شوق نہیں پیدا ہوتا! اسباب کے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تجربہ کرتا ہے غلطی ہوتی ہے اسکی اصلاح کرتا ہے اور اپنی رائے کی ترمیم کرتا ہے

# ڈیکارٹ

## (رینی) ۱۵۹۶ - ۱۶۵۰ - ۵۴ سال

حرکت ارض ۔ شک ۔ خدا ۔ انسان ۔

حق یہ ہے کہ حق کوئی چیز نہیں۔ اس نے ایک مضمون خودکشی کے جواز میں لکھا تو دوسرا روح کی بقاء کی تردید میں۔ اس نے عیسائیت کو بحیثیت مذہب کوئی اہمیت نہیں دی۔ ہیوم سے انگلینڈ متنفر تھا تو فرانس اسکا فریفتہ۔

**ذہن۔** ہیوم کہتا ہے کہ حواس یا تجربہ کے بغیر کوئی چیز ذہن میں آ ہی نہیں سکتی۔ اس امر سے انکار کرتا ہے کہ محض استدلال کے ذریعہ **حق** کو دریافت کیا جاسکتا ہے۔

**خدا۔** وہ کہتا ہے کہ خدا کا وجود ہے مگر خدا کے وجود کی نسبت میرا اعتقاد کن وجوہ پر مبنی ہے میں نہیں جانتا اور نہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں۔

# والٹیر

## (فرانکاسے میاری اَرُوبِٹ) ۱۶۹۴ - ۱۷۷۸ - ۸۴ سال

خدا - آخرت ؛ انسان۔

**والٹیر** فرانسیسی مصنف اور فلسفی ہے۔ اسکی زندگی بھی ایک معمہ تھی، ضدین کا اجتماع ہوا تھا۔ بنی نوع انسان سے بالکلیہ نفرت کرتا اور پھر انفرادی طور پر لوگوں سے ملنے جلنے کو پسند کرتا۔ مذہبی پیشواؤں کا مذاق اڑاتا اور دوسری طرف اپنی ایک کتاب کو پوپ کے نام معنون بھی کیا۔ خاندانِ شاہی کی مذمت کی اور جب اسکے نام پنشن مقرر کی گئی تو قبول کرلی۔ خدا کے وجود کے بارے میں شک کرتا رہا اور پھر ساری عمر اس کوشش میں صرف کردی کہ خدا کو دریافت کرے۔

"اگر خدا ہے نہیں تو بھی ایک خدا کو ایجاد کیا جائے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسکے ذہن میں خدا کا وجود لابدی تھا۔ مذہبی امور میں مداخلت کو پسند کرتا۔ "سوچو اور سوچنے دو" اسکا مسلک تھا۔ وہ کہتا ہے

"خاموش رہو، قسمت کا صحیفہ ہم پر بند ہے۔
انسان اپنے آپ کے لئے اجنبی ہے، خود کو نہ سمجھ سکا۔
نہیں جانتا کہ کہاں سے آیا اور کدھر جائے گا۔"

**خدا۔** ابھی ہم مبادیات کو نہیں سمجھ سکے۔ خدا، فرشتے اور روح کی اصلیت کو دریافت کرنا یا اس سوال کا حل کرنا کہ خدا نے دنیا کو کیوں پیدا کیا ایک فعلِ عبث ہے۔ مادّہ جس کو کہتے ہیں میں نے دیکھا ہے مگر میں نہیں جانتا کہ وہ ہے کیا چیز۔ معاشرہ کی صحت کیلئے ضروری ہے کہ مذہبی تعصب کو توڑ دیا جائے۔ فخر سے کہتا تھا کہ خدا کی نسبت اعتقاد کی کوئی اخلاقی قدر و قیمت اسوقت تک نہیں ہوسکتی جبتک کہ اسکے ساتھ یہ اعتقاد بھی رکھا جائے کہ روح غیر فانی ہے اور سزا اور صلہ دونو مقرر رہیں۔ وہی شخص مذہبی ہے جو ایک اعلیٰ ترین وجود پر یقین کرے اِن صفات کے ساتھ کہ وہ خیرِ محض ہے اور قوی

ایک ہی وجود ہے اور وہ خدا کی ذات ہے۔

**سعادت** ہر فرد کی منحصر ہے ساری انسانیت کی سعادت پر حصولِ سعادت کیلئے ہم کو اپنے سے محبت کرنا چاہئے اور اپنے سے محبت کرنیکے لئے بنی نوع انسان کے ساتھ محبت کریں اور بنی نوع انسان کے ساتھ محبت کرنیکے لئے خدا سے محبت کریں۔

**روح** انسانی بدن کے ساتھ تلف نہیں ہوتی بلکہ اسکا کچھ نہ کچھ حصہ ہمیشہ باقی رہیگا۔

**اسپینوزا** کی زندگی کی تین خصوصیات تھیں۔ وہ ایسی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا تھا جو عام فہم تھی۔ وہ صرف اشیائے مایحتاج سے استفادہ کرتا اور دولت سے متنفر تھا۔

# لاک

## (جان) ۱۶۳۲ - ۱۷۰۴ء ۔ ۷۲ سال

**لاک** انگلینڈ کا فلسفی ہے۔ آکسفورڈ میں درس دیتا اور مطب بھی کرتا تھا۔ یہ کہتا ہے۔ **ذہن** انسانی کوئی ذاتی تصورات نہیں رکھتا اور نہ اس میں تخلیق کی قوت ہے۔ ذہن دو طریقوں سے تصورات حاصل کرتا ہے۔ حواس کے ذریعہ خارجی دنیا کی اشیاء کا احساس کرتا ہے۔ غور و فکر کے ذریعہ۔ حواس کے ذریعہ جو معلومات حاصل ہوتے ہیں انکی تجزی کر کے ترتیب دیتا ہے اور نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ نتیجہ صحیح ہے یا غلط، وہ قوت بتا سکتی ہے جو حواس سے خارج ہے اور جسکو **ضمیر** یا روحانی قوت انیٹوشن کہا جا سکتا ہے۔ انیٹوشن علم کی بنیاد ہے اور لابدی ہے۔

**حُسن، انصاف، محبت** اور **تسلیم** کے تصورات مرکبات میں سے ہیں جنکی ترکیب حاسّہ اور فکر کی آمیزش سے ہوئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ کہ تمام قوائے علمی کی بنیاد تجربہ اور خدا کے علم پر موقوف ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ انسان ذاتی منفعت کیلئے بھلائی کو طلب کرتا اور برائی سے احتراز کرتا ہے، وہ چیزیں جو اعلیٰ ترین **سعادت** کی باعث ہوسکتی ہیں خیر ہیں اور وہ چیزیں جو شقاوت میں مبتلا کرتی ہیں شر ہیں۔

**ذہن** انسانی خیر محض کی دریافت سے عاجز ہے، اسلئے مناسب ہے کہ ہر شخص کو آزادی دیجائے کہ من مانے خدا کے ساتھ ربط قایم کرے۔ ہر شخص کا ضمیر اور ہر شخص کا مذہب اسکے شخصی تصور کے تابع ہے۔

# ہیوم

## (ڈیوڈ) ۱۷۱۱ - ۱۷۷۶ء ۔ ۶۵ سال

**ہیوم** اسکاٹش فلسفی ہے۔ قانون کی تعلیم پائی اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہوگیا۔

**آزادی تجارت** کا سوال سب سے پہلے اسی کے دماغ میں آیا جسکو آدم اسمتھ نے آگے چلکر ترقی دی ہیوم کہتا ہے کہ

محدود ہیں کہ ہم کو ان امور کے سمجھنے اور ثابت کرنے میں مدد نہیں دیتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم کو عمل کی آزادی حاصل ہے ورنہ ہم کو کسی اخلاقی ذمّہ داری کا احساس نہ ہوتا۔ **آخرت** ۔ ہمارا ضمیر کہتا ہے کہ موت کے بعد بھی ایک زندگی ہے۔ اس لئے کہ ہم بسا اوقات اپنے ضمیر کی رہنمائی پر ایسی صورتوں میں بھی عمل کرتے ہیں جبکہ اس دنیا میں کسی صلہ کی ہم کو توقع نہیں ہوتی۔

**خدا** ۔ کانت نے اپنی پہلی تصنیف میں خدا کے وجود کی نسبت شبہ کیا اور دوسری تصنیف میں اُسکے وجود کا اقرار کیا اور تیسری تصنیف میں برملا پکار اُٹھا کہ خدا کو پالیا۔ صنعت کی کاریگری صانع کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ خدا کے معمّے کو حل کرنے کی کوشش کرے لیکن خدا ایک ایسا معمّہ ہے جو کسی سے حل نہیں ہوا اور نہ ہوسکے گا۔

**سعادت** ۔ اخلاق سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہم کس طرح سعادت حاصل کریں بلکہ اخلاق یہ ہے کہ ہم کس طرح خود کو سعادت کے لایق بنائیں۔

**مذہب** کو اگر سائنس کی بنیاد پر قائم نہ کرسکو تو اخلاق پر قائم کرو۔

# ہِگل

## (جارج ولہم فریڈرک) ۱۷۷۰۔ ۱۸۳۱۔ ۶۱ سال

شعور۔ وجود۔ روحانیت

**ہِگل** جرمن فلسفی تھا۔ مدرّسی کی، اخبار نکالا اور پھر فلسفہ کا پروفیسر ہوگیا۔ ہگل غور و فکر میں اسقدر مستغرق رہتا تھا کہ عوام میں غائب دماغی کیلئے مشہور ہوگیا۔

**شعور** ۔ اسکی رائے ہے کہ دنیا کی ہر شئی میں شعور ہے۔ اشیاء اگرچہ بظاہر مختلف صورتوں میں نظر آتی ہیں مگر ان سب میں ایک عام سبب پوشیدہ ہے۔ اس نے سبب کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ عملی سبب جو محسوسات میں پایا جاتا ہے اور ذہنی سبب جو غیر محسوس تصوّرات میں پوشیدہ ہے۔

**وجود** ۔ ہر شئی کے خارجی وجود کے ساتھ ساتھ اسکا حقیقی وجود بھی ہے۔ وجود میں عدم وجود بھی شامل ہے۔ ہر شئی میں اُس شئی کی ضد بھی داخل ہے۔ زندگی میں موت، محبّت میں نفرت، دن میں رات اور جوانی میں بڑھاپا۔ صرف یہی نہیں کہ ہر شئی میں اسکی ضد داخل ہے بلکہ ہر شئی اپنی آپ ضد ہے۔ نیچر کے معنی یہی ہیں کہ اضداد میں توافق پیدا کرے۔

**روحانیت** وہ روحانیت کا قایل تھا اور کہتا تھا کہ مادّی دنیا محض مادیت کی وجہ سے قائم نہیں ہے۔ مادّے کا قیام روح سے ہے اور روح کی وجہ سے مادّہ وجود میں آیا۔

**سعادت** ۔ زندگی محض حصول سعادت کے لئے نہیں بلکہ کمالِ ارتقاء کے لئے ہے۔ انفرادی شخصیت، اجتماعی شخصیت کے تحت ہے۔

اور خود مختار بھی۔ جو عدل کے ساتھ بغیر کسی ظلم کے، معصیت کی سزا دے اور اپنے رحم و کرم سے نیکیوں کا صلہ دے۔

**انسان** کی نسبت کہتا ہے کہ اسکی زندگی کے بہت سے مدارج ہیں۔ نباتی حالت سے رحمِ مادر میں آتا ہے، طفولیت میں حیوانی درجہ کو طے کرتا ہے اور کہیں بیس سال کی عمر میں اس قابل ہوتا ہے کہ غور و فکر کرے جو انسانی صفت ہے۔

---

اس انسانی ہیکل کے ایک حقیر جزو کو سمجھنے کیلئے تیس صد سال درکار ہیں اور روح کی ماہیئت اور حقیقت کو جاننے کے لئے تو شاید ابدالآباد بھی کافی نہ ہو۔

# کانٹ

## (اِمانوِل) ۱۷۲۴ - ۱۸۰۴ - ۸۰ سال

مبادیاتِ نظری علم۔ آخرت ۔ خدا ۔ سعادت ۔ مذہب ۔

**کانٹ** نہایت حقیر قامت ۵ فٹ بلند تھا اور پیٹ نکلا ہوا۔ جرمن تھا، کونس برگ کی یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ سہ پہر میں ساڑھے تین بجے اس پابندی وقت کے ساتھ گھومنے نکلتا کہ کونس برگ کے رہنے والے اسکو دیکھکر اپنی گھڑی ٹھیک کر لیتے۔ اسکی گزرگاہ کو "فلاسفر کی گشت" کے نام سے موسوم کیا تھا۔ آگ لکڑی کو جلاتی ہے مگر لوہے کو مضبوط کرتی ہے اسی طرح لڑکپن کے افلاس نے اسکے نفس کے لوہے کو فولاد بنا دیا تھا۔ نو سال معلمی میں صرف کرنیکے بعد سائنس کی طرف رجوع کیا اور اُسی یونیورسٹی میں سائنس کا پروفیسر ہوگیا۔

اس عہد میں برکلے کی روحانیت، ہیوم کی مادیت، والٹیر کی معقولیت اور روسو کے جذبات بھرے تھے۔ برکلے نے مادے کو تباہ کیا، ہیوم نے روحانیت کو غارت کیا، والٹیر تجربہ کے نتائج کو فراموش کرکے استدلال کو چمٹا رہا۔ کانٹ اپنی جرمن قومیت کی خصوصیت کے ساتھ ان چاروں متضاد نظریوں کے امتزاج سے ایک متفقہ حقیقت کی دریافت میں مصروف رہا جو ان سارے نظریوں کو جمع کرے۔

**مبادیاتِ نظری**۔ اس نے تجربہ سے جدا کرکے فکر کی نسبت بحث کی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مبادیات تین ہیں ذہن یا نفس ناطقہ جس میں فکر کی صلاحیت ہے۔ دنیا اپنی مجموعی ترکیب کے ساتھ اور خدا بحیثیت ایک اکمل اور مختار ذات کے۔ ان تینوں مبادیات کا تعلق محض **ذہن** سے ہے۔ گویا اس نے مادیت اور روحانیت کے درمیان ایک وسطی مسلک دریافت کیا ہے۔

**علم** محض حواس کی وساطت پر موقوف نہیں ہے۔ دنیا کی اصل حقیقت ہمارے خارجی حواس کی دریافت سے خارج ہے بلکہ ہمارے فہم و شعور کے باہر ہیں حقیقت کے معلوم کرنیکے لئے سائنس و فلسفہ کا جاننا ضروری ہے۔ کانٹ خارجی دنیا اور حقیقی

---

دنیا میں تمیز کرتا تھا۔ انسان کے خود مختار ہونیکے متعلق، روح اور خدا کی نسبت بھی وہ کہتا تھا کہ ہمارے حواس اتنے ناقص اور

رہے، دولت نہ سرایت کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اِمرسن کے خاندان کے افراد گو دولتمند نہ ہو سکے مگر علم و فضل سے مالا مال رہے۔

**مذہبی رسوم۔** اِمرسن کو چرچ کے مذہبی رسوم سے اختلاف تھا، خاصکر "لارڈس سپر" کی مذمت میں کہتا تھا "خدا کی نعمت وضیافت گوشت وشراب نہیں ہے بلکہ نیک اعمال اور امن پسندی"۔ اسکے ایک مخالف نے یہاں تک کہہ دیا "ہم کو امرسن کے حال پر افسوس ہوتا ہے۔ صاف طور پر ظاہر ہے کہ وہ دوزخ میں جائیگا"۔ اِمرسن کے ایک دوست نے فوراً جواب دیا "مجھکو یہ یقین ضرور ہے کہ اگر اِمرسن دوزخ میں جائیگا تو دوزخ کی فضا کو ایسا خوشگوار کر دیگا کہ جنت کی نیک روحوں کی تفریح گاہ ہو جائیگی"۔

**انسانیت۔** تمام افراد ایک ہی نوعِ انسانی کے اجزاء ہیں۔ مشرقی پیغمبروں نے خدا کی وحدانیت کی تحقیق کی تھی تو اس مغربی پیغمبر نے بنی نوع انسان کی وحدت کا اعلان کیا۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ انسان کی روح بھی روح اوّل کی جز ہے۔

**انفرادیت۔** اِمرسن انسان کے رتبہ کو بلند کرتا اور کہتا تھا۔ تم جو کچھ بھی ہو یہ سمجھ لو کہ دنیا تمھارے ہی لئے ہے۔ انسان کے مدارج کی ترقی کی کوئی حد نہیں ہے۔ اِس دوڑ میں تیز رفتار کی جیت نہیں ہے بلکہ اس شخص کی ہے جو عزم واستقلال رکھتا ہو۔ "ایک سب کیلئے اور سب ایک کیلئے" اسکا موٹو تھا۔ فرد کو اسٹیٹ پر اور اسٹیٹ کو فرد پر ترجیح نہ دیتا تھا۔ امرسن لنکن کا مداح تھا اور لنکن اِمرسن کو امریکیوں کا پیغمبر باور کرتا تھا۔

**آزادیِ تجارت۔** اِمرسن کہتا تھا، اگر مجھ سے ہو سکتا تو میں ساری دنیا میں تجارت کی آزادی کو جاری کرتا جس میں نہ کوئی ٹیکس ہوتا نہ چنگی اور نہ کوئی جنگی خانہ۔

# اِسپنسر

## (ہربرٹ) ۱۸۲۰ - ۱۹۰۳ - ۸۳ سال

دنیا۔ وجود۔ اسٹیٹ۔ سائنس۔ ذہن

**اِسپنسر** نے کوئی لایقِ ذکر درسی تعلیم نہیں پائی۔ ڈربی کے مدرسہ میں مددگار مدرّس کی خدمت پر مامور ہوا۔ ریاضی داں ہونیکی حیثیت سے ریلوے میں سیول انجنیر مقرر ہوا اور پھر ایک مشہور اقتصادی رسالے "اکانامسٹ" کا سب ایڈیٹر ہوا۔ ۴۰ سال کی عمر میں فلسفۂ کلّی یا فلسفۂ اجتماعی کی بناء ڈالی اور ایک کتاب لکھی اور پھر اپنی زندگی کے بقیہ ۴۳ سال میں اس فلسفہ کو پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا۔

**دنیا۔** اِسپنسر نے اپنے خیالات کی بنیاد ارتقاء کے نظریّہ پر قائم کی۔ کہتا ہے کہ دنیا پراگندگی سے خلقت اور خلقت سے پراگندگی کی طرف گھومتی ہے۔ انسان کی زندگی اور دنیا کی زندگی اُس **خواب** کے مانند ہے جو دو نیندوں کے درمیان واقع ہوا۔ اسکی خشک مزاجی کی نسبت اسکے معتقدین کہتے ہیں کہ اسکے سر میں مغز ہی مغز تھا سینہ میں دل نہیں تھا اسکو

# شوپن ہاؤر

## (آرتھر) ۱۷۸۸ - ۱۸۶۰ - ۷۲ سال

ارادہ - زندگی - دل و دماغ - دنیا -

**شوپن ہاؤر** جرمن فلسفی ہے - نوعمری میں اسکو باپ کے مرنے کا غم نصیب ہوا تو دوسری طرف ماں کی عیش پرستی سے بیزار ہوا - اسکی زندگی آلام کا مرقع تھی - تجارت سے معیشت کو آغاز کیا اور پھر قدیم زبانوں کی تحصیل میں مصروف ہوا کیمیا اور مقناطیس کے علوم حاصل کئے - وہ کہتا تھا کہ مصائب میں مبتلا ہوکر انسان کمال حاصل کرتا ہے - سورج میرا تصور ہے - سورج ایسا ہی ہے جیسا نظر آتا ہے اور زمین ایسی ہے جیسی کہ محسوس ہوتی ہے - انسان خود ایک خواب ہے - اسکو نہ انسان پر اعتماد تھا اور نہ خدا پر - اسی پر اس نے اپنے قنوطی فلسفہ کی بنیاد رکھی -

**ارادہ** کے معنی عمل کے ہیں ارادہ غالب ہے - بدن اور ذہن دونو ارادے کے آلے ہیں - افرادِ انسانی کے ارادوں کے درمیان ایک مسلسل نزاع جاری ہے - عیسائیت میں ابتدائی گناہ سے مراد یہی ارادہ کا عمل ہے اور ترکِ ارادہ کا نام نجات ہے - بدھ مت نے اس تصور کو ترقی دی اور ترکِ ارادہ کی تلقین کی اور "نروانا" کو شخصی زندگی کا مقصد قرار دیا -

**زندگی و موت** - ملتوی شدہ موت کا نام زندگی ہے - پیدایش کے ساتھ ہی موت دو بدار ہو جاتی ہے - انسان کی خلقت آلام سے ہوئی ہے - آلام کا وجود اثباتی اور لذائذ کا وجود آلام کی نفی ہے - انسان کا صحیح مقصد فنائیت ہے جوانمردہ نہیں جس نے فتحیابی کی کوشش بلکہ وہ شخص جوانمرد ہے جس نے ارادہ کو ترک کیا -

**دل** اور دماغ کے درمیان اس نے ایک نازک فرق پیدا کیا - دماغ کی قابلیت ستایش کا سبب ہو سکتی ہے مگر محبت نہیں پیدا کرتی - تمام مذاہب نیت اور خلوص کی صفات پر صلہ کی امید دلاتے ہیں لیکن کسی نے فہم و ذکاوت کے کمال کو نہیں سراہا - انسان اپنے باطن کے خلوص کے ذریعہ **سعادت** حاصل کرتا ہے نہ کہ اُس دولت کے سبب جسکا وہ مالک ہے

**دنیا** نہ ہمارے موافق ہے اور نہ مخالف، ایک جنسِ خام کی طرح ہمارے ہاتھ میں ہے - جنت بھی ہو سکتی ہے اور دوزخ بھی ہمارے زاویۂ نگاہ پر موقوف ہے -

# اِمرسن

## (رالف والڈو) ۱۸۰۳ - ۱۸۸۲ - ۷۹ سال

انسانیت - انفرادیت - آزادی تجارت -

**اِمرسن** - امریکہ کے بانیوں کی نسل سے تھا - غریب تھا مگر خود اعتمادی رکھتا تھا - اسکے بزرگوں نے دعا کی تھی کہ انکی اولاد میں غربت

# جیمس

## (ولیم) ۱۸۴۲ - ۱۹۱۰ - ۶۸ سال

ارادہ - دنیا - ذہن - خیر محض

**جیمس** امریکی فلسفی ہے۔ معمولی پیشہ سے زندگی شروع کی اور پھر تعلیم کی طرف متوجہ ہوا۔ طب کی ڈگری لی، نیچرل ہسٹری کا مطالعہ کیا اور پھر سائنٹیفک فلسفی میں تبدیل ہوگیا۔ بنی نوعِ انسان کے مسائل کے حل کرنے میں اسکو زیادہ دلچسپی تھی بہ نسبت آنہیات کے۔

**ارادہ**۔ اس کا خیال ہے کہ انسان کی نجات اُسی کے ارادہ پر منحصر ہے۔ امرسن کی خوش اعتقادی اس میں موجود تھی۔ کہتا تھا کہ **دنیا**۔ جو کچھ ہے، ہم چاہیں اور ارادہ کریں تو اسکو خوشگوار کرسکتے ہیں۔

**ذہن**۔ علم النفس جاننا ضروری ہے اصلاحِ اخلاق کیلیئے۔ ذہن کی نسبت کہتا تھا کہ اسکا تعلق مادے سے نہیں ہے بلکہ وہ روحانی قوت کا آلہ ہے۔ ذہن محض ریکارڈنگ نہیں کرتا بلکہ خیالات کو پیدا کرتا ہے۔ آزاد اور بہتر دنیا کی طرف ہماری رہبری کرتا ہے۔ ہم اپنے ارادے سے دنیا کو سنوار سکتے ہیں۔ گو دنیا ایک ہے مگر اس میں مختلف صفات، بعض نیک اور بعض متحد ہیں اور انکے درمیان دائمی نزاع جاری ہے۔

**خیر محض** کا افشا ایک ہی مفکر کے دماغ پر نہیں ہوسکتا۔ ہر شخص اپنے زاویۂ نگاہ سے نظر کرتا ہے۔ ہر شخص کا ایمان، ہر شخص کا معبود اور ہر شخص کا خدا اس ہیلیئے کافی ہے بشرطیکہ وہ اسکو زندگی کے روزمرہ مسایل کے حل کرنے میں مدد دے۔

# برگسن

## (ہنری) ۱۸۵۹ - ۱۹۴۱ - ۸۲ سال

وجدان - ذہانت - خدا - روح۔

**برگسن** فرانسیسی فلسفی ہے۔ فزیکل سائینس سے اسکی تحقیقات کا آغاز ہوا۔ ریاضی میں مہارت رکھتا تھا، سائنٹسٹ تھا اور نِرا مادہ پرست۔ لوگ اسکو ایک زمانہ میں منکر و ملحد باور کرتے اور کہتے تھے کہ اس میں مادہ ہی مادہ ہے جان نہیں ہے۔ مادیت سے یکلخت پلٹا کھایا اور خیالی (آئیڈیلسٹ) ہوگیا۔

**وجدان** (انٹیوشن) کی کیفیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انسان فطرت میں ایک ایسی چیز بھی ہے جو طبیعت سے بالا ہے۔ محض چند مختلف جراثیم کی ترکیب سے شیکسپیر کی تخلیق نہیں ہوی۔ محض بعض حروف کے ملانے سے بائیبل جیسی کتاب نہیں بنی۔ جذبات کا تعلق ذہن (مائینڈ) کے ایک خاص شعبہ سے ہے جسکو وجدان کہتے ہیں۔ وجدان کے ذریعہ کسی چیز کی ماہیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ ذہن کا ایک شعبہ حافظہ بھی ہے۔ برگسن کا خیال ہے کہ **حافظہ** کو بھی دماغ سے تعلق نہیں۔

اپنے غیر جذباتی ہونے پر فخر تھا۔
**وجود**۔ اسکی رائے میں ہر شخص کی دو شخصیتیں ہوتی ہیں۔ ایک خارجی انسان کی اور دوسری حقیقی انسان کی۔
**اسٹیٹ**۔ اس کو حکومت پر بہت کم اعتماد تھا۔ کہتا تھا کہ حکومت کی قوت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ عسکریت اور شہنشاہیت غالب آجاتی ہے۔
**علوم سائینس** کی درجہ بندی سادگی اور عمومیت سے شروع کرکے کہتا ہے کہ پہلے علم ریاضی، پھر نجوم پھر فزکس، پھر کیمیا، حیاتیات اور پھر معاشیات۔ گویا کہ معاشیات کا درجہ سب سے ارفع ہے۔
**ذہن** کے ارتقاء کے بھی تین درجے مقرر کئے ہیں۔ پہلا سادہ مذہبی طریقہ، اسکے بعد ماورا الطبیعت اور آخر میں عملی سائینس۔ فلسفہ کا مقصد یہ ہے کہ تمام سائینسی معلومات کا اس طرح امتزاج کیا جائے کہ بنی نوع انسان کی زندگی کی اصلاح اور ترقی میں کام میں لائے جائیں۔

## نٹشے
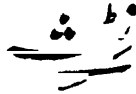
## (فریڈرک ولہم) ۱۸۴۴ - ۱۹۰۰ - ۵۶ سال

ارادہ۔ انسان کامل

**نٹشے** جرمن ہے، پروشا کے امیر گھرانے میں پیدا ہوا۔ عمر کا ابتدائی حصہ عیش و عشرت میں گزارا اور تھوڑی مدت میں اس طرز معاشرت سے ایسا بیزار رہا کہ خود اپنے سے نفرت کرنے لگا۔ وہ حیرت سے غور کرتا تھا کہ کمزور بدن میں طاقتور روح کیسے قائم رہ سکتی ہے۔
**مذہبی** عقاید کو شبہ کی نظر سے دیکھتا اور سمجھتا تھا کہ مذہب زندگی کی تائید نہیں کرتا بلکہ زندگی سے بیزاری پیدا کرتا ہے۔ بائیبل غلامی کی تعلیم دیتی ہے اور یونانی کہانیاں آزادی کا سبق دیتی ہیں۔
**ارادہ**۔ زندہ رہنے کا ارادہ زندگی کا ضامن ہے۔ ارادہ انسان کو آزاد رکھتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنی قوت ارادی مرنے کیلئے نہیں بلکہ، زندہ رہنے کیلئے استعمال کرے۔ مرنے کا ارادہ کرنا بزدلی کی علامت ہے، زندہ رہنے کا ارادہ کرنا شرافت اور ہمت کی دلیل ہے۔ مصائب کی بھی ایک خاص درسگاہ ہے۔ سرکش اور باغی بھی قوم کی نجات کے باعث ہوئے ہیں۔ انسان کو چاہئے کہ اپنی قوت کو ترقی دیتا جائے۔
**نسلی امتیاز**۔ نٹشے فخر سے کہتا تھا، میں انسان نہیں ہوں، مجھ میں ایک دھماکو قوت ہے۔ انسان کو محض ذہانت فوقیت نہیں دیتی بلکہ اسکے ساتھ خون کی قوت اور گرمی کی بھی ضرورت ہے۔ نسلوں کے چناؤ کے بعد **انسان کامل** پیدا ہوتا ہے۔ نٹشے کی طبیعت میں استقلال نہ تھا۔ بعض وقت حشرات الارض کے روندنے سے احتراز کرتا اور بعض وقت سقف آسمان کو ڈھا دینے کی فکر کرتا۔

**مذہب** - کرسچیانٹی کو اخلاقی قانون سے بڑھکر وقعت دینے کیلئے تیار نہ تھا۔
**اسٹیٹ** - جنگِ عظیم کے تعلق سے کہتا تھا کہ حکومت کے مصالح اس لائق نہیں کہ ملک کے نوجوانوں کی جانیں تلف کیجائیں
خانگی ملکیت کا مذموم نظریہ جنگ کا باعث ہوا جسکی اصلاح اشتراکیت کے ذریعہ ہوسکتی تھی نہ کہ جنگ سے۔
**تعلیم** - ایک خاص طریقہ پر علم کے مقررہ شعبہ کے سکھانے کو تعلیم کہا جاتا ہے حالانکہ تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ذہن میں سائنٹیفک طریقہ پر فکر کرنے کی عادت پیدا ہوجائے۔
**فکر** - نادان آدمی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ عجلت کے ساتھ کوئی رائے قائم کرے اور اسکو تبدیل نہ کرے۔ بخلاف اس کے سائنٹیسٹ غور و فکر کے بعد کوئی رائے قائم کریگا اور اگر کچھ کہیگا تو احتیاط کے ساتھ مشروط الفاظ میں۔
**آزادیٔ عمل** - ہر فرد یا جماعت کو ترقی کرنیکا پورا پورا حق ہے مگر شرط یہ ہے کہ دوسروں کے حقوق سے تصادم نہ کرے۔
**رجاء و قنوط** - کامیابی کی توقع میں کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو مضائقہ نہیں بجائے اسکے کہ ناکامی کے خوف سے کوئی کام نہ کیا جائے۔

# سنٹایانا

## (جارج) ۱۸۶۳ - ۱۹۵۲ - ۸۹ سال

عدم مساوات - ذہن - انسان

**سنٹایانا** اسپین کے شہر میڈرڈ میں پیدا ہوا اور روم میں دفن ہوا۔ امریکہ کی ہاورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ۲۷ سے ۵۰ سال کی عمر تک وہیں پڑھاتا بھی رہا۔ وہ کہتا تھا غیر مساوی افراد کی مساوات خود غیر مساوی ہے۔ کسی معاشرہ کی ترقی کا معیار یہ ہے کہ اس نے اپنے افراد کی زندگی، خوشحالی اور صلاحیتوں میں کسقدر اضافہ کیا۔ دنیا سے کنارہ کشی کرے مگر نفرت نہ کرے۔ جس طرح شک سے فلسفہ کا آغاز ہوتا ہے اسی طرح توہمات کو دور کرنے سے عقل آتی ہے۔ فلسفہ خود عینِ مقصد نہیں بلکہ حصولِ سعادت کا ذریعہ ہے۔ اگر ہم فلسفہ کو اپنا مقصد قرار دینگے تو ہماری مثال ایک ہندو سادھو کی ہوگی جو اپنے ناف کے مقام کو مرکز بنا کر ساری عمر اس پر نظر جمائے بیٹھتا ہے۔ جو لوگ مادّہ پرست نہیں ہیں نیچر کے اچھے ناظر بھی نہیں۔
**ذہنِ** انسانی بھی بدن کی طرح جسمانی ہے۔ ذہن بھی پیدا ہوتا ہے نمو پاتا ہے ترقی کرتا ہے زوال پذیر ہوتا ہے اور مرتا ہے۔ کوئی چیز غیر فانی نہیں ہے۔ دنیا کی روح اور قوت وہی ہے جو ہم میں نمایاں ہے۔ انسان اپنے افعال میں آزاد نہیں ہے بلکہ ایک آلہ ہے۔
**ثبات** کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہماری ہستی کو دوسرے عالم میں وسعت دیجائے بلکہ اسی عالم میں اسکی تکرار ہوتی رہے ہمارے اعمال کے ذریعہ یا ہماری اولاد کے سلسلہ میں۔ **ملکیت** انسان میں غلامیت پیدا کرتی ہے۔

فلاسفۂ یورپ

اسلئے کہ دماغ کو صدمہ پہنچنے کے باوجود متضرر کی قوتِ حافظہ باقی رہتی ہے۔ **دماغ** ایک میکانکی آلہ ہے اور وہ خود جاندار نہیں ہے۔ دماغ مادی شئی ہے جو جانوروں میں بھی موجود ہے۔

**فطری ذہانت** (اِنسٹِنکٹ)۔ اکتسابی عادتوں کا مجموعہ ایک سے دوسرے کو نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا ہے جس کو فطری ذہانت کہا جاتا ہے۔

**خدا** زندگی کی روحِ رواں ہے۔ فرد کی موت کے بعد بھی زندگی کا شرارہ باقی رہتا ہے۔

# کرُوشے

## (بینی ڈِٹو) ۱۸۶۶

افادیت۔ روح۔ کلام

**کروس** اٹلی میں ۱۸۶۶ میں پیدا ہوا۔ اس نے ہر پہلو سے مذہب کا مطالعہ کیا اور مذہب کی جگہ فلسفہ کو دی۔ اٹلی کا وزیر تعلیم ہوا اور فلسفی بھی رہا۔ ۱۹۱۴ کی اقتصادی جنگ میں اس نے اٹلی میں اپنے کو ایسا ہی علٰحدہ رکھا جس طرح برٹرینڈ رسّل نے انگلینڈ میں سیاسیات کی الجھنوں سے خود کو بچائے رکھا۔

**افادیت** (یوٹیلیٹی) کے نظریہ کو اس نے بہت زیادہ اہمیت دی اور نیکی، حُسن اور حق کے برابر کردیا۔ افادیت سے ترقی کرتے کرتے خیالی ہوگیا اور کہنے لگا کہ حیات کا آخری مقصد ذہن اور تصور ہے۔ اس کے خیال میں خارجی بدیہات کے مطالعہ کا نام **فلسفہ** اور نظری بدیہات کے مطالعہ کا نام **سائنس** ہے۔ ماوراء الطبیعیات کے قالب میں آلہیات کے اصول پوشیدہ ہیں۔ کروس آلہیات سے انکار اور آزادیِ فکر کی تلقین کرتا ہے۔ **روح** کی بقاء کے بارے میں بھی شک کرتا ہے۔

**کلام** کی نسبت کہتا ہے کہ جب ہم اپنے ذہن میں ایک مرتبہ اپنے مفہوم کو پیدا کرچکتے ہیں تو اس کے بعد اُس مفہوم کو الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔

# رَسّل

## (برٹرینڈ) ۱۸۷۲

دنیا۔ عیسائیت۔ تربیت۔ فکر۔ آزادیِ عمل۔

**رَسّل** انگلینڈ کا مشہور سائنسداں ہے۔ ماہر ریاضی ہونیکے باوجود فخر سے کہتا ہے، ممکن ہے کہ دو متوازی خطوط کہیں نہ کہیں جاکر آپس میں مل جائیں اور کبھی ایسا بھی ہوجائے کہ کُل اپنے کسی جزو سے بڑھکر نہ ہو۔

**دنیا** کی نسبت اسکا خیال ہے کہ غیر متغیر، قائم اور نہایت ہی مناسب ایسی ہے جیسی ہونی چاہئے۔

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت، دیگر ادر لائف کے

اقتباسات۔عقاید۔عبادات و معاملات۔چند قرآن کی سورتیں اور آیات۔

**محمد** مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، عرب کے مشہور قبیلۂ قریش میں، بنی ہاشم کے خاندان میں، عیسیٰ علیہ السلام کے ٹھیک یا نسبۃً ستر برس کے بعد، سرزمینِ عرب کے شہر **مکہ** میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام **عبداللہ** اور والدۂ ماجدہ کا نام **آمنہ** تھا۔ آپ کے جدِ امجد **عبدالمطلب** تھے اور چچا **ابوطالب**۔ آپ کی ولادت کے تین چار مہینے قبل آپ کے والد عبداللہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ابھی آپ چھ سات برس کے تھے کہ آپ کی والدہ آمنہ کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا اور آپ اپنے دادا عبدالمطلب کے زیرِ پرورش رہے۔ دو برس کے بعد عبدالمطلب بھی انتقال کر گئے تو آپ اپنے چچا ابوطالب کے پاس رہنے لگے۔

اللہ تعالےٰ نے آپ کو نقائصِ ظاہری اور باطنی سے پاک، حُسنِ صورت کے ساتھ نیک سیرت پیدا کیا۔ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت غور و فکر کی طرف مایل تھی، جیسے جیسے آپ عمر میں ترقی کرتے گئے، ویسے ویسے آپ کی نظر غایر ہوتی گئی۔ ذکرِ الٰہی میں اپنا وقت صرف کرنے لگے۔ کچھ دنوں آپ علایقِ دنیاوی سے قطع کر کے قریب کی پہاڑی کے غارِ **حرا** میں جاتے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ جب آپ چالیس برس کے ہوئے تو اِسی حرا کے غار میں پہلی دفعہ خدا کے فرشتے جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر نازل ہوئے اور سورۂ علَق کی پہلی آیتیں آپ کو پڑھائیں اور اس طرح آپ ۶۱۰ء میں رسالت کے جلیل القدر منصب سے سرفراز ہوئے۔

آغاز ہی سے آپ اپنے قبیلہ اور قوم میں امین مشہور تھے جس کسی کو ایک مرتبہ آپ سے ربط ہوا اس نے آپ پر کامل بھروسہ کیا۔ آپ کے حُسنِ سلوک اور خوش خلقی کا ہر شخص گرویدہ تھا۔ آپ عام طور پر پند و نصائح کرتے اور برائیوں سے روکتے اور حُسنِ اخلاق کی تعلیم دیا کرتے تھے لیکن منصبِ رسالت پر فایز ہونیکے بعد آپ اعلانِ نبوت کے ساتھ، عوام الناس کو باری تعالےٰ کی توحید اور اپنی رسالت کی تلقین اور بُت پرستی سے منع کرنے لگے۔ احکامِ الٰہی قرآن کی شکل میں، وحی کے ذریعہ جیسے جیسے نازل ہوتے آپ دوسروں کو اسکی تبلیغ اور تفہیم کرتے گئے۔

سرزمینِ عرب میں شہرِ مکہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ ایک خدا کی یاد کیلئے سب سے پہلا گھر بیت اللہ یہاں واقع ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس گھر کی تعمیر سب سے پہلے فرشتوں نے کی تھی اور پھر حکمِ الٰہی سے ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے

# ڈیوی

## (جان) ۱۸۵۹ - ۱۹۵۲ - ۹۳ سال

ذہن - دماغ - تصوّر - فلسفہ - خیر و شر - جمہوریت - بین الاقوامیت۔

**ڈیوی** مشرقی امریکہ میں پیدا ہوا اور وہیں تعلیم پائی۔ امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں میں فلسفہ کی تعلیم دیتا رہا۔ چین میں دو سال اساتذہ کو تعلیم دیتا رہا۔ حکومت ترکی کو قومی مدارس کی تنظیم جدید کیلئے مشورہ دیا۔ اسپنسر کی طرح تعلیم کے طریقہ کو بدلنے کیلئے اصرار کرتا رہا۔ مدرسہ خود ایک کارخانہ کی شکل میں ہو جہاں تعلیم و تربیت دونو ساتھ ساتھ چلائے جائیں۔ مدرسہ کی تکمیل تعلیم کو ختم نہیں کرتی بلکہ اصل تعلیم کے حصول کیلئے صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ تعلیم کا یہ سلسلہ آخری عمر تک جاری نہ رہے۔ وہ کہتا ہے۔

**ذہن** بھی بدن کی طرح ایک عضو ہے جو ادنیٰ حالت سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتا ہے۔ ماوراء الطبیعت کو بھی دینیات کی ایک شاخ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ زندگی اور ذہن کی نسبت حیاتیات کی اصطلاح میں غور کرنا چاہئے نہ کہ الٰہیات کے نقطۂ نظر سے۔

**دماغ** ایک آلہ ہے بعض خاص افعال کا۔ اسکے ذریعہ عالم کو جاننا ممکن نہیں۔

**تصوّر** (آئیڈیا) بھی دیگر اعضا کی طرح ایک عضو ہے کسی کام کے کرنیکے پہلے جو تصویر کھینچی جاتی ہے اسکو تصوّر کہتے ہیں۔

**فلسفہ** - علم اور خواہش کے امتزاج اور توافق کا نام فلسفہ ہے۔

**صحبت** - فرد اور سوسائٹی دونو لازم و ملزوم ہیں۔ جیسا فرد ویسی سوسائٹی، جیسی سوسائٹی ویسا فرد۔ سوسائٹی کے ذہنی خصائل منتقل ہوتے ہیں فرد کے ذریعہ اسکی نسل میں۔ سوسائٹی کی اصلاح کے ذریعہ قوم کی اصلاح ہو سکتی ہے اور ایسی اصلاح کی کوئی حد نہیں ہے۔

**خیر و شر** - وہ آدمی برا ہے جو بگڑنے کی طرف مائل ہو خواہ وہ کتنا ہی نیک رہا ہو۔ وہ آدمی نیک ہے جو اپنے کو سنوارنے کی کوشش کرے اگرچہ وہ کتنا ہی بد رہا ہو۔ تصوّر کا یہ معیار انسان کو اسکے اپنے افعال کے موازنہ کرنے میں سخت اور دوسروں کے افعال کے موازنہ کرنے میں نرم کر دیتا ہے۔

**جمہوریت** - باوجود کوتاہیوں کے جمہوریت اچھی چیز ہے۔ ہر فرد کو پالیسی کے تعین کرنے میں دخل دیتی ہے۔ شخصی اور شاہی حکومت زیادہ موثر ہے مگر خطرناک بھی۔

**بین الاقوامیت** تنظیموں اور اداروں کا تعدد انفرادیت کو کم کرتا ہے اور اجتماعی مفاد کی طرف مایل کرتا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ بین الاقوامیت آیندہ کیلئے عین مقصد نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ آنیوالے فلسفیوں کا کام ہے کہ آج کی معاشرتی اور اخلاقی تنازع کو رفع کرکے ان میں موافقت پیدا کریں۔

گزرے ہیں وہ بھی نہایت احتیاط کے ساتھ تسلسلِ روایات کے ساتھ قلمبند ہوکر ہم تک پہنچ چکے ہیں۔ سیرتِ نبوی کے علاوہ آپ کے صحابہ، تابعین اور تبعِ تابعین اور ائمۂ کرام کے حالات کا بسیرِ حاصل مطالعہ کیا جاسکتا ہے جس کا مختصر تذکرہ بھی ان معدودے چند صفحات میں محال ہے۔

اغیار نے اسلام کے تعلق سے جو حالات قلمبند کئے ہیں ہم اس کا اقتباس درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اَلْفَضْلُ مَا شَہِدَتْ بِہِ الْاَعْدَاءُ۔ فضیلت وہ ہے جسکی مخالفین نے گواہی دی۔ برطانوی مصنف ایچ جی ویلز نے اپنی مختصر تاریخ عالم میں لکھا ہے اسلام کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ خدا کی خالقیت، قدرت اور رحمت کے تعلق سے ایسی غیر متزلزل توحید کا اعلان کیا ہے جو مسلمانوں کو مذہبی پیچیدگیوں سے آزاد کرتا ہے۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ مذہبی عبادات کی ادائی میں کسی پیشوا کے وجود کی ضرورت باقی نہیں رکھی اور نہ کسی مقام یا معبد سے مسلمانوں کی عبادات کو مقید کیا۔ اسلام بالکلیہ الہامی مذہب ہے جس میں ارتداد کی گنجائش نہیں۔ حج کے مناسک کو ایسی وضاحت کے ساتھ قرآن میں بیان کیا ہے کہ کوئی اختلاف نہ پیدا ہونے پائے۔ پیغمبر اسلام نے ایسے احتیاطی تدابیر بھی اختیار کئے ہیں کہ انکے بعد انکو بھی اُلوہیت میں شریک نہ کردیا جائے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام شد و مد سے کامل اخوت و مساوات کی تعلیم دیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ خدا کے سامنے مومنین کے درمیان رنگ، نسل اور ثروت کے لحاظ سے کوئی امتیاز نہیں ہے۔

عربوں کی فتوحات کا سیلاب افریقہ کے شمالی ساحل سے گزرتا ہوا آبنائے جبل الطارق کو عبور کرکے ۷۱۰ء میں اسپین میں آیا۔ ۷۲۰ء میں پیری نیز کے سلسلۂ کوہ کو طے کرکے ۷۳۲ء میں وسطِ فرانس تک مسلمان پہنچ گئے۔ دنیا کے عرض و طول میں عربوں کا تمدن نہایت سرعت کے ساتھ پھیلا۔ پرانے تصورات زایل ہوئے اور جدید خیالات نے نشو و نما پائی۔ چینیوں سے کاغذ سازی کی صنعت سیکھی، ہندیوں سے ریاضی اور فلسفہ حاصل کیا۔ عرب فاتحین جہاں کہیں گزرے علم و ہنر کو عام کیا۔ آٹھویں صدی کے آتے آتے، عربوں کی حکومت کے طول و عرض میں تعلیم عام ہوگئی۔ نویں صدی میں اسپین میں قرطبہ کے علماء، مصر، سمرقند، بخارا اور بغداد کے علماء کے ساتھ تبادلۂ خیال کرنے لگے۔ یونانی حکماء نے اپنے دور میں جو علمی تحقیقات کی تھیں اور جنکو امتدادِ زمانہ نے بھلا دیا تھا، سیمیٹک (عرب) قوم نے حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اُنکی تجدید کی۔ ارسطو کے نظریے اور اسکندریہ کے علمی عجائب خانے جو طویل مدت سے جمود کی حالت میں پڑے تھے اُن میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے۔ علم ہندسہ، طب اور طبعی سائنس نے بے انتہا ترقی کی۔ رومانی بے ڈول اعداد کی جگہ عربی ہندسوں نے جو آجتک قائم ہیں۔ صفر کی علامت انھوں نے ایجاد کی۔ الجبرا اور کیمیا کے الفاظ بھی لغتِ عرب کے ممنون ہیں۔ بعض ستاروں کے نام جیسا کہ اَلْغُلْ، الدبران، بوطس عربوں کی فلکیات کی مہارت کی شہادت دیتے ہیں۔ انکے فلسفہ نے فرانس، اطالیہ اور دنیائے عیسائیت کے قدیم پژمردہ فلسفہ کو تازگی بخشی۔ عرب کے تجربانی کیمیادان آلکیمسٹ کہلائے۔ بہت سے بیش بہا معدنی اور فنی ایجادات دریافت ہوئے۔ دھاتوں کے مرکبات بنائے، رنگوں کے احزا تلاش کئے، شکر کشید کئے، بعض

قدیم بنیاد پر بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر کی۔ برسوں اس گھر میں ایک خدا کی عبادت ہوتی رہی اور انقلاب زمانہ کے ساتھ، دیگر اقوام کی طرح باشندگان عرب کی عبادت کا تصور بھی بدلتا گیا۔ ایک خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے گئے، وحدت کے عقیدہ کے عوض کثرت کا غلبہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ بیت اللہ کی چار دیواری ۳۶۰ پتھر کے بتوں سے معمور ہو گئی۔ دور دراز مسافت سے لوگ جوق در جوق خاص موسموں میں، تجارت کے ضمن میں مکہ کو آتے اور ان بتوں کی پرستش کرتے تھے بعض خاندان اس گھر اور اسکے بتوں کی حفاظت اور نگرانی کیلئے مقرر تھے۔ بتوں کی اہمیت قوم عرب کے دلوں میں اسقدر بس گئی تھی کہ ایک خدا کا تصور انکے ذہن سے بالکل زائل ہو چکا تھا۔ لات، منات، عزیٰ وہبل جیسے مشہور بتوں ہی کے مسکن میں جب پیغمبر اسلام نے اَللّٰہُ اَکْبَرْ کا نعرہ بلند کیا اور اسکی صدائے بازگشت ان پتھروں سے ٹکرانے لگی تو مخالفت کا آغاز ہوا اور تبلیغ کی عمومیت کے ساتھ مخالفت میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ جوں توں آپ نے بارہ برس یہاں گزارے اور ۶۲۲ء میں اپنی مختصر جماعت کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

مدینہ والوں نے مکہ سے آئے ہوئے **مہاجرین** کی بڑی خاطر تواضع کی اور **انصار** کہلائے اور ان دونوں کے درمیان عہدِ **مواخات** کے ذریعہ رشتۂ اخوت قائم ہو گیا۔ مدینہ والے کثرت سے اسلام قبول کر چکے تھے، خود مکہ سے بہت سے افراد اپنے خان و مان کو چھوڑ کر مدینہ آنے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ آٹھ برس کے مدینہ کے قیام میں مسلمانوں کی جماعت میں اسقدر قوت پیدا ہوئی کہ ۶۳۰ء میں بغیر کسی مقاومت کے، آپ مکہ میں داخل ہوئے، بتوں کو خدا کے گھر سے نکالا اور حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی اور بالآخر ۶۳۲ء میں دینِ متین کی تکمیل کر کے عالمِ مجازی سے عالمِ حقیقی کی طرف سدھارے۔

آپ کو رسالت کے جملہ ۲۲ سال ملے تھے اور اس مختصر دور میں سرزمینِ عرب میں اسلام پھیل چکا تھا۔ ۶۲۸ء میں اقطاعِ عالم کے اکثر فرمانرواؤں کے نام آپ کا پیامِ رسالت پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ سرزمینِ چین کے شہر کیانٹن میں مسجد کی بنیاد ڈالی گئی جو آج دنیا میں قدیم ترین مسجد ہے۔ ہندستان کے مغربی ساحل کے شہر کپانانور میں ایک خاندان ایسا بھی موجود ہے جسکی نسبت مشہور ہے کہ انکے بزرگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حینِ حیات ساحلِ ہند پر اسلام کی دعوت قبول کی تھی۔ پیغمبر اسلام کی ولادت سے لیکر وفات تک سارے واقعات تفصیل کے ساتھ تاریخ اسلام میں بھرے پڑے ہیں۔

**قرآن** پونے چودہ سو برس سے صحایف میں اور مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ چلا آیا ہے۔ لسانِ عرب میں قرآن نازل ہوا اس زبان کے بولنے اور جاننے والے صرف مشرقِ اقصیٰ کی حد تک محدود نہیں ہیں بلکہ مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب تک جہاں کہیں مسلمان آباد ہیں ان میں سے اکثر اس زبان کو جانتے، بولتے اور لکھتے ہیں۔ صرف مسلمان نہیں غیر مسلم بھی کثرت سے آج کے روز بھی اس زبان سے واقف موجود ہیں اور جو احکام خدا کی جانب سے قرآن کی شکل میں نازل ہوئے ہیں انکو پڑھ سکتے اور سمجھ سکتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل نہیں بلکہ جو واقعات آپ کے مواجہ میں

بلکہ اپنے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُلوہیت کے درجہ تک پہنچانے کی ہر ایک کوشش کی پُرزور مذمت کرتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تشدید تاکید کے ساتھ اپنی بشریت کا اعلان کرتے ہوئے صرف اس بات کا ادعا کیا کہ وہ خدا کے پیغامبر ہیں۔

اسلام، تین بر اعظموں کے وسطی طول البلد کے منطقہ میں، مراقش سے ملایا کی خاکنائے تک پھیلا ہوا ہے اور ایک دین کی مضبوط زنجیر کے ساتھ باہم وابستہ ہے۔ مراقش سے ملایا تک سارے مسلمانوں کے عقاید یکساں ہیں اور انکی عبادت کے طریقے ایک ہی ہیں اور ایک ہی مقدس مرکز کی طرف سب کے سب عبادت میں اپنے سر نگوں کرتے ہیں۔

# عقاید

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ کوئی عبادت کے لایق نہیں ہے سوائے اللہ کے اور محمدؐ اللہ کے پیغمبر ہیں۔

حدیث۔ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ۔ تم ایمان لاؤ اللہ پر اس کے فرشتوں اور پیغمبروں پر وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ۔ اور یوم آخر پر اور ایمان لاؤ قدر پر اس معنی میں کہ خیر و شر اسی سے ہے۔

اصل کتاب میں عقاید ایمان کے مسائل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں مختصر طور پر بعض مبادیات لکھے جاتے ہیں۔

**اللہ تعالیٰ** کی نسبت یہ اعتقاد واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اسکے وجود کی نہ ابتدا تھی اور نہ انتہا ہوگی اسکی ذات تغیّر سے پاک ہے، اپنی ذات سے قائم ہے۔ اسکے مماثل کوئی نہیں اور نہ اسکے ساتھ کوئی شریک ہے۔ کوئی اسکا باپ نہیں اور نہ کوئی اسکا بیٹا ہے۔ اسی نے ہم کو اور ساری کائنات کو پیدا کیا۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جانتا ہے ہر چیز کو۔ زندہ ہے۔ سنتا ہے، دیکھتا ہے ہر چیز کو اور بولتا ہے۔ ہر ممکن فعل کا کرنا یا نہ کرنا اس کیلئے جائز ہے، چاہے کرے چاہے نہ کرے۔ صلاح اور اصلح کوئی چیز اُس پر واجب نہیں۔ خیر اور شر کو اسی نے پیدا کیا۔ وہ غنی ہے اور سب اسکی طرف احتیاج رکھتے ہیں۔ بھلائی کا راستہ بتلانے اور برائی سے روکنے کیلئے، انسانوں ہی میں سے بعض بزرگ اور پاک ہستیوں کو اُس نے پیدا کیا جو پیغمبر کہلائے پیغمبروں کو اللہ نے نیک سرشت، نیک سیرت پیدا کیا تاکہ انکی زندگی میں محاسن کا اظہار ہو اور عام لوگ انکی پیروی کرکے دین، دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کریں۔

**پیغمبروں** کی نسبت یہ اعتقاد واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے پیغمبر بھیجے۔ پیغمبروں میں صداقت فطانت، امانت اور تبلیغ کی صفات پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو معجزے عطاء کرکے اُنکے دعویٰ رسالت کی تصدیق کی۔ سہولت کے ساتھ مفہوم کو الفاظ میں ادا کرنے کو فطانت کہتے ہیں۔ پیامِ آلہی کے بندوں تک صحیح طور پر پہنچانے کیلئے سلاستِ زبان، امانت اور دیانت کی ضرورت ہے۔ پیغمبروں کے حق میں ایسے اعراضِ بشری جائز ہیں جو اُنکے مراتبِ عالیہ میں نقص نہیں پیدا کرتیں جیسا کہ کھانا پینا، نکاح کرنا، چلنا پھرنا اور عام امراض جو اُن میں عیب نہیں پیدا کرتے۔ تجربہ سے

کی مدد کیلئے عدسے تراشے۔ عرب اگر ناکام رہے تو صرف اس حد تک کہ سنگِ پارس اور آبِ حیات کا پتہ نہ لگا سکے۔

نویں صدی میں جبکہ یورپ جنگ اور لوٹ کھسوٹ میں تباہ و تاراج ہو رہا تھا، عراق اور مصر میں عربوں کی سلطنت اپنی عظمت و شان کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ انکا علم و ادب زندہ تھا، صنعت و حرفت ترقی کی راہ میں گامزن تھی۔ ارسطو کا فلسفہ، یہود اور عرب ہم زانو بیٹھکر پڑھتے اور تبادلۂ خیال کرتے تھے جبکہ سارے یورپ پر علمی بدذوقی کی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔

**لائف میگزین** امریکن نے اپنی خصوصی اشاعت ۸ اگست ۱۹۵۵ء میں اسلام کی نسبت لکھا ہے۔

دنیا کے مشہور مذاہب میں سے جدید ترین مذہب اسلام، نہایت واضح اور آسان مذہب ہے جو تنہا ایک مطلق اختیار خدا کی تلقین کرتا ہے۔ اسکے بانی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نجات دہندہ ہونیکا ادعا نہیں کیا اور نہ مسیحائیت کا، بلکہ انسانیت کے حدود میں رہکر یہ اعلان کیا کہ خدا نے انکا انتخاب اس غرض سے کیا کہ بندوں تک اُسکے احکام کو پہنچائیں اور بس دینِ اسلام کا تعلق انسان کی دنیاوی زندگی کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ اُخروی زندگی کے ساتھ۔ دوسرے مذاہب آہستہ آہستہ نامعلوم اصلیت اور کہانیوں سے پیدا ہوکر ترقی کرتے گئے تو اسلام ایک واضح اور روشن تاریخ کے ساتھ وجود میں آیا اور ایک طوفانی قوت کیساتھ پھیلا ۶۳۲ میں پیغمبر اسلام کے وفات کے چند سال میں پورے مشرقِ اقصیٰ کو گھیر لیا اور ایک صدی کے اندر اس کا اثر جبل الطارق سے لیکر ہمالہ تک پہنچ گیا۔ آج اس مذہب کے پیروؤں کی تعداد تیس کروڑ[1] یعنی دنیا کی آبادی کا ساتواں حصہ ہے۔ اسلام کی اس غیر معمولی کامیابی کے دو اسباب ہیں۔ بحیرۂ روم کے اطراف کے ممالک اس زمانہ میں پراگندہ اور غیر منظم حالت میں تھے اور اسلامی فوج فنِ سپاہگری کی قابلیت کے ساتھ جوش و خلوص بھی رکھتی تھی۔ اسکے علاوہ اسلام کی عظمت کا ثبات اور دوام بڑی حد تک اُسکی دعوت کی نوعیت پر موقوف ہے۔ اسلام کی دعوت نہایت واضح، غیر پیچیدہ اور آسان تھی جس نے تیرہ سو برس کے دوران میں اسلام کو ایک نقطہ پر قائم رکھا۔ اسلئے کہ اسلام رسمی مذہب نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ہے اور انسان کی فکر اور عمل دونوں پر مساوی طور پر اثر انداز ہے۔ اسکی مثال مغربی دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اسلامی عقیدہ میں مذہب اور معاشرت، شریعت و سیاست کے اجزاء ایسے لاینفک ہیں جنکی تفریق نہیں ہو سکتی۔

اسلام کی قوت کی دوسری وجہ یہی ہے کہ اسلام یقین رکھتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے قرآن کے جن الفاظ کی تبلیغ کیگئی ہے وہ قطعی طور پر خدا کا کلام ہے۔ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کلام ناسخ ہے ساری سابقہ الہامی شریعتوں کا اور تصدیق کرتا ہے عہدِ عتیق اور عہدِ جدید دونوں کی صداقتوں کا۔ اسلام نے اُسی خدا کی توحید کی تلقین کی ہے جو یہود اور نصاریٰ کا بھی خدا ہے۔ فرق یہ ہے کہ مسلمان ادعا کرتے ہیں کہ سابقہ شریعتوں میں دین ناکمل تھا، اسکو قرآن نے آپ کی بعثت سے مکمل کر دیا۔ اسی طرح اسلام تعظیم کرتا ہے ابراہیمؑ سے لیکر عیسیٰؑ تک سارے پیغمبروں کی اور پیغمبر اسلام کی نسبت صرف اسقدر اضافہ کرتا ہے کہ وہ سب سے افضل اور آخری پیغمبر ہیں۔ اسلام صرف عیسیٰؑ کی الوہیت سے انکار نہیں کرتا

[1] تیس کروڑ سے بہت زیادہ ہے

دیتا ہوں میں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور گواہی دیتا ہوں میں کہ بیشک محمد اللہ کے رسول ہیں) کا زبان سے کہنا اور دل سے یقین کرنا، نماز، زکوٰت، حج اور روزے رمضان کے۔

**نماز** پانچ وقت کی فرض ہے۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء۔ ان پانچوں نمازوں کے اوقات کی ابتدا اور انتہا مقرر ہے ہر ایک وقت کی نماز کی رکعتیں مقرر ہیں۔ ان رکعتوں کے ادا کرنیکے طریقے بھی مقرر ہیں۔ ہر ایک وقت کی نماز میں بعض رکعتیں فرض اور بعض سنت ہیں۔ **فرض** وہ ہے جس کے ادا کرنے پر ثواب اور ادا نہ کرنے پر گناہ ہے۔ سنت وہ ہے جس کے ادا کرنے پر ثواب ہے اور ادا نہ کرنے پر گناہ نہیں ہے۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ، عیدین کی نماز سنتِ موکدہ یا واجب ہے۔ میت کیلئے غسل، تکفین، نماز اور تدفین فرضِ کفایہ ہیں۔ فرض نمازوں کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا فرض کفایہ ہے۔ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ جماعت کے ساتھ بعوض ظہر کے، بعض خاص شرایط کے ساتھ واجب ہے۔

**زکات** ادا کرنا فرض ہے سونے چاندی نقدی، غلہ پھل اور مویشی کی مقررہ مقدار اور تعداد پر، خاص شرح کے ساتھ بعض صورتوں میں سال بھر کی میعاد کی اور بعض صورتوں میں فصل کی شرط ہے۔ ہر نوع میں اقل مقدار جس پر زکات واجب ہوتی ہے مقرر ہے۔ اسی طرح اُسکی آمدنی کے مصارف بھی معین ہیں۔

**حج** بیت اللہ شریف، عمر میں ایک دفعہ فرض ہے بشرطیکہ استطاعت حاصل ہو۔

**روزے** ماہِ رمضان کے فرض ہیں۔ صبح صادق سے غروب تک کھانا پینا اور بعض دیگر افعال ممنوع ہیں۔

**طہارت**۔ نماز، روزے، حج وغیرہ کیلئے طہارت کی بھی شرط ہے۔ طہارت کی تین قسمیں ہیں۔ طہارتِ بدن، پورے اعضاء کا دھونا جیسا کہ غسل[1] طہارت بعض اعضاء بدن جیسا کہ وضو[2] تیمم[3] خاص اسباب و حالات میں مٹی سے تیمم کرنے سے غسل اور وضو دونو کی طہارتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

**حدث**۔ عورت پر حیض و نفاس کی حالت میں اور مرد و عورت پر جنابت کی حالت میں بعض امور ممنوع ہیں جبتک کہ غسل نہ کریں اور ان دونو پر خفیف حالت میں نماز وغیرہ ممنوع ہے جبتک کہ وضو نہ کریں۔ بعض خاص حالات میں غسل اور وضو کے عوض مٹی سے تیمم کرکے طہارت حاصل کیجا سکتی ہے۔

**حلال اور حرام** جانوروں کی تفصیل بتائی گئی ہے۔

**ذبیحہ** مچھلی کے سوائے دیگر جانوروں کا ذبح کرنا واجب ہے۔

## معاملات

جائداد میں شفعہ کا حق ہے۔ **وقف** اور ہبہ بھی ہو سکتی ہے۔

**فرائض**۔ کسی شخص کے مرنے کے بعد اسکی جائداد کی وراثت اور تقسیم متروکہ کیلئے خاص قواعد مقرر ہیں۔ اُناث کو بھی وراثت

دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر افرادِ بشری میں سے ہیں اور بشری صفات ان میں پائی گئیں۔ انکی زندگی اور انکے افعال اور اقوال نمونہ تھے اور ہیں بنی نوع انسان کی پیروی اور ہدایت کیلئے۔ پیغمبروں میں سب سے افضل بلکہ افضلِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پانچ پیغمبر اولوالعزم ہیں۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام، عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور پھر نوح علیہ الصلاۃ والسلام۔ انکی باہمی فضیلت بھی اسی ترتیب سے ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں جنکے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا اور نہ کوئی جدید شریعت ہوگی۔ آپ کی دعوتِ رسالت بنی نوعِ انسان کیلئے عام ہے۔

**ملائکہ** یعنی فرشتے لطیف نورانی اجسام ہیں۔ انکی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے سفیر ہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، رضوان، مالک، منکر و نکیر پر تفصیل سے اور حاملینِ عرش، محافظین اور کاتبین پر اجمالاً ایمان لانا واجب ہے۔

**کُتُب** سماوی اللہ تعالیٰ کیجانب سے نازل ہوئیں۔ ان میں سے اہم چار کتابیں ہیں۔ توراۃ موسیٰ پر، زبور داؤد پر، انجیل عیسیٰ پر اور قرآن محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ السلام پر۔

**موت** ایسی بدیہی چیز ہے جسکی نسبت ہر ذی عقل یقینِ کامل رکھتا ہے۔

**روح** کو بقا ہے، فنا نہیں ہوتی۔ روح اور عقل کی کیفیت کا سمجھنا دشوار ہے

**بعث** یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا یقینی ہے

**قیامت** کے دن بندوں کے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو گناہ کے مساوی عذاب دیگا اور نیکیوں کے ثواب کی تضعیف کریگا۔

**جنت اور دوزخ** برحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے محض اپنے فضل سے جنت میں داخل کرے اور جسکو چاہے محض اپنے عدل سے دوزخ میں بھیجے۔

**شفاعت** بندوں کے حق میں ہوگی۔ پہلے شفیع محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے اور پھر دیگر پیغمبران اور پھر خدا کے نیک بندے شفاعت کرینگے۔ شرک کے سوا دیگر گناہوں کی بخشائش جائز ہے۔

# عبادات

**حدیث**۔ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ شہادت دو تم کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بیشک محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور قائم رکھو نماز کو اور ادا کرو زکوۃ کو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر اس کی طرف رستہ کی استطاعت رکھو۔

**ارکان** اسلام پانچ ہیں۔ **شہادتین** یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (گواہی

سورۂ **اخلاص**۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
تو کہہ وہ اللہ ایک ہے۔
نہ کسی کو جنا اور نہ کسی سے جنا اور نہیں ہے اسکی جوڑ کا کوئی۔

**آیت** ۲ آخر۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

تمھارا رب ایک رب ہے۔ نہیں ہے کوئی عبادت کے لائق سوائے اس کے جو بڑا مہربان ہے رحم والا۔

**آیت**۔ ۱۲/۱۲۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔

اگر ہوتے دونوں (زمین اور آسمان) میں کئی خدا سوائے اللہ کے تو دونوں میں فساد ہوتا۔

**آیت** ۳ ۲۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَـئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِيْمُ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اللہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے سوائے اسکے وہ زندہ ہے سب کا قائم رکھنے والا ہے نہیں غالب آتی اس پر غنودگی اور نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے کون ایسا ہے جو اسکے پاس سفارش کرے مگر اسکے اذن سے۔ جانتا ہے جو کچھ خلق کے روبرو ہے اور جو پیچھے ہے اور نہیں احاطہ کرسکتے اسکے علم میں سے کسی چیز کا بھی مگر جو وہ چاہے گنجائش ہے اسکی کرسی میں آسمانوں اور زمین کی اور وہ تھکتا نہیں انکے تھامے رکھنے سے اور وہی ہے بلند و عظمت والا۔ دین میں (جبر و) اکراہ نہیں ہے تحقیق آشکارا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے، اب جو نہ مانے شیطان کو اور ایمان لاوے اللہ پر پس اس نے پکڑ لی مضبوط رسی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سنتا ہے اور جانتا ہے۔

**آیت**۔ پ ۔ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا

اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! تو نے کہا لوگوں کو ٹھیراؤ مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے، تو کہا (عیسیٰ نے) تو پاک ہے مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ ایسی کوئی بات کہوں جو میرا سزاوار نہیں ہے۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھکو اسکا علم ہوگا، تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے بے شک تو ہی خوب جانتا ہے غیب کی باتیں۔ میں نے نہیں کہا انکو مگر وہی جو تو نے حکم دیا کہ بندگی کرو

کا حق حاصل ہے۔

**وصیت** کا نفاذ ایک حد تک ہو سکتا ہے۔

**نکاح**، مہر، خلع، طلاق، عدت، رجعت، رضاعت، حضانت اور ولایت، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی صراحت کی گئی ہے۔ جرائم مدنی و مالی اور ان کی تحقیقات اور تصفیہ کا طریقہ اور سزاؤں کی نوعیت اور مقدار نہایت تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں

بہر حال اسلامی عقائد، عبادات اور معاملات وغیرہ کا ایک مختصر خاکہ یہاں عام ناظرین کے مطالعہ کیلئے پیش کیا گیا ہے۔ اسلامیات کے ہر شعبہ کے متعلق اہم تصنیفات موجود ہیں جن میں ہر ایک مسئلہ کا ماخذ، اسکے احکام، استنباط اور اجتہاد کے طریقے بیان کئے گئے ہیں شارع اسلام نے احکام شریعت کے بیان کرنے میں ابہام کی گنجائش نہیں رکھی۔ ہر حکم کے مدارج کی نوعیت بہ تعین فرض، سنت، مباح، مکروہ و حرام بیان کر دی گئی ہے۔ ایک پیرو اسلام اپنی زندگی کے ہر قول و فعل، دینی و دنیاوی امور، حقوق اللہ و حقوق العباد، تعلقات زن و شو، خویش و اقربا و ہمسایہ، تعلقات اہل شہر و اہل ملک، اور تمدن و معاشرت کی ہر ایک ضرورت کی نسبت آیات قرآنی، احادیث نبوی، آثار صحابہ اور آرائے ائمہ کرام سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔ جن امور کی نسبت کوئی مفصل نہ مل سکے اصول معینہ کی روشنی میں اجتہاد کر سکتا ہے اور اپنی رائے قائم کر سکتا ہے۔

**خلاصہ** یہ کہ اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے دیگر مذاہب میں جس قدر عمدہ تعلیم انفرادی طور پر پائی جاتی ہیں وہ اسلام میں ایک جگہ جمع کر دی گئی ہیں اور اگر کوئی کمی تھی تو اس کی بھی تکمیل کر دی گئی یہ اسباب دلالت کرتے ہیں اسلام کی تمامیت اور جامعیت پر اور اسی بنا پر پیروان اسلام صحیح طور پر ادعا کرتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل اور آخری الہامی دین ہے اور پیغمبر اسلام جملہ پیغمبروں میں افضل ہیں اور اسی لئے آپ میدان علم و عمل میں سب سے آخر گامزن ہوئے۔

**قرآن** مجید جو کلام اللہ ہے بلحاظ مقدار تیس پاروں میں منقسم ہے اور بلحاظ مضامین بڑی اور چھوٹی ملا کر جملہ ایکسو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں اور ان میں جملہ آیات چھ ہزار چھ سو اور جملہ الفاظ تین لاکھ تئیس ہزار چھ سو اکہتر (۳۲۳۶۷۱) ہیں۔ قرآن کے مصدقہ نسخے موجود ہیں جنکے ترجمے مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ہم یہاں بطور نمونہ چند مثالیں درج کرتے ہیں۔

سورۂ **فاتحہ**۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ — سب تعریف اللہ کیلئے ہے جو پروردگار ہے سارے جہان کا

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ — بہت مہربان نہایت رحم والا۔ مالک ہے انصاف کے دن کا

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ — ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ — ہم کو سیدھی راہ کی رہنمائی کر راہ اُن کی جن پر تو نے فضل کیا نہ جن پر تو نے غضب کیا اور نہ بہکنے والے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ

**بَسْمَلَہ کہنا** ہر کام کے آغاز میں مسنون ہے۔ بَسْمَلَہ مخفف ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم کا۔ ابو بکر تونسی سے منقول ہے کہ تمام ملتوں کے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی تمام کتابیں بسم اللہ سے شروع کیں۔ **حدیث** كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَهُوَ اَقْطَعُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَهُوَ اَجْذَمُ۔ ہر ایک اہم کام جس کے شروع کرتے وقت بسم اللہ نہ کہا جائے وہ ناقص اور بے برکت ہے۔ ہر کام کے آغاز میں **حَمْدَلَہ** کہنا بھی مسنون ہے۔ حمدلہ مخفف ہے الحمد للہ کا۔ **حدیث**۔ كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَهُوَ اَقْطَعُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَهُوَ اَجْذَمُ۔ ہر ایک اہم کام جس کو شروع کرتے وقت الحمد للہ نہ کہا جائے وہ ناقص اور بے برکت ہے جیسا کہ بسملہ میں بیان کیا گیا۔ ان دونوں حدیثوں میں امر سے حکم نہیں بلکہ شیٔ مراد ہے۔ امر کا لفظ قول اور فعل دونوں پر شامل ہے۔ قول کی مثال قراءت اور فعل کی مثال لکھنا یا اور کوئی کام کرنا ہے۔ ذی بال سے مراد وہ امر ہے جو بروئے شرع اہمیت رکھتا ہو اور خسیس نہیں ہے، حرام یا مکروہ نہیں ہے اور محض ذکر کے قسم سے ہے اور شارع نے بَسْمَلَہ اور حَمْدَلَہ کے سوا کسی اور طرح ابتدا کرنے کا حکم نہ دیا ہو۔ یہاں حرام اور مکروہ بذاتہٖ مراد ہیں بذاتہٖ کی قید کی وجہ سے حرام اور مکروہ بعارض خارج ہو جاتے ہیں۔ حرام بعارض کی مثال مغصوب پانی سے وضو کرنا اور مکروہ بعارض کی مثال پیاز کھانا ہے۔ صورت اول میں بَسْمَلَہ وحَمْدَلَہ حرام نہیں ہے اور صورت دوم میں مکروہ نہیں ہے۔ ذکر محض کی مثال کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ اس کلمہ کے پہلے تسمیہ مسنون نہیں۔ ذکر کے علاوہ دوسرے امور بھی شامل ہو تو بَسْمَلَہ مسنون ہے جیسا کہ قرآن کی قراءت کے وقت۔ اسلئے کہ قرآن میں ذکر کے علاوہ اخبار اور مواعظ بھی ہیں۔ شارع کے دوسری طرح شروع کرنے کی قید سے نماز خارج ہو جاتی ہے۔ نماز تکبیر سے شروع کرنے کیلئے شارع نے حکم دیا ہے۔

**رفع تعارض**۔ بَسْمَلَہ اور حَمْدَلَہ کی ان دو حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔ **ابتداء** کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور اضافی **حقیقی** ابتداء وہ ہے جو کہ اس کے پہلے کوئی بات نہ گزرے۔ **اضافی** ابتداء وہ ہے جو فقط مقصود کے پہلے آئے اگرچہ اس سے پہلے کوئی اور بات گزرے۔ ان دونوں حدیثوں کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ بَسْمَلَہ میں ابتداء حقیقی اور حَمْدَلَہ میں ابتداء اضافی مراد ہے۔

**بسم اللہ** میں 'ب' کا حرف مصاحبت کیلئے ہے بطور تبرک یا استعانت مدد مانگتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یعنے شروع کرتا ہوں میں فلاں کام کو مدد اور برکت مانگتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نام سے۔ یہ معنی اس صورت میں ہیں جبکہ بسم اللہ بندہ کی

اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ وَکُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ○ اِنْ تُعَذِّبْہُمْ فَاِنَّہُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَہُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○

اللہ کی جو پروردگار ہے میرا اور تمھارا۔ اور میں اُن سے خبردار تھا جب تک اُن میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھکو وفات کیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو انکو عذاب دے تو بیشک تیرے بندے ہیں اور اگر تو انکو معاف کرے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔

# اشارہ

بہ تعلقِ الٰہیات دنیا کے اہم مذاہب اور حکمائے یونان اور فلاسفۂ شرق و غرب کے تذکرہ کے ساتھ اسلامی عقائد اور عبادات کا ایک سرسری نقش سابقہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے اس کے بعد اصل موضوع عقائد اسلام کی تفصیل یہاں سے شروع کی جاتی ہے جو اِس کتاب کی غایتِ تالیف ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ نظر کو پراگندگی اور قلم کو کج روی سے محفوظ رکھے اور راہِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرے۔

اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۔ (مزا) چکھ، تو ہی ہے بڑا عزت والا سردار۔ ابوجہل اپنی قوم میں شیخی سے کہتا تھا۔ اَنَا اَعَزُّ ابوادی وَاَکْرَمُهُمْ یعنی میں اہل بادیہ میں سب سے عزیز تر اور شریف تر ہوں۔ دوزخ کے محافظین فرشتے ذلیل وحقیر کرنیکے لئے، ابوجہل کو اسکے شیخی کے الفاظ استہزاءً یاد دلاکر کہیں گے کہ اپنے ان الفاظ کا مزا چکھ۔ تو وی نے لکھا ہے کہ تصنیف وتالیف کی ابتداء میں، مدرسین کے درس کے آغاز میں، معلمین کے روبرو طالب علموں کے پڑھنے میں، حدیث، تفسیر یا اورکسی فن کی کتاب ہو، حمد مستحب ہے۔ حمد کے اظہار کیلئے بہترین عبارت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ہے شکر کے لفظی معنی وہی ہیں جو حمد کے اصطلاحی معنی ہیں۔ اصطلاحاً شکر کے معنی یہ ہیں کہ بندہ ان تمام نعمتوں کو جو اللہ تعالےٰ نے اسکو دی ہیں اسکی راہ میں صرف کردے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۲۲ ۴۔ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ میرے بندوں میں شکور بہت کم ہیں۔ **شکور** کا لفظ شاکر میں مبالغہ کے معنی پیدا کرتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ شکور اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے قلب، زبان اور جوارح سے، اکثر اوقات میں، کثرت سے شکر بجالائے اور پھر بھی باور کرے کہ حق شکر ادا نہ ہوا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ شکور اس شخص کو کہتے ہیں جو شکر ادا کرنے میں خود کو عاجز باور کرے بعض کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عطا شدہ نعمتوں کو مختلف اوقات میں، جداجدا طور پر صرف کرے تو شاکر ہے اور اگر آن واحد میں صرف کرے تو شکور ہے۔ آیت موصوفہ میں اسی آخری شکل کی طرف اشارہ ہے۔

**محمد** اسم مفعول کا صیغہ ہے اور علم ہے۔ اس میں عین کلمہ مضعف ہونیکی وجہ سے **محمود** کے مقابلہ میں محمد میں زیادہ بلاغت ہے اور محمودیت میں مبالغہ کا فائدہ دیتا ہے۔ **احمد** افعل التفضیل کا صیغہ ہے اور حامدیت میں مبالغہ پیدا کرتا ہے۔ محمد کا نام آپ کے جملہ ناموں میں اشرف ہے۔ شیخ ابن عربیؒ نے بعض مشائخین سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور اسی تعداد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کی نسبت اتفاق ہے کہ توقیفی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے ناموں کے توقیفی ہونیکی نسبت اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نام بھی توقیفی ہیں۔

**امرِ توقیف** ایسے امر کو کہتے ہیں جو شرع میں معین ہے، اجتہاد کو اس سے تعلق نہیں اور نہ اس میں قیاس کو دخل ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کے دادا نے آپ کو اس نام سے موسوم کیا اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کی والدہ نے۔ ان دونوں اقوال میں اتفاق اس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ کی والدہ نے خواب دیکھا جس میں آپ کا نام محمد رکھنے کی ہدایت ملی۔ والدہ نے آپ کے جدامجد کو اسکی خبر دی اور انھوں نے آپ کا نام محمد رکھا اس امید میں کہ آسمان وزمین میں آپ کی حمد کیجائیگی۔ چنانچہ آپ کی یہ امید پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے یہ نام موجود تھا اور حقیقت میں اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس نام سے موسوم کیا۔ آپ کی ولادت سے پیشتر، کتابوں میں اللہ تعالےٰ نے اس نام کا اظہار کیا تھا اور آپ کے جدامجد کو اسکا الہام دیا۔ نتیجہ یہ کہ اس نام میں شرعی توقیف ہے۔ آپ کی رسالت کا ذکر اور معجزات کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

بسملہ حمدلہ

جانب سے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بَسْمَلَہ کے دو معنی ہونگے۔ بِیْ کَانَ مَا کَانَ وَبِیْ یَکُوْنُ مَا یَکُوْنُ۔ مجھی سے ہوا جو کچھ ہوا اور مجھی سے ہوگا جو کچھ ہوگا۔ 'ب' کے حرف سے اشارہ ہوگا سارے عقاید کی طرف اور یہ اُسی کی ذات سے ہوسکتا ہے جو متصف ہو کمالات کی جمیع صفات سے اور منزہ ہو نقصان کی ہر صفت سے جیسا کہ ائمۂ تفسیر نے بیان کیا ہے۔ یہ ساری تعبیر صرف اس 'ب' کے حرف کی نسبت ہے جو اصلی ہے۔ اگر اس 'ب' کو زاید قرار دیا جائے تو اسکے لئے کسی متعلق کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اسم کا لفظ **بصریین** کے پاس سمو سے مشتق ہے اور سمو کے معنی بلندی کے ہیں اسلئے کہ وہ اپنے مسمّٰی کو بلند کرتا ہے **کوفیین** کے پاس وسم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں علَم یعنی جاننا ماضی مطلق۔ اللّٰہ جلالت کا لفظ ہے اور علَم ہے دلالت کرتا ہے ذات واجب الوجود پر جو مستحق ہے تمامی محامد کا۔ جو عبارت اللہ کے اسم کی تعریف میں بیان کی گئی وہ صرف مسمّٰی کی تعیین کیلئے ہے۔ وہ مسمّٰی کے اجزاء پر دلالت نہیں کرتی ورنہ وہ کلی ہو جائیگا۔ لفظ اللہ علَم شخصی ہے اس معنی میں کہ اسکا مدلول خارج میں معین ہے۔ اس معنی میں نہیں کہ اسکے ساتھ مشخص کرنیوالی صفات سفیدی اور طول وغیرہ ہیں۔ اسلئے کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کیلئے محال ہیں۔ مدلول کے خارج میں معین ہونے کے الفاظ جو استعمال کئے گئے وہ صرف تعلیم اور تفہیم کے لئے استعمال کئے گئے ورنہ دوسرے مواقع پر یہ عبارت بھی جائز نہیں ہے اسلئے کہ اس سے بھی ایک نامناسب ابہام پیدا ہوتا ہے۔ جمہور کی رائے میں لفظ جلالت 'اللہ' اسم اعظم ہے۔

**الرحمٰن الرحیم**۔ یہ دونوں الفاظ اسم صفات ہیں اور رحمت سے ماخوذ ہیں۔ رحمت' قلب کی رقت کو کہتے ہیں اس شخص کی جو طالبِ رحم و احسان ہو۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کیلئے محال ہے یہاں رحمت سے مراد صرف احسان یا احسان کا ارادہ ہے۔ رحمٰن اور رحیم کے معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں' احسان کرنیوالے اور احسان کا ارادہ کرنیوالے کے ہیں۔ ان دو صفات میں فرق یہ ہے کہ رحمٰن کے معنی ہیں بڑی نعمتوں کا عطا کرنیوالا اور رحیم کے معنی ہیں چھوٹی نعمتوں کا دینے والا۔ ان صفات کے جمع کرنے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاتی ہیں بڑی اور چھوٹی نعمتیں۔

**حمد** کے لغوی معنی جمیلِ اختیاری کی تعریف بیان کرنیکے ہیں تعظیم کے طور پر کسی نعمت کے مقابلہ میں ہو یا نہ ہو۔ اور اصطلاح میں حمد اس فعل کو کہتے ہیں جو نعمت پانیوالے کی جانب سے نعمت دینے والے کی تعظیم کے اظہار کیلئے عمل میں آئے' زبان سے ادا کیا جائے یا دل میں اعتقاد کے ذریعہ یا عمل بالارکان یعنی اعضاء کے ذریعہ اظہارِ حال کیا جائے۔ حمد کی چار قسمیں ہیں قدیم[1] کی حمد قدیم کیلئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نفس کی ثناء کی۔ قدیم[2] کی حمد حادث کیلئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء' اولیاء اور اصفیاء کی ثناء کی۔ حادث[3] کی حمد قدیم کیلئے جیسا کہ بندہ کی حمد اللہ تعالیٰ کیلئے۔ حادث[4] کی حمد حادث کے لئے جیسا کہ ہمارے میں سے بعض کی حمد بعض کیلئے۔ اختیاری کی قید کی وجہ سے اضطراری حالت خارج ہو جاتی ہے۔ اسلئے کہ اضطراری جمیل کی ثناء کو مدح کہتے ہیں نہ کہ حمد۔ زمخشری نے حمد اور مدح کو مترادف ظاہر کیا ہے تعظیم کی قید کی وجہ سے بطورِ استہزاء جو توصیف کی جائے خارج ہو جاتی ہے جیسا کہ ابوجہل کیلئے فرشتوں کا یہ کہنا۔ آیت ۱۵/۱۹ ۔ ۶ ذُقْ اِنَّکَ

کی ممانعت بھی کی ہے۔ بتر قطع و برید کرنے کو کہتے ہیں۔ صلاۃ بتراء ایسے درود کو کہتے ہیں جس میں آل کا ذکر نہیں کیا گیا خطبۂ بتراء۔ ایسا خطبہ جس میں خدا کی حمد اور رسول اللہ کی نعت نہیں بیان کیگئی۔ انبیاء اور فرشتوں کے سوائے دیگر پرمستقل طور پر درود وسلام بھیجنے کی نسبت مختلف اقوال ہیں بعض ممنوع اور بعض مکروہ اور بعض فقط اَولویت کے خلاف بتاتے ہیں۔ اصح قول یہ ہے کہ اس میں صرف کراہت ہے۔ ابو محمد جوینی کہتے ہیں کہ صلات کے ساتھ سلام کو صرف غائب پرنظر کرتے ملایا جائے اور مخاطب کیلئے السلام علیک یا علیکم وغیرہ کے ساتھ خطاب کیا جائے۔

صَحْبِہ میں صَحْب اسمِ جمع ہے جمع نہیں ہے اگرچہ کہ اسی لفظ سے صاحب واحد ہے۔ لغت میں صاحب اس شخص کو کہتے ہیں جسکی صحبت بہت دنوں رہی۔ شرع میں صَحْب سے صحابی مراد ہے۔ صحابی وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد، ایمان کی حالت میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے زمانہ میں، روئے زمین پر موجود رہا ہو اور بس۔ یہ ضرور نہیں کہ آپ کو دیکھا ہو یا آپ نے اس کو دیکھا ہو بخلاف حنفیہ کے۔ حنفیہ کے پاس روایت کی بھی قید ہے یہ قول کہ اسلام پر اسکی موت بھی واقع ہوئی ہو وہ صرف دوام صحبت کیلئے شرط ہے نہ کہ اصل صحبت کیلئے۔ نعوذ باللہ اگر وہ مرتد ہوگیا اور ارتداد کی حالت میں مرا تو وہ صحابی نہ رہیگا جیسا کہ عبداللہ بن خطل۔ اگر ارتداد کے بعد دوبارہ ایمان کی طرف عَود کرے جیسا کہ عبداللہ بن ابی سرح تو شافعیہ کے پاس اسکی صحبت بھی عَود کریگی مگر زمانۂ ارتداد میں جو ثواب زائل ہوا تھا عَود نہ کریگا۔ مالکیہ کے پاس مشہور یہ ہے کہ صحبت عَود نہ کریگی لیکن مالکیہ کی کتابوں میں اسکی صحبت کے عَود کرنیکی نسبت صریحاً تردد ظاہر کیا گیا ہے۔ ان حالات میں شافعیہ کے مذہب کی طرف رجوع کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے جیسا کہ مالکیہ کے بعض شیوخ نے اسکو پسند کیا۔ حقِ صحبت کے عَود کرنیکا فائدہ یہ ہے کہ وہ صحابی کہلائیگا اور اسکو کفوء حاصل ہوگی صحابی کی لڑکی سے ازدواج کیلئے۔ ان شرائط کا نتیجہ یہ کہ ابنِ امّ مکتوم وغیرہ جیسے نابینا اشخاص بھی صحابی کی تعریف میں داخل ہوتے ہیں ابن امّ مکتوم کا نام عبداللہ تھا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اذان دینے والوں میں سے تھے۔ عیسیٰ، خضر اور الیاس علیہم الصلاۃ والسلام بھی صحابی میں داخل ہوتے ہیں۔ اور وہ فرشتے بھی صحابی میں داخل ہوتے ہیں جو روئے زمین پر آپ سے ملے تھے ظاہری انسانوں میں آخری صحابی عیسیٰ علیہ السلام ہیں اگرچہ کہ فرشتے جو صحابی ہیں نفخۂ صور تک صحابیت پر باقی رہیں گے۔

---

# عِلم

ہر علم کے مبادیات دس ہیں۔ مبادیات بنیادی امور کو کہتے ہیں۔ ہر فن کے مبادیات جداگانہ ہوتے ہیں۔ اجمالی طور پر مبادیات سے واقف ہونے میں فائدہ یہ ہے کہ آیندہ تفصیلی مباحث کے سمجھنے میں سہولت واقع ہوتی ہے۔ دس مبادیات

**صلاۃ** - آیت ۵۶/۲۲ - اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو۔ صلاۃ کے تین معنی ہیں۔ لغت میں صلاۃ مطلق دعا کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ دعاء خیر کو صلاۃ کہتے ہیں۔ شرع میں صلاۃ کہتے ہیں چند اقوال اور افعال کو جو تکبیر سے شروع ہو کر تسلیم پر ختم ہوتے ہیں جیسا کہ نماز۔ لغوی اور شرعی دونو ملاکر جمہور کے پاس، صلاۃ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اسکے معنی رحمت کے ہیں، فرشتوں کی طرف منسوب ہو تو استغفار کے اور ان دونو کے سوا انسان، حیوان، نبات اور جماد کی طرف منسوب ہو تو اسکے معنی دعاء کے ہیں۔ حلبی نے سیرت میں روایت کی ہے کہ نبات اور جماد نے آپ پر درود بھیجا تھا۔ صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مثل دیگر انبیاء کے ہمارے صلاۃ بھیجنے سے نفع پہنچتا ہے مگر ایسی صراحت صرف تعلیم اور تفہیم کے موقع پر جائز ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خود مُصلّی کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے۔

**سلام** اس کے معنی تحیت یعنی خوش آمدید کے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ یہاں سلام سے تحیت عظمیٰ مراد ہے جو انتہائی درجہ کو پہنچے۔ اسلئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعظم مخلوقات ہیں۔ آپ کے حق میں تحیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کو سنیں جو آپ کے مرتبہ کی رفعت پر دلالت کرتا ہے۔ سلام کی تفسیر امان سے کرنے کو مناسب نہیں کیا ہے کہ اس لفظ سے خوف کا تصور پیدا ہوتا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ آپ کے اتباع ایسے تھے جن پر خوف غالب نہ ہو سکتا تھا۔ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف اللہ تعالیٰ کی شان اجلال اور ہیبت کا خوف تھا اسی معنی میں آپ نے فرمایا۔ اِنِّیْ لَاَخْوَفُکُمْ مِنَ اللّٰہِ۔ بیشک میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف کرتا ہوں ایسا خوف حقیقت میں خوف نہیں بلکہ اس سے خشیت مراد ہے۔ سلام کا مقام صلاۃ کے بعد ہے جیسا کہ آیت محولہ سے ظاہر ہے۔

**آلہ** میں آل اصل میں جَمَل کے وزن پر اَوَل تھا اس لئے کہ آل کی تصغیر اُوَیل ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آل در اصل اہل تھا اس بناء پر کہ اسکی تصغیر اہیل ہے۔ مواقع استعمال کے لحاظ سے لفظ آل کے معانی مختلف ہیں۔ **دعا** کے موقع پر آل سے ہر ایک مومن مراد لیا جاتا ہے اگرچہ کہ عاصی ہو۔ اسلئے کہ اوروں کے مقابلہ میں عاصی کو دعا کی احتیاج شدید تر ہے۔ **مدح** کے موقع پر آل سے مراد ہر ایک نیکوکار مومن ہے۔ **زکات** کے موقع پر، آل سے مراد، شافعیہ کے پاس بنی ہاشم اور بنی مطلب اور مالکیہ اور حنبلیہ کے پاس فقط بنی ہاشم ہیں۔ حنفیہ آل میں پانچ فرقوں کو شمار کرتے ہیں۔ آلِ علی، آلِ جعفر، آلِ عقیل آلِ عباس اور آلِ حرث۔ نبیوں اور فرشتوں کے سوائے اوروں پر درود اور سلام بھیجنا بالاتفاق جائز ہے جبکہ انکے نام نبیوں کے بعد اور نبیوں کے سلسلہ میں لئے جائیں۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی بناء پر آل پر درود اور سلام بھیجنا مطلوب بھی ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ اسکے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ متوارثہ

**ثمرہ**۔ اس علم سے فائدہ یہ ہے کہ قطعی دلیلوں کے ذریعہ' اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبروں کی صفات پہچانی جاتی ہیں جو ابدی سعادت کے حصول کا باعث ہے۔

**فضیلت** اس علم کی یہ ہے کہ اسکو دوسرے سارے علوم پر شرف حاصل ہے۔ اس علم کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسکے پیغمبروں کی ذات اور انکے متعلقات سے ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ متعلق کے شرف سے متعلق کو شرف حاصل ہوتا ہے۔

**نسبت**۔ یہ علم تمام علوم کی جڑ ہے اور دوسرے سارے علوم اسکی شاخیں ہیں۔

**واضع**۔ اس فن کو ابوالحسن اشعری اور ابومنصور ماتریدی اور انکے متبعین نے وضع کیا۔ انبا بی نے لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بعض اقوال توحید سے تعلق رکھتے ہیں اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے علم توحید میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اشعری اور ماتریدی کو خاص امتیاز یہ حاصل ہے کہ انھوں نے اس فن میں کتابیں تصنیف کیں اُن شبہات کی تردید کی جنکو معتزلہ نے پیدا کیا تھا

**استمداد**۔ اس علم میں عقلی اور نقلی دلیلوں سے استدلال کیا جاتا ہے۔

**حکم شارع**۔ اس علم کے بارے میں شارع کا یہ حکم ہے کہ اس علم کا جاننا ہر مرد اور عورت مکلف پر واجب عینی ہے

**مسائل**۔ اس علم میں واجبات' جائزات اور مستحیلات کے مسائل سے بحث کیگئی ہے۔

**علم**۔ کسی شئ کی حقیقت کے ادراک کو علم کہتے ہیں یہ راغب کا قول ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول ہے کہ شئ جس طرح واقع میں ہے اُسی طرح اسکا ادراک کرنے کو علم کہتے ہیں۔ عرف عام میں دراصل علم کا لفظ اطلاق ہوتا ہے ایسے قواعد مدونہ اور اسکے ملکہ پر جس کے ذریعہ ادراکات جزئیہ کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اس علم کے مقابلہ میں **جہل** ہے جہل کی بھی دو قسمیں ہیں۔ جہل بسیط اور جہل مرکب۔ اس شئ کے عدم علم کو جہل بسیط کہتے ہیں جس کا علم ہوسکتا ہے اور کسی شئ کے خلاف واقع جاننے کو جہل مرکب کہتے ہیں۔ چونکہ اس جہل میں دو طرح کے جہل شامل ہیں اسلئے اس کو جہل مرکب کہا گیا۔ ایک تو اس شئ کا جہل اور پھر اپنی جہالت کا جہل۔

**حکمت**۔ آیت ۲-۵/۳ یُؤتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا دیتا ہے علم جس کو چاہتا ہے اور جس کو علم ملا بہت سی خوبیاں ملیں۔ کَلِمَةٌ مِنَ الْحِکْمَةِ یَتَعَلَّمُهَا الرَّجُلُ خَیْرٌ لَّهُ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا۔ مرد نے حکمت کی ایک بات ہی سیکھی تو وہ بہتر ہے دنیا اور دنیا کی مشمولات سے

**فرض عین** کونسا علم ہے؟ متکلمین کہتے ہیں علم کلام ہے۔ علم کلام میں توحید اور اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور افعال بیان کئے جاتے ہیں۔ فقہا کہتے ہیں فقہ فرض عین ہے۔ اس میں عبادات' حلال اور حرام کی تفصیل بیان کیجاتی ہے۔ مفسرین اور محدثین کہتے ہیں' قرآن اور سنت کا علم فرض عین ہے۔ صوفی کہتے ہیں' علم تصوف فرض عین ہے جس کے ذریعہ بندہ اپنے حال اور مقام کو پہچانتا ہے۔ دیگر ضروری دنیاوی علوم **فرض کفایہ** ہیں۔

**فضیلت علم**۔ آیت ۱۱/۹ آخر۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ کیوں نہ نکلے

یہ ہیں ۔ اسم ۔ اُس علم کا نام کیا ہے ۔ حدّ اس علم کی تعریف کیا ہے ۔ موضوع ۔ اس علم کے عوارض ذاتیہ کیا ہیں جس میں ان سے بحث کیجاتی ہے ۔ ثمرہ ۔ اس علم کے حاصل کرنے سے فائدہ کیا ہے ۔ فضیلت ۔ اس علم کو دوسرے علوم پر کیا فضیلت ہے ۔ نسبت ۔ اس علم کو دوسرے علوم سے کیا نسبت ہے ۔ واضع ۔ اس علم کو کس نے وضع کیا ہے ۔ استمداد اس علم میں کن علوم سے مدد لیگئی ہے ۔ حکم شارع ۔ اس علم کی نسبت شارع کا حکم کیا ہے ۔ مسائل ۔ اس علم میں کن مسائل سے بحث کیگئی ہے ۔ موجودہ تالیف کے بھی دس مبادیات ہیں جنکی تصریح ذیل میں کیجاتی ہے ۔

**اِسم** ۔ اس علم کا نام علم توحید ہے ۔ اسلئے کہ اس فن میں سب سے مشہور اور اہم بحث وحدانیت کی ہے ۔ اسکو علم کلام بھی کہتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اسکے آٹھ مختلف نام ہیں

**حدّ** کے معنی تعریف کے ہیں اور لغت میں شئی کے ایک جاننے کو توحید کہتے ہیں ۔ علم کلام کے مدوّنہ فن کے لحاظ سے بروئے شرع ، علم توحید ایسے علم کو کہتے ہیں جس میں یقینی دلیلوں کے ذریعہ دینی عقاید کے اثبات سے بحث کیجاتی ہے علم کلام کے علاوہ دیگر لحاظ سے علم توحید کہتے ہیں ، عبادت کیلئے ، معبود کے ایک گرداننے کو ، ذات ، صفات اور افعال میں اسکی وحدت کی نسبت اعتقاد رکھتے ہوئے اور تصدیق کرتے ہوئے اس امر کی کہ کوئی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کے مشابہ نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تقسیم نہیں ہوسکتی اور نہ اسکی تجزّی ہوسکتی ہے نہ عقل کے ذریعہ اور نہ وہم کے ذریعہ اور نہ فرض کیجاسکتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مشابہہ دوسروں کی صفتیں نہیں ہوسکتیں ۔ ہر جنس میں اللہ تعالیٰ کی صفت ایک سی ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی صفت ایک ہی ہے ' دو قدرتیں نہیں ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے افعال میں کسی کا اشتراک نہیں ہوسکتا ۔ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی دوسرا فعل کو پیدا نہیں کرسکتا ۔ البتہ غیر اللہ کی طرف فعل کا **کسب** منسوب کیا جاتا ہے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ توحید کے معنی ایک ایسی ذات کے اثبات کے ہیں جو کسی دوسری ذات کے مشابہہ نہ ہو اور نہ صفات سے معطّل ہو ۔ معتزلہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے صفات وجودیہ کا تعطّل کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی عبادتوں میں اشرفِ عبادت توحید ہے اور اسکے قریب نماز کا درجہ ہے ۔ ابوسعید نے اس حدیث کی روایت کی ہے ۔ اِنّ اللهَ تعالیٰ لَمْ يَفْرِضْ شَيْئاً اَفْضَلَ مِنَ التَّوْحِيْدِ وَالصَّلوٰةِ وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ اَفْضَلَ مِنْهُ لَافْتَرَضَهُ عَلٰى مَلَائِكَتِهٖ مِنْهُمْ رَاكِعٌ وَمِنْهُمْ سَاجِدٌ ۔ اللہ تعالیٰ نے توحید اور نماز سے افضل کوئی چیز فرض نہیں کی ۔ اگر اس سے افضل کوئی چیز ہوتی تو اپنے فرشتوں پر فرض کرتا ۔ بعض فرشتے رکوع میں ہیں اور بعض سجدے میں ۔

**موضوع** ۔ اس علم کا موضوع یہ ہے کہ یہ جانیں کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت کونسی چیز واجب ، مستحیل یا جائز ہے اور اسی طرح رسول کی ذات کی نسبت ممکن کے تعلق سے اسکے صانع کے وجود کو پہچاننا اور سمعیات کی نسبت یہ جاننا کہ کس اعتقاد کی ضرورت ہے ۔

**سلفِ صالحین**۔ عصرِ اوّل میں علم کا لفظ اطلاق ہوتا تھا اللہ تعالیٰ کی ذات، اسکی آیات اور اسکے افعال پر، جنکا تعلق بندوں اور خلق سے ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال پر ابن مسعودؓ نے کہا۔ لَقَدْ مَاتَ تِسْعَةُ اَعْشَارِ الْعِلْمِ۔ ہیکلِ علم کا 9/10 حصہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔ فقہ مراد لیتے تھے، راہِ آخرت کا علم، نفوسِ بشری کی آفتوں سے واقفیت دنیاوی خواہشات اور اسباب کی حقارت اور عالمِ اُخروی کی نعمتوں کی رغبت۔ غرض یہ ہوتی آیت 11/4 آخر۔ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ۔ تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور تاکہ آگاہ کریں اپنی قوم کو جبکہ لوٹیں انکی طرف۔ سلفِ صالحین کا یہ حال تھا کہ قرآنِ مجید میں جو دلائل بیان کئے گئے ہیں انکو سنتے ہی انکے ذہن قبول کرلیتے اور علمِ قرآن کو کُلِ علم تصوّر کرتے اور توحید سے امرِ آخرت مراد لیتے تھے۔ اسباب اور وسایط سے انقطاع کرکے سارے اُمور کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف منسوب کرتے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی عادت ان کے خمیر میں داخل ہوگئی تھی۔ خلق کی شکایت سے اپنی زبان کو بلکہ قلب کو آلودہ نہ کرتے اور اپنے نفس کے تعلق سے غیظ و غضب کو پاس نہ آنے دیتے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت، ارادہ اور رضا کے سامنے سرِ اطاعت کو جھکا دیتے۔ اُسی کا ثمرہ تھا کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دمِ واپسیں اُنکی علالت کی حالت میں کہا گیا کہ آپ کیلئے طبیب کو بلائیں تو آپ نے جواب دیا۔ طبیب ہی نے مجھے بیمار کیا ہے۔ ایک اور بزرگ سے اُنکے مرض کی نسبت طبیب کی رائے پوچھی گئی تو جواب دیا۔ طبیب کہتا ہے۔ 85/16۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ امامِ اعظمؒ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے جو کچھ انھیں پہنچا اسکو بطیبِ خاطر قبول کیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم سے جو کچھ پہنچا اس میں سے بعض کو لیا جو موافقِ قیاس تھا اور بعض کو نہیں لیا جو قیاس کے خلاف تھا۔ تابعین سے جو کچھ آیا اسکی نسبت کہا فَهُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ۔ وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔ انکی طرح ہم بھی غور و فکر کرسکتے ہیں اور مسائل کا استنباط کرسکتے ہیں۔

**تصانیف**۔ کتابیں اور تالیفات و تصنیفات بعد کی چیزیں ہیں، صحابہ اور صدرِ تابعین کے زمانہ میں ان کا رواج نہ تھا۔ کتب کو اسلئے بھی اہمیت نہیں دی کہ شاید لوگ قرآن اور احادیث کے حفظ سے غفلت کریں جبقدر تصانیف قلمبند ہوئیں یہ سب ایک سو بیس 120 ہجری کے بعد کی بات ہے۔ فخرِ رازی نے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں، حدیث کے تدوین نہ کئے جانیکے بارے میں یہ وجہ بیان کئے ہیں۔ اول بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں قرآنِ مجید کے ساتھ مخلوط نہ ہوجائے۔ ان حضرات کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ اُس زمانہ کے اکثر لوگ لکھنے پڑھنے سے واقف نہ تھے۔

**اقسامِ علم بنظرِ صوفیا**۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے "فصوص الحکم" میں علم کے حسب ذیل اقسام بیان کئے ہیں۔ علم بالذات، اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ علم بالعرض ممکنات کیلئے ہے۔ حقائقِ ممکنات پر تجلیِ علمی ہونیکے بعد ممکنات کو بھی

علم ہر فرقے میں سے کچھ لوگ تاکہ دین کی سمجھ پیدا کرسکیں ۱۴/۱۲ ۳۔ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں ۱۳/۱ ۱۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا۔ اُتارا آسمان سے پانی پھر بہنے لگے نالے اپنے اپنے موافق۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ماء سے علم اور اودیۃ سے قلوب مراد ہیں۔ ۱۴/۲۲ ۵۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ بلاؤ اپنے رب کی راہ پر حکمت اور نصیحت کی اچھی باتیں سنا کر۔ آیت ۳/۵ ۳۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ دیتا ہے حکمت جسکو چاہتا ہے اور جسکو حکمت ملی اسکو بہت سی خوبیاں ملیں۔

**احادیث**۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ مسلم کیلئے علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔ خَيْرُ دِيْنِكُمْ اَيْسَرُهٗ وَخَيْرُ الْعِبَادَةِ الْفِقْهُ۔ بہتر دین وہ ہے جو سب سے آسان ہے اور بہتر عبادت فقہ ہے۔ قَلِيْلُ الْعَمَلِ يَنْفَعُ مَعَ الْعِلْمِ بِاللّٰهِ وَاِنَّ كَثِيْرَ الْعَمَلِ لَا يَنْفَعُ مَعَ الْجَهْلِ بِاللّٰهِ۔ تھوڑا عمل بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ ہو تو فائدہ پہنچاتا ہے اور زیادہ عمل اللہ تعالیٰ کی معرفت کی جہالت کے ساتھ فائدہ نہیں دیتا۔ اِذَا مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُّنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَّدْعُوْ لَهٗ۔ آدمی کے فوت ہونے پر اسکے اعمال کا ثواب منقطع ہو جاتا ہے تین چیزوں کے سوائے۔ صدقۂ جاریہ یا علم جس سے فائدہ پہنچا ہو یا نیک اولاد ہو جو اسکے لئے دعا کرے۔ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔ نیکی کی طرف رہنمائی کرنے میں اتنا ہی ثواب ہے جتنا نیکی کرنے میں ہے۔ علماءِ دین کا قول ہے۔ اَوَّلُ الْعِلْمِ اَلصَّمْتُ ثُمَّ الْاِسْتِمَاعُ ثُمَّ الْحِفْظُ ثُمَّ الْعَمَلُ ثُمَّ نَشْرُهٗ۔ علم کا پہلا درجہ خاموشی اور اسکے بعد توجہ سے سننا اور اسکے بعد اسکو یاد رکھنا، پھر اسپر عمل کرنا اور آخر میں اسکی اشاعت کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مجلسیں دیکھیں۔ ایک مجلسِ ذکر دوسری مجلسِ تعلیم۔ آپ نے مجلسِ تعلیم کو ترجیح دی اور اس میں شرکت فرمائی۔ امام احمد حنبلؒ کا قول ہے، علمی اشتغال میں رات کے کسی حصّہ کو بسر کرنا میرے نزدیک احیاءِ شب (یعنی نماز پڑھنے) سے زیادہ بہتر ہے۔ ابو ہریرہؓ کا قول ہے، تھوڑی دیر بیٹھکر دین کے سمجھنے میں بسر کرنا میرے نزدیک رات بھر نمازوں میں جاگنے سے بہتر ہے۔ مناظر احسن نے تدوینِ حدیث میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فرائض کے سوائے سارے دینی مشاغل پر بھی علمِ حدیث کی مشغولیت کو ترجیح ہے۔

**تعظیمِ عالم**۔ شعبی کہتے ہیں کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ خچر پر سوار ہو رہے تھے، ابنِ عباس رضی اللہ عنہ آگئے اور آپکا رکاب تھاما۔ زید ابن ثابتؓ بول اُٹھے "اے ابنِ عمِ رسولِ اللہ آپ ہٹ جائیے۔" ابنِ عباسؓ نے جواب دیا۔ هٰكَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَّفْعَلَ بِالْعُلَمَآءِ۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے علماء کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں۔ زید بن ثابتؓ نے ابنِ عباسؓ کا ہاتھ چوما اور کہا هٰكَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَّفْعَلَ بِاَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ہمیں بھی ہدایت کی گئی ہے کہ اہلِ بیتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یوں تواضع کریں۔

**علم** کی تقسیم دو طرح کیجاتی ہے۔ تصوّر اور تصدیق۔

**تصوّر**۔ اثبات یا نفی کے حکم کے بغیر، ماہیت کے ادراک کو تصور کہتے ہیں۔ انسان کا لفظ کہنے پر فقط انسان کے معنی ذہن میں آتے ہیں۔ انسان کے متعلق اثبات یا نفی میں کیا کہنا مقصود ہے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی کو تصور کہتے ہیں۔ اسکے بعد لفظ انسان کے ساتھ کسی امر کے اثبات یا نفی کا حکم لگایا جائے تو اسکو **تصدیق** کہتے ہیں۔ جیسا کہ "انسان حیوان ناطق ہے" یعنی بولتا حیوان ہے۔ تصور اور تصدیق دونوں میں سے ہر ایک بدیہی ہونگے یا کسبی۔

**تصوراتِ بدیہیہ** وہ ہیں جو بداہتہً بغیر کسی غور وخوض کے ذہن میں آئیں جیسا کہ حرارت اور برودت کے کہنے پر جلن اور ٹھنڈک کا تصور۔ **تصوراتِ کسبی** وہ ہیں جنکے معنی غور وخوض کے بعد ذہن میں آئیں جیسا کہ فرشتہ یا جن کے کہنے پر ان دونو الفاظ کی ماہیت کا تصور جو کسیقدر غور کرنیکے بعد ذہن میں آتا ہے۔

**تصدیقاتِ بدیہیہ** ایسے صدق یا کذب کے حکم کو کہتے ہیں جو بداہتہً ذہن میں آئیں جیسا کہ یہ کہنا کہ اثبات اور نفی دونو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے اور نہ رفع ہوسکتے ہیں۔ **تصدیقاتِ کسبیہ** صدق وکذب کے ایسے احکام کو کہتے ہیں جو غور کرنیکے بعد ذہن میں آئیں جیسا کہ معبود ایک ہے اور دنیا حادث ہے۔ معبود کے ایک ہونے یا دنیا کے حادث ہونے کی تصدیق کسیقدر غور کرنیکے بعد سمجھ میں آتی ہے۔
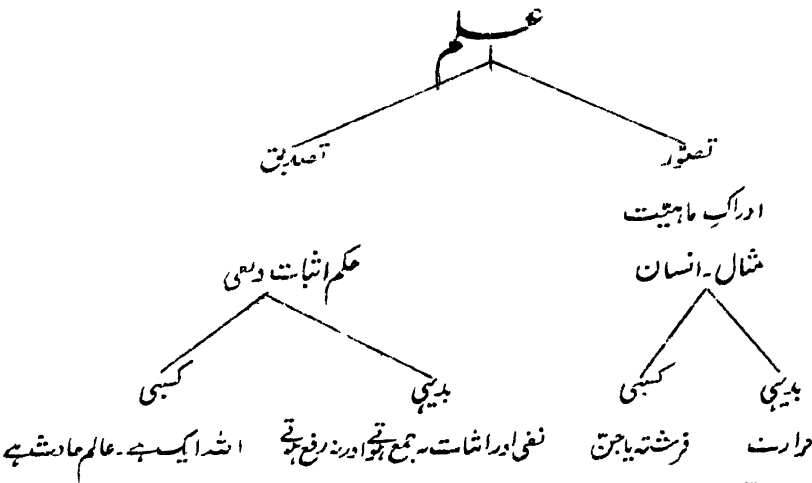
**تصدیقات** کی دوسری تقسیم یہ ہے۔ تصدیق، جزم کے ساتھ ہو یا بغیر جزم کے۔

**بالجزم** تصدیق کی ۔۔۔ قسمیں ہیں۔ تصدیق بالجزم جو مطابق واقع نہ ہو یعنی کسی امر کی نسبت یقینی تصدیق کیجائے مگر وہ تصدیق ایسی ہو جو واقع کے خلاف ہو۔ یہ علم نہیں بلکہ جہل ہے۔ تصدیق بالجزم واقع کے مطابق ہو مگر محض تقلید کے ذریعہ حاصل ہوئی ہو جیسا کہ مقلد کا اعتقاد۔ تصدیق بالجزم جو حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل ہو جیسا کہ ہمارا علم آگ کے جلانے یا سورج کے روشن ہونیکی نسبت ہے۔ تصدیق بالجزم جو بداہتہً عقل کے ذریعہ مستفاد ہو جیسا کہ یہ اصول کہ نفی اور اثبات ایک جگہ

علم حاصل ہوتا ہے مگر اُن کیلئے اصل عدمِ علم ہے۔ علم شہودی جو آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے یا کانوں سے سنا جاتا ہے اور ہر طرح محسوس ہوتا ہے۔ علم کشفی جو خاص افراد کو حاصل ہوتا ہے لیکن شہود کے برابر قوت نہیں رکھتا۔ علم اجمالی اور تفصیلی بعض اشیاء کا علم اجمالی اور بعض اشیاء کا علم تفصیلی۔ بعض اشخاص کو صرف علم اجمالی حاصل ہوتا ہے اور بعض کو علم تفصیلی۔ علم تبلیغی جو اشاعت کے لایق ہے۔ علم غیر تبلیغی اور سِرّی جس کے اشاعت کی اجازت نہیں ہے۔

**غیب** - صوفیائے کرام کے پاس علم کا ایک جداگانہ مفہوم بھی ہے جس کی صراحت شیخ محی الدین عربی نے یوں کی ہے **غیبِ مطلق** - اللہ تعالیٰ کا علم جو اسکی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ وہ بھی علم ہے اور ہم اسکو مخلوقات اور ماسوا اللہ کے اعتبار سے غیب کہتے ہیں۔

**غیبِ اضافی** - وہ غیب جو ایک کے لحاظ سے غیب اور دوسرے کے لحاظ سے شہود ہے۔ آیت ۷/۱۳ ماقبل آخر وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔ اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، اُنکو سوائے اسکے کوئی نہیں جانتا۔ آیت عِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ۔ اُسکے پاس غیب کا علم ہے۔ آیت ۲/۲۰ ماقبل آخر۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ دے آسمان اور زمین والے غیب کو نہیں جانتے سوائے اللہ کے۔ آیت ۲۹/۱۲، ۶۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ جاننے والا ہے غیب کا، خبر نہیں دیتا غیب کی کسی کو مگر جس رسول کو پسند کر لیا۔ آیت ۳/۱۳ ۳۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ۔ یہ خبریں غیب کی ہیں جو ہم نے تجھکو بھیجی ہیں۔ آیت ۱۲/۴ آخر۔ تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جنکو ہم تیری طرف بھیجتے ہیں جنکو نہ تو اور نہ تیری قوم اس سے پہلے جانتی تھی آیت ۵/۱۲ ا۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ سکھایا تجھکو جو تو نہیں جانتا تھا، تجھ پر خدا کا بڑا فضل ہے۔ آیت ۱۔ الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ الم۔ اس کتاب میں کچھ شک نہیں ہدایت کرتی ہے تقوے والوں کی جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو ہم نے جو دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں اور جو ایمان لاتے ہیں جو اتارا گیا تجھ پر اور جو اتارا گیا تجھ سے پہلے اور آخرت کا یقین کرتے ہیں آیت ۲۶ ماقبل آخر۔ وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ۔ میں نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ اور تمھارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ آیت ۹/۱۳ آخر۔ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔ اگر میں غیب کی بات جانتا تو مجھ سے نیکیاں زیادہ وقوع میں آتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ اور سب کا علم اجمالاً دیا گیا۔ آپ میں علم اصل ہے اور ہم میں جہل اصل ہے۔

امام فخر الدین رازی کے معالم اصولِ دین سے علم و نظر کی بحث کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

**مسئلۂ سوم**۔ وجود ماہیات پر زاید ہے۔ ان دو اقوال میں فرق ہے۔ کالا پن موجود ہے اور کالا پن کالا پن ہے۔

**مسئلۂ چہارم**۔ معدوم لاشئی ہے یعنی کوئی چیز نہیں ہے۔

**مسئلۂ پنجم**۔ عقل صراحۃً حکم لگاتی ہے کہ ہر موجود واجب لذاتہ ہے یا ممکن لذاتہ۔

**واجب لذاتہ** کی خاصیتیں یہ ہیں۔ ایک[1] ہی چیز کیلئے ممکن نہیں ہے کہ وقتِ واحد میں واجب لذاتہ بھی ہو اور واجب بغیرہ بھی۔ کیونکہ اس صورت میں نقیضیں جمع ہو جائیں گے جو محال ہے۔ واجب[2] لذاتہ مرکب نہیں ہوگا۔ وجوب[3] بالذات کا مفہوم ثبوتی نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی حقیقت غیر معلوم ہے اور اسکا بالذات وجوب معلوم ہے۔

**ممکن لذاتہ** کی بھی خاصیتیں ہیں۔ ممکن[1] لذاتہ کیلئے ضروری ہے کہ وجود اور عدم دونو کی طرف اسکی نسبت برابر ہو۔ ممکن[2] متساوی کی ایک طرف کو دوسری طرف پر ترجیح نہیں ہوسکتی۔ ممکن محتاج ہے مؤثر کی طرف اپنے امکان کی وجہ سے نہ کہ حدوث کی وجہ سے۔ اسلئے کہ حدوث وجود کی کیفیت کا نام ہے۔

**مسئلۂ ششم**۔ ممکن قائم ہوگا بنفسہ یا بغیرہ۔ پھر قائم بنفسہ متحیز ہوگا یا غیر متحیز ہوگا۔ متحیز ناقابلِ تقسیم ہوگا تو وہ **جوہر فرد** ہے اور قابلِ تقسیم ہوگا تو **جسم** ہے۔ قائم بنفسہ متحیز نہ ہو اور نہ متحیز میں حال ہو تو وہ **جوہر روحانی** ہے۔ قائم بغیرہ **عرض** ہے۔ قائم بالمتحیزات **اعراضِ جسمانی** ہیں اور قائم بالمفارقات **اعراض روحانیہ** ہیں۔

**مسئلۂ ہفتم**۔ **اعراض** کی تین قسمیں ہیں۔ اعراضِ[1] نسبتیہ، اعراضِ[2] قسمیتہ، اعراض[3] جو نہ نسبی ہوں اور نہ قسمیت۔

**اعراضِ نسبیہ** جن سے نسبت کی صدق حاصل ہوتی ہو۔ اعراضِ نسبیہ کے اقسام یہ ہیں۔ کون[1] کسی چیز کا اسکے مکان میں حاصل ہونا حرکت، حصولِ اوّل حیز ثانی میں ہو۔ سکون، حصول ثانی حیز اوّل میں ہو۔ افتراق، دو جوہر دو حیز میں ہوں اور انکے درمیان تیسرا جوہر ہو۔ اجتماع، دو جوہر دو حیز میں ہوں اور انکے درمیان تیسرا جوہر نہ ہو۔ متی[2]، کوئی چیز زمانہ میں ہو۔ اضافت[3] جس میں نسبت کی تکرار ہو جیسے اُبوت، بُنوت، فوقیت، تحتیت۔ فعل[4]، کوئی چیز دوسری چیز میں تاثیر کرے۔ انفعال[5]، کوئی چیز اپنے غیر سے تاثیر پائے۔ ملک[6]، کوئی چیز دوسری چیز سے اس طرح گھر جائے کہ محیط کے نقل کے ساتھ محاطہ کی نقل ہو۔ وضع[7]، اجزاء کے درمیان نسبت حاصل ہونیکے سبب سے مجموعہ کو ایک ہیئت حاصل ہو۔

**اعراضِ قسمیہ** وہ اعراض جنکی تقسیم ہوتی ہو۔ عدد، ایسے اعراض جن کے اجزاء میں حدِ مشترک ہو۔ مقدار، اعراض ایسے ہوں جن کے اجزاء کے درمیان حدِ مشترک نہ ہو۔ خط، ایسی مقدار جو ایک ہی جہت میں قسمت قبول کرے۔ سطح، ایسی مقدار جو دو جہتوں میں قسمت قبول کرے۔ جسم، ایسی مقدار جو تین جہتوں میں تقسیم قبول کرے۔

**اعراض جو نہ نسبی ہوں اور نہ قسمت** قبول کریں۔ اعراض جو حیات سے مشروط ہوں یا مشروط نہ ہوں۔ پھر مشروط بالحیات ادراک ہو یا تحریک ہو۔ جزئیات کا ادراک کریں تو حواسِ خمسہ ہیں کلیات کا ادراک کریں تو علوم، ظنون اور جہالات ہیں اور ان میں نظر داخل ہے۔ تحریک پوری ہوتی ہے ارادہ، قدرت، خواہش اور

علم جمع نہیں ہوتے اور نہ مرتفع ہوتے ہیں۔ تصدیق بالجزم جو دلیل سے مستفاد ہو۔
**بغیر الجزم** تصدیق میں طرفِ راجح کو **ظن**، طرفِ مرجوح کو **وہم** اور طرفین مساوی ہوں تو **شک** کہتے ہیں۔ یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ بعض تصورات اور بعض تصدیقات بدیہی ہیں جنکے سمجھنے کیلئے غور کرنے یا استدلال کرنیکی حاجت نہیں۔

## تصدیق

بغیر الجزم
راجح — ظن
مرجوح — وہم
مساوی — شک

بالجزم
مستفاد بدلائل — اللہ ایک ہے — اور عالم حادث ہے
مستفاد بعقل — نفی و اثبات جمع نہیں ہوتے اور نہ رفع ہوتے
مستفاد بحواس — احراق نار
مستندہ لعلہ مدی — مشاہدات
مطابق لعلہ مدی — اعتقاد مقلد
غیر مطابق — جہل

بدیہیات — نظریات

**نظر** کے معنی غور و فکر کے ہیں اور نظر سے مراد مقدمات علمیہ یا ظنیہ کو اس طرح ترتیب دینا کہ اسکے ذریعہ علم یا ظن حاصل ہو۔ ذہن میں دو امور قائم موجود ہے جس سے غیبی امر کا علم واجب ہو۔ ایک موجب ہے دوسرے مطلوب موجب کو پہنچنا یا امر نظری ہے۔ اصل موجب دلیل ہے۔ کسی امر مجہول کے دریافت کرنیکے لئے دو متقدمہ معلومات کی ضرورت ہے دونوں متقدمہ معلومات قطعی ہوں تو نتیجہ قطعی ہوگا دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک ظنی ہو تو نتیجہ ظنی ہوگا۔ اسلئے کہ فرع اصل سے قوی نہیں ہو سکتی۔ عام قول یہ ہے کہ نظر کسی چیز میں اس کے علم کے منافی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ نظر سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے
**عقل یا نقل**۔ اگر عقلی مقدمات سے دلیل مرکب ہو تو وہ موجود ہے اور نقلی مقدمات سے مرکب ہو تو محال ہے نقل کا نقل ہے۔ اثبات ممکن نہیں بعض مقدمہ عقلی اور بعض مقدمہ نقلی ہو تو وہ بھی موجود ہے۔ نقلی دلائل یقین کا فائدہ نہیں دیتیں اور ان سے صرف ظن حاصل ہو سکتا ہے۔ عقلی دلائل قطعی ہوتی ہیں۔ ظن قطعیت کا مقابلہ نہیں کرتا۔ یہ منطق اور فلسفہ کا ماحصل ہے۔

## احکامِ معلومات۔

**مسئلہ اوّل** عقل میں آسانی سے یہ بات آتی ہے کہ معلوم موجود ہے یا معدوم۔ یہ مسئلہ دو امور پر دلالت کرتا ہے۔ وجود کی ماہیت کا تصور بدیہی ہے۔ معدوم معلوم ہے

**مسئلہ دوّم**۔ وجود کا معنی تمام موجودات میں مفہوم مشترک ہے۔ اسلئے کہ موجود کی تقسیم واجب اور ممکن میں ہوتی اور تقسیم کے مورد کا دونوں قسموں میں مشترک ہونا واجب ہے۔

ممکنات کی تقسیم حسب رائے حکماء (محقق رازی)
جوہر
عرض
صورت
ہیولیٰ
جسم
متعلق تدبیر جسم
نفس
لا متعلق جسم
عقل
نسبی
کمیات
کیفیات
حصول فی المکان
این
حصول فی الزمان
متیٰ
نسبت متکررہ
مضاف
ملک
فعل
انفعال
کم متصل
کم منفصل
عدد
کم متصل قار الذات
کم متصل غیر قار الذات
زمان
بعد واحد
ذو بعدین
ذو ثلاثة ابعاد
خط
سطح
جسم تعلیمی
محسوسات
کیفیات نفسانیہ
کیفیات مختصہ بالکمیات
منفصلہ
متصلہ
للدفع قوت
للتاثر لاقوت
استقامت
انحناء
ترکیب
تقدم
تاخر

نفرت ہے۔ وہ اعراض جو حیات سے مشروط نہ ہوں وہ اعراض ہیں جو حواس خمسہ سے محسوس ہوتے ہیں۔ قوتِ باصرہ سے محسوس ہو تو اضواء اور الوان ہیں۔ قوتِ سامعہ سے محسوس ہوں تو اصوات اور حروف ہیں۔ قوتِ ذائقہ سے محسوس ہوں تو طعوم ہیں۔ مرارت، حلاوت، ملوحت، دسومت، حموضت، عفوصت، قبض اور تفاہہ، قوتِ شامہ سے محسوس ہوں تو طیب اور نتن ہیں۔ قوتِ لامسہ سے محسوس ہوں تو حرارت، برودت، رطوبت، یبوست، خفت، ثقل، صلابت اور لین ہیں یہ سارے اقسام ممکنات کی ہیں۔

**مسئلۂ ہشتم۔** جوہر فرد کا قول حق ہے دلیل یہ ہے کہ حرکت اور زمانہ دونوں مرکب ہیں اجزائے متعاقبہ سے۔ متعاقبہ ایسے اجزاء کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے بغیر فصل کے واقع ہوں۔ یہ دونوں زمانہ کے لحاظ سے ناقابلِ تقسیم ہیں۔ پس واجب ہے کہ جسم اجزائے لایتجزیٰ سے مرکب ہو۔

**مسئلۂ نہم۔** جوہر کا حیز میں حاصل ہونا ایسی صفت ہے جو اسکے ساتھ قائم ہے۔

**مسئلۂ دہم۔** امام رازی لکھتے ہیں کہ انکے نزدیک اعراض کی بقا جائز ہے۔

عالم کون و فساد، تولد، توالد، استحالہ وغیرہ۔ علم امتزاجاتِ اربعہ عناصر جن سے بادل، بارش، رعد، برق، قوسِ قزح اور زلزلے پیدا ہوتے ہیں۔ علم معدنیات۔ علمِ نباتات۔ علمِ حیوانات۔ علمِ نفسِ حیوانی و قوائے ادراک۔

**فروع** سات یہ ہیں۔ علمِ طب۔ علمِ نجوم۔ علمِ قیافہ۔ علمِ تعبیرِ خواب۔ علمِ طلسمات یعنی قوائے سماوی کو اجرامِ ارضی سے ملانا اور غرائب افعال کی قوت پیدا کرنا۔ علم نیرنجات یعنی متعدد خواص کی چیزوں کا ملانا اور علمِ کیمیا۔

**فلاسفۂ آلہیات** کے بھی دو گروہ ہیں۔ متقدمین اور متاخرین۔ حکمائے متقدمین کا سرگروہ فیثا غورث ہے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے فیلسوف کے نام سے خود کو نامزد کیا۔ اس کا قول ہے کہ آفتاب مرکزِ عالم ہے اور تناسخ کا بھی قایل تھا۔ حکمائے متاخرین میں ارسطو کی شخصیت خاص ہے۔ اس نے منطق کی ترتیب دی اور فلاسفۂ دہریہ اور طبعیہ کی تردید کی ان فلاسفہ سے جو امور نقل کئے گئے ہیں، تین قسم کے ہیں بعض کی تکفیر واجب ہے، بعض کا بدعت قرار دینا واجب ہے اور بعض کا انکار واجب نہیں ہے۔

**صوفیہ**، اہلِ مکاشفہ و مشاہدہ ہیں۔ فلسفۂ تصوف کی تفصیل صفحہ اور آخرِ کتاب میں ملاحظہ ہو۔

---

# علمِ کلام

**علمِ کلام**۔ جوہر التوحید کی شرح میں شیخ بیجوری نے لکھا ہے کہ اس فن کی احتیاج اس طرح پیدا ہوئی کہ ہجری پانسو سال کے بعد مسلمانوں میں ایک فرقۂ مبتدعہ پیدا ہوا۔ اوائل علماء نے جو اصول دین مقرر کئے تھے انکی نسبت انھوں نے شبہات پیدا کئے اور ان شبہات کو فلسفہ کے ساتھ خلط ملط کیا تو علمائے متاخرین نے ان شبہات کے رفع کرنیکے لئے خود مبتدعین کے پیدا کردہ شبہات کو جمع کیا تاکہ صحیح طور پر فلسفہ کی مدد سے انکی تردید کریں۔ احمد **حارث محاسبی** امام احمد حنبلؒ کے ہم عصر اور اکابر علماء دین سے تھے۔ علمِ کلام میں سب سے پہلے انھوں نے کتاب تصنیف کی۔ محاسبی نے معتزلہ کی تردید کیلئے انکے مسائل کو جمع کیا اور انکو ترتیب دی۔ احمد حنبلؒ نے اعتراض کیا اور کہا کہ تم نے معتزلہ کے حق میں مفید کام کیا ہے۔ حارث نے جواب دیا بدعت کی تردید واجب ہے اور جب تک کہ انکے خیالات کی ترتیب نہ دیجائے تردید کیسے ہوسکیگی۔ احمد حنبلؒ نے فرمایا ٹھیک ہے، تم نے انکے شبہات کو واضح کیا اور اسکے بعد اسکے جوابات دئیے کیا اسکا امکان نہیں ہے کہ کوئی شخص شبہات کا مطالعہ کرے اور جوابات کی طرف التفات نہ کرے۔ اس امت میں تہتر ۷۳ فرقے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک فرقہ ناجی (نجات پانے والا) ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے نقشِ قدم کی پیروی کی اور بقیہ

ے صفحہ ۹۹
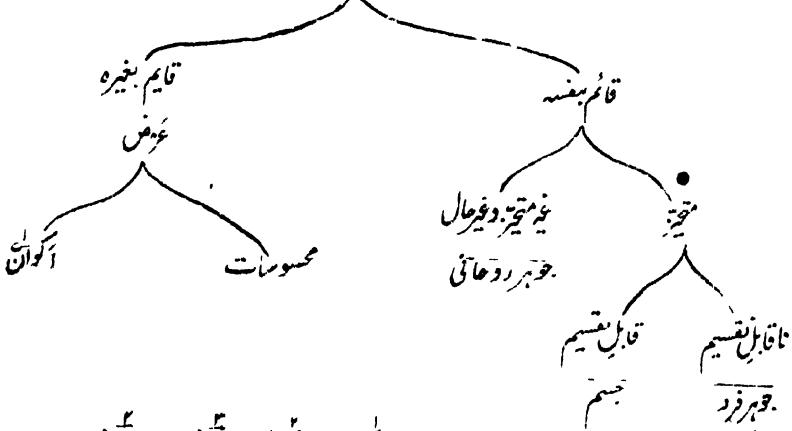
**طالبین** کی چار اقسام غزالی نے بیان کی ہیں۔ اہلِ کلام[1]، اہلِ باطن[2]، اہلِ فلسفہ[3] اور صوفیہ[4]۔

**اہلِ کلام** اہل الرائے اور اہل النظر ہیں۔ علم کلام سے مقصود یہ ہے کہ عقیدۂ اہلِ سنّت وجماعت کی حفاظت کیجائے اور انکو اہل بدعت کی تشویش سے بچایا جائے۔ کسی مذہب کی تردید سے پیشتر اسکی حقیقت سے واقفیت کی ضرورت ہے اور اسی غرض سے متکلمین نے فلسفہ کو حاصل کیا۔ علمِ کلام کی تفصیل آگے بیان کیجائیگی۔

**اہلِ باطن** اصحابِ تعلیم ہیں جو ادّعا کرتے ہیں کہ امام معصوم سے سینہ بسینہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اہل بدعت کے ایک فرقہ کا نام اہلِ تعلیم ہے جو اپنے آپ کو شیعہ کہتے ہیں۔ خراسان میں یہ فرقہ تعلیمیہ یا اہلِ تعلیم یا ملاحدہ کہلاتا ہے اور عراق میں مزدکیہ اور قرامطہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس فرقہ کو باطنیہ بھی کہتے ہیں۔ انکا قول ہے کہ ہر ظاہر کیلئے باطن ہے شریعت کے جملہ احکام کی تاویل کرتے ہیں۔ وضو سے مراد لیتے ہیں متابعتِ امام، نماز سے رسول، غسل سے تجدید عہد، زکاۃ سے تزکیۂ نفس، روزے سے محافظتِ اسرارِ امام، زنا سے افشاءِ اسرار دین۔ امام غزالی کے عہد میں اس فرقہ کا بہت چرچا تھا۔ انکے سرگروہ حسن بن صباح نے خلفائے عبّاسیہ میں بہت اثر پیدا کیا تھا اس فرقہ کے علماء نے مسائل مذہبی پیا بہت سے اقوال فلاسفہ ملا کر حکمیہ کے طرز پر کتب مذہبی تصنیف کیں۔ امام غزالی نے انکی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں۔

**اہلِ فلسفہ** اہلِ برہان ہیں۔ فلاسفہ کے تین گروہ ہیں۔ دہریہ، طبیعیہ اور الٰہیہ۔

**دہریہ** کہتے ہیں اس جہان کا کوئی صانع نہیں ہے۔ حیوان سے نطفہ اور نطفہ سے حیوان پیدا ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا

**طبیعیہ** گروہ نے حیوانات، نباتات، علم تشریح اعضاء حیوانات پر غور کر کے صانع کے علم اور حکمت پر یقین کیا لیکن اعادۂ معدوم سے انکار کیا۔ امام غزالی نے تہافۃ الفلاسفہ میں طبیعیات کے آٹھ **اصول** اور سات **فروع** بیان کئے ہیں۔

**اصول** آٹھ یہ ہیں۔ علم لوازمِ جسم یعنی انقسام، حرکت، تغیّر، زمان، مکان، خلا۔ علومِ اقسامِ عالم یعنی سماوات اور ارکانِ عناصر۔

متکلمین کی بہترین دلائل ان آیتوں سے استنباط کیجاتی ہیں۔

**توحید**۔ آیت ۱۷/۲ ۱۲۔ لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ اگر ہوتے ان دونوں میں اور معبود سوا اللہ کے تو دونو خراب ہوتے۔

**نبوت**۔ آیت ۱/۲ ۳۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اگر تم شک میں ہو اس کلام میں جو ہم نے اُتارا اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس قسم کی۔

**بعث**۔ آیت ۲۳/۴ ۱۲۔ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ کہہ جلا دیگا انکو جس نے بنایا انکو پہلی بار۔

**جدل**۔ آیت ۱۴/۲۲ ۶۔ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ اور الزام لگا ان پر جس طرح بہتر ہو۔

علم کلام کی بالکلیہ مذمت یا بالکلیہ مدح غلطی ہے۔ اس میں منفعت بھی ہے اور مضرت بھی۔ بلحاظ منفعت واقتضائے حال، حلال، مندوب یا واجب ہے اور بلحاظ مضرت حرام ہے۔ مضرت یہ ہے کہ عقاید میں شبہات پیدا کرتا ہے اور جزم اور یقین کو متزلزل کرتا ہے۔ منفعت یہ ہے کہ عقیدہ کو تشویشات اور وساوس اور گمراہ کن اشخاص کی تاویلات سے محفوظ و مصئون رکھتا ہے۔

**ظواہر و بواطن**۔ علم کلام اشارہ کرتا ہے کہ ان علوم کے ظواہر اور اسرار ہیں۔

**حدیث**۔ اِنَّ لِلْقُرْاٰنِ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا وَحَدًّا وَّمُطَّلَعًا۔ بیشک قرآن کا ظاہر ہے اور باطن اور حد اور مُطّلَع ہے۔

(حاشیہ: مطلع سے مراد ۔۔۔ جو اس پر عمل کرتے ہیں)

**حدیث**۔ نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ اُمِرْنَا اَنْ نُکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔ ہم انبیاء کے گروہ کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے انکی عقول کی مقدار کے لحاظ سے بات کریں۔

**حدیث**۔ مَا حَدَّثَ اَحَدٌ قَوْمًا بِحَدِیْثٍ لَمْ تَبْلُغْهُ عُقُوْلُهُمْ اِلَّا کَانَ فِتْنَةً عَلَیْهِمْ۔ کسی نے کسی قوم سے ایسی بات کہی جو انکی سمجھ میں نہ آسکی تو وہ بات انکے لئے باعث فتنہ ہوگی۔

**حدیث**۔ اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ کَهَیْئَةِ الْمَکْنُوْنِ لَا یَعْلَمُهٗ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ بِاللّٰهِ۔ بعض علم راز پوشیدہ ہے جسکو فقط عالمین باللہ جانتے ہیں۔

**حدیث**۔ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَآ اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا۔ جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

**آیت**۔ ۲۸/۱۵ آخر۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ۔ اللہ ہی نے بنائے سات آسمان اور اتنی ہی زمین اُترتا ہے حکم انکے بیچ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر بیان کروں تو تم مجھ پر رجم (سنگباری) کروگے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ۔ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ وَاَمَّا الْاٰخَرُ لَوْ بَثَثْتُهٗ لَقُطِعَ هٰذَا الْحُلْقُوْمُ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو گٹھڑیاں (خزانے) کی میں نے حفاظت کی ہے۔ ایک کی میں نے اشاعت کی لیکن دوسرے کی اگر میں اشاعت کروں یہ گلا کاٹا جائیگا۔ سہیل تستری کہتے ہیں کہ علوم تین قسم کے ہیں۔ علم ظاہری جس کی عام طور پر اشاعت کیجاتی ہے۔ علم باطنی جو صرف اسکے اہل لوگوں

فرقے غیر ناجی ہیں۔ حدیث۔ اِفتَرَقَتِ الاُمَمُ السَّابِقَۃُ عَلیٰ اِثنَتَینِ وَسَبعِینَ فِرقَۃً وَسَتَفتَرِقُونَ ثَلٰثًا وَسَبعِینَ فِرقَۃً مِنھُم فِرقَۃٌ وَاحِدَۃٌ نَاجِیَۃٌ وَاِثنَانِ وَسَبعُونَ فِی النَّارِ۔ سابقہ امتیں بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئیں اور تم تقسیم ہوگے ۷۳ فرقوں میں، ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہے اور بقیہ بہتر دوزخ میں

**قولِ متحققین** شیخ عنوانی نے اپنے حاشیہ میں ابو اسحق اسفرائنی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ توحید میں متکلمین نے جو کچھ بیان کیا ہے اسکو اہلِ حقیقت نے دو جملوں میں جمع کیا۔ اعتقاد اس بات کا کہ جو کچھ بھی تیرے وہم اور تصور میں آسکتی ہے اللہ تعالےٰ اسکے خلاف ہے۔ اعتقاد اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات دوسری ذوات کے مشابہ نہیں ہے اور نہ صفات معطل ہے۔

**امام غزالیؒ** نے علم کلام کی بابت جو مواد فراہم کیا ہے اسکا اقتباس درج کیا جاتا ہے۔ آپ نے لکھا ہے۔ علم کلام کو کسی نے بدعت اور حرام اور کسی نے واجب اور فرضِ عین یا کفایہ ظاہر کیا۔ ائمہ شافعیؒ مالکی اور حنبلی نے علم کلام کی مذمت کی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ فلسفیانہ خیالات اور تصورات اور انکے اصطلاحات کا استعمال گو لائقِ اعتراض ہے لیکن عقاید کے اثبات کیلئے صحیح دلائل کا پیش کرنا ممنوع نہیں ہے۔ ایک دوسری جگہ (المنقذ من الضلال میں) امام غزالی لکھتے ہیں کہ علم کلام سے یہ مقصود ہے کہ عقیدۂ اہل سنت وجماعت کی حفاظت کیجائے اور انکو اہلِ بدعت کی تشویش سے بچایا جائے کسی مذہب کی تردید سے پیشتر اسکی حقیقت سے واقفیت کی ضرورت ہے۔ کہتے ہیں کہ اسی غرض سے انھوں نے علم فلسفہ کی تحصیل کی تھی۔ آیاتِ قرآنی سے اسکی تائید ہوتی ہے۔

**آیت** ۱/۱۲ ماقبل آخر۔ قُل ھَاتُوا بُرھَانَکُم۔ کہہ دے لاؤ تم اپنی سند (دلیل)۔ ۳/۲۔ ۲/۲۔ ۵/۲۔ ۲/۳ آخر جملہ چار آیتیں ہیں۔ جن میں دلیل طلب کی گئی۔

**آیت** ۱/۱۰ ۲ لِّیَھلِکَ مَن ھَلَکَ عَن بَیِّنَۃٍ وَّیَحیٰی مَن حَیَّ عَن بَیِّنَۃٍ۔ تاکہ مرے جس کو مرنا ہے قیامِ حجت کے بعد اور جئے جس کو جینا ہے قیامِ حجت کے بعد۔

**آیت** ۱۱/۱۲ ۸۔ اِن عِندَکُم مِّن سُلطَانٍ بِھٰذَا۔ تمہارے پاس اسکی کوئی سند نہیں ہے۔

**آیت** ۸/۵ ماقبل آخر۔ قُل فَلِلّٰہِ الحُجَّۃُ البَالِغَۃُ۔ کہہ دے اللہ کی حجت پوری ہے۔

**آیت** ۳/۳ ۱۔ اَلَم تَرَ اِلَی الَّذِی حَاجَّ اِبرَاھِیمَ فِی رَبِّہٖ ... فَبُھِتَ الَّذِی کَفَرَ۔ کیا تو نے دیکھا نہیں اس شخص کو جس نے ابراہیم سے اسکے رب کے بارے میں حجت کی ... پس حیران ہوگیا انکار کرنے والا۔

**آیت** ۱۵/۷ ۱۔ وَتِلکَ حُجَّتُنَا آتَینَاھَا اِبرَاھِیمَ عَلیٰ قَومِہٖ۔ اور یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو دی اسکی قوم کے مقابلہ میں

**آیت** ۳/۱۲ ۰۔ یَا نُوحُ قَد جَادَلتَنَا فَاَکثَرتَ جِدَالَنَا۔ اے نوح تو ہم سے جھگڑا اور بہت جھگڑ چکا۔

**آیت** ۹/۱۹ ۱۸۔ (فی قصہ فرعون) وَمَا رَبُّ العَالَمِینَ ... اَوَلَو جِئتُکَ بِشَیءٍ مُّبِینٍ۔ جہاں کے پروردگار کے کیا معنی ...... اور جو لاؤں تیرے پاس ایک چیز کھلی ہوئی؟

آخرت سے ہے اسکو ظاہری الفاظ پر اطلاق کیا اور تاویل کو منع کیا۔ **معتزلہ** نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے رویت کی تاویل کی، اللہ تعالیٰ کے سمیع اور بصیر ہونے کی تاویل کی۔ معراج کی تاویل اس طرح کی کہ جسد سے نہیں ہوا۔ عذاب قبر، میزان، صراط اور جملہ احکام اُخروی کی تاویل کی لیکن ہمیشہ اجساد کا اقرار کیا اور جنت کی نسبت اقرار کیا کہ ماکولات مشروبات اور منکوحات پر بھی شامل ہے۔ دوزخ کا عذاب جسمانی ہوگا۔

**فلاسفہ**۔ تاویل کرتے ہیں آخرت کے جملہ امور کی۔ آلام ولذات، عقلیہ اور روحانیہ ہونگے۔ بقائے نفوس کے قائل ہیں اور جسمانی حشر سے انکار کرتے ہیں۔

---

# دین

**دین** کے لفظی معنی طاعت، عبادت، جزاء اور حساب وغیرہ کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اسکی تعریف اجمالی اور تفصیلی طور پر بنائی گئی ہے۔ **اجمالی** تعریف یہ ہے وَهُوَ مَا شَرَعَهُ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ مِنَ الْاَحْكَامِ۔ دین اُن احکام کو کہتے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبانی مشروع کیا ہے۔ اسکو دین اسلئے کہا گیا کہ ہم اسکی پیروی کرتے ہیں۔ اس کو ملت بھی کہا جاتا ہے اسلئے کہ فرشتے اسکا رسول کو املاء کرواتے ہیں اور رسول ہم کو املاء کرواتے ہیں۔ اسکو شرع اور شریعت اسلئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو ہمارے لئے مقرر کیا ہے مشروع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی زبانی ہم پر اسکو بیان کیا۔ اس تقریر کا نتیجہ یہ کہ حقیقت میں شارع اللہ تعالیٰ ہے اور نبی مجازی طور پر شارع ہیں **تفصیلی** تعریف یہ ہے وَهُوَ وَضْعٌ اِلٰهِيٌّ سَائِقٌ لِذَوِى الْعُقُوْلِ السَّلِيْمَةِ بِاخْتِيَارِهِمِ الْمَحْمُوْدِ اِلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بِالذَّاتِ اسکو اللہ تعالیٰ نے عقلِ سلیم رکھنے والوں کے عمل کیلئے وضع کیا ہے اُن پسندیدہ امور کے اختیار کرنیکے لئے جو بالذات خیر ہیں۔ عقلِ سلیم سے وہ عقل مراد ہے جو کفر سے مامون ہو۔ عقل کی شرط کی وجہ سے طبعی اوضاع خارج ہوجاتی ہیں جو حیوانات کی رہنمائی کرتی ہیں۔ طبعی اوضاع ایسے الہامات ہیں جو حیوانات کو انکے مفیدِ مطلب احوال کی طرف مائل کرتی ہیں اسی کی مدد سے مکڑی دیپا جالا بناتی، شہد کی مکھی شہد کا خزانہ تیار کرتی ہے۔ یہی اوضاع طبیعی حیوانات کو نقصان سے بچاتی ہیں۔ عمل میں ترکِ عمل بھی داخل ہے فعلِ واجب کے کرنے میں ثواب کا مستحق اور فعلِ حرام کے ارتکاب میں عذاب کا مستوجب ہوتا ہے۔ اسلئے انسان فعلِ اوّل کو اختیار اور فعلِ دوم کو ترک کرتا ہے۔ وضع بمعنی مصدر اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں وضع کیا گیا۔ اس تعریف میں مجاز بھی داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وضع کرنیکی قید سے وہ امور خارج ہوتے

پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ تیسرا وہ علم جو بندہ اور اسکے رب کے درمیان ہے جسکو کسی دوسرے پر ظاہر نہیں کیا جاتا۔

**اَسرارِ مقربین**۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ مقربین کے اَسرار پانچ قسم کے ہیں۔

بات[۱] فی نفسہٖ ایسی نازک ہو جسکو اکثر لوگ نہ سمجھ سکیں۔ جماع کی لذت کو بچہ اور عنین نہیں سمجھ سکتے۔ بعض کا قول ہے مَا عَرَفَ اللّٰہَ بِالْحَقِیْقَۃِ سِوَی اللّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ کو حقیقت میں کسی نے نہیں پہچانا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ ابوبکر صدیقؓ نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ لِلْخَلْقِ سَبِیْلًا اِلٰی مَعْرِفَتِہٖ اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِہٖ۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے اپنی معرفت کی طرف مخلوق کو راہ نہیں دی سوائے اسکے کہ اس معرفت سے عاجز ٹھیرے۔ یہ علم کی ایسی قسم ہے جس کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔ اسکی ایک مثال روح ہے۔

بات[۲] ایسی خفیات میں سے ہو جس کے ذکر سے انبیاء اور صدیقین روکے گئے ہوں۔ یہ فہم میں آسکتی ہے مگر اکثر سامعین کو اس سے نقصان کا خطرہ ہے۔ سِرِّ قدر (قدر کا بھید) اسی قسم سے ہے جس کے افشاء سے اہلِ علم کو روکا گیا۔

بات[۳] ایسی ہو جو صراحت کے ساتھ بیان کیجائے تو سمجھ میں آسکے اور مُضر بھی نہ ہو لیکن کنایہ اور استعارہ کے ذریعہ بیان کرے تو قلب میں اثر پیدا کرتی ہے۔ حدیث۔ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ الْاَصْبُعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ۔ مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے یعنی قبضۂ قدرت میں ہے۔

بعض[۴] امور ایسے ہیں جنکو انسان فی الجملہ ادراک کرتا ہے اور پھر تحقیق کرنے پر تفصیل سے ادراک کرتا ہے۔

زبانِ[۵] حال سے زبانِ مقال کی تعبیر کیجاتی ہے۔ دیوار نے میخ سے کہا مجھکو کیوں چیرتی ہے۔ میخ نے جواب دیا اُس سے پوچھو جو مجھکو ٹھوک رہا ہے۔ آیت۔ پ۲۴ ع۳۔ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ۔ پھر چڑھا آسمان کو دھانکہ وہ دھواں ہو رہا تھا پھر کہا اسکو اور زمین کو آؤ تم خوشی سے یا زور سے۔ وہ بولے ہم آئے خوشی سے زبانِ حال کہتی ہے کہ یہ دونو مسخر ہیں۔ آیت پ۱۵ ع۴۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (کوئی چیز نہیں جو پاکی نہیں بیان کرتی اسکی) سے مراد یہ ہے کہ اپنے وجود سے مُسبّح اور اپنی ذات سے مقدس ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شاہد ہے۔

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ　　تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

ہر چیز میں کوئی نہ کوئی نشان ایسی ہے　　جو اسکی واحدانیت پر دلالت کرتی ہے

**استوا ء**۔ امام مالکؒ سے استواء کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا۔ اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفِیَّۃُ مَجْھُوْلَۃٌ وَالْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ وَالسُّؤَالُ عَنْہُ بِدْعَۃٌ۔ استواء کے لفظی معنی تو معلوم ہیں مگر اسکی کیفیت نامعلوم ہے لیکن اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

**اشاعرہ** نے راہِ اقتصاد اختیار کی اور اُن جملہ امور کی تاویل کی جنکا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے۔ جن امور کا تعلق

اللہ تعالیٰ نے قلب کو محلِ ایمان بنایا۔ آیت ۱۴/۱۴ ۱۰۔ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ۔ مگر وہ نہیں جو مجبور کیا گیا اور اس کا دل برقرار ہے ایمان پر۔ آیت ۲۶/۱۴ ۴۔ وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ۔ اور ابھی نہیں اترا ایمان تمہارے دلوں میں۔ آیت ۲۸/۲۲ آخر۔ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْاِیْمَانَ۔ اس سے معلوم ہوا کہ محلِ اعتقاد قلب ہے۔

**قلب** سے مراد مضغۂ گوشت نہیں ہے جو محسوسات میں سے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جسکو حِس کے ذریعہ احساس نہیں کیا جا سکتا۔ فتوحات جلد سوم میں شیخؒ نے لکھا ہے کہ دنیا میں قلوب پر اللہ تعالیٰ کی تجلی پڑتی ہے ہمیشہ، جسکی وجہ سے انسان میں خطرات مختلف پیدا ہوتے ہیں جسکو وہ نہیں جانتا بجز اہل اللہ کے کبھی روح کے ذریعہ اسکی تعبیر کیجاتی ہے اور کبھی **نفس مطمئنّہ** سے۔ شرع اسکو قلب کے لفظ سے تعبیر کرتی ہے۔ روح امرِ الٰہی ہے۔ یعنی عالمِ امر سے تعلق رکھتی ہے۔ آیت ۱۵/۱۰ ۱۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے۔ شیخ ابنِ عربیؒ نے لکھا ہے کہ ارواح غیر مرئی اور ناقابلِ دید ہیں۔ صورتِ مثالی کی رویت ہو سکتی ہے نہ کہ روح کی۔

جہاں کہیں ایمان کا ذکر ہوا اسکے ساتھ اعمالِ صالحہ کا ذکر بطورِ عطف ہوا اور عطف سے ظاہری طور پر تغایر پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے گناہِ کبیرہ کے ساتھ ایمان کو ثابت قرار دیا۔ آیت ۷/۱۵ آخر۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَہُمْ بِظُلْمٍ جو لوگ ایمان لائے اور ملایا نہیں ایمان میں ظلم (گناہ) کو۔ آیت ۲/۶ ۲۔ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی۔ اے ایمان والو حکم ہوا تم پر بدلہ برابر مارے گیوں میں نفس کے قتل کرنے والے کو مومن کے عُدواں سے تعبیر کیا۔ آیت ۲۶/۱۳ ما قبل آخر۔ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَہُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىہُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ۔ اور اگر دو فرقے مسلمانوں کے آپس میں لڑیں تو ان میں ملاپ کراؤ، پھر اگر چڑھا جاوے ایک ان میں سے دوسرے پر تو سب لڑو اس چڑھائی کرنیوالے سے جب تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر۔ مطلب یہ ہے کہ باغی بھی مومن ہے بغاوت کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ امام رازی کا استدلال یہ ہے کہ اگر بروئے شرع طاعات ایمان کا جزء ہوتے تو طاعات کے ساتھ ایمان کی تقیید کرنے میں صرف تکرار ہوتی اور معصیت کے ارتکاب سے ایمان میں نقص واقع ہوتا۔ لیکن یہ باطل ہے۔ امام غزالیؒ چھپے تُلے الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ یہ بعید نہیں ہے کہ عمل ایمان میں داخل ہونیکے یہ معنی ہیں کہ ایمان بغیر عمل کے مکمل نہیں ہوتا۔ اہلِ سنت کے پاس عملِ طاعات کمالِ ایمان کیلئے مشروط ہے جس نے ایمان کے ساتھ طاعات پر بھی عمل کیا، ایمان کا کمال حاصل کیا۔ جس نے عمل کو ترک کیا، ایمان کے کمال کو ترک کیا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ تصدیقِ قلبی، اقرارِ لسانی اور عمل بالجوارح ان تینوں کا نام ایمان ہے۔ جس نے عمل کو ترک کیا وہ مومن نہیں ہے اور کافر بھی نہیں ہے اسلئے کہ اسکو تصدیقِ قلبی حاصل ہے۔ گویا کہ انکے پاس مومن اور کافر کے درمیان ایک تیسری منزل ہے۔ خوارج گناہِ کبیرہ کے مرتکب کی تکفیر کرتے ہیں۔

ہیں جسکو بظاہر انسان نے وضع کیا ہے جیسا کہ قوانینِ سیاست، اصلاحِ مُدُن وحسنِ معاشرت یا قوانین تجارت وغیرہ۔ اس قید سے یہ لازم نہیں آتا کہ فقہ کے اجتہادی احکام جسکو انسانوں نے اپنی قوتِ اجتہادی سے منضبط کیا اسکو دین سے خارج کیا جائے۔ غایتِ امر یہ ہے کہ وہ بھی موضوعِ آلٰہی ہیں اسلئے کہ مجتہدین نے اصول وقواعد شرع سے استدلال کرتے ہوئے استنباط کیا، مجتہدین کو اسکے وضع کرنے میں راست دخل نہیں ہے۔ پسندیدہ کی قید سے ناپسندیدہ امور خارج ہوجاتے ہیں۔ اختیار کی قید سے غیر اختیاری افعال خارج ہوجاتے ہیں جیسا کہ رنج وتکلیف پر کراہنا اور چلّانا اور اضطراری امور داخل ہوتے ہیں۔ بھوک اور پیاس جیسے وجدانیات داخل ہوتے ہیں جو کھانے اور پینے پر انسان کو مجبور کرتے ہیں۔ خیر بالذات سے وہ امور مراد ہیں جنکے ذریعہ ابدی سعادت اور قُربِ آلٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اس طویل تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ اُن احکام کو دین کہتے ہیں جو بندوں کے خیرِ ذاتی کیلئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے وضع کئے گئے ہیں۔

**دینِ واحد** ۔ تمامی انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے۔ اسلئے کہ اللہ کی طرف سے ملا ہے اگر چیکہ بعض احکام میں اختلاف ہوا۔ آیت ۴۸/۵۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے بنا دیا ایک دستور اور راستہ اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کرتا۔

دین واحد - سوم ا

**علاماتِ دین** ۔ نووی نے دین کی چار علامتیں بتائی ہیں۔ ۱ صدقِ ارادہ۔ صدقِ نیت اور اخلاص کے ساتھ عبادت ادا کیجائے۔ ۲ وفائے عہد۔ فرائض پر عمل کرے۔ ۳ ترکِ منہیات۔ محرمات سے باز رہے۔ ۴ صحتِ عقد۔ اہلِ سنت وجماعت کے عقیدوں پر پختگی کے ساتھ قائم رہے۔

---

# ایمان

**ایمان** کے لغظی معنی مطلق تصدیق کے ہیں۔ آیت ۱۲/۱۷۔ وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا ای مُصَدِّقٍ۔ شرع میں ایمان کے معنی ان سارے اموری تصدیق کے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور جو دین کی ضروریات میں سے ہیں جس نے قلب میں تصدیق کی اور زبان سے اقرار نہیں کیا وہ عند اللہ مؤمن ہے لیکن احکامِ دنیاوی میں مؤمن نہیں ہے جس نے زبان سے اقرار کیا اور قلب میں تصدیق نہیں کی وہ منافق ہے، دنیاوی احکام میں مومن ہے اور عند اللہ مومن نہیں ہے۔ امام رازی نے الدین میں لکھا ہے کہ ایمان سے اعتقاد مراد ہے اور اقرارِ لسانی اسکے اظہار کا سبب ہے اور ایمان کے مسمیٰ سے اعمال خارج ہیں۔ رازی نے اسکے تین وجوہ بیان کئے ہیں۔

**اسلام** کی نسبت مسلم نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ قَالَ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔
آپ نے فرمایا کہ شہادت دے تو کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور تحقیق کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں قائم رکھے تو نماز کو اور ادا کرے زکاۃ کو اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اگر اسکے طرف راستے کی استطاعت رکھے۔
بخاریؒ نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامَةِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے پانچ باتوں پر۔ شہادت اس بارے میں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور تحقیق کہ محمدؐ اسکے بندے ہیں اور اسکے پیغمبر ہیں اور نماز کو قائم رکھنا اور زکات دینا اور حج اور رمضان کے روزے۔

**احسان** کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔ آپ نے فرمایا تو عبادت کرے اللہ کی گویا کہ تو اسکو دیکھتا ہے۔ اگر تو دیکھ نہیں سکتا تو بس (یہ سمجھ کہ) وہ تجھکو دیکھتا ہے۔

**ایمان میں زیادتی اور کمی** ہو سکتی ہے، امام غزالیؒ نے باب عقائد میں لکھا ہے کہ سلفِ صالحین کو اتفاق ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے، طاعت سے زیادتی اور معصیت سے کمی۔ دلیل یہ ہے کہ عمل ایمان کے اجزاء سے نہیں ہے! ایمان کے وجود کے بعد، ایمان کی حالت میں اختلاف ہو سکتا ہے زیادتی اور نقصان کے سبب سے! ایمان اسم مشترک ہے تین وجوہ پر صادق آتا ہے ایمان، شرحِ صدر کے بغیر، محض تصدیقِ قلبی پر صادق آئے جیسا کہ عوام کا ایمان۔ ایمان قلب کا عقدہ ہے جو بعض وقت مضبوط ہوتا ہے اور بعض وقت کمزور۔ اسکی تقویت اور نموء میں عمل مدد دیتا ہے۔ آیت ۹/۱۵ ۲۔ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ زیادہ کیا انکے ایمان کو۔ آیت ۴/۲۶ ۔ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ۔ تاکہ اور بڑھ جائے انکو ایمان انکے ایمان کے ساتھ۔ بعض اخبار میں ہے۔ اَلْاِيْمَانُ يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ۔ ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی۔ اسلئے کہ طاعات سے قلب پذیر ہوتا ہے۔ قلب میں ایمان کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور اسکے بعد جوارح سے عمل صادر ہوتا ہے۔ صُدورِ عمل کے ساتھ اُن اعمال کا اثر قلب کی طرف عَود کرتا ہے اور اس میں تاکید اور زیادتی پیدا کرتا ہے۔ اس طرح ظاہر کو باطن سے اور باطن کو ظاہر سے تعلق ہے۔ اور یہ مُلک اور ملکوت کے درمیان تعلق کے مانند ہے۔

**مُلک** سے مراد عالمِ شہادت ہے جس کا ادراک حواس کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اعضاء اور اعمالِ اعضاء کا تعلق عالمِ مُلک سے ہے **مَلکوت** عالمِ غیب سے ہے جس کا ادراک نورِ بصیرت سے ہو سکتا ہے۔ **قلب عالم** ملکوت سے ہے اور ان دونو کے درمیان ربط ہے اس حد تک کہ بعض لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عالمِ شہادت کے سوائے کوئی عالم ہی نہیں ہے۔ جس نے امرین کا ادراک کیا اور انکے تعدّد کا ادراک کیا اور پھر ان دونو کے درمیان ربط قائم کیا، ذیل کے اشعار میں اسکی تعبیر کی گئی ہے۔

**ایمان**[1] کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایمانِ تقلیدی، ایمانِ علمی، ایمانِ عیانی، ایمانِ حقی و ایمانِ حقیقی۔ ایمانِ تقلیدی وہ ایمان ہے جو کسی شیخ کے قول سے اخذ کیا جائے بغیر کسی دلیل کے۔ ایمانِ علمی وہ ایمان ہے جو دلیلوں کے ذریعہ عقاید کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے۔ ایمانِ عیانی وہ ایمان ہے جو قلب کے مراقبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی لو لگائے کہ ایک طرفۃ عین (آنکھ کی جھپک) بھی غائب نہ ہو۔ ایمانِ حقی وہ ایمان ہے جو قلب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے سے حاصل ہو۔ ایمانِ حقیقی وہ ایمان ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی اور کا مشاہدہ ہی نہ کرے۔ تقلید عوام کیلئے ہے اور علم صاحبانِ ادلّہ[2] کیلئے۔ عیان اہلِ مراقبہ کیلئے اسکو مقامِ مراقبہ بھی کہتے ہیں۔ حق عارفین کیلئے ہے اور اسکو مقامِ مشاہدہ بھی کہتے ہیں حقیقت واقفین کیلئے ہے اور اسکو مقامِ فناء کہتے ہیں۔ اسلئے کہ واقفین غیر اللہ سے فنا ہو جاتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حقیقت کی حقیقت صرف پیغمبروں کیلئے ہے۔

[1] تحفۃ المرید

[2] دلیل کی جمع

**اختلاف**۔ امام ابوحنیفہؒ اور اشاعرہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ شہادتین کا زبان سے اقرار کرنا شرط نہیں ہے بلکہ **شطر** ہے۔ انکے پاس عملِ قلبی اور لسانی دونو کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ **شطر** کسی چیز کے جزء کو کہتے ہیں اور وہ اس چیز کی ماہیت میں داخل ہے اور اسکے سقوط سے کل ساقط ہو جاتا ہے مگر یہ قول ضعیف ہے۔ معتمد یہ ہے کہ اقرارِ لسانی صرف اجرائے احکام دنیاوی کیلئے شرط ہے ورنہ عنداللہ وہ مومن ہے۔ **شرط** کے معنی لغت میں علامت کے ہیں اور شرع میں شرط اس چیز کو کہتے ہیں جس پر دوسری چیز کی صحت موقوف ہوتی ہے اور وہ خود اُسکی جزء نہیں ہوتی۔

---

**اسلام** کے لغوی معنی امتثالِ امر و انقیاد کے ہیں اور شرع میں ان امور کی نسبت امتثال اور انقیاد کو اسلام کہتے ہیں

---

جو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئے اور جو دین کی ضروریات میں سے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ کہ ایمان اور اسلام مفہوم میں متغائر ہیں۔ جمہور اشاعرہ کا یہی مذہب ہے۔ اسلام انقیادِ ظاہری کا نام ہے اور ایمان تصدیقِ باطنی کا۔ یہ دونو الفاظ البتہ باہم متلازم ہیں یا لازم و ملزوم۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔ لیکن یہ اس صورت میں جبکہ ان ہردو کو باعثِ نجات تصور کیا جائے ورنہ ان دونو کے درمیان تلازم نہیں ہے۔ اسلام ہوسکتا ہے ایمان کے بغیر اور اس کے برعکس ایمان ہوسکتا ہے اسلام کے بغیر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۲۶/۱۴ م۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا۔ اعراب (گنوار لوگ) کہتے ہیں کہ ایمان لائے۔ تم کہو کہ ایمان نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ اسلام لائے۔ یہاں اسلام سے مراد ظاہری انقیاد ہے جس کے ساتھ باطنی تصدیق نہیں ہے۔ جمہور ماتریدیہ اور اشاعرہ کے محققین کہتے ہیں کہ ایمان اور اسلام دونو کے مفہوم میں اتحاد ہے۔

**ایمان** کی صراحت اس حدیث میں ہے قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ۔ آپ نے فرمایا کہ تو ایمان لائے اللہ، فرشتوں، پیغمبروں اور یومِ آخر پر اور ایمان لائے تقدیر پر اس معنی میں کہ خیر و شر اُسی سے ہے۔

کیا تم کو تمھارا ایمان کافی نہیں ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا بَلیٰ وَلٰکِنْ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (مِنْ قَلَقِہٖ لِرُؤْیَۃِ الْکَیْفِیَّۃِ) یعنی کیا تمھارا ایمان کافی نہیں ہے تو ابراہیمؑ نے عرض کیا ہاں کافی ہے لیکن میں اپنے قلب کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں کیفیت کے مشاہدہ سے۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ یعنی ابراہیم جیسے اولوالعزم پیغمبر کے دل میں شک پیدا ہونیکی گنجایش ہے تو ہم میں بھی بدرجۂ اَولیٰ وہ شک پیدا ہوسکتا ہے۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کا لفظ اپنی امت کے حال پر نظر کرتے استعمال کیا نہ کہ خاص طور پر اپنی ذات سے تعلق ہے۔ وہ بالفرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کو بھی اس میں شامل کیا جائے تو وہ آپ کے مزاج کی تواضع و انکساری پر محمول ہوگا۔ فرشتوں کے ایمان میں نہ اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی۔ خلاصہ یہ کہ ایمان کی تین حالتیں ہوسکتی ہیں۔ [1] عام اُمّت انس و جن کے ایمان میں زیادتی اور کمی ہوسکتی ہے۔ [2] فرشتوں کے ایمان میں نہ زیادتی ہوسکتی ہے اور نہ کمی۔ [3] پیغمبروں کے ایمان میں زیادتی ہوسکتی ہے کمی نہیں ہوسکتی۔ ایمان کی زیادتی اور کمی کی نسبت عقلی اور نقلی دلیلوں سے تائید ہوتی ہے۔

**عقلی دلیل** یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت میں زیادتی اور نقص کی وجہ سے تفاوت نہ پیدا ہوا تو امت کے ایک فرد بشر بلکہ ایک عاصی کا ایمان پیغمبروں اور فرشتوں کے ایمان کے مساوی ہوگا اور چونکہ ایسی مساوات باطل ہے اس لئے عدم تفاوت بزیادتی و نقصِ ایمان بھی باطل ہے۔

**نقلی دلیل** میں بہت سے نصوص موجود ہیں۔ آیت ۹/۱۵ ۲۔ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اسکی آیتیں تو وہ زیادہ کرتی ہیں ایمان کو۔ آیت ۲۶/۹ ۔ وَلِیَزْدَادُوْۤا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ۔ تاکہ اور بڑھائے انکو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ۔ آیت ۲۹/۱۵ آخر۔ وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِیْمَانًا۔ اور بڑھے ایمان والوں کو ایمان۔ آیت ۱۱/۵ ۲ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا۔ ایمان والوں کے ایمان کو زیادہ کرتے ہیں۔

ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کیا ایمان میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا۔ نَعَمْ یَزِیْدُ حَتّٰی یُدْخِلَ صَاحِبَهُ الْجَنَّةَ وَیَنْقُصُ حَتّٰی یُدْخِلَ صَاحِبَهُ النَّارَ۔ ہاں ایمان میں اتنی زیادتی ہوسکتی ہے کہ وہ ایمان والا جنت میں جائے اور اتنی کمی ہوسکتی ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہو۔ حدیث لَوْ وُزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ بِاِیْمَانِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ لَرَجَحَ بِهٖ۔ یہ آخری حدیث اور معروضۂ بالا آیاتِ قرآنی صرف ایمان کی زیادتی پر دلالت کرتی ہیں نقص پر دلالت نہیں کرتیں۔ مگر اسکے ساتھ یہ اضافہ کیا جائے کہ جو چیز زیادتی قبول کرتی ہے وہ نقصان بھی قبول کرسکتی ہے تو پھر دلیل کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ اس ضمیمہ کے لحاظ سے پیغمبروں کے ایمان کی نسبت یہ جواب ہے کہ انکی عصمت دائمہ انکے ایمان کے نقصان کی مانع ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے جن کے اعظم فرد امام ابوحنیفہ ہیں کہ ایمان میں زیادتی یا نقصان نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ایمان ایک انتہائی درجۂ یقین یا تصدیق کا نام ہے۔ حدیث سابقہ کی یوں تاویل کرتے ہیں کہ زیادتی اور نقصان کا تعلق اعمال سے ہے نہ کہ تصدیق سے۔ ابو حنیفہؒ نے یہ بھی فرمایا کہ مؤمن بہ یعنی جن جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَقَّتِ الْخَمْرُ | فَتَشَابَهَا وَتَشَاكَلَ الْاَمْرُ
پیالہ شفاف ہے اور شراب بھی شفاف ہے | پس دونو مشابہ ہو گئے اور مشکل آپڑی
فَکَاَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا قَدَحٌ | وَکَاَنَّمَا قَدَحٌ وَلَا خَمْرُ
گویا کہ شراب ہے اور پیالہ نہیں ہے | اور گویا کہ پیالہ ہے اور شراب نہیں ہے

ایمان[2] سے تصدیق اور عمل دونو مراد لئے جائیں۔ حدیث۔ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ بَابًا۔ ایمان ستر سے کچھ زیادہ اقسام سے ہے۔ حدیث۔ لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ ایمان کی حالت میں زنا کا گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ عمل سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔

ایمان[3] سے، شرحِ صدر کے ساتھ، یقینی تصدیق مراد لیجائے۔ یہ قسم قبولِ زیادتی سے بہت دور ہے، لیکن میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ یقینیات بھی ایضاح کے درجات میں مختلف ہیں۔

ان تینوں اطلاقات کے لحاظ سے ایمان میں زیادتی اور کمی حق ہے۔

**فخر رازی** کہتے ہیں کہ ایمان نہ زیادہ ہوسکتا ہے اور نہ کم۔ دلیل یہ ہے کہ ایمان نام ہے رسول کی تصدیق کا اُن سارے امور کے ساتھ جو رسول پر نازل ہوئے اور جو ضروری طور پر سمجھ میں آسکتے ہیں۔ چونکہ ایسے ایمان میں تفاوت نہیں ہوسکتا اسلئے ایمان میں نہ زیادتی ہوسکتی ہے اور نہ کمی **معتزلہ** کہتے ہیں کہ جب ایمان عبادتوں کی ادائی کا نام ہے تو اس میں زیادتی اور کمی کی قابلیت ہے۔ سَلَف کے پاس بھی ایمان، اعتقاد، اقرار اور عمل کا نام ہے۔ میری (فخر رازی) رائے بھی یہی ہے۔ بحث لغوی ہے اور ہر ایک مختلف امر کی نسبت نقل وارد ہوی ہے۔ توفیق (درمیانی راستہ) یہ ہے کہ اعمال تصدیق کے ثمرات میں سے ہیں۔ پس اگر ایمان زیادتی اور کمی کو قبول نہ کرے تو گویا اصل ایمان مراد ہے اور جہاں اسکی قابلیت رکھتا ہو تو وہاں کمالِ ایمان مراد ہوگی۔

**شیخ بیجوری** نے جوہرۃ التوحید کی شرح میں لکھا ہے کہ اہلِ سنت کے پاس عمل، ایمان کا جزو نہیں ہے بلکہ کمال ہے اور جمہورِ اشاعرہ کا قول ہے کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ طاعت کہتے ہیں مامور بہ پر عمل کرنے اور منہی عنہ سے اجتناب کرنے کو۔ متقدمین کی ایک جماعت کا رُجحان اس طرف ہے کہ طاعت کے نقص کی وجہ سے ایمان میں بھی نقص پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات حالِ انسانی پر نظر کرتے ہے ورنہ ربّ العزت بغیر کسی سبب کے اقتضاء کے، اور محض اپنے اختیار سے کسی شخص کے ایمان میں زیادتی کرسکتا ہے اور کمی بھی۔ ایمان میں زیادتی اور کمی کا تعلق صرف عام انسانوں سے ہے نہ کہ پیغمبروں اور فرشتوں کے ایمان سے۔ پیغمبروں کے ایمان میں صرف زیادتی ہوسکتی ہے۔ اسلئے کہ پیغمبر انسانِ کامل ہیں اور کامل کمال کو قبول کرتا ہے نہ کہ نقص کو۔ پیغمبروں کے ایمان کی زیادتی کی طرف ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں اشارہ ہے۔ آیت ۴۲ وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔ علی وفا کی کتاب مفاتیح الخزائن العلیۃ میں آیت اَوَلَمْ تُؤْمِنْ سے مراد اَوَلَمْ یَکْفِكَ اِیْمَانُكَ

تادّب۔ ہر حال میں، اللہ کے ذکر میں ادب کو کام میں لائے اور تمام باتوں کو اللہ کی مشیت پر محول کرے۔ اللہ تعالےٰ اپنے نبی کو ہدایت فرمایا۔ آیت ۱۸-۱۵ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔ ہرگز نہ کہو کسی چیز کے بارے میں کہ میں کل کرونگا سوائے اسکے کہ اللہ چاہے۔ آیت ۲۶-۲۷ ۱۔ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ۔ اگر اللہ چاہے تو تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہونگے امن و امان کے ساتھ۔ فخر رازی نے لکھا ہے کہ یہاں انشاء اللہ سے شک کا مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے باب میں شک محال ہے۔

اکثر اوقات انشاء اللہ کے الفاظ سے شک مقصود نہیں ہوتا بلکہ رغبت اور تمنا کا اظہار ہوتا ہے۔ یا اللہ سبحانہ کے ذکر سے تبرک حاصل کرنا مراد ہوتا ہے جیسا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ شک ہی مراد لیجائے اور اس سے مقصود کمال ایمان میں شک ہو نہ کہ اصل ایمان میں۔ کمال ایمان میں شک دو طرح ہو سکتا ہے۔ کمال ایمان کو نفاق زائل کرتا ہے اور عمل طاعات سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ آیت ۲۶-۱۵ ۵۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِكَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ بیشک وہ لوگ مومن ہیں جو ایمان لائے خدا پر اور اسکے رسول پر پھر شک نہیں کئے اور جہاد کئے اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے خدا کے راستہ میں وہی لوگ سچے ہیں۔ آیت ۲-۱۷۷ ۱۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ۔ اور لیکن نیکی ہے وہ جس نے اللہ پر ایمان لایا اور یوم آخر، فرشتوں، کتاب اور نبیوں پر۔ حدیث۔ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ بَابًا اَدْنَیْھَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی مِنَ الطَّرِیْقِ۔ ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں اور اس میں سب سے کمتر درجہ کا ایمان یہ ہے کہ راستہ کے موانعات کو دور کیا جائے۔

**نفاق**۔ بعض علماء کا قول ہے کہ وہ شخص نفاق سے قریب تر ہے جس نے خود کو نفاق سے بری سمجھا۔ حسن بصریؒ نے زبان اور دل، ستر و عیاں، مدخل و مخرج کے اختلاف کو نفاق سے تعبیر کیا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں ایک صحابی کی تعریف و توصیف کیجا رہی تھی کہ اتنے میں وہ صحابی نمودار ہوئے۔ اُنکے چہرے سے وضو کے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ پیشانی پر سجدوں کا اثر تھا اور ہاتھ سے نعلین لٹک رہے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ یہی ہیں آپ نے فرمایا اس کے ماتھے پر شیطان کا ٹیکا دیکھتا ہوں۔ وہ صحابی آئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَنْشُدُكَ اللّٰہَ ھَلْ حَدَّثَتْكَ نَفْسُكَ حِیْنَ اَشْرَفْتَ عَلَی الْقَوْمِ اَنَّہٗ لَیْسَ فِیْھِمْ خَیْرٌ مِّنْكَ۔ خدا کی قسم تم سچ کہنا۔ جیسا ہی تم قوم پر نمودار ہوئے ہو کیا تمہارے دل میں یہ خیال آیا کہ ان میں تم سے بہتر کوئی نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں بالکل یہی واقعہ ہے۔ آپ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا عَلِمْتُ وَلِمَا لَمْ اَعْلَمْ۔ اے اللہ تو معاف کر جو میں جانتا ہوں اور جو نہیں جانتا۔ آیت ۳۹-۴۷ ۔ وَبَدَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ظاہر ہوا انکو اللہ کی طرف سے جو انکے گمان و تصور میں نہ تھا۔ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ بعض عمال

ان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبن حبات کمی یا زیادتی ہوسکتی تھی' اور جسقدر آیات واحادیث میں ایمان کی کمی وزیادتی کا بیان ہے وہ مُؤمَنٌ بِہٖ کے اعتبار سے ہے آپ کے بعد کمی زیادتی ممکن نہیں۔ اسلئے اب ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی خطابی کہتے ہیں کہ ایمان کامل تین امور اعتقاد قول اور فعل پر شامل ہے۔ اعتقاد میں زیادتی ہوسکتی ہے نقصان نہیں ہوسکتا۔ قولِ ایمان کا کلمہ مقرر ہے اس میں زیادتی یا نقصان نہیں ہوسکتا اور عمل میں زیادتی اور نقصان ہوسکتا ہے۔ فخر رازی اور امام الحرمین کی رائے میں فریقین کے درمیان حقیقی اختلاف نہیں ہے صرف لفظی اختلاف ہے۔ زیادتی اور نقصان کا قول محمول ہے اعمال کے کمال پر۔ ایمان کے عدمِ زیادتی یا عدم نقصان کا قول اصل ایمان پر محمول ہے جو تصدیقِ باطنی ہے لیکن قول اصح یہ ہے کہ تصدیقِ قلبی میں زیادتی ہوسکتی ہے' زیادہ غور وفکر کرنے اور دلائل کے واضح ہونے سے اور کمی ہوسکتی ہے غفلت کرنے اور دلائل کو ترک کرنے سے بعض اوقات محض تجلی ایزدی سے ایمان میں زیادتی ہوسکتی ہے۔ اسلئے کہ صدیقین کا ایمان دوسروں کے ایمان سے قوی تر تھا۔ یہ طریقہ' توضیح قوم میں غیر معروف ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اختلاف لفظی نہیں بلکہ حقیقی ہے شافعیہ کے نزدیک۔ معتمد یہ ہے کہ ایمان محض تصدیق قلبی کا نام ہے اور احکام دنیاوی کے اجراء کے لئے اقرارِ لسانی کی شرط ہے اور یہ کہ ایمان میں زیادتی اور نقصان ہوسکتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

## اَنَا مُؤمِنٌ اِنْشَاءَ اللہُ

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ سلف صالحین اَنَا مُؤمِنٌ اِنْشَاءَ اللہُ کہتے اور ایمان کے بارے میں بالجزم جواب سے امتناع کرتے تھے۔ سفیان توریؒ کا قول ہے۔ مَنْ قَالَ اَنَا مُؤمِنٌ عِنْدَ اللہِ فَھُوَ مِنَ الْکَذَّابِیْنِ وَمَنْ قَالَ اَنَا مُؤمِنٌ حَقًّا فَھُوَ بِدْعَۃٌ۔ جس نے یہ کہا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہوں وہ جھوٹا ہے اور جس نے کہا کہ میں سچ مچ مومن ہوں وہ بدعتی ہے۔ جب پوچھا گیا آخر کیا کہیں تو آپ نے جواب دیا۔ آیت ۱۳۶/۲۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا۔ کہو' اللہ تعالیٰ پر ہم ایمان لائے ہیں اور اُن چیزوں پر جو ہم پر نازل ہوئیں۔ حسن بصریؒ سے پوچھا گیا اَمُؤمِنٌ اَنْتَ کیا آپ مومن ہیں تو آپ نے جواب دیا اِنْشَاءَ اللہُ۔ آپ سے استثناء کے الفاظ کے استعمال کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے جواب دیا' میں ڈرتا ہوں کہ میں ہاں کہہ دوں اور اللہ سبحانہٗ کہے کہ حسن تونے جھوٹ کہا اور یہ بات مجھ پر قائم ہوجائے۔ ابراہیم بن ادھم کہتے ہیں کہ اگر کسی نے تم سے سوال کیا' کیا تم مومن ہو تو جواب میں کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ استثناء کے چار وجوہ ہیں۔

جزم کے الفاظ کے استعمال سے اسلئے احتراز کیا گیا کہ کہیں اس سے تزکیۂ نفس کی ادعاء مراد نہ لیجائے۔ ایک حکیم سے کسی نے سوال کیا صدقِ قبیح کیا ہے تو انھوں نے جواب دیا' ثَنَاءُ الْمَرْءِ عَلٰی نَفْسِہٖ' انسان کا اپنی آپ تعریف کرنا

**استقامتِ ایمان** ۔ ۱۲/۱ ۔ فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ ۔ پس تو سیدھا چلا جا (قائم رہ) جیسا تجھ کو حکم دیا گیا ۔ حدیث قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ۔ کہو خدا پر ایمان لایا اور قائم بھی رہونگا ۔

**کُفر** ۔ رسول کے لائے ہوئے ضروری امور سے انکار کو کفر کہتے ہیں ۔ اس اصول پر اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ ٹھہرائے بغیر کسی منفصل دلیل کے ۔ اس بارے میں منقول اور معقول دو وجوہ ہیں نقلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ ۔ جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ کھایا اور نماز میں ہمارے قبلہ کی طرف توجہ کیا وہ مسلم ہے اور وہ اللہ اور اسکے رسول کی حفاظت میں ہے پس عہد شکنی مت کرو اللہ کی اسکے ذمہ میں ۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر ان مسائل کا علم ایمان کی صحت کیلئے شرط ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے ایمان کی نسبت اسوقت تک کوئی حکم نہ لگاتے جبتک کہ اس سے دریافت نہ فرمالیتے ۔ جب آپ کا عمل ایسا نہ تھا تو معلوم ہوا کہ اسلام اس پر موقوف نہیں ہے ۔ **مجسّمہ** کا اعتقاد یہ ہے کہ جو چیز متحیز نہیں ہے اور جسکی جہت نہیں ہے وہ موجود ہی نہیں ہے ۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ہر ایک متحیز چیز حادث ہے اور اسکا پیدا کرنیوالا موجود ہے جو متحیز نہیں ہے اور جسکی جہت نہیں ہے ۔ پس چونکہ مجسمہ نے اس شئی کی ذات ہی کی نفی کی جو باعث آفرینش ہے تو ان کو کُفار میں شامل کیا جائے گا ۔

**توبہ** ۔ اَلدین میں فخر رازی لکھتے ہیں کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے قبل انسان کے دل میں اسکے کرنے یا نہ کرنیکا اعتقاد پیدا ہوتا ہے اگر وہ کام سود مند نظر آتا ہے تو اسکی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور اگر وہ کام مضرت رساں معلوم ہوتا ہے تو اسکے ترک کی طرف مائل ہوتا ہے اور اسکو ترک کرتا ہے ۔ توبہ بھی اسی طرح ہے ۔ اگر یہ اعتقاد پیدا ہو کہ معصیت کا ارتکاب ضررِ عظیم کا موجب ہے تو اس اعتقاد کے پیدا ہونے پر اسکے دل میں اس فعل سے نفرت پیدا ہوتی ہے ۔ یہ نفرت بِن امور کی مقتضی ہے ۔ ندامت اس بارے میں کہ اس سے زمانۂ ماضی میں معصیت کا صدور ہوا ۔ اس کے ساتھ ہی زمانۂ حال میں اس نے معصیت کو ترک کیا اور پھر زمانۂ استقبال میں اسکے ترک کرنے پر قائم رہنے کا عزم بالجزم کیا ۔ توبہ کی حقیقت یہی ہے

**وجوبِ توبہ** ۔ بندہ پر توبہ واجب ہے ۔ آیت ۲۸/۱ ۔ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۔ توبہ کرو اللہ کیطرف صاف دل کی توبہ ۔

**قبولِ توبہ** ۔ ایسی توبہ مقبول بھی ہے ۔ آیت ۲۵/۴ ۔ ۲ ۔ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ۔ وہی قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی توبہ ۔ اسکے ساتھ ہی اہلِ سنّت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ توبہ کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے ۔ وہ حاکمِ حقیقی ہے اس پر بتعلق ممکنات کوئی چیز واجب نہیں ہے ۔ **معتزلہ** کہتے ہیں کہ توبہ کا قبول کرنا اللہ تعالےٰ پر عقلاً واجب ہے ۔ غلبۂ آراء اس جانب ہے کہ بعض معاصی کو جاری رکھتے ہوئے اور اس پر اصرار کرتے ہوئے بعض دیگر معاصی کی نسبت توبہ صحیح ہوسکتی ہے کسی یہودی نے ایک دانہ غلّہ غصب کیا اور یہودیت سے تائب ہوا اور غصب کو قائم رکھا تو اجماع اس پر ہے کہ اسکی توبہ صحیح ہے ۔ ابو ہاشم **جُبّائی** کہتے ہیں کہ یہ توبہ صحیح نہیں ہے ۔ ایک چیز سے، اسکی قباحت کی بناء پر توبہ کی، تو اس پر

لہ رازی الدین

کئے اور انکو حسنات بادیکیا اور وہ سیئات کے بیڑے میں تھے۔ اس سے صرف صدیقین بچے ہیں۔
شک کی طرف استناد کرے گر خاتمہ کے خوف سے۔ کوئی شخص نہیں جان سکتا کہ موت کے وقت ایمان قائم رہیگا یا نہیں
آیت ۲۶ ۴۔ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ای بِالْسَّابقۃ یعنی اظہر تھا۔ آئی بیہوشی موت کی سچی باتیں ظاہر
ہوئیں۔ آیت ۵۔ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا۔ تمھارے رب کی بات پوری ہوئی صدق کے ساتھ اس
شخص کے حق میں جو ایمان پر مرا اور عدل کے ساتھ اس شخص کے حق میں جو شرک پر مرا۔ آیت ۱۲ ۳۔ وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ
الْأُمُوْرِ۔ سب باتوں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ امام غزالیؒ جو ائمہ شوافع سے ہیں کہتے ہیں کہ ان حالات میں
جبکہ قبول میں شک کی گنجایش ہے تو انشاء اللہ کے الفاظ سے استثناء کرنا واجب ہے۔
**فخر رازی** لکھتے ہیں کہ یہ شک زمانۂ حال کی نسبت نہیں ہے بلکہ عاقبت کی نسبت ہے۔ اسلئے کہ وہی ایمان سودمند ہے
جو موت کے وقت باقی اور قائم رہے۔ اس بارے میں ہر مومن کو شک ہو سکتا ہے۔ ہم ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان کی
حالت پر باقی اور قائم رکھے اور دم واپسیں کلمۂ توحید نصیب کرے۔

**سعادت** اور **شقاوت** ازل میں مقدر ہوئے ہیں۔ سعادت سے ایسی موت مراد ہے جو ایمان پر واقع ہوئی ہو ازل
میں اللہ تعالیٰ کے علم کے لحاظ سے اور شقاوت ایسی موت ہے جو کفر پر واقع ہوئی ہو اسی اعتبار سے۔ خاتمہ دلالت کرتا
ہے سابقہ پر۔ اگر ایمان پر ختم ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ ازل میں سعداء میں سے تھا اگرچہ اس سے قبل اس سے کفر واقع ہوا ہو اور
اگر کفر پر خاتمہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ازل میں اشقیاء میں سے تھا اگرچہ اس سے قبل اس سے ایمان وقوع میں آیا تھا۔ گویا کہ
سعادت اور شقاوت کی صفات کا تعلق زمانۂ حال کی صفاتِ ایمان اور کفر سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے
لحاظ سے ہے۔ حدیث صحیح۔ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ
فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى
مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا۔ تم میں سے جس کسی نے اہل دوزخ کا
عمل اس حد تک کیا کہ اسکے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فصل رہگیا تھا کہ کتاب یعنی اسکی تقدیر کے لکھے نے سبقت کی اور اس نے اہل جنت کا
عمل کیا پھر جنت میں داخل ہوا اور جو کوئی اہل جنت کا عمل کیا یہانتک کہ اسکے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فصل رہگیا اور کتاب یعنی اسکی تقدیر کے
لکھے نے سبقت کی اور اس نے اہل دوزخ کا عمل کیا اور دوزخ میں داخل ہوا۔ عوام خاتمہ کا خوف کرتے ہیں اور خواص سابقہ کا۔ یہ اشاعرہ کا مذہب ہے۔
ماتریدیہ کا قول ہے کہ سعادت فی الحال ایمان کو اور شقاوت فی الحال کفر کو کہتے ہیں۔ فی الحال مومن سعید ہے اور اگر وہ کفر پر مرا تو گویا سعید ہونیکے بعد
شقی ہوا۔ فی الحال کافر شقی ہے اور اگر وہ ایمان پر مرا تو گویا شقی ہونیکے بعد سعید ہوا۔ اسکا نتیجہ یہ کہ انا مومن انشاء اللہ کہنا اشاعرہ کے قول
کے لحاظ سے صحیح ہے اور ماتریدیہ کے قول کے لحاظ سے غلط ہے۔ اپنے ایمان کی نسبت شک کرتے ہوئے انشاء اللہ کا کہنا ممنوع ہے اور اسپر اجماع ہے مگر محض
تبرک کا انشاء اللہ کہنا جائز ہے یہ امام شافعیؒ کا قول ہے اور امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے اس سے بھی منع کیا ہے اور امام مالکؒ کے بعض پیرؤں نے اس کو
واجب قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں لفظ سعادت اور لفظ شقاوت کے مفہوم میں اختلاف ہے لیکن دونو احکام میں اتفاق کرتے
ہیں۔ توضیح التوحید کے حاشیہ نمبر ۱ سے اسکو اخذ کیا گیا ہے۔

**خطابِ وضع**' اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو من حیث الوضع آدمی کے فعل سے تعلق رکھتا ہے۔ خطاب وضع کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام جو کسی چیز کے سببؔ' شرطؔ' مانعؔ' صحیحؔ یا فاسدؔ ہونے کی نسبت ہے۔ وضعی پانچوں صورتیں تکلیفی پانچوں قسموں میں پائی جاتی ہیں۔ اس طرح جملہ اقسام پچیسؔ ہوئیں۔ انبابی نے اپنے حاشیہ میں بیع کے مسائل سے ان جملہ اشکال کی توضیح کی ہے اور تفہیم مطلب کیلئے مؤلف نے ضروری اضافہ کیا ہے۔

**وجوبِ بیع**۔ بیع کے واجب ہونیکے لئے مشتری کا اضطرار سببؔ ہے۔ زید فاقہ سے اضطراری حالت میں ہے اور عمرو کے قبضہ میں غذائی چیز اُسکی اضطراری غذا کی مقدار سے زیادہ ہے تو عمرو پر واجب ہے کہ اُس زاید معدار کو زید کے ہاتھ بیچ دے۔ وجوب بیع کیلئے تکلیف شرطؔ ہے۔ شرط یہ ہے کہ بایع مکلف ہو۔ بایع مکلف نہ ہو تو بیع واجبؔ ہوگی وجوب بیع کا مانعؔ بایع کا اضطرار ہے۔ بایع خود اضطراری حالت میں ہو تو بایع پر اُس غذا کا بیع کرنا واجب نہیں ہے۔ بیعؔ کی صحتؔ کیلئے بیع کی شرائط کی تکمیل ہے۔ معاہدۂ بیع کیلئے جو شرائط مقرر ہیں وہ پائے جائیں تو بیع صحیح طور پر منعقد ہوگی۔ بیع کا فسادؔ۔ بیع کے شرائط کی تکمیل نہ ہو تو بیع فاسد ہوگی' واجب نہ ہوگی۔

**ندبِ بیع**۔ بیع کے مندوب ہونیکے لئے' کسی مخصوص احتیاج کا سببؔ۔ بیع کے مندوب ہونیکے لئے تکلیف شرطؔ ہے۔ بیع کا مانعؔ' بایع کا اضطرار۔ بیع کی صحتؔ کیلئے شرائط بیع کی تکمیل۔ بیعؔ کا فساد یہ ہے کہ بیع کی شرائط کی تکمیل نہ ہو۔

**تحریمِ بیع** جمعہ کی اذاں کے بعد بیع حرام ہے۔ یہاں اذاں سے مراد خطبۂ جمعہ کی اذاں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ہوتی ہے۔ تحریم بیع کی شرطؔ تکلیف ہے۔ تحریم بیع کا مانعؔ مشتری کا اضطرار یا بایع اور مشتری دونو' اعذار جمعہ میں سے کوئی عذر رکھتے ہوں۔ بیع کی صحتؔ' شرائط بیع کی تکمیل ہے۔ بیع کا فسادؔ شرائط کی عدم تکمیل ہے۔

**کراہتِ بیع**۔ بیع مکروہ ہے اس شخص کیلئے جو مُردوں کے کفن کی تجارت کرتا ہے۔ اُس کا سببؔ اموات کی کثرت کی تمنا ہے۔ بیع کی شرطؔ تکلیف ہے۔ بیع کا مانعؔ اضطرار ہے۔ بیع کی صحتؔ شرایط بیع کی تکمیل ہے۔ بیع کا فسادؔ عدم تکمیل شرائط۔

**اباحتِ بیع**۔ اباحتِ بیع کا سببؔ عام احتیاج ہے۔ اُس کی شرطؔ تکلیف ہے۔ اُس کا مانعؔ جمعہ کی اذاں کا وقت ہے۔ صحتؔ و فسادؔ کی صورتیں وہی ہیں جو اوپر بیان کی گئیں۔ اِسکا نتیجہ یہ کہ سبب' شرط اور مانع کا تعلق' نفسِ تکلیف سے ہے اور صحت اور فساد کا تعلق اُسکے متعلقات سے ہے۔

**حکمِ عقلی** کی تین قسمیں ہیں۔ واجبؔ' مستحیلؔ اور جائزؔ۔ حکم عقلی کی تقسیم کے ضمن میں ایک منطقی بحث پیدا ہوتی ہے۔ اس کو حذف کیا جا سکتا تھا مگر خاص اصحاب کیلئے اسکی توضیح مناسب تصور کیگئی۔

حصر کی تین قسمیں ہیں۔ کُلی کا حصرؔ اُسکی جزئیات میں' کُل کا حصرؔ اُسکے اجزاء میں اور حصرؔ عدم خروج کے معنی میں۔ کُلی کا حصر اُسکی جزئیات میں۔ اسکا ضابطہ یہ ہے کہ مقسم کی خبر دینے سے اُسکی جملہ قسموں کی خبر دینا صحیح ہو سکے۔ جیسا کہ کلمہ منحصر ہے اسم' فعل اور حرف پر۔ اسم فعل اور حرف ہر ایک کو کلمہ کہہ سکتے ہیں۔ کُل کا حصر اسکے اجزاء میں۔ اسکا ضابطہ یہ ہے کہ

واجب ہے کہ جلد دیگر قباحتوں سے بھی توبہ کرے۔ اگر اس ایک چیز سے توبہ قباحت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور غرض سے کی تو اس کی توبہ ہی صحیح نہیں ہے۔

**دعاء کرنیکا حکم** ہے دعاء قضاء کو تبدیل کردیتی ہے۔ حاکم نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اَکْثِرُوْا مِنَ الدُّعَاءِ فَاِنَّ الدُّعَاءَ یَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ۔ کنز۔ کثرت سے دعاء کرتے رہو۔ دعاء قضاء مبرم کو بھی رد کرتی ہے۔ آیت ۱۳/۱۲ ۲ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ۔ مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور (باقی) رکھتا ہے۔

---

# حُکم

**حکم** کی تین قسمیں ہیں۔ عقلی، عادی اور شرعی۔

**عقلی** حکم ایک امر کو دوسرے امر کیلئے ثابت کرتا ہے یا اسکی نفی کرتا ہے اور موقوف نہیں ہوتا تکرار پر یا واضع کے وضع کرنے پر حکم عقلی کی پھر تین قسمیں ہیں، واجب مستحیل اور جائز جسکی تفصیل آگے بیان کیجائیگی۔

**عادی** حکم وہ ہے جو ایک امر کو دوسرے امر کیلئے ثابت کرتا ہے یا نفی کرتا ہے تکرار کے ذریعہ۔ حکم عادی کی پھر چار قسمیں ہیں۔ ایک وجود کا ربط دوسرے وجود کے ساتھ جیسا کہ کھانا کھانے کے وجود کے ساتھ شکم سیری کا وجود۔ ایک عدم کا ربط دوسرے عدم کے ساتھ جیسا کہ کھانا نہ کھانے کے ساتھ شکم سیری نہ ہونے کا ربط۔ ایک کے عدم کے ساتھ دوسرے کے وجود کا ربط جیسا کہ عدم ستر (برہنگی) کے ساتھ ٹھنڈک کا ربط۔ ایک کے وجود کے ساتھ دوسرے کے عدم کا ربط جیسا کہ پانی کے وجود کے ساتھ عدم احراق (نہ جلنے) کا ربط

**شرعی حکم**، اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو آدمی کے فعل سے تعلق رکھتا ہے۔ شرعی حکم کی دو قسمیں ہیں۔ خطاب تکلیف اور خطاب وضع

**خطابِ تکلیف**، اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو من حیث التکلیف آدمی کے فعل سے تعلق رکھتا ہے۔ خطاب تکلیف کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایجاب، ندب، تحریم، کراہت اور اباحت۔

**ایجاب** اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جس میں کسی کام کے کرنیکے لئے قطعی طور پر حکم دیا گیا۔

**ندب** اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جس میں کسی کام کے کرنیکے لئے غیر قطعی طور پر حکم دیا گیا۔

**تحریم**، اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جس میں کسی فعل کے ترک کرنیکے لئے قطعی طور پر حکم دیا گیا۔

**کراہت**، اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جس میں کسی فعل کے ترک کرنیکے لئے غیر قطعی طور پر حکم دیا گیا، اگرچہ کہ اس میں خفیف کراہت ہو۔

**اباحت**، اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جس میں کسی فعل کے کرنے اور اسکے ترک کرنیکے درمیان اختیار دیا گیا۔

استدلال کا محتاج نہیں ہے جیسا کہ جرم (باڈی) کیلئے تحیّز (خلاء) واجب ہے اس معنی میں کہ جرم خلاءِ موہوم کی کوئی نہ کوئی مقدار پکڑیگا۔ خلاء کے وجود کو اسلئے موہوم کہا گیا ہے کہ خلاء کا وجود ہی نہیں ہے تمام عالم ہوا سے بھرا ہوا ہے۔ **واجبِ نظری** وہ امر ہے جو غور و فکر اور استدلال کا محتاج ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور دوسرے سارے مباحث جو اس فن میں مذکور ہیں۔ ضروریات، بدیہیات اور نظریات کی تفصیل صفحہ ۹ پر ملاحظہ ہو۔ یہ سوال کہ جرم پہلے معدوم تھا اور آئندہ بھی معدوم ہوگا تو اسکا تحیّز کیونکر واجب ہوسکتا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جرم کے وجود کی حالت میں اسکا تحیّز واجب ہے جسکو **واجبِ مقیّد** کہتے ہیں ورنہ **واجبِ مطلق** اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات ہیں۔ ممکن کا وجود بذاتہٖ ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کے تعلق کے لحاظ سے واجب ہے۔ یہی امور ضروری و نظری، مطلق اور مقیّد اور مستحیل میں بھی جاری ہیں۔ مستحیلِ ذاتی مطلق کی مثال شریکِ باری ہے۔ مستحیلِ ذاتی مقیّد کی مثال جرم کا عدمِ تحیّز۔ مستحیلِ عرضی کی مثال یہ ہے کہ کسی شئِ ممکن کا وجود ایک خاص زمانہ میں ہو اور اسکا عدم اللہ تعالیٰ کے علم میں ہو۔

**مستحیل** وہ ہے جو وجود کو قبول نہ کرے۔ امتناعِ وجود کو **استحالہ** کہتے ہیں اور مستحیل کے معنی محال کے ہیں۔ مستحیل ایسی چیز کو کہیں گے جسکا وجود میں آنا ممکن نہ ہو۔ متن میں تعریف کیگئی تھی "مستحیل وہ ہے جس کے وجود کا تصور عقل نہ کرسکے"۔ لیکن عقل کی قید لگانے سے پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ بعض عقول بعض مستحیلات کے وجود کو تسلیم کرتی ہیں، اسلئے مستحیل کی تعریف کے الفاظ میں تبدیل کیگئی۔ مستحیل کی بھی دو قسمیں ہیں۔ مستحیل ضروری اور مستحیلِ نظری۔ مستحیلِ ضروری کی مثال جرم کا حرکت و سکون دونوں سے وقتِ واحد میں خالی ہونا محال ہے اور اسکے سمجھنے کیلئے کسی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ مستحیلِ نظری کی مثال شریکِ باری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نتیجہ کو پہنچنے کیلئے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ تعریف کی عبارت میں وجود کے لفظ سے مراد مطلق ثبوت ہے۔

**جائز یا ممکن** وہ ہے جو وجود اور عدم دونوں کو انفراداً قبول کرے۔ یعنی کسی وقت ثبوت کو قبول کرے اور دوسرے وقت نفی کو قبول کرے۔ البتہ وقتِ واحد میں ثبوت اور نفی دونوں کا اجتماع نہیں ہوسکتا۔ جائز اور ممکن معنی میں مترادف ہیں۔ جائز کی تعریف میں جائزِ ضروری اور جائزِ نظری دونوں داخل ہیں۔ جائزِ ضروری کی مثال جرم کی حرکت یا سکون سے اور جائزِ نظری کی مثال مُطیع کی تعذیب اور عاصی کی اِثابت ہے۔ مُطیع کی تعذیب بروئے شرع محال اور بروئے عقل جائز ہے۔ اسی طرح عاصی کی اِثابت بروئے شرع محال اور بروئے عقل جائز ہے اگرچہ عاصی کا عصیان کفر تک پہنچے۔ اگر عصیان کفر تک نہ پہنچے تو شرعاً بھی جائز ہے جس طرح عقلاً جائز ہے۔ اگر اللہ سبحانہ جنت پر کفر کی علامت اور دوزخ پر ایمان کی علامت قائم کرے تو اس میں کسی کو اعتراض کی مجال نہیں۔ آیت نمبر ۱۰۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ۔ اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے، انکے پسند پر موقوف نہیں یعنی مخلوق کی پسند کو دخل نہیں۔ یہ دونوں امور نظری اسلئے ہیں کہ وحدانیت کی دلیل پر غور کرنے سے برآمد ہوتے ہیں۔ جملہ افعال اللہ تعالیٰ کے خلق

حکم

مقسم کی تحلیل ہو سکے اسکے اقسام میں جیسا کہ حصیر کا حصر ہے تیلیوں اور ڈوری میں۔ حصیر کی تحلیل ان دو میں ہو سکتی ہے۔ حصر عدم خروج کے معنی میں جیسا کہ کوئی کہے کہ امیر کا حکم منحصر ہے شہر میں اس معنی میں کہ امیر کا حکم شہر سے باہر نہیں چلتا حکم عقلی کی تقسیم پہلی قسم سے اسلئے نہیں ہے کہ مقسم کے اخبار سے جملہ اقسام میں سے ہر ایک قسم کی اخبار صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ یہ نہیں کہا جاتا کہ وجوب حکم عقلی ہے، استحالہ حکم عقلی ہے اور جواز حکم عقلی ہے۔ اسلئے کہ حکم عقلی اثبات ہے ایک امر کا دوسرے امر کیلئے یا اسکی نفی ہے۔ اس میں سے کوئی چیز واجب نہیں ہے اور نہ مستحیل اور نہ جائز۔ ایسی صورت میں ان میں سے ہر ایک سے خبر دینا صحیح نہ ہوگا۔ حکم عقلی کی تقسیم دوسری قسم سے بھی نہیں ہے۔ اسلئے کہ مقسم اپنے اقسام میں تقسیم نہیں ہوتا ہے۔ وجوب، استحالہ اور جواز حکم عقلی کے اجزا نہیں ہیں تو حکم عقلی کی ان اقسام میں تحلیل کیسے ہو سکتی ہے۔ جب حصر کی یہ دونوں قسمیں نہیں ہو سکتیں تو پھر آخری اور تیسری قسم سے ہے۔ اسکے معنی یہ ہونگے کہ حکم عقلی تین قسموں کے باہر نہیں ہے بعضوں نے کوشش کی، ایسے وجوہ کی بنا پر جن میں سے بعض بعید ہیں اور بعض غیر سدید۔ لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ مضاف کو مقدر تصور کیا جائے جیسا کہ اثباتِ وجوب، اثبات استحالہ اور اثباتِ جواز۔ ایسی صورت میں حکم عقلی کی تقسیم پہلی قسم سے ہو سکتی ہے اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ اثباتِ وجوب حکم عقلی ہے۔

---

**واجب** وہ ہے جو عدم کو قبول نہ کرے۔ علم توحید میں، وجوب کا لفظ مطلق طور پر استعمال کیا جائے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ واجب وہ ہے جو عدم کو قبول نہ کرے لیکن اگر یوں کہا جائے کہ مکلف پر فلاں بات واجب ہے تو اس جگہ وجوب کا استعمال عام اور مشہور معنی میں ہے اور یہاں وجوب سے مراد وہ امر ہے جس کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں عذاب ہے۔ فلاں بات اللہ تعالیٰ کے حق میں واجب ہے اور فلاں بات مکلف پر واجب ہے کہا جائے تو ان دونوں جملوں میں وجوب کے مفہوم میں بڑا فرق ہے۔ شیخ سنوسی نے اپنے متن میں واجب کی تعریف یوں کی تھی "واجب وہ ہے جس کے عدم کا تصور عقل نہ کر سکے" بیجوری کی رائے یہ ہے کہ عقل کی قید لگانے سے پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ بعض عقول ایسی بھی ہو سکتی ہیں جو امورِ واجب کے عدم کا بھی تصور کریں جیسا کہ معتزلہ کی عقول۔ معتزلہ قدرت اور دوسری صفاتِ معانی کے عدم کا تصور کرتے ہیں۔ واجب فی نفسہ واجب ہے کسی کی عقل تسلیم کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح مستحیل اور جائز۔ اس لئے ان تینوں الفاظ کی تعریف کو عقل سے متعلق نہ کرنا بہتر ہے۔ چنانچہ مولف نے متن سے عقل کی نسبت حذف کیا۔ دوسرے الفاظ میں بھی تعریف ہو سکتی ہے۔ واجب وہ ہے جو عدم کو قبول نہ کرے۔ مستحیل وہ ہے جو ثبوت کو قبول نہ کرے۔ [illegible] قبول کرے۔ فخر رازی نے واجب لذاتہ کی تعریف [illegible] ہو سکتی۔ واجب لذاتہ کی [illegible] کے سوا نہیں ہو سکتا۔ واجب کا وجوب اسکی ذات کے سوا نہیں ہو سکتا۔ واجب الذات [illegible] واجب بالذات پر عدم طاری نہیں ہو سکتا

**اقسامِ واجب** ۔ واجب کی دو قسمیں ہیں۔ واجب ضروری اور واجب نظری واجب ضروری وہ امر ہے جو غور و

هٰذَا الحَدِیْثُ وَمَنْ یَقُوْلُ بِضُعْفِہٖ — فَھُوَ الضَّعِیْفُ عَنِ الحَقِیْقَۃِ عَارِی

یہ حدیث ہے اور جو شخص اسکو ضعیف کہتا ہے — وہ خود ضعیف ہے اور حقیقت سے عاری

**اجداد۔** یہ امر آپ کے والدین تک محدود نہیں بلکہ آپ کے اجداد از قسم ذکور و اُناث جو آپ کے اوپر راست سلسلۂ نسب میں واقع ہوئے ہیں ان سب تک پہنچتا ہے اور یہ سب کے سب ناجی ہیں۔ ان سب کا ایمان محکوم ہے۔ ان میں کُفر، رجس اور عیب کا شائبہ نہیں ہے۔ اسکی تائید نقلی دلائل سے ہوتی ہے۔ آیت $\frac{19}{15}$ ۲۸۔ تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ آپ نسلاً بعد نسل سجدہ کرنے والوں میں منتقل ہوتے آئے ہیں۔ حدیث۔ لَمْ اَزَلْ اَنْتَقِلُ مِنَ الْاَصْلَابِ الطَّاهِرَاتِ اِلَى الْاَرْحَامِ الزَّاكِيَاتِ۔ میں ہمیشہ پاک صُلبوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔ یہ اور ایسے دوسرے احادیث تواتر کے درجہ کو پہنچی ہیں۔ ممکن ہے کہ آذر کے تعلق سے اعتراض کیا جائے کہ آذر صریحاً کافر تھے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ آذر ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے باپ نہیں تھے بلکہ چچا تھے۔ عام دستور اور عادت کے لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام آذر کو باپ کہکر پکارتے تھے۔

**علم و معرفت۔** اسکے پہلے صفحہ (۹۳) پر علم کی تفصیلی بحث قلمبند ہو چکی ہے۔ یہاں صرف متن کے لفظ جاننے سے بحث ہے جاننے سے مراد یقینی طور پر، دلیل کے ذریعہ، واقعہ کے مطابق جاننے کے ہیں۔ یقین ایسے علم کو کہتے ہیں جو واقعہ کے مطابق ہو اور اس میں شک و شبہ کی گنجایش نہ ہو۔ علم و معرفت دونو مترادف الفاظ ہیں۔

**اِدراک** کی چار قسمیں ہیں۔ یقین، ظن، وہم اور شک۔ دلیل کے ذریعہ واقع کے مطابق جاننے کو **یقین** کہتے ہیں۔ طرفِ راجح کے ادراک کو **ظن** (گمان)، طرفِ مرجوح کے ادراک کو **وہم** اور طرفین کے مساویانہ ادراک کو **شک** کہتے ہیں یقین کی قید کی وجہ سے گمان، وہم اور شک خارج ہوجاتے ہیں۔ واقع کے مطابق کی قید سے نصاریٰ کا ایمان تثلیث (تری نیٹی) کی نسبت خارج ہوتا ہے۔ دلیل کی قید سے تقلید خارج ہوتی ہے۔ اس طرح جملہ پانچ شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ گمان، وہم، شک، غیر مطابق واقع اور تقلید۔ انکے ذریعہ معرفت اور علم حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص دین کے عقائد کی نسبت گمان، وہم، شک اور یقینِ خلافِ واقع کی صفات میں سے کسی ایک صفت سے متصف ہو تو اتفاق یہ ہے کہ کافر ہے اگر صفتِ تقلیدی سے متصف ہو تو کہا گیا ہے کہ وہ مطلق کافر ہے، بعض نے کہا ہے کہ وہ مومن عاصی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ مومن غیر عاصی ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ اگر وہ ہدایت حاصل کرسکتا تھا اور نہیں کیا تو وہ مومنِ عاصی ہے اور اگر ہدایت حاصل ہی نہیں کرسکتا تھا تو وہ مومنِ غیر عاصی ہے۔ یہ اختلاف نظریہ کے اختلاف پر مبنی ہے بعض کا قول ہے کہ مطلق اصول کا جاننا واجب ہے، بعض کا قول ہے کہ فروع کا بھی جاننا واجب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ فروع کا جاننا مندوب ہے راجح قول یہ ہے کہ فروع کا جاننا ممکن ہو تو واجب ہے ورنہ نہیں۔

---

**تقلید۔** دلیل سے واقف ہوئے بغیر دوسرے شخص کے قول پر اعتقاد کرنے کو تقلید کہتے ہیں۔ قول کا لفظ فعل اور تقریر دونو پر شامل ہے۔ دلیل سے واقف ہوئے بغیر کی شرط سے تلامذہ (طلبار) خارج ہوتے ہیں اساتذہ سے دلائل کے سمجھنے

**تکلیف**

رسول - اسکے علاوہ، یہ ممکن ہے کہ حدیثِ بالا کسی خاص امر کی بناء پر تعذیب کی طرف اشارہ کرتی ہو جسکو اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول بہتر جانتے ہیں۔ دوسرے قول کا نتیجہ یہ کہ اہلِ فترت نجات پائیں گے اگرچہ کہ تحریف اور تبدیل کریں سابقہ شریعتوں کی اور پرستش کریں بُتوں کی۔ پہلے قول کے لحاظ سے وہ لوگ جنکو دعوت پہنچی اور تحریف و تبدیل کی تو وہ اہلِ فترت نہ ہونگے اور دوزخ میں جائیں گے۔ جن لوگوں کو دعوت نہیں پہنچی انکی تعذیب کی نسبت صرف بعض ماتریدیہ اور معتزلہ کا قول ہے۔

**اہلِ فترت** - فترۃ کے معنی درمیانی فصل کے ہیں اور اہلِ فترۃ سے وہ لوگ مراد ہیں جو دو پیغمبروں کی بعثت کے درمیانی زمانہ میں واقع ہوں۔ انکو اہلِ فترۃ اسلئے کہا گیا کہ وہ بغیر پیغمبر کے چھوڑ دئے گئے تھے۔ صحیح قول یہ ہے کہ قدماءِ عرب جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں گزرے اہلِ فترت تھے۔ اسلئے کہ عیسیٰ علیہ السلام انکے لئے نہیں بھیجے گئے بلکہ قومِ بنی اسرائیل کیلئے بھیجے گئے تھے۔ قومِ عرب کیلئے اسمٰعیل علیہ الصلاۃ والسلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے کوئی دوسرا پیغمبر نہیں بھیجا گیا۔ اسمٰعیل علیہ الصلاۃ والسلام کے انتقال کے بعد سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک جمیع قومِ عرب اہلِ فترت تھی۔

**آبائے محمد** صلی اللہ علیہ وسلم - اس سے نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین اہلِ فترت سے تھے اور نجات پائیں گے۔ عروہؓ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور آپکے والدین زندہ کیے گئے اور وہ آپ پر ایمان لائے اور پھر فوت ہوئے۔ سہیلی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اپنے برگزیدہ محبوب پیغمبر پر ایسی نوازشیں مبذول کرے بعید از قیاس نہیں ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

حَبَا اللّٰهُ النَّبِیَّ مَزِیْدَ فَضْلٍ ... عَلٰی فَضْلٍ وَکَانَ بِهٖ رَؤُفًا

اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو فضیلت دی ... فضیلت پر اور وہ آپ پر مہرباں تھا

فَاَحْیَا اُمَّهٗ وَکَذَا اَبَاهُ ... لِاِیْمَانٍ بِهٖ فَضْلًا مُنِیْفًا

آپ کے والدین کو زندہ کیا ... تاکہ آپ پر ایمان لائیں مزید مہربانی کے طور پر

فَسَلِّمْ فَالْقَدِیْمُ بِذَا قَدِیْرٌ ... وَاِنْ کَانَ الْحَدِیْثُ بِهٖ ضَعِیْفًا

پس تسلیم کرو کہ خدائے قدیم اس پر قادر ہے ... اگرچہ کہ یہ حدیث ضعیف تصور کیگئی ہے

بعض اہلِ حقیقت نے غالباً اس حدیث کی کشف کے ذریعہ تصدیق کروائی۔ چنانچہ شاعر نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

اَیْقَنْتُ اَنَّ اَبَا النَّبِیِّ وَاُمَّهٗ ... اَحْیَاهُمَا الرَّبُّ الْکَرِیْمُ الْبَارِیْ

میں یقین کرتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو ... پروردگار کریم نے زندہ کیا

حَتّٰی لَهٗ شَهِدَا بِصِدْقِ رِسَالَتِهٖ ... صِدْقٌ فَتِلْکَ کَرَامَةُ الْمُخْتَارِ

انھوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی ... یہ سچ ہے اور یہ خدائے مختار کی کرامت ہے

معرفت سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت اور اسکی اُلوہیّت کے سارے احکام کی معرفت مراد ہے۔ اللہ تعالےٰ کی ذات کی معرفت اور اسکی حقیقت کی کُنہ کی معرفت مراد نہیں ہے۔ اسلئے کہ اسکی ذات کو اور اسکی حقیقت کی کُنہ کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوسرا جان ہی نہیں سکتا۔ حدیث۔ تَفَكَّرُوْا فِي الْخَلْقِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي الْخَالِقِ فَاِنَّهٗ لَا يُحِيْطُ بِهٖ الْفِكْرَةُ۔ مخلوق کے بارے میں غور وفکر کرو، خالق کے بارے میں غور وفکر نہ کرو۔ خالق کو کوئی فکر گھیر نہیں سکتی حدیث۔ اِنَّ اللّٰهَ احْتَجَبَ عَنِ الْبَصَائِرِ كَمَا احْتَجَبَ عَنِ الْاَبْصَارِ۔ اللہ تعالیٰ جس طرح ہماری بصارت سے چھپا ہوا ہے اُسی طرح ہماری بصیرت سے بھی چھپا ہوا ہے۔ مختصر یہ کہ لَا يَعْرِفُ اللّٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ فَتَرْكُ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ وَالْبَحْثُ عَنْ ذَاتِ اللّٰهِ اِشْرَاكٌ۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے آپ کو پہچان سکتا ہے۔ پس ادراک کو ترک کرنا عین ادراک ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے بحث کرنا شرک ہے۔

**اوّلِ واجبات**۔ یوں تو بہت سے امور ہیں جنکا جاننا واجب ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ جملہ واجبات میں سے کس واجب کا درجہ پہلے ہے اور کس کا بعد۔ اس بارے میں بارہ[12] اقوال ہیں۔

معرفت[1] سب سے پہلی واجب چیز ہے۔ فنِ کلام کے امام، اشعری کا یہ قول ہے۔

نظر موصل[2] الی المعرفت۔ وہ نظر جو معرفت کی طرف رہنمائی کرے۔ یہ قول ابو اسحٰق اسفرائنی کا ہے اور اشعری کی طرف بھی منسوب ہے۔

اوّلِ[3] نظر یعنی نظر کا پہلا مقدمہ جیسا کہ۔ عالم حادث ہے اور ہر حادث کیلئے محدِث (پیدا کرنیوالے) کی ضرورت ہے۔ ان دونو مقدموں کا مجموعہ نظر ہے اور ان میں سے پہلا مقدمہ اوّلِ نظر ہے۔ یہ قاضی باقلانی کا قول ہے۔

قصدِ[4] نظر، نظر کا قصد کرنا یعنی قلب کو دوسرے مشاغل سے فارغ کرنا۔ یہ امام الحرمین کا قول ہے قاضی کیطرف بھی منسوب کیا ہے

تقلید[5]۔ واجبات کے سمجھنے بوجھنے کیلئے بھی وقت درکار ہے۔ اسلئے اوّلینِ واجبات تقلید ہے۔

شہادتین[6] کا زبان سے کہنا اوّلینِ واجبات ہے۔

شک[7]۔ جب تک کسی مسئلہ میں شک نہ پیدا ہوگا، انسان کا ذہن نظر کی طرف مائل نہ ہوگا۔ یہ ابو ہاشم معتزلی کا قول ہے جو فلاسفہ کے نظریۂ شک پر مبنی ہے۔

ایمان[8]، اوّلِ واجبات ہے۔ } یہ دونو اقوال متقارب ہیں اور مردود ہیں اسلئے کہ معرفت کے لئے ایمان اور اسلام دونو کی احتیاج ہے۔
اسلام[9]، اوّلِ واجبات ہے۔ }

اعتقاد[10] نظر کے وجوب پر۔ نظر کے واجب ہونیکا اعتقاد اوّلِ واجبات ہے۔

وظیفۂ[11] وقت، اوّلِ واجبات ہے۔ مثلاً اگر نماز کیلئے وقت تنگ ہو جائے تو نماز کو جملہ امور پر تقدیم حاصل ہے۔

معرفت[12] یا تقلید یعنی دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرے۔

**نظر**۔ حاسۂ بصارت کے ذریعہ کسی چیز کے ادراک کرنے کو نظر کہتے ہیں۔ نظر بمعنی اِبصار ہے۔

لہ جوہرۃ التوحید

کے بعد شیخ سنوسی نے عارف اور مقلد کے درمیان فرق کو سمجھانے کیلئے ایک اچھی مثال دی ہے۔ چند لوگ رویت ہلال کی نسبت غور کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص چاند دیکھنے کیلئے آگے بڑھا تھا کہ اسکو دوسرے نے چاند کے نظر آنے کی خبر دی اگر اس نے چاند کو دیکھے بغیر اس خبر کی تصدیق کی تو وہ مقلد ہے۔ اگر دوسرے شخص نے چاند کے طلوع ہونے کے مقام کی نشاندہی کی اور اس نے چاند کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو وہ مقلد نہیں کہلائیگا۔

**مقلد** کے بارے میں چھ اقوال ہیں۔

۱ تقلید صحیح نہیں ہے۔ اس قول کے لحاظ سے مقلد کافر ہوگا۔ سنوسی نے کبریٰ میں اس قول کی تائید کی ہے۔

۲ تقلید کافی ہے مگر مطلق عصیان کے ساتھ بلا لحاظ اس امر کے کہ اُس شخص میں غور کرنے کی اہلیت تھی یا نہ تھی۔

۳ تقلید کافی ہے عصیان کے ساتھ اگر اس شخص میں غور کرنے کی اہلیت موجود تھی ورنہ نہیں۔

جس نے قرآن اور قطعی سنتوں کی تقلید کی اسکا ایمان صحیح ہے اسلئے کہ اس نے قطعی احکام کی پیروی کی۔ قرآن اور قطعی سنتوں کے سوائے دوسرے امور میں تقلید کی تو اسکا ایمان صحیح نہ ہوگا۔ اسلئے کہ غیر معصوم شخص غلطی سے محفوظ نہیں ہے۔

۵ تقلید کافی ہے مطلق طور پر عصیان کے بغیر اس بناء پر کہ کمال کے حصول کیلئے نظر (غور و فکر) مشروط ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ جس شخص میں نظر (غور و فکر) کی اہلیت ہے اور اُس نے اپنی نظر کو استعمال نہیں کیا تو اس نے اَولویت کے خلاف کیا۔

۶ مقلد کا ایمان صحیح ہے اور نظر (غور و فکر) حرام ہے اور یہ محمول ہے فلسفہ کے اختلاط پر۔

تیسرا قول حق ہے اور صواب یہ ہے کہ یہ خلاف مطلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اسکے رسول کی معرفت دونوں پر یہ قول حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کو پہنچانے والی نظر کے وجوب کی نسبت سب کا اجماع ہے۔ شیخ عبدالسلام نے اسکی تائید کی ہے۔ آمدی بیان کرتے ہیں کہ اصحاب اتفاق کرتے ہیں کہ مقلد کافر نہیں ہے۔ مقلد کے ایمان کے صحیح نہ ہونے کی نسبت ابوہاشم جبائی معتزلی کا قول تنہا ہے ابن حجر نے بعض معتزلہ سے ذکر کیا ہے کہ جبائی نے وجوب معرفت سے اصلاً انکار ہی کر دیا اور کہتا تھا کہ معرفت اصل فطرت سے خود بخود حاصل ہے۔ اس نے اس آیت اور حدیث سے استدلال کیا ہے آیت ۲۱ پ ۳ ۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۔ وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو۔ حدیث۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ ۔ ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ تقلید کے کافی ہونے کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ احکام دنیاوی میں تقلید کافی ہے مناکحت اور امامت کیلئے۔ مقلد کا ذبیحہ حلال ہے مسلمانوں کو اسکی وراثت اور اسکو مسلمانوں کی وراثت کا حق ہے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوگا۔ احکام اُخروی میں بھی اگر وہ دوزخ میں داخل ہوا تو ہمیشہ نہ رہیگا اور اُسکا مآل نجات اور جنت کی طرف ہوگا۔ وہ مومن ہے۔ اگر اُس میں نظر کی اہلیت تھی اور اسکو ترک کیا تو عاصی ہے۔ یہ سارے اختلافات اُس مقلد کی نسبت ہیں جو اپنے تقلیدی اعتقادات میں یقین بالجزم رکھتا ہے۔ اگر کوئی مقلد ایسا ہو جسکو اعتقاد میں یقین بالجزم حاصل نہ ہو اور شک اور ظن کے درجہ پر ہو تو اسکے ایمان کے عدم صحت کی نسبت اتفاق ہے۔

غنی ہے۔ یہ تو حدیث کے ظاہری معنی ہوئے۔ شریف قدسی نے مفاتیح الکنوز وحل الرموز میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں انسان کے عجز کی طرف اشارہ ہے یعنی تم اپنے نفس کی حقیقت کو نہ پہچان سکے تو پروردگار کے کنہ کی معرفت کیا پہچان سکوگے

عالَمِ علوی پر نظر کرو۔ عالَمِ علوی میں فلکیات، کواکب، فرشتے، عرش وغیرہ داخل ہیں۔ ان امور پر غور کرنے کے لئے نہایت گہری نظر کی ضرورت ہے۔

عالَمِ سفلی پر نظر کرو۔ اُن چیزوں پر غور کرو جو فلکیات سے قطع نظر عالَم پر نازل ہوتی ہیں۔ ہوا، ابر، زمین، معدنیات، دریائیں اور نبات وغیرہ۔ یہ چیزیں صانع کے وجود اور اسکی صفات کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ ان سب کا تعلق جہاتِ مخصوصہ اور امکنۂ معینہ سے ہے بعض متحرک ہیں بعض ساکن، بعض نورانی اور بعض ظلماتی مگر یہ سب دلالت کرتے ہیں اپنے حدوث پر اور حدوث دلالت کرتا ہے کہ صانع حکیم متصف بصفات کی طرف یہ سب کے سب افتقار[۱] رکھتے ہیں۔ آیت پ۲ ع۱- اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔

بیشک آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جسکو اللہ نے آسمان سے اُتارا، پھر جلایا اُس سے زمین کو اُسکے مرجانے کے بعد اور پھیلائے اُس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو مسخر ہے آسمان اور زمین کے درمیان بیشک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے۔

عالَم لام کے زبر کے ساتھ نام ہے۔ اُن تمامی موجودات اور احوال کا جو اللہ تعالیٰ اور اسکی صفات کے اسوا ہیں۔ لیکن عالَم میں معدومات شامل نہیں ہیں خواہ ممکن الوقوع ہوں جیسا کہ زید کا لڑکا اسکے تولد ہونیکے قبل یا مستحیل ہوں جیسا کہ شریکِ باری۔ بعض نے عالَم کو جانداروں کی حد تک محدود کیا ہے اور بعض نے اِنس و جن کی تخصیص کی ہے بعض نے فرشتوں سے تخصیص کی اور بعض نے ان تینوں کے ساتھ شیطان کو بھی شامل کیا اور بعض نے اہلِ جنت اور دوزخ مراد لیا لیکن ان سب مفہومات کی نسبت کوئی دلیل نہیں ہے۔

**حادِث** کی دو قسمیں ہیں۔ حادثِ زمانی اور حادثِ دہری۔ حادثِ **زمانی** وہ اشیاء ہیں جو تدریجاً کمال کو[۲] پہنچتی ہیں۔ عالَم حادثِ زمانی ہے۔ عالَمِ دنیا کو عالَمِ شہادت، عالَمِ ناسوت اور عالَمِ اجسام بھی کہتے ہیں۔ حادثِ دہری وہ اشیاء ہیں جو دفعتہً کمال کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ ارواح حادث دہری ہیں۔ ارواح کا حدوث تحتِ زمانہ نہیں ہے اسلئے حادث زمانی نہیں ہیں۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جو چیز جس حالت میں ظہور میں آئی اس سے بہتر حالت کا امکان نہ تھا۔ بعض نے امام غزالی کے

[۱] احتیاج

[۲] ختم

**فکر** ۔ معقولات میں نفس حرکت کرے تو اسکو **فکر** اور محسوسات میں حرکت کرے تو اسکو **تخیل** کہتے ہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابصار اور فکر دونوں میں نظر مشترک ہے اور یہاں نظر سے مراد فکر ہے ۔ عُرفِ عام میں نظر کے معنی ہیں دو معلوم امور کو اس طرح ترتیب دیں کہ اُس سے ایک مجہول امر کا علم حاصل ہو سکے ۔ ایک طریقہ سے تصور حاصل ہوتا ہے اور دوسرے طریقہ سے تصدیق حاصل ہوتی ہے ۔ جنس کے ساتھ فصل کو ترتیب دینے سے تصور حاصل ہوتا ہے جیسا کہ انسان حیوان ناطق ہے صغریٰ کو کبریٰ کے ساتھ ترتیب دینے سے تصدیق حاصل ہوتی ہے جیسا کہ عالَم متغیر ہے اور ہر متغیر حادث ہے معلوم ہوا کہ عالم حادث ہے ۔

**نظر** ۔ اپنے نفس کی طرف نظر کرو، پھر عالم سفلی کی طرف اور پھر عالم علوی کی طرف ۔

**مدارج نظر** ۔ نظر کے تین مدارج ہیں ۔ ۱ اپنے نفس کی طرف نظر ۔ تمام اشیا میں سب سے قریب تر اپنا نفس ہے ۔ ۲ عالم علوی کی طرف نظر ۔ عالم عُلوی سب سے ارفع و اعلیٰ ہے ۔ ۳ عالم سفلی کی طرف نظر ۔ ان تینوں کی طرف نظر کرنیکے لیے کسی خاص ترتیب کی پابندی لازم نہیں ہے کسی کو پہلے اور کسی کو بعد کر سکتے ہیں ۔

۱ اپنے نفس کی طرف نظر کرے ۔ نفس سے مراد ذات ہے روح نہیں ہے ۔ اسلئے جسم کو روح کی نسبت علم بہت کم بلکہ ہے ہی نہیں ۔ نظر کرنے سے مراد غور و فکر کرنا ہے ۔ ذات سے مراد ذات کے احوال ہیں اور احوال میں سماعت، بصارت و کلام، طول، عرض و عمق، رضا و غضب، سپیدی سرخی و سیاہی، علم و جہل، ایمان و کفر، لذت و الم اور اسی سارے حالتیں داخل ہیں جو تغیر کرتی ہیں وجود سے عدم کی طرف اور عدم سے وجود کی طرف ۔ اسلئے وہ **حادث** کہلاتی ہیں اور ذات کے لوازمات میں سے ہیں اور ذات کے ساتھ قائم ہیں ۔ اصول یہ ہے کہ جو چیز حادث کی ملازم ہے وہ بھی حادث ہے حادث محتاج ہے ایک ایسے حکیم صانع کا جس کا وجود واجب ہے اور علم عام، قدرت اور ارادہ تامہ رکھتا ہے مخلوق کی ذات کے احوال کے حدوث سے، خالق کے وجود اور صفات کے وجوب کی نسبت استدلال کیا جاتا ہے ۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ میرا نفس صفاتِ حادثہ سے ملزوم ہے اور ہر وہ چیز جو صفاتِ حادثہ سے ملزوم ہے حادث ہے اور ہر حادث کیلئے ایک محدِث (موجِد) صانع حکیم واجب الوجود متصف بصفات کی ضرورت ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

آیت ۲۶/۲۱ ۔ وَفِیٓ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ۔ تمہارے نفوس میں ایسی نشانیاں موجود ہیں تم ان میں غور و فکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ واقعہ کیا ہے ۔ آیت ۱۸/۱۳ ۔ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ۔ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ۔ ہم نے پیدا کیا انسان کو چُنی ہوئی مٹی سے، پھر بنا رکھا ہم نے نطفہ ایک محفوظ ٹھکانے میں ۔ انسان سے مراد آدم اور سُلالہ سے مراد تھوڑی سی مٹی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ تھوڑی سی حقیر مٹی سے انسان جیسی عظیم ہستی کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ۔ حدیث ۔ مَنۡ عَرَفَ نَفۡسَہٗ عَرَفَ رَبَّہٗ ۔ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے پروردگار کو پہچانا ۔ جب یہ معلوم ہوا کہ اپنا نفس حادث ہے اور ایک محدث کا محتاج ہے تو معلوم ہوا کہ اسکا پیدا کرنے والا قدیم اور

**ملازمتِ جرم للعرض** ۔ اگر فلسفی یہ کہے کہ جرم اور عرض کے درمیان ملازمت کی نسبت ہے اور جرم عرض سے منفک ہو سکتا ہے ۔ اسکا جواب یہ ہے کہ عرض کا جرم سے اِنفکاک نہیں ہو سکتا ۔ اسلئے کہ یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ ایک ہی جِرم حرکات اور لاحرکت دونوں سے خالی ہو ۔ اسلئے کہ ارتفاعِ نقیضین محال ہے ۔

**حدوثِ عرض** ۔ اگر فلسفی عرض کے حدوث سے انکار کرے اور کہے کہ عرض قدیم بھی ہے اور منعدم بھی ہو سکتا ہے ۔ اسکا جواب یہ ہے کہ قدیم منعدم نہیں ہو سکتا ۔ اسلئے کہ قدیم کی تعریف یہ ہے کہ قدیم کا وجود ہمیشہ واجب ہے اور قدیم عدم کو قبول نہیں کرتا ۔

**لازمِ حادث حادث** ۔ اگر فلسفی یہ کہے کہ ضروری نہیں ہے کہ حادث کا لازم بھی حادث ہو ۔ اعراض ایسے حوادث ہو سکتے ہیں جنکا اوّل نہ ہو یعنی جنکی ابتدا نہ ہو تو گویا عرض کا لازم قدیم ہو سکتا ہے ۔ اسکا جواب یہ ہے کہ کوئی حوادث ایسے نہیں ہیں جن کا اوّل یا ابتداء نہ رہی ہو ۔ اسلئے کہ حوادث کیلئے لازم ہے کہ اوّل ہو حالانکہ انکا قول یہ تھا کہ ایسے حوادث بھی ہیں جنکی ابتداء نہیں تو پھر تناقض لازم آیا جسکو قطع اور تطبیق کی برہان باطل کرتی ہے ورنہ بجائے خود ایک طویل بحث کی محتاج ہے ۔ شیخ سنوسی کہتے ہیں' مطالبِ سبعہ ایسے نازک ہیں جن کو صرف راسخین علم سمجھ سکتے ہیں اور انکے سمجھنے پر مکلف جہنم کے ساتھ دروازوں سے نجات پائیگا ۔

**شرع کی رو سے معرفت** واجب ہوئی ہے نہ کہ عقل کے سبب سے ۔ یہ اشاعرہ کا قول ہے اور اجماع بھی اسی پر ہے ۔ ان سب کے پاس اللہ تعالیٰ کی معرفت شرع کی رو سے واجب ہوئی ہے اور اسی طرح دوسرے سارے احکام بھی بروئے شرع واجب ہوئے ہیں ۔ اسلئے کہ ورودِ شرع سے قبل کوئی حکم نہیں تھا' نہ اصلی اور نہ فرعی ۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ سارے احکام عقل کے ذریعہ ثابت ہیں ۔ جمع الجوامع میں اسی لئے لکھا ہے کہ معتزلہ نے عقل کو حَکَم بنایا اور کہا کہ عقل بنفسہٖ احکام کا ادراک کر سکتی ہے بغیر شرع کے ورود کے ۔ انکی رائے ہے کہ عقل کی تائید اور تقویت کیلئے شرع وارد ہوئی ہے ۔ اگر یہ لوگ شرع کی نفی کرتے تو ان پر قطعی طور پر کفر کی ذمہ داری عائد ہوتی ۔ عقلی تحسین و تقبیح پر اپنی بحث کی بنا و قرار دیتے ہیں ۔ انکے پاس حَسَن (نیکی) وہ ہے جسکو عقل حَسَن قرار دے ۔ اور قبیح (بدی) وہ ہے جسکو عقل قبیح قرار دے جیسے سمجھ میں آجائے کہ فلاں فعل کا عمل لائقِ مدح اور فلاں فعل کا ترک لائقِ مذمت ہے تو اُس فعل یا ترکِ فعل کے وجوب کا حکم لگایا جائیگا ۔ اہلِ سنّت کے پاس حَسَن وہ فعل ہے جسکو شرع نے حَسَن قرار دیا اور قبیح وہ فعل ہے جسکو شرع نے قبیح قرار دیا ۔ ماتریدیہ کا مذہب یہ ہے کہ [illegible] کے ذریعہ معرفت کا وجوب لازم آتا ہے اس معنی میں کہ اگر شرع وارد نہ ہوتی تو بھی عقل مستقل طور پر اسکا ادراک کر سکتی ۔ اسلئے کہ معرفت کُھلی ہوئی چیز ہے ۔ اس کیلئے عقلی استدلال یا غور و فکر کی ضرورت ہی نہیں ۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ تحسینِ عقلی کی بناء پر معرفت واجب ہوئی ہے ۔ حق بات یہ ہے کہ عقل کسی چیز پر اصل میں استقلال نہیں رکھتی ۔ خلاصہ یہ کہ معرفت کے بارے میں تین مذاہب ہیں ۔ مذہب اشاعرہ یہ ہے کہ سارے احکام بروئے شرع ثابت ہیں لیکن بشرطِ عقل ۔ مذہب ماتریدیہ یہ ہے کہ صرف معرفت کا وجوب عقل کے ذریعہ ثابت ہے [illegible]

اس قول پر اعتراض کیا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا عجز ظاہر ہونیکا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ اسکا بہتر جواب یہ ہے کہ امکان میں اس سے بہتر حالت ممکن نہ تھی۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم و ارادہ کا تعلق غیر موجوداتِ عالم سے نہ تھا۔ اسلئے کہ غیر موجوداتِ مستحیل ہیں، اللہ تعالیٰ کے علم و ارادہ کا ان سے تعلق نہیں ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ غیر موجودات کا امکان نہ تھا اگرچہ یہ وہ فی نفسہٖ ممکن ہیں۔ عالم علوی اور سفلی، باوجود اپنی صنعت کی ساری خوبیوں کے حادث ہیں عالم سے یہاں اَجرام مراد ہیں۔ اَعراض حادث ہیں اور اَعراض لازم ہیں اَجرام کے۔ ملازم کے حدوث سے ملزوم کا حدوث لازم آتا ہے۔ اسلئے اجرام بھی حادث ہوئے۔ ہر ایک چیز جس پر عدم یعنی فنا، طاری ہوسکتی ہے قطعی طور پر اسکا قدیم ہونا مستحیل ہے یعنی جس چیز پر عدم عائد ہوسکتا ہے اسکا قدیم نہ ہونا بغیر کسی تردد کے یقینی ہے۔ اسلئے عالم پر عرش سے فرش تک عدم جائز ہے اور جس پر عدم جائز ہے اسکا قدیم ہونا مستحیل ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ عالم کا عرش سے فرش تک قدیم ہونا مستحیل ہے تو پھر اسکا حدوث ثابت ہے اور جب اسکا حادث ثابت ہے تو پھر اس کیلئے مُحدِث کا ہونا ضروری ہے اور یہی مطلوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اَعراض، عدم سے وجود میں آئے اور پھر وجود سے عدم میں گئے اور یہ تغیر اس بات کا شاہد ہے کہ اَعراض حادث ہیں۔ اَجرام اَعراض کے ملازم ہیں اور اَعراض حادث ہیں۔ ملازم کے حادث ہونے سے اجرام جو ملزوم ہیں قدیم نہیں ہوسکتے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ اجرام حادث ہیں اور اجرام کا قدیم ہونا مستحیل ہے۔ حدوث عالم اور قدم ذاتِ باری تعالیٰ کے باہمی تعلق کے لحاظ سے سات اصولی مباحث پیدا ہوتے ہیں۔ انکو تعیین کر کے متکلمین نے انکی تردید کی ہے۔ انکو **مطالب سبعہ** کہتے ہیں۔

ثبوتِ[1] زاید سے انکار متکلمین اَجرام کے حدوث کے استدلال میں اَعراض کو ایک زاید چیز قرار دیتے ہوئے اسکے حدوث کا ادعاء کرتے ہیں۔ اگر فلسفی اس زاید امر کو تسلیم نہ کرے اور کہے کہ اجرام ہی اجرام ہیں اور ان پر کوئی چیز زاید نہیں ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ عَرض ایک زاید چیز ہے اور کوئی جِرم عَرض سے خالی نہیں ہے۔ ہمارا مشاہدہ اسکی شہادت دیتا ہے۔

عدمِ[2] عرض۔ اگر فلسفی عَرض کے عدم کو تسلیم نہ کرے اور کہے کہ یہ ممکن ہے کہ عَرض بنفسہٖ قائم ہو اور جِرم عَرض سے متصف ہی نہ ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ عَرض بنفسہٖ قائم نہیں ہوتا اس لئے کہ موصوف کے بغیر صفت کا مفہوم نہیں ہوتا۔ حرکت بغیر متحرک کے سمجھ میں نہیں آتی۔

عدمِ[3] عرض اگر فلسفی عَرض کے عدم سے انکار کرے اور کہے کہ ایک جِرم سے دوسرے جِرم کو عَرض منتقل ہوسکتا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ عَرض انتقال نہیں کرتا۔ عَرض کے انتقال کرنیکے یہ معنی ہونگے کہ جِرم اول سے مفارقت کرنیکے بعد اور جِرم دوم پر پہنچنے سے قبل کے درمیانی زمانہ میں عَرض بنفسہٖ قائم تھا اور یہ باطل قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظ ہو شکلِ دوم

عدمِ عرض۔ اگر فلسفی کہے کہ عَرض جِرم میں پوشیدہ رہ سکتا ہے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ جِرم کی سکون کی حالت میں جِرم میں حرکت پوشیدہ ہے گویا کہ ضدّین شئ واحد میں جمع ہوگئیں اور یہ باطل ہے۔

بیان کئے گئے ہیں ان میں تبلیغ کا وجوب بھی شامل ہے جس کا تعلق پیغمبر سے ہے نبی سے نہیں ہے۔

---

# صفاتِ باری تعالےٰ

## واجبات

صفتِ نفسی۔ صفاتِ سلبی۔ صفات معانی۔ صفاتِ معنوی

**صفاتِ واجبات**۔ بیس صفات اللہ تعالیٰ کی ذات میں واجب ہیں۔ وجود، قدم، بقار، مخالفتِ حوادث قیام بنفسہٖ، وحدانیت، قدرت، ارادت، علم، حیات، سماعت، بصارت، کلام، قادر، مرید، عالم، حی، سمیع، بصیر اور متکلم۔ **صفت** کا لفظ دلالت کرتا ہے ایک ایسے معنی پر جو موصوف کے ساتھ قائم ہے اور جو ذات میں داخل نہیں ہے۔ امام لقانی نے جوہرۃ التوحید میں لکھا ہے کہ ذات کی صفات عینِ ذات نہیں ہیں اور نہ غیرِ ذات ہیں جو ذات سے منفک ہوں ذات کی حقیقت اور صفات کی حقیقت کا اتحاد نہیں ہوسکتا۔ اگر ذات اور صفات کا اتحاد ہوجائے تو صفت اور موصوف کا اتحاد لازم آئیگا جو عقل کے خلاف ہے۔ غیرِ ذات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک غیر جو منفک نہیں ہوسکتا اور دوسرا وہ غیر جو منفک ہوسکتا ہے اور جس میں غیریتِ کامل ہے۔ یہاں منفک ہونیوالے غیر کی نفی مقصود ہے۔ صفات ایسی غیر ہوسکتی ہیں جو منفک نہیں ہوتیں اور ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ صفاتِ ذات کی قید سے صفاتِ سلبی خارج ہوجاتی ہیں۔ اسلئے کہ صفاتِ سلبی عدمی امور سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ ذات کے ساتھ قائم نہیں ہیں۔ صفاتِ ذات کی قید سے صفاتِ افعال بھی خارج ہوجاتی ہیں۔ اِحیا اور اِمات وغیرہ افعال کی صفات ہیں جنکا تعلق قدرتِ تنجیزی حادث سے ہے اور حادث ہونے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ انکا تعلق نہیں ہوسکتا۔ نتیجہ یہ کہ صفاتِ افعال غیرِ ذات ہیں۔ بیس صفات واجب اور بیس صفات مستحیل کے یہ معنی ہیں کہ احوال ثابت ہیں۔ یہ مبنی ہیں اس قول پر کہ اشیاء کی چار قسمیں ہیں۔ موجودات، معدومات، احوال اور اعتباریات۔ موجودات وہ ہیں جو خارج میں پائے جاتے ہیں اور قابلِ احساس ہیں۔ معدومات وہ ہیں جنکا ثبوت نہیں ہے اور معدوم ہیں۔ معدومات کی دو قسمیں ہیں۔ معدوماتِ محض جیسا کہ زید کا بیٹا جبکہ زید کو بیٹا ہی نہ ہو۔ عدمیات، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی بقاء اور قدم۔ بقار اور قدم کا علٰحدہ وجود نہیں ہے۔ احوال ایسی صفت ہے جو نہ موجود ہے اور نہ معدوم بلکہ واسطہ ہے موجودات اور معدومات کے درمیان۔ احوال کو ثبوت ہے مگر موجود کے درجہ کو نہیں پہنچتا جس کا احساس کیا جائے اور نہ اتنا گھٹیا ہے کہ معدوم کے درجہ میں داخل ہو اور معدومِ محض

سارے احکام۔ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ سارے احکام عقل کے ذریعہ ثابت ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ماتریدیہ عقل کے ذریعہ صرف معرفت کا وجوب ظاہر کرتے ہیں اور معتزلہ عقل کے ذریعہ سارے احکام ثابت قرار دیتے ہیں۔

**واجب عینی** ہے۔ آیت پ۲۶ آخر فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یہ جانو کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے سوائے دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔ واجب اس طرح ہے کہ جن امور کی نسبت عقلی اور نقلی دلائل تفصیلی طور پر دلالت کرتی ہیں انکا تفصیلی طور پر جاننا واجب ہے اور جن امور کی نسبت عقلی اور نقلی دلائل اجمالی طور پر دلالت کرتی ہیں انکا اجمالی طور پر جاننا ہر مکلف پر واجب ہے۔ ہر ایک عقیدہ کو اجمالی طور پر دلیل کے ساتھ جاننا واجب عینی ہے اور تفصیلی طور پر دلیل کے ساتھ جاننا واجب کفایہ ہے۔ ایسے قطعۂ ملک کے باشندوں کیلئے جنکا تعلق اور آمد و رفت دوسرے قطعۂ ملک کے ساتھ دشوار ہو انکے لئے تفصیلی دلائل کے ساتھ ہر ایک عقیدہ کا جاننا فرض کفایہ اسلئے ہے کہ بسا اوقات عقائد کی نسبت ایسا شبہ پیدا ہو سکتا ہے جسکو رفع کرنیکے لئے کسی نہ کسی تفصیلی واقف کار کی ضرورت ہے جو شبہات کو زائل کر سکے اور فساد کا سد باب کرے۔ دلیل اجمالی کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے اثبات کیلئے دنیا کو دلیل میں پیش کرے اور بس۔ دلیل تفصیلی کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے اثبات کیلئے دنیا کو دلیل میں پیش کرے اور یہ بتائے کہ دنیا حادث ہے اور ہر حادث کیلئے محدث یا ایجاد کرنے والے کی ضرورت ہے۔ اسکے قائم مقام یہ ہو سکتا ہے کہ کشف کے ذریعہ عقائد کو پہچانے جس نے تقلید کے ذریعہ عقائد کو حاصل کیا اسکی نسبت اختلاف ہے۔ تقلید کی نسبت مختلف اقوال کا تذکرہ اس کے قبل صفحہ ۱ پر ہو چکا ہے۔

جن امور کا تفصیلی طور پر جاننا واجب ہے وہ بیس صفات ہیں جو آگے بیان کی جائیں گی اور جن امور کا اجمالی طور پر جاننا واجب ہے وہ کمالات ہیں۔ وہ امور جو اللہ تعالیٰ ذات میں مستحیل ہیں وہ بھی دو قسم کے ہیں۔ وہ امور جنکی نسبت عقلی اور نقلی دلائل تفصیل سے دلالت کرتی ہیں وہ بیس صفات اضداد ہیں جنکا تفصیل سے جاننا واجب ہے۔ وہ امور جنکی نسبت عقلی اور نقلی دلائل اجمال کے ساتھ دلالت کرتی ہیں وہ تمام امورِ نقائص ہیں جنکا اجمال کے ساتھ جاننا ہر مکلف پر واجب ہے۔ جو تفصیلات واجب اور مستحیل کی نسبت بیان کی گئیں وہی امورِ جائز کی نسبت ہیں مصنفِ متن نے وہ سارے امور بیان نہیں کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں واجب یا مستحیل ہیں بلکہ صرف وہ امور بیان کئے ہیں جن کا تفصیلاً جاننا واجب ہے۔ وہ امور بیان نہیں کئے ہیں جنکا اجمالاً جاننا واجب ہے اسی طرح وہ امور مستحیل بیان کئے ہیں جنکا تفصیلاً جاننا واجب ہے اور وہ امور بیان نہیں کئے ہیں جنکا اجمالاً جاننا واجب ہے۔

**پیغمبروں** کے حق میں بھی ایسے امور کا جاننا ہر مکلف پر شرعاً واجب ہے یعنی وہ امور جو پیغمبروں کے حق میں واجب، مستحیل یا جائز ہیں۔ تکلیف، وجوب اور شرع کی تفصیل اسکے قبل بیان کی جا چکی ہے۔ اس ضمن میں پیغمبروں کی صفات بیان کیجائیں گی۔ رسول کا ترجمہ پیغمبر کیا ہے۔ انبیاء کو جو پیغمبر نہیں تھے ان صفات سے تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو احکام

یہ کہ سارا عالم اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج رکھتا ہے اور جس ذات کی طرف عالم احتیاج رکھتا ہے اسکا واجب الوجوب ہونا واجب ہے نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ ان مقدمات صغریٰ و کبریٰ کے اثبات کے ضمن میں دور و تسلسل کے مباحث پیدا ہوتے ہیں جو باطل ہیں۔

**اقسامِ وجود۔** وجود کی دو قسمیں ہیں۔ وجودِ ذاتی اور وجودِ غیر ذاتی۔ اللہ تعالیٰ کا وجود ذاتی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وجود میں کوئی دوسرا مؤثر نہیں ہے۔ وجودِ غیر ذاتی کی مثال ہم سب مخلوق کا وجود ہے جو اللہ تعالیٰ کے فعل پر موقوف ہے۔ وجوبِ ذاتی کے یہ معنی ہیں کہ جبتک ذات قائم ہے وجوب ثابت ہے' ذات کیلئے' دوامِ ذات کی مدت تک۔

**وحدۃ الوجود۔** بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے سوا کسی دوسرے کے وجود کا مشاہدہ ہی نہیں کرتے اور اسکا نام وحدۃ الوجود رکھا ہے۔ اس بحرِ زخار میں بہت سے غرق ہوگئے بعض اولیا سے ایسے امور وقوع میں آئے جن سے اتحاد وحلول کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ **حلاج** نے انا اللہ' پناہ بخدا' میں اللہ ہوں اور بعض نے مَا فِی الْجُبَّةِ اِلَّا اللّٰهُ جُبّہ میں اللہ ہی ہے' کہدیا۔ یہ الفاظ شرعاً جائز نہیں ہیں۔ بسا اوقات احوال کے غلبہ کی حالت میں' بعض افراد کی زبان سے اعتراض کے لایق الفاظ نکل جاتے ہیں اور مناسبتِ حال کے لحاظ سے اسکی تاویل کیجاتی ہے۔ شرح کبریٰ میں لکھا ہے کہ جو الفاظ حلاج کی زبان سے نکلے تھے اس پر قتل کا فتویٰ دینے والے کون تھے؟ شیخ طریقت خود جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ۔ عوام کے اس قول میں' مَوْجُوْدٌ فِیْ کُلِّ الْوَجُوْدِ' ہر وجود میں موجود ہے' وحدۃ الوجود کے مسئلہ کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ اس قول میں حلول کا وہم پیدا ہوتا ہے اسلئے ممنوع ہے۔

**اختلاف۔** وجود کی تعریف کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ ابو الحسن اشعری کا قول ہے کہ وجود عینِ موجود ہے **امامِ رازی** کہتے ہیں کہ وجود' موجود کے سوا ہے اور اسی قول پر وجود کی عام اور مشہور تعریف یہ ہے کہ وجود وہ حال ہے جو ذات کیلئے واجب ہے' جب تک کہ ذات قائم ہے' اس طرح کہ وہ حال کسی علت سے معلل نہ ہو۔ وجود کی اس تعریف سے وہ حال خارج ہوتا ہے جو کسی علت سے معلل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قادر ہونا قدرت کی علت سے معلل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مرید ہونا ارادہ کی علت سے معلل ہے اور اسی طرح دیگر صفاتِ معنوی کسی علت سے معلل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ذات کے سوا کسی دوسری شئی کی ملازم ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ حال کی دو قسمیں ہیں۔ وہ حال جو کسی علت سے معلل نہ ہو اور وہ حال جو کسی علت سے معلل ہو۔ قولِ اول کے لحاظ سے وجود کو صفت میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اسلئے کہ صفت کیلئے غیر موصوف ہونا ضروری ہے۔ اللہ موجود ہے اور اللہ عالم ہے' ان دونوں جملوں میں فرق ہے۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ صفت کے ساتھ مشابہت کی بناء پر اسکو صفت میں شمار کیا گیا۔ یہ دشواری ظاہری الفاظ کی پابندی کی وجہ سے پیدا ہوئی ورنہ تاویل سے مدد لیجائے تو حق کا اظہار ہوگا۔ **سعد** اور دیگر محققین نے کہا ہے کہ وجود سے مراد' موجود کے سوا' ایسا امر زائد نہیں ہے جو محسوس کیا جائے بلکہ وہ ایک امرِ اعتباری ہے۔

کہلائے۔ اور اعتباریات وہ ہیں جن کیلئے فی نفسہٖ ثبوت ہے لیکن احوال کے درجہ تک نہیں پہنچے۔ اعتباریات کی دو قسمیں ہیں۔ امورِ اعتباری انتزاعی جیسا کہ زید کا گوراپن۔ گورا ہونے کی ہیئت زید میں خارج میں ثابت ہے جس سے گوراپن اخذ کیا گیا تو کسی اعتبار کرنے یا فرض کرنے پر موقوف نہیں ہے۔ امورِ اعتباری اختراعی جیسا کہ پارے کا دریا۔ پارے کا دریا ہوتا نہیں لیکن دو محسوسات کو ملا کر ایک مشترک امر کا اختراع کیا گیا جو کسی کے اعتبار کرنے یا نہ کرنے پر موقوف نہیں ہے۔ موجودات اور معدومات کے درمیان احوال اس طرح واسطہ ہیں کہ احوال کو فی نفسہٖ ثبوت ہے۔ حال دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے نفسیہ اور معنویہ۔ شیخ سنوسی نے شرحِ کبریٰ میں صراحت کی ہے کہ صفات کی تین قسمیں ہیں۔ نفسیہ، معانی اور معنوی۔ بعض نے اشیاء کی تین قسمیں قرار دیں، موجودات، معدومات اور اعتباریات۔ اور صفاتِ معانی کو امورِ اعتباری انتزاعی میں داخل کیا۔ شیخ بیجوری نے جوہرۃ التوحید کی شرح میں اس قول کی تائید کی اور کہا کہ حال ہے ہی نہیں اور حال محال ہے۔ معتزلہ نے صفاتِ معانی سے انکار کیا اور صفاتِ معنوی سے اس طرح اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ بذاتہٖ قادر اور بذاتہٖ عالم ہے اور احوال کی نفی کی۔ یہ تو عام اشیاء کی تقسیم ہوئی۔ اب غور طلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں جو صفات واجب ہیں انکی نوعیت کیا ہے۔ ان صفات کی چار قسمیں ہیں۔ نفسی، سلبی، وجودی اور احوال۔ پہلی صفت وجود کی نفسی ہے۔ قِدم، بقاء، مخالفتِ حوادث، قیام بنفسہٖ اور وحدانیت یہ پانچ صفتیں سلبی ہیں۔ قدرت، ارادت، علم، حیات، سماعت، بصارت اور کلام یہ سات صفات وجودی ہیں۔ قادر، مرید، عالم، حی، سمیع، بصیر اور متکلم یہ سات صفات احوال ہیں۔ صفاتِ معانی پہلے اور صفاتِ معنوی انکے بعد اسلئے بیان کی گئیں کہ صفاتِ معانی کے سمجھنے پر صفاتِ معنوی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ قدرت کے تصور کے بعد قادریت کی صفت اور علم کے تصور کے بعد عالمیت کی صفت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ ان سب کی تفصیل آیندہ بیان کی جائے گی۔

# صفتِ نفسی (۱)

## وجود

**وجود** اللہ تعالیٰ کیلئے واجب ہے۔ وجود کی صفت دوسری صفات پر اسلئے مقدم ہے کہ وجود کی بحث کے بغیر دیگر صفات کی بحث دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے وجود کے واجب ہونیکے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر عدم طاری نہیں ہوسکتا، نہ ازل میں اور نہ ابد میں۔

**دلیلِ وجوبِ وجود** - اللہ تعالیٰ کیلئے وجود کے واجب ہونیکی دلیل یہ ہے کہ مشاہدہ سے ظاہر ہے کہ عالم (دنیا) پر اعراض لاحق ہوتے ہیں، حرکت و سکون وغیرہ کا تغیر ہوتا ہے۔ ہر چیز جس میں تغیر ہوتا ہے وہ حادث ہے اور ہر حادث کیلئے محدِث یعنی پیدا کرنے والے کی ضرورت ہے، اسلئے کہ وہ خود پیدا نہیں ہوسکتا۔ اسی محدِث کو ہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ نتیجہ

حدوث دونو محال قرار پاتے ہیں اور یہ استحالہ محض قِدم کی نفی کے مفروضہ پر پیدا ہوا اور جب قِدم کی نفی مستحیل ہے تو اسکا قدیم ہونا ثابت ہے اور ہمارا مطلوب یہی ہے۔

**دَور**۔ ایک چیز دوسری چیز پر موقوف ہوا ور وہ دوسری چیز پہلی چیز پر موقوف ہو تو اسکو دَور کہتے ہیں جیساکہ فرض کیا جائے کہ زید نے عمرو کو پیدا کیا اور عمرو نے زید کو تو اسکے معنی ہونگے زید نے عمرو پر توقّف کیا جو خود اس پر متوقّف ہے۔

**تسلسل** چیزوں کا ایک کے بعد ایک کا تتابُع کرنا اس طرح کہ اسکی انتہا نہ ہو جیساکہ زید نے عمرو کا اِحداث کیا اور عمرو نے بکر کا احداث کیا اور بکر نے خالد کا احداث کیا اور یہی سلسلہ چلتا جائے تو کوئی انتہا نہ ہوگی۔ بس زمانہ ماضی میں مُحدِث ایک کے پیچھے ایک اسی طرح تتابُع کرتے جائیں گے کہ انکی انتہا نہ ہوگی۔

**قدیم و ازلی** کے بارے میں تین اقوال ہیں۔ قولِ اوّل یہ ہے کہ قدیم اُس موجود کو کہتے ہیں جس کے وجود کی ابتداء نہ ہو اور ازلی اُسکو کہتے ہیں جس کا اوّل نہ ہو عدمی ہو خواہ وجودی ہو۔ اس قول کے لحاظ سے قدیم اور ازلی کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ ہر قدیم ازلی ہوگا اور ہر ازلی قدیم نہ ہوگا۔ اسکا نتیجہ یہ کہ صفاتِ سلبی چونکہ عدم ہیں اسلئے قِدم سے متّصف نہیں ہوسکتیں اور ازلی قرار پائیں گی۔ البتہ ذاتِ علیّہ اور صفاتِ ثبوتیہ، قِدم اور ازلیت دونو سے متصف ہونگی۔ قولِ دوم یہ ہے کہ قدیم ایسا قائم بنفسہٖ ہے جس کے وجود کی ابتدا نہیں ہے اور ازلی جس کا اوّل نہ ہو، عدمی ہو یا وجودی، قائم بنفسہٖ ہو یا بغیرہٖ اور سعد اسی طرف مائل ہیں اس قول کے لحاظ سے صفات مطلق طور پر قدم سے متصف نہیں ہوتیں، البتہ ازلیت سے متصف ہوتی ہیں ذاتِ علیّہ قِدم اور ازلیت دونوں سے متصف ہوتی ہے۔ قولِ سوم یہ ہے کہ قدیم اور ازلی دونو کی تعریف یہ ہے کہ انکا اوّل نہیں ہے خواہ وہ وجودی قائم بنفسہٖ ہو یا قائم بغیرہٖ اور اس لحاظ سے یہ دونو صفات مترادف ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ کہ ذات اور صفات دونو مطلق طور پر قدم اور ازلیت سے متصف ہوتی ہیں۔

**فلاسفہ** کہتے ہیں کہ فلک اعظم اور ایسی دوسری چیزیں قدیم ہیں اور انکے قدیم ہونیکے باوجود انکا مخصّص اور مُوجِد بھی ہے اور وہ مخصّص اور مُوجِد بطریقِ تعلیل اللہ تعالیٰ ہے۔ اسلئے کہ قدیم کا معلول بھی قدیم ہے۔ انکا نظریہ ہے کہ قِدمِ زمانی سے قدم ذاتی لازم نہیں آتا۔ اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو زمانہ کے لحاظ سے قدیم ہے ذات کے لحاظ سے بھی قدیم ہے۔

## بقاء

**بقاء** اللہ تعالیٰ کیلئے واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں وجود کی آخریت۔ یہ عام کو بقاء کہتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں وجود کے ختم نہ ہونیکو بقاء کہتے ہیں آخریت کا اطلاق انقضاء مدت پر ہوتا ہے اور یہاں مراد بھی یہی ہے۔ اسکے مقابلہ میں اس معنی میں اوّلیت کہتے ہیں ابتداء کو۔ بقاء کا لفظ صادق آتا ہے خلق کی فناء کے بعد اللہ تعالیٰ کی بقاء پر اللہ تعالیٰ کا

**وجوب** ۔ مکلف پر تفصیل کے ساتھ یہ جاننا واجب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود عین ذات ہے یا غیرِ ذات ہے۔ یہ اعتقاد کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ عینِ ذات اور غیرِ ذات کے بارے میں خود متکلمین میں اختلاف ہے۔

# صفاتِ سلبی (۵)

قِدم ۔ بقا ۔ مخالفتِ حوادث ۔ قیام بنفسہٖ ۔ وحدانیت ۔

## قِدم

**قِدم** اللہ تعالیٰ کیلئے واجب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود کا آغاز نہیں ہے۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے ازل میں تھا، اسکے وجود کیلئے اول نہیں ہے بلکہ وہ ہر چیز اور ہر میت اور ہر زندہ کے پہلے سے ہے۔ قِدم صفات سلبیہ میں سے ہے۔ سلب کے معنی نفی کرنیکے ہیں۔ چونکہ یہ صفات اُن باتوں کی نفی کرتی ہیں جو ذاتِ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی لائق نہیں ہیں اسلئے اُنکو صفاتِ سلبی کہتے ہیں۔ شیخ سنوسی نے صفاتِ سلبی' قدم' بقاء' مخالفتِ حوادث' قیام بنفسہٖ اور وحدانیت پانچ صفات بیان کیں اور صحیح یہ ہے کہ صفاتِ سلبی ان پانچ کی تعداد میں منحصر نہیں ہیں' اولاد' رفیق مُعین و مددگار وغیرہ کی نفی سے غیر متناہی صفات کا استخراج ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں ہیں لیکن یہ سب فروع ہوسکتی ہیں اور مذکورہ پانچ صفات اُنکی اُمہات اور اصول ہیں۔

**اقسام قِدم** ۔ قِدم کی تین قسمیں ہیں۔ قِدمِ ذاتی' قِدمِ زمانی اور قدمِ اضافی۔ قِدمِ ذاتی کے معنی وجود کے عدمِ اوّلیت کے ہیں یا یوں کہا جائے کہ وجود کا آغاز نہیں ہے اور یہ قِدم اللہ تعالیٰ کے حق میں واجب ہے۔ قِدمِ زمانی عرفِ مدّت کی طوالت کو کہتے ہیں اور اس سے ایک سال اور اس سے زیادہ مدّت مراد لیجاتی ہے۔ جیسا کہ بناء قدیم کہنے سے ایسی عمارت مراد لیجاتی جسکو بنائے ہوئے ایک سال یا اس سے زیادہ مدت گذری۔ قِدمِ زمانی کی صفت اللہ تعالیٰ کے سوا جملہ مخلوقات صادق آتی ہے۔ قِدمِ اضافی کی صفت دو چیزوں کی درمیانی نسبت کا اظہار کرتی ہے جیسا کہ بیٹے کے مقابلہ میں باپ کے وجود کی قِدم۔ اس میں شک نہیں کہ واجب الوجود کی صفت میں قِدم اور بقاء کی صفات لازم ہوجاتی ہیں گر متکلمین نے عقائد کے تعلق سے' لازم' ملزوم پر اکتفانہ کرکے' صراحتہً و انفراداً ہر امر کی توضیح کو مناسب تصوّر کیا۔

**دلیلِ قِدم** ۔ اگر قدیم نہ ہوگا تو حادث ہوگا اور محتاج ہوگا محدث کی طرف اور دَور یا تسلسل لازم آئیگا۔ اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور اگر حادث ہوگا تو محدث کا محتاج ہوگا اور اُسکا محدث دوسرے محدث کا محتاج ہوگا' اسلئے کہ دونوں کے درمیان مماثلت ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ دَور یا تسلسل لازم آئیگا اور چونکہ دَور و تسلسل دونوں محال ہیں اسلئے جو بات کہ اُن تک پہنچاتی وہ خود محال قرار پائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا احتیاج محدث کی طرف اور اللہ تعالیٰ

کے سوائے، دوسرا کوئی نہیں جان سکتا۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ کوئی چیز اسکے مشابہ نہیں ہے اور وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔

**دلیلِ مخالفتِ حوادث۔** حوادث سے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ اگر حوادث کے ساتھ ذرا بھی مماثل ہوتو اسکے مانند حادث ہوگا اور یہ محال ہے جیسا کہ اسکے پہلے اللہ تعالیٰ کے قِدم اور بقاء کے وجود کی نسبت بیان کیا گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ حوادث کا مخالف نہ ہوتا تو حوادث کا مماثل ہوتا اور جب حوادث کا مماثل ہوا تو حادث ہوا۔ یہ کیسا ہوگا جبکہ سابقہ دلیل میں اللہ تعالیٰ کیلئے قِدم کو ثابت قرار دیا گیا۔ دوسری طرح یوں استدلال ہوسکتا ہے، جس کیلئے قِدم واجب ہوا تو اس پر عدم مستحیل ہوا حوادث میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر عدم کا لاحق ہونا مستحیل ہو۔ اسلئے حوادث میں سے کوئی چیز قدیم نہیں ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کیلئے حوادث کی مخالفت واجب ہے۔

**تنزیہہ۔** امام غزالیؒ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے جوہر، جسم، عرض اور جہت کی نفی کی ہے۔ اسی مفہوم کو مصنف نے مخالفت للحوادث کے ایک فقرے میں ادا کیا۔ ہم یہاں امام غزالیؒ کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔

**جوہر** نہیں ہے اللہ تعالیٰ جو حیّز کو چاہے۔ دلیل یہ ہے کہ ہر جوہر متحیّز ہے اور اپنے حیّز کے ساتھ مختص ہے۔ اور پھر وہ اپنے حیّز میں ساکن ہوگا یا اپنے حیّز کے ساتھ متحرک ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ کہ حرکت اور سکون سے خالی نہ ہوگا۔ حرکت و سکون دونوں حادث ہیں اسلئے قرار پایا کہ جو چیز حوادث سے خالی نہیں ہے وہ حادث ہے۔

**جسم** نہیں ہے اللہ تعالیٰ جو مختلف جواہر سے مرکب ہو۔ اسلئے کہ جسم متعدد جواہر سے مرکب ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا کسی خاص حیّز کے ساتھ جوہر ہونا باطل ہے تو اسکا جسم ہونا بھی باطل ہے اسلئے کہ ہر ایک جسم مختص ہے حیّز کے ساتھ اور مرکب ہے جواہر سے۔ پس جواہر کا افتراق، اجتماع، حرکت، سکون، ہیئت اور مقدار سے خالی ہونا محال ہے اور یہ حدوث کی علامات ہیں۔ اگر صانع عالم کا جسم ہونا جائز ہوتا تو سورج، چاند اور دوسری چیزوں کی الوہیت بھی جائز ہوتی اسلئے کہ یہ سب جسم رکھتے ہیں۔ اگر کوئی مدعی جواہر سے ترکیب کے بغیر اللہ تعالیٰ کو جسم کہنے کا دعویٰ کرے تو وہ لفظ جسم کے تسمیہ میں غلطی کرتا ہے۔

**عَرَض** نہیں ہے اللہ تعالیٰ جو کسی جسم کے ساتھ قائم ہو یا کسی محل میں حلول کرے۔ اسلئے کہ عرض جسم میں حلول کرتا ہے پس ہر جسم لامحالہ حادث ہے اور اسکے محدث کا وجود اسکے پہلے ہوگا۔ پھر وہ جسم میں کیسا حلول کریگا جبکہ وہ ازل میں تنہا موجود تھا اور اسکے ساتھ کوئی دوسرا موجود نہ تھا اور اجسام اور اعراض اسکے بعد پیدا ہوئے تھے۔ وہ عالم، قادر، مرید اور خالق بھی ہے۔ اعراض پر یہ اوصاف صادق نہیں آتیں بلکہ محال ہیں۔ یہ اوصاف صرف اس موجود پر صادق آسکتی ہیں جو بنفسہٖ قائم اور بذاتہٖ مستقل ہو۔ ان اصول سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتہٖ موجود ہے اور بنفسہٖ قائم ہے۔ نہ جوہر ہے، نہ جسم اور نہ عرض۔ عالم پورے کا پورا جواہر، اعراض اور اجسام سے مرکب ہے۔ اسلئے کوئی چیز اسکے مشابہ نہیں ہے اور

نام اَلْآخِرُ اسی معنی میں ہے اور اسکے مقابلہ میں اوّلیّت' اشیاء کے وجود پر سبقت کرنے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اسم اَلْاَوَّلُ
اسی معنی میں ہے۔ یہاں مفسر فاوی نے ایک سوال کیا ہے کہ نہ مردوں کے حق میں بقاء کے معنی ایک برس یا اس سے زیادہ مدت
تک باقی رہنے کے ہیں یا نہیں۔ اسکا جواب بھی دیا ہے کہ اس بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے لیکن قیاس سے
اسکی تائید ہوتی ہے۔ ہمارا عدم اور مستقبل کا عدم' مطلق طور پر واجب ہے۔ اوّلیت اور آخریت کے لحاظ سے چار شکلیں پیدا
ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کیلئے نہ اوّل ہے اور نہ آخر ہے۔ ہمارے عدم کیلئے ازل میں اوّل نہیں ہے لیکن آخر ہے مخلوقات کے لئے
اوّل ہے اور آخر ہے۔ جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کیلئے اوّل تو ہے مگر آخر نہیں ہے۔ یہ دونو شرعاً باقی رہیں گے نہ کہ
عقلاً۔ اسلئے کہ عقل ان دونو کے عدم کا تصور کرتی ہے۔

**دلیلِ بقاء۔** اگر اللہ تعالیٰ کیلئے عدم جائز ہوتا تو قِدم اسکے لئے محال ہوتا حالانکہ اسکے پہلے بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے
قِدم واجب ہے اور جس کیلئے قِدم واجب ہے اسکا عدم محال ہے۔ امام غزالیؒ نے دلیل یوں بیان کی ہے' اگر وہ عدم کو
قبول کریگا تو دو حالتوں سے خالی نہ ہوگا۔ یا تو وہ بنفسہٖ معدوم ہوگا یا کوئی دوسری چیز جو اسکی متضاد ہے اسکو معدوم کریگی۔
اگر کسی چیز کا بنفسہٖ معدوم ہو جانا جائز ہوتا تو اسکا بنفسہٖ موجود ہونا بھی جائز ہوتا جسطرح طریانِ وجود کسی سبب کا محتاج ہے
اسی طرح طریانِ عدم بھی کسی سبب کا محتاج ہے۔ یہ بھی باطل ہے کہ کوئی دوسری چیز جو اسکی متضاد ہے اسکو معدوم کرے
اسلئے کہ اگر وہ دوسری چیز قدیم ہو تو اسکے وجود کا تصور اسکے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ اصول سے اسکا وجود اور قدم ثابت
ہے تو قدم میں اسکا وجود اسکے ضد کے ساتھ کیسا ہوگا۔ اس ضد کا حادث ہونا بھی محال ہے اسلئے کہ حادث قدیم کا ضد
نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اسکو بقاء ہی بقاء ہے' عدم نہیں ہے۔

# مخالفتِ حوادث

**مخالفتِ حوادث** اللہ تعالیٰ کیلئے واجب ہے۔ حوادث وہ ہیں جن پر عدم لاحق ہوتا ہے۔ یہ تیسری سلبی صفت ہے
حوادث کے ساتھ مخالفت کے یہ معنی ہیں کہ حوادث کے ساتھ اللہ جلّ شانہٗ کو مشابہت نہیں ہے۔ اس تعریف سے جرمیت
عرضیت' کُلّیت' جزوئیت اور انکے لوازمات کی نفی ہوتی ہے۔ اسلئے کہ جرمیت کیلئے تحیّز لازم ہے اور اللہ تعالیٰ تحیّز سے
پاک ہے۔ عرضیت کیلئے قیام بالغیر لازم ہے اور اللہ تعالیٰ قائم بنفسہٖ ہے۔ اسی طرح کُلّیت کیلئے کبرپن اور جزوئیت
کیلئے صِغرپن لازم ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے پن اور چھوٹے پن سے پاک ہے۔ حوادث' موجودات کے ساتھ مختص ہیں۔
لیکن اللہ تعالیٰ جس طرح موجودات کے مخالف ہے اسی طرح معدوماتِ ازلی کے بھی مخالف ہے۔ معدومات' وجود میں
اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشارکت ہی نہیں کرتے۔ اگر دل میں یہ وہم پیدا ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نہ جرم ہے اور نہ عرض' نہ کل
ہے اور نہ جزو تو پھر آخر اسکی حقیقت کیا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ لَا یَعْلَمُ اللّٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالےٰ

# قیام بنفسہٖ

**قیام بنفسہٖ** اللہ تعالیٰ کیلئے واجب ہے۔ اسطرح کہ کسی محل یا مخصص کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے لفظِ نفس کا اطلاق جائز ہے جیسا کہ آیت ۲/۱۲ ۔ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (لکھی ہے تمھارے رب نے اپنے اوپر رحمت) میں ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ نہیں نفس کا لفظ صرف عارضی حیات والی چیزوں پر اطلاق ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اُس سے ذات مراد ہوگی اور معنی تبدیل ہونگے۔ آیت ۳/۱۲ اول۔ مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ انھوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے انکے مکر کی سزا دی اور اللہ تعالیٰ مکاروں کو سزا دینے میں سخت ہے۔ ایک ہی لفظ کو دو مرتبہ استعمال کیا جائے معنی کی تبدیل کے ساتھ تو اسکو **مشاکلت** کہتے ہیں اور معنی کے تبدیل کے بغیر استعمال کیا جائے تو غیر مشاکلت کہتے ہیں۔

**نفس** کے متعدد معانی ہیں نفسؔ سے ذات مراد لیجائے جیسا کہ اس مقام پر نفسؔ سے مراد خون کے بھی ہیں جیسا کہ مَا لَا نَفْسَ لَہٗ سَائِلَۃٌ لَا یُنَجِّسُ الْمَاءَ۔ جس جانور میں بہتا خون نہ ہو پانی کو نجس نہیں کرتا۔ نفسؔ کے معنی خودداری اور وقار کے ہیں جیسا کہ فُلَانٌ لَا نَفْسَ لَہٗ فلاں شخص کسی شمار و قطار میں نہیں ہے نفسؔ کے معنی عقوبت کے ہیں۔ آیت ۳ آخر۔ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ۔ اللہ تعالیٰ تمھیں تخویف دلاتا ہے اپنے عذاب کی۔

**قیام** کے متعدد معانی ہیں۔ قامت کا راست ہونا اور کسی چیز کا مضبوط کرنا اور یہاں مراد عدم احتیاج کے ہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے قائم ہے کسی محل یا مخصص کا محتاج نہیں ہے۔

**محل** سے مراد ایسی ذات ہے جس کے ساتھ قائم ہو محل سے مراد مکان نہیں ہے جس میں حلول کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے قائم ہے بغیر کسی دوسری ذات کی امداد کے اور کسی مخصص اور ایجاد کرنیوالے کا محتاج نہیں ہے۔ محل اور مخصص کی طرف نسبت کے لحاظ سے **موجودات** کی چار قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو ان دونوں کی محتاج نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو ان دونوں کی محتاج ہے اور وہ حوادث کے اعراض ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو محل کی احتیاج نہیں رکھتی اور مخصص کا احتیاج رکھتی ہے اور وہ حوادث کی ذات ہے چوتھی قسم وہ ہے جو محل کے ساتھ قائم رہتی ہے بلا احتیاج مخصص کے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

**دلیل قیام بنفسہٖ**۔ اگر اللہ تعالیٰ محل کی طرف محتاج ہوا تو صفت ہوگا اور صفت متصف نہیں ہوتی صفات معانی کے ساتھ اور نہ معنویہ کے ساتھ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا صفات معانی اور معنویہ دونوں کے ساتھ متصف ہونا واجب ہے پس وہ صفت نہیں ہے۔ اگر مخصص کا محتاج ہوگا تو حادث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے قدم اور بقاء کے دلائل کے بعد وہ حادث بھی نہیں ہو سکتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ محل اور مخصص دونوں سے مستغنی ہے۔ البتہ

نہ وہ کسی کے مشابہ ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ مخلوق خالق کے مشابہ کیسی ہوگی اور معتقد و معتقَد کے اور تصویر مصوّر کے۔ اجسام اور اعراض سارے اسکے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

**جہات** سے اللہ تعالیٰ کی ذات منزّہ ہے۔ جہات چھ ہیں۔ فوق و سفل، یمین و شمال، قدام و خلف۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرکے ان جہات کو نمایاں کیا۔ انسان کی وہ جانب جو زمین کی طرف ہے اسکو پاؤں کہتے ہیں اور اسکے مقابل کے حصہ کو سر۔ جو جہت سر کی جانب ہے اسکو فوق اور جو پاؤں کی جانب ہے اسکو اسفل کہتے ہیں چیونٹی جو چھت کی نچلی سطح پر اُلٹی چلتی ہے اسکے حق میں تحت وہ ہے جو ہمارے حق میں فوق ہے۔ انسان کے دو ہاتھوں میں غالب یہ ہے کہ ایک ہاتھ کی قوت دوسرے سے زیادہ ہو۔ قوی ہاتھ کا نام یمین اور اسکے مقابل کے ہاتھ کا نام شمال اور انکے محاذی جہات کو یمین و شمال کہا گیا۔ وہ جانب جسکی طرف انسان کی نظر کرتی ہے اور جسکی طرف انسان حرکت کرتا ہے اُس جہت کو قدام اور اسکے مقابل کی جہت کو خلف کہا گیا۔ یہ جملہ جہات نمایاں ہوئیں انسان کے پیدا ہونیکے بعد اگر انسان موجودہ ہیئت میں پیدا ہونیکے بجائے مستدیر شکل میں، گیند کی طرح گول پیدا ہوتا تو اِن جہات کا وجود ہی نہ ہوتا۔ گویا ازل میں جہات کا وجود ہی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ جہات سے کیسے متصف ہوتا۔

**دعا** کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اسلئے اٹھائے جاتے ہیں کہ وہ دعا کا قبلہ ہے۔ اس میں مدعو کے جلال اور کبریائی کا اظہار مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے قہر و استیلا، کی وجہ سے ہر موجود کا فوق ہے۔

**استوائے بعرش**۔ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اُس معنی میں جو اللہ تعالیٰ نے استوار سے مراد لیا ہے۔ یہ اُس کی ذاتِ کبریائی کی وصف کے منافی نہیں ہے۔ حدوث اور فنا کی علامات اُس میں اثر نہیں کرتیں۔ آسمان کی طرف استوار سے یہی مراد لیا گیا۔ آیت ۲۴ ۳۔ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ اور یہ بطریق قہر و استیلا، ہے

لے لاحظہ ہو اشارات

| | |
|---|---|
| قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ | مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَدَمٍ مُهْرَاقِ |
| عراق پر بشر غالب ہوا | بغیر تلوار کے اور خونریزی کے |

اہلِ حق اس تاویل کی طرف مجبور ہوئے جبکہ اہلِ باطن آیت ۲۷ ۵ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو) کی تاویل کی طرف۔ سب کو اتفاق ہے کہ اس سے احاطہ اور علم مراد ہے۔ حدیث۔ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے) میں انگلیوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر ہے۔ حدیث۔ اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ يَمِيْنُ اللّٰهِ فِي اَرْضِهٖ (حجرِ اسود اللہ کی زمین میں اس کا یمین ہے) میں حجرِ اسود کی تشریف اور تعظیم مراد ہے۔ اسلئے کہ اگر اسکو ظاہری معنی پر چھوڑ دیا جائے تو محال لازم آتا ہے۔ اسیطرح اگر استواء سے فقط استقرار اور تمکین کے معنی لئے جائیں تو متمکن کا صاحبِ جسم ہونا لازم آئیگا جو عرش کو مَس کرے اور عرش کے برابر یا اس سے بڑا یا چھوٹا ہو اور یہ محال ہے جو چیز محال کو پہنچاتی ہے وہ بھی محال ہے۔

اور اسکی کوئی انتہا نہیں ہے۔ وہ پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، مارتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یعنی اسکے افعال میں تعدد و کثرت ہے اسکا نتیجہ یہ کہ اسکے افعال میں کم متصل ہے اور اسکی نفی نہیں ہوتی۔ جملہ کموم چھ ہیں اور ان میں سے پانچ کی نفی ہوتی ہے اگر اللہ تعالیٰ کے کسی فعل میں کسی دوسرے کی مشارکت کی نفی کیجائے تو وحدانیتِ افعال میں کم متصل کی بھی نفی ہو جاتی۔

رازی نے محصل میں وحدانیت فی الافعال کے ضمن میں مختلف آراء کا ذکر کیا ہے۔ ابوالحسن اشعری کا قول ہے کہ بندہ کی قدرت کا کوئی اثر اسکے مقدور میں نہیں ہے بلکہ قدرت اور مقدور دونو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں قاضی نے کہا ہے کہ ذاتِ فعل، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتا ہے اور وہ فعل بندہ کی قدرت سے طاعت یا معصیت میں شمار ہوتا ہے۔ استاد ابو اسحٰق نے کہا ہے کہ ذاتِ فعل اور اسکی صفات واقع ہوتی ہیں دو قدرتوں سے امام الحرمین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ میں قدرت اور ارادہ دونو کو پیدا کیا ہے اور یہ دونو موجب ہیں مقدور کے وجود میں آنے کے اور یہ فلسفیوں کا قول ہے، معتزلہ میں سے ابوالحسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔ جمہور معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا مُوجِد ہے، وجوب کے طور پر نہیں بلکہ اختیار کے طور پر۔ بیجوری نے تحفۃ المرید میں ابراہیم دسوقی سے نقل کیا ہے۔ مَنْ نَظَرَ لِلْخَلْقِ بِعَيْنِ الْحَقِيْقَةِ عَذَرَهُمْ وَمَنْ نَظَرَ لَهُمْ بِعَيْنِ الشَّرِيْعَةِ مَقَتَهُمْ فَالْعَبْدُ مَجْبُوْرٌ فِيْ صُوْرَةِ مُخْتَارٍ۔ جس نے خلق کو حقیقت کی نظر سے دیکھا انکو معذور ٹھیرایا اور جس نے شریعت کی روشنی میں دیکھا انکو ملزم ٹھیرایا۔ بندہ اپنی ظاہری صورت میں مختار اور اصل میں مجبور ہے۔

رازی نے معتزلہ کے پیش کردہ عقلی اور نقلی دلائل کو تفصیل سے بتاتے ہوئے انکا جواب دینے کی کوشش کی اور اس بحث کو بہت طوالت دی۔ ناصرالدین محقق طوسی نے اپنے مختصر حاشیہ میں نہایت خوبی سے اس پیچیدگی کو حل کرنا چاہا۔ لکھا ہے کہ قرآن کی آیتوں میں تعارض ممتنع ہے۔ ہمیں ان آیتوں میں تعارض کا گمان صرف اسوجہ سے پیدا ہوا ہے کہ ہم انکی توجیہہ سے واقف نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۳/۹۔ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا اسکی تاویل نہیں جانتا۔ اہلِ تحقیق کہتے ہیں۔ لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِيْضَ وَلٰكِنْ اَمْرٌ بَيْنَ اَمْرَيْنِ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ وَمَنْ لَا يَعْرِفُ حَقِيْقَتَهٗ وَقَعَ فِي التَّحَيُّرِ۔ نہ جبر ہے نہ تفویض ہے اور واقعہ دونوں کے بین بین ہے جس نے اسکی حقیقت کو نہیں پہچانا وہ حیرانی میں مبتلا ہوا۔ جتنے افعال وقوع میں آئے یا آئیں گے سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ ان سارے افعال میں اللہ تعالیٰ کا کوئی ثانی یا شریک نہیں ہے۔ بندہ کیلئے کسب سے زیادہ کچھ نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے نفس کے اختیاری افعال کو پیدا کرتا ہے اُس قدرت کی وجہ سے جسکو اللہ تعالیٰ نے اُس میں ودیعت کی ہے۔ جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال میں ایسا مجبور ہے جیسا کہ ہوا میں معلق تنکا۔ افعال میں بندہ کو کوئی کسب نہیں ہے۔ معتزلہ نے تفریط سے کام لیا اور بندہ کو اپنے اختیاری افعال میں آزاد اور مختار قرار دیا اور جبریہ نے افراط سے کام لیا اور بندہ کو غیر آزاد، غیر مختار ٹھیرایا اور کہا کہ بندہ میں کوئی کسب نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات مُخصِّص سے مستغنی ہیں اور اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

# وحدانیّت

**وحدانیت**۔ اللہ تعالیٰ کیلئے وحدانیت فی الذات، فی الصفات اور فی الافعال واجب ہے یعنی اسکا ثانی نہیں ہے ذات میں، نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔ وحدانیت منسوب ہے وحدۃ کی طرف۔ واحدانیت میں یا نسبت کیلئے اور الف اور نون مبالغہ کیلئے ہے جیسا کہ شعرانی شعر کی طرف منسوب ہے۔ اس فن کے مباحث میں، وحدانیت کی بحث شریف ترین ہے۔ وحدانیت کو **علم توحید** بھی کہتے ہیں۔ اس بحث کی اہمیت اور عظمت ایسی ہے کہ قرآن مجید میں متعدد آیتوں میں اسکی توضیح کی گئی ہے تاکہ بندوں کو اس سے آگاہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۲/۱ آخر۔ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ اور تمہارا معبود اکیلا معبود ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اسکے، بڑا مہربان رحم کرنیوالا۔

**کموم**۔ علما میں ممکنات کی تقسیم حسب رائے حکماء، متکلمین، سہولت اور اختصار کیلئے شجرے کی شکل میں بیان کیگئی ہے۔ ہر ایک جسم جوہر اور عرض میں تقسیم پاتا ہے اور عرض میں کمیات داخل ہیں۔ کمیات کی پھر دو قسمیں ہیں۔ کم متصل اور کم منفصل۔ ذات، صفات اور افعال تینوں میں کم متصل اور کم منفصل سے بحث کیجائیگی۔

**وحدانیّت بالذّات** کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مختلف اجزاء سے مرکب نہیں ہے اور نہ اس کی ذات میں تعدّد اور کثرت ہے۔ مختلف اجزاء سے بنی ترکیب کی مثال اجسام ہیں جیسے حصیر سیلیوں اور ڈوریوں سے بنائی جاتی ہے۔ ترکیب کی نفی سے کم متصل کی نفی ہوئی۔ تعدّد کی نفی سے مراد یہ ہے کہ غیر مشتر کہ اجزاء کی نفی کیجائے یعنی دوسرا تیسرا اور چوتھا اِلٰہ نہیں ہے۔ اس تعدّد کی نفی سے کم منفصل کی نفی کیگئی ہے۔

**وحدانیّت فی الصّفات** کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ایک ہی جنس کی صفات میں تعدّد نہیں ہے اور نہ اسکی صفتوں کی مانند کسی دوسرے میں کوئی صفت پائی جاتی ہے۔ ایک ہی جنس کی صفات میں تعدّد نہ ہونیکے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی صفت ایک ہے اس میں تعدد نہیں۔ دو قدرتیں تین قدرتیں نہیں ہیں۔ اس سے صفات میں کم متصل کی نفی ہوئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔ زید میں یہ قدرت نہیں کہ کسی چیز کو پیدا کرے یا معدوم کرے۔ اس سے صفات میں کم منفصل کی نفی ہوئی۔

**وحدانیّت فی الافعال** کے معنی ہیں کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسرے کیلئے کوئی فعل ثابت نہیں ہے اور نہ کوئی دوسرا کسی فعل میں اثر انداز ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے افعال میں **کم منفصل** کی نفی ہوئی۔ اب رہا امر کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں تعدد اور کثرت ہے، وہ مؤثر کے لحاظ سے نہیں بلکہ مؤثر کے لحاظ سے ہے

لے اس مضمون پر خیر زری بحث ملاحظہ ہو

سارے وجوہ کے ساتھ۔ **نظیر** وہ ہے جو مساوی ہو بعض وجوہ میں اور مساوی نہ ہو بعض وجوہ میں **شبیہ** جو مطلق مشابہت رکھتا ہو اور یہ شامل ہے مثیل اور شبیہ دونوں پر آیت ﴿لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ میں ک کے معنی مثل اور مانند کے ہیں اور اس لحاظ سے آیت کے معنی ہوئے اُسکے مثل کا مثل نہیں ہے۔ یہاں مثل کے وجود کا وہم پیدا ہوتو اسکا جواب کئی طرح دیا گیا ہے۔ کاف کو صلہ یعنی زاید قرار دیا جائے جو مثل کی نفی کی تاکید کا فائدہ دیتا ہے یعنی مثل کے انتفاء میں انتفاء کی تاکید ہے۔ مثل کے معنی صفت کے لئے جائیں تو یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ اس آیت میں کنایہ ہے جیسا کہ مِثْلُکَ لَا یَبْخَلُ ای اَنْتَ لَا تَبْخَلُ۔ تم جیسا بخل نہیں کرتا اس سے مراد یہ ہے کہ تم بخل نہیں کرتے۔ اس آیت کا تعلق کنایہ سے ہونیکی وجہ یہ ہے کہ مثل کے مثل کی نفی سے خود مثل کی نفی لازم آتی ہے۔

---

ان چھ صفات میں سے وجود کی صفت نفسیہ ہے اور بقیہ پانچ صفات سلبیہ ہیں۔ صفت **نفسیہ** وہ ہے جس کے بغیر ذات کا تعقّل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ نفسیہ صرف ایک ہے اور وہ وجود کی صفت ہے۔ صفتِ **سلبیہ** سَلب کے معنی کھینچنے اور نکال لینے اور نفی کرنیکے ہیں۔ ان صفات کو سلبیہ اسلئے کہا گیا کہ سَلب کے معنی کے ذریعہ انکی تفسیر کیجاتی ہے جیسا کہ قدم کے معنی وجود کی اوّلیّت کے سَلب کے ہیں اور بقاء کے معنی وجود کی آخریّت کے سَلب کے۔ مخالفت حوادث کے معنی حوادث کی مماثلت کے سَلب کے ہیں۔ قیام بالنفس کے معنی افتقار (احتیاج) کے سَلب کے ہیں۔ وحدانیّت کے معنی تعدّد کے سَلب کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صفات سلبیہ ہونیکے یہ معنی ہیں کہ خلاف صفت کا سَلب مقصود ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ سے سَلب کئے گئے ہیں۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں اُس سے مسلوب نہیں ہیں۔

# صفات معانی (۷)

قدرت۔ ارادت۔ علم۔ حیات۔ سمع۔ بصر۔ کلام

---

قدرت، ارادت، علم، حیات، سمع، بصر اور کلام یہ سات صفات، صفاتِ معانی کہلاتی ہیں۔ صفات میں تقدّم و تأخر نہیں ہے، اسلئے کہ صفات واجب ہیں۔ اگر ان صفات کے وجوب میں تقدّم و تأخر ہو تو وہ صفت جو متأخر ہوگی حادث ہوگی اور یہ محال ہے۔ یہاں صرف بیان کرنیکے خاطر ان صفات کا ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے۔ سلبیہ صفات کے بعد معانی کی صفات اسلئے بیان کی گئی ہیں کہ صفات سلبیہ تخلیہ اور آرایش کی قسم سے ہیں اور صفاتِ معانی تحلیہ اور زیبایش کی قسم کی ہیں اور آرایش کو زیبایش پر تقدیم ہے۔ اسی لئے صفاتِ سلبیہ پہلے بیان کی گئیں اور انکے بعد صفاتِ معانی۔ معتزلہ نے صفاتِ معانی کے وجوب کی نفی کی ہے۔ صفاتِ معانی کی سات کی تعداد اشاعرہ کے پاس ہے لیکن ماتریدیہ نے صفتِ تکوین کا اضافہ کرکے صفاتِ معانی کی جملہ تعداد آٹھ بتائی ہے اور کہا ہے کہ صفتِ **تکوین** بھی قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے

اہلِ سنّت نے بیچ کی راہ اختیار کی اور کہا کہ بندہ اپنے فعل کو پیدا نہیں کرتا لیکن اُس فعل میں اس کے لئے کسب ہے۔ یہ امرِ اوسط ہی بہتر ہے۔

**دلیلِ وحدانیت**۔ اللہ تعالیٰ کیلئے وحدانیت کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ واحد نہ ہوتا تو لازم آتا کہ عالم کی کوئی چیز نہ پائی جائے اور اس صورت میں اُس کا عجز لازم آتا۔ اگر اللہ تعالیٰ واحد نہ ہوتا تو لازم آتا کہ عالم کی کوئی چیز وجود میں نہ آئے لیکن مشاہدہ سے عالم کی کسی نہ کسی چیز کا وجود میں نہ آنا باطل ہے تو پھر وہ چیز بھی باطل ہے جو اس نتیجہ کو پہنچائے اور وہ اُسکا واحد نہ ہونا ہے اور جب یہ باطل ہوا تو اسکا نقیض ثابت ہوا جو مطلوب ہے اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر عالم میں عَیَاذاً بِاللّٰہ دو خدا ہوتے تو اُن دونوں میں یا تو اتفاق ہوتا یا اختلاف کسی شئی کے وجود یا عدم پر اِن دونو کو اتفاق ہونیکی صورت میں یہ ممکن نہیں ہے کہ دونو ایک ساتھ اُس چیز کی ایجاد کریں۔ اسلئے کہ اس سے یہ ہوگا کہ ایک اثر کے پیدا کرنیکے لئے دو مؤثر ہونگے جو باطل ہے۔ اگر دونوں ایک ساتھ نہیں بلکہ ترتیب سے عمل کریں جیسا کہ پہلے ایک نے ایجاد کیا اور پھر دوسرے نے تو دوسرے کا فعل تحصیل حاصل ہوگا جو عبث ہے۔ اور اگر ایک نے ایک جزو کو پیدا کیا اور دوسرے نے دوسرے جزو کو تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ایک اُن میں کا دوسرے جزو کے پیدا کرنے سے قاصر رہا۔ اسکو دلیلِ **توارد** کہتے ہیں۔ اگر دونو میں کسی چیز میں اختلاف ہوا، ایک نے عالم کے ایجاد کا ارادہ کیا اور دوسرے نے اسکے معدوم کرنیکا تو اُس چیز کا عمل میں آنا دشوار ہوگا اسلئے کہ اجتماعِ ضدین محال ہے۔ اسکو دلیل **تمانع** کہتے ہیں۔ ابنِ رشد نے اس دلیل میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ اگر دونو متخالفین میں سے ایک کی مراد نافذ ہوئی اور دوسرے کی مراد نافذ نہ ہوسکی تو جسکی مراد نافذ ہوئی وہی خدا ہے اور وہ دوسرا جسکی مراد نافذ نہیں ہوئی خدا نہیں۔ آیت پ۱۷ ع۱۲۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (اگر ہوتے اِن دونو آسمان اور زمین میں اور خدا سوائے اللہ کے تو دونو خراب ہوتے۔) میں وحدانیت کی دلیل کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں لفظِ اِلَّا حرفِ استثناء نہیں ہے بلکہ اس سے غیر مراد ہے اور فساد سے عدمِ وجود مراد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت حجتِ قطعی کی تعریف میں داخل ہے۔ رہا یہ امر کہ دونو صلح و آشتی سے ملکر کام کریں اسلئے صحیح نہیں کہ اُلوہیت ایسی صفت ہے جو مطلق طور پر غلبہ کی مقتضی ہے۔ کیا خوب انداز میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آیت پ۱۸ ع۵ ماقبل آخر۔ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ تو لیجاتا ہر معبود جو بنایا اور چڑھ جاتا ایک پر ایک

**سورۂ اخلاص**۔ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پروردگار عالم کے بارے میں سوال کیا۔ صِفْ لَنَا رَبَّكَ أَمِنْ ذَهَبٍ أَمْ مِنْ فِضَّةٍ۔ بیان کیجئے اپنے پروردگار کا حال کیا سونے کا ہے یا چاندی کا۔ تو سورہ اخلاص نازل ہوئی جس میں کفر کے آٹھ قسموں کی نفی کی گئی۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سے کثرت اور عدد کی نفی ہوئی۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ سے قلت اور نقص کی نفی ہوئی لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ سے علت اور معلولیت کی نفی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ دوسرے کیلئے علت نہیں ہے اور نہ کسی غیر کا معلول ہے۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ سے شبیہ اور نظیر کی نفی ہوئی **مثیل** وہ ہے جو مساوی ہو

ساتھ قائم ہے اور اسی صفت کے ذریعہ ہر ایک چیز کو پیدا کرتا ہے اور تلف کرتا ہے۔ انکے پاس صفاتِ افعال سے یہی صفت مراد ہے اس صفت کا تعلق خلق سے ہو تو خلق کہا جاتا ہے، رزق سے ہو تو رزق اور زندہ سے ہو تو احیاء۔ اسی طرح دیگر صفاتِ افعال ہیں۔ اسی بناء پر صفاتِ افعال قدیم ہیں۔ اشاعرہ کا مذہب لائقِ ترجیح ہے کہ وہ اس صفت کا اضافہ نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ صفاتِ افعال قدرتِ تنجیزیہ کے تعلقات ہیں اور یہ تعلقات حادثہ ہیں اور اس بناء پر صفاتِ افعال بھی حادثہ ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ اگر پیدا کرنا اور تلف کرنا تکوین کی صفت کا کام ہے تو پھر قدرت کا منصب کیا ہے۔ ماتریدیہ جواب دیتے ہیں کہ قدرت کا کام یہ ہے کہ ممکن کو وجود اور عدم کیلئے تیار کرے اس معنی میں کہ ممکن میں وجود اور عدم کی قابلیت پیدا کرے۔ اس تعبیر پر پھر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ممکن کی ذات میں یہ قابلیت پہلے سے موجود ہے تو پھر ضرورت نہیں کہ قدرت اس میں کوئی مزید قابلیت پیدا کرے۔ ماتریدیہ جواب دیتے ہیں کہ [illegible] ذاتی طور پر قبول کرنے کی قابلیت حاصل ہے لیکن قدرت اس میں قبولِ استعداد کی تمامیت پیدا کرتی ہے۔

**صفاتِ معانی**۔ صفتِ نفسی اور صفاتِ سلبی کی تفصیل بیان کرنیکے بعد صفاتِ معانی کی تشریح کیگئی۔

**معانی** جمع ہے معنی کی اور لغت میں معنی کہتے ہیں اس چیز کو جو ذات کے مقابل ہے۔ اس لحاظ سے معنی لغت میں صفاتِ نفسی اور سلبی کو بھی شامل ہے۔ اصطلاح میں صفاتِ معانی ہر اس صفت کو کہتے ہیں جو موصوف کے ساتھ قائم ہے اور [illegible] موصوف کیلئے واجب بھی ہے جیسا کہ قادر ہونیکے لئے قدرت لازم ہے حقیقت یہ ہے کہ صفاتِ معانی اور صفاتِ معنوی ایک دوسرے کی لازم و ملزوم ہیں۔ صفاتِ معانی وجودی صفات ہیں اور یہ اصل ہیں معنوی صفات کی۔ اسی لئے صفاتِ معانی کو پہلے بیان کیا گیا۔

**تعلقات** جو سات ہیں۔ پہلا قدیم صلوحی تعلق اور [illegible] تعلقات قبضہ اور تین تعلقات تنجیزی حادث۔ تین تعلقات قبضہ یہ ہیں۔ وجود میں آنے سے پہلے عدم کی حالت میں ہمارے ساتھ تعلق۔ عدم سے وجود میں آنیکے بعد وجود کی حالت کا استمرار۔ وجود کے بعد عدم کی حالت میں ہمارا استمرار۔ یہ تینوں بالقوہ ہیں اور ان تعلقات کو تعلقاتِ قبضہ کہا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ممکن قدرت کے قبضہ میں ہے۔ اگر چاہے تو اسکو عدم ہی کی حالت میں قائم رکھے یا وجود میں لانے کے بعد اسکو وجود کی حالت میں قائم رکھے اور وجود سے دوبارہ عدم میں لانیکے بعد عدم کی حالت کو قائم رکھے۔ تین تعلقات تنجیزی حادث یہ ہیں۔ پہلے عدم کے بعد ہم کو پیدا کرنیکا بالفعل تعلق۔ ہمارے وجود میں آنیکے بعد ہم کو ہلاک کرنے کا بالفعل تعلق۔ ہمارے ہلاک ہونیکے بعد ہم کو دوبارہ قیامت میں پیدا کرنیکا بالفعل تعلق۔ یہ تینوں تعلقات تنجیزی حادث ہیں۔

**تعلقات** [illegible] نسبت تفصیل [illegible] اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ صرف صفاتِ معانی کو تعلق ہے اور بعض کہتے ہیں کہ معنوی [illegible] دونو کو ایک ساتھ تعلق ہے۔ اسلئے کہ اگر دونو کو ایک ساتھ متعلق ہونگا [illegible] قدرت اور قادر دونو کا اثر ایک ہوگا اسی طرح ارادہ اور مرید دونو کا اثر ایک ہوگا۔

لہ صفحہ ۱۶۲ ملاحظہ ہو۔

فرع ہے اور جب قدرت کی نفی ہوئی تو اسکی ضد ثابت ہوئی اور وہ عجز ہے اور عجز کی صورت میں دنیا کی کوئی چیز نہ پیدا ہوتی۔ علم میں لزوم کی وجہ یہ ہے کہ اگر علم کی نفی ہوئی تو اسکی ضد ثابت ہوئی اور وہ جہل ہے اور جب جہل ثابت ہوا تو ارادہ کی نفی ہوئی اسلئے کہ علم کے بغیر ارادہ سمجھ میں نہیں آسکتا اور جب ارادہ کی نفی ہوئی تو اسکی ضد ثابت ہوئی جو کراہت ہے عدم ارادہ کے معنی میں۔ حیات میں لزوم کی وجہ یہ ہے کہ اگر حیات کی نفی ہوئی تو قدرت، ارادہ اور علم تینوں کی نفی ہوگی بلکہ پوری صفات کی نفی ہوگی۔ اسلئے کہ ان سب میں حیات شرط ہے۔ اور جب قدرت، ارادہ اور علم کی نفی ہوئی تو انکی اضداد ثابت ہونگی۔ اور عجز انکے منجملہ ہے۔ معتزلہ صفاتِ معانی کا اثبات نہیں کرتے اور صفاتِ معنویہ کا اثبات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بذاتہٖ قادر ہے نہ کہ قدرت کی صفت کے سبب سے جو ذات پر زاید ہے۔ اللہ تعالیٰ بذاتہٖ مرید ہے نہ کہ ارادہ کی زاید صفت کی وجہ سے اور اس طرح دیگر صفات کی نسبت بحث کرتے ہیں۔ انکو یہ جواب دیا گیا ہے کہ صفاتِ معانی کے بغیر صفاتِ معنویہ کے ثابت قرار دینے کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے بغیر قدرت کے اور مرید ہے بغیر ارادہ کے اور اسی طرح دیگر صفات جن کا بطلان واضح ہے۔

## ارادہ

**ارادہ** واجب ہے اللہ تعالیٰ کے لئے۔ ارادہ اور مشیئت معنی میں مترادف ہیں۔ لغت میں ارادہ محض قصد کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں ارادہ صفتِ وجودی قدیم ہے جو متعلق ہے تمامی ممکنات کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، تخصیص پیدا کرتا ہے ممکن میں بعض ان چیزوں کی جو اس کیلئے جائز ہیں۔

**ممکناتِ متقابلات**۔ وہ چیزیں جو ممکن کیلئے جائز ہیں انکو ممکناتِ متقابلات کہتے ہیں یعنی ایک دوسرے کے متقابل اور متنافی ہیں۔ انکی چھ قسمیں ہیں۔ وجود کے مقابل عدم اور عدم کے مقابل وجود۔ بعض صفت بعض صفت کے مقابل ہے جیسا کہ سفید سیاہ کے مقابلہ میں بعض زمانہ کے مقابل ہے جیسا کہ طوفان کا زمانہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مقابلہ میں۔ بعض امکنہ، بعض امکنہ کے مقابلہ میں جیسا کہ مصر بمقابلہ عراق کے۔ بعض جہت بعض جہت کے مقابلہ میں جیسا کہ کوئی چیز مشرق میں ہو بمقابل اسکے کہ مغرب میں ہو۔ بعض مقدار بعض مقدار کے مقابلہ میں جیسا کہ کوئی چیز طویل ہو بمقابل اسکے کہ قصیر ہو۔ ارادہ صفتِ وجودی ہے، سلبی صفت نہیں ہے۔ نجّار کا قول ہے کہ صفتِ سلبی ہے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ فاعل حقیقی سے سہو نہیں ہوسکتا اور نہ اُس پر جبر ہو سکتا ہے، اسلئے سلبی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ صفتِ سلبی ایک عدمی امر ہے جس کا وجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا وجود ہے، اسلئے ارادہ وجودی صفت ہے سلبی نہیں۔ ارادہ صفتِ قدیم ہے صفت حادث نہیں ہے۔ کرامیہ کہتے ہیں کہ ارادہ صفت حادث ہے جو ذات کے ساتھ قائم ہے۔ تمامی ممکنات سے ایسے امور مراد ہیں جنکا وجود اور عدم دونوں استرداداً جائز ہیں اور انکی طرف وجود اور عدم دونوں کی نسبت مساوی ہے۔ ممکن کی قید کی وجہ سے

**واجب** سے قدرت کو تعلق نہیں ہے۔ واجب تو واجب ہی ہے۔ عدمِ ازلی بھی واجب ہے اسکو بھی قدرت سے تعلق نہیں۔ **تاثیر** ذات کی حقیقت ہے۔ قدرت کی طرف تاثیر کو صرف مجازاً منسوب کیا جاتا ہے محض اسلئے کہ قدرت تاثیر کی سبب ہے۔ اَلْقُدْرَۃُ فَعَّالَۃٌ اَوْ اُنْظُرْ فِعْلَ الْقُدْرَۃِ یعنی قدرت اثر انداز ہے کہنا یا قدرت کے کام دیکھو، کہنا جائز نہیں ہے ان الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ قدرت بنفسہٖ اثر پیدا کرتی ہے۔

**جمیع ممکنات** سے قدرت کا تعلق ہے۔ اگر کوئی ممکن قدرت کے تعلق سے خارج ہوا تو اس ممکن کی حد تک عجز لازم آئیگا اور عجز اللہ تعالیٰ کیلئے محال ہے۔ ممکن وہ ہے جس کیلئے وجود اور عدم، ذاتی طور پر واجب نہیں ہے۔ غیر کیلئے کسی ممکن کا وجود و عدم واجب ہوسکتا ہے جیساکہ ممکنات میں سے کسی کے وجود کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ہو تو وہ اگرچہکہ اپنی ذات سے ممکن ہے لیکن اسکا وجود غیر کیلئے واجب ہوا۔ جیساکہ ابوبکر صدیقؓ کا ایمان جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔ اسی طرح کسی کے عدم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ہو تو وہ اگرچہکہ اپنی ذات سے ممکن ہے لیکن اسکے وجود کا عدم غیر کیلئے واجب ہوگا جیساکہ ابوجہل کے ایمان کا عدم جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔ یہ تعلق صلوحی ہے نہ کہ تنجیزی۔ قدرت کی تعریف میں ممکن کا لفظ استعمال کرنے سے مقصود یہ ہے کہ واجب اور مستحیل کو خارج کیا جائے۔ اسلئے کہ قدرت کو واجب اور مستحیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ واجب فنا نہیں ہوسکتا اور مستحیل پیدا نہیں ہوسکتا۔ ارادہ کے موافق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو اپنے ارادہ سے مخصوص کیا اسکو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ ارادہ ازلی ہے اور قدرت تنجیزی اور حادث ہے، ارادہ قدرت پر سبقت رکھتا ہے۔

**غزالیؒ** نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر، جبار اور قاہر ہے۔ اس میں کمی یا کمزوری پیدا نہیں ہوتی۔ وہ ملک اور ملکوت عزت اور جبروت کا مالک ہے۔ اسکو سلطنت اور قہر حاصل ہے۔ سماوات اور ارض اور ساری مخلوقات اس کے یدِ قدرت کے تحت ہیں۔ کوئی چیز اسکی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

**دلیل** قدرت، ارادہ، علم اور حیات۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت، ارادہ، علم اور حیات سے متصف ہونیکے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی نفی ہو تو حادثات میں سے کوئی چیز بھی نہیں پائی جاتی یا وجود میں نہیں آتی لیکن حوادث میں سے کسی چیز کا نہ پایا جانا محال ہے تو جو چیز اس استفار شیٔ تک پہنچاتی ہے وہ بھی محال ہے۔ جب ان میں سے کسی چیز کی نفی محال ہے تو انکا وجود ثابت ہے جو ہمارا مطلوب ہے۔ چاروں صفات کی دلیل ایک جگہ بیان کرنیکی وجہ یہ ہے کہ انکے نفی کرنے پر ایک ہی لازم عائد ہوتا ہے یعنی دنیا کی ہر ایک چیز کے وجود کا عدم لازم آتا ہے۔ قدرت میں لزوم کی وجہ یہ ہے کہ اگر قدرت کی نفی ہوئی تو اسکا ضد ثابت ہوگا۔ قدرت کا ضد عجز ہے اور عجز کی صورت میں دنیا کی کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی ارادہ میں لزوم کی وجہ یہ ہے کہ اگر ارادہ کی نفی ہوئی تو اسکا ضد ثابت ہوگا اور ارادہ کا ضد کراہت ہے عدم ارادہ کے معنی میں اور جب اس معنی میں ضد ثابت ہوا تو قدرت کی نفی ہوئی۔ اسلئے کہ ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ قدرت، ارادہ کی

بعض صفات ایسی ہیں جو انکشاف کا تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ علم، سماعت اور بصارت۔ بعض صفات ایسی ہیں جو دلالت کا تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ کلام۔

**تعلقِ عام۔** اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا تعلق عام ہے۔ اس بارے میں عقلی اور نقلی دلائل ہیں۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر تعلق عام نہ ہو اور خاص ہو تو بعض کے ساتھ تعلق ہوگا اور بعض کے ساتھ تعلق نہ ہوگا تو ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی جو باطل ہے۔ نقلی دلیل کی مثال یہ آیت ہے۔ ۲۳/۴ مابل آخر۔ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ اس کا حکم بس یہی ہے کہ جب کسی چیز کو ہو کہے تو ہو جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ کا تعلق جب کسی شئی سے ہوا وہ شئی فوراً ظاہر ہوگئی۔ اس سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہایت سرعت کے ساتھ وجود میں آتی ہے اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ ظاہری معنی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شئی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے لفظ کُن کے ساتھ امر صادر ہوتا ہے مراد نہیں ہے۔

**قیام بالذّات۔** ذات کے ساتھ قائم ہونے کی قید سے مراد یہ ہے کہ فرقہ معتزلہ میں جبائی کی تردید کی جائے۔

**مختصر** یہ کہ ارادہ بھی انہیں امور میں قدرت کے مانند ہے۔ ارادہ کا تعلق ہر ایک ممکن سے ہے۔ ارادہ کے متعلقات بھی نامتناہی ہیں۔ اور ارادہ کی وحدت واجب ہے۔ البتہ قدرت اور ارادہ کے جہت تعلق میں اختلاف ہے۔ قدرت کا ممکنات کے ساتھ تعلق ایجاد اور اعدام کا تعلق ہے اور ارادہ کا تعلق صرف تخصیص پیدا کرتا ہے ممکن میں ممکن حالات میں سے بعض امور کی جیسا کہ کسی ممکن کو کسی خاص صفت کے ساتھ وجود میں لائے اور اسی طرح۔

**ارادہ اور امر۔** ارادہ عینِ امر نہیں ہے اور نہ امر کیلئے ارادہ لازم ہے۔ ارادہ اور امر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو سکتے ہیں، بخلاف معتزلہ کے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ مامور بہ پر عمل کرنے کو طاعت کہتے ہیں نہ کہ مراد اللہ پر۔ مراد اللہ ہمارے علم سے خارج ہے۔ امر صفت ظاہری ہے اور ارادہ صفت خفی ہے جس کا علم بندہ کو حاصل نہیں۔ بعض معتزلہ کہتے ہیں کہ ارادہ اور امر متحد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ امر کیلئے ارادہ لازم ہے اور اسی بنیاد پر انکا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ شرور اور قبائح کا ارادہ نہیں کرتا۔ اہلِ سنت کی رائے کے لحاظ سے ارادہ اور امر کے تعلق سے چار شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ یُرِیْدُ وَیَأْمُرُ۔ اللہ تعالیٰ کبھی کسی شئی کا ارادہ کرتا ہے اور حکم بھی دیتا ہے۔ اسکی مثال ابوبکر صدیقؓ کا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں یہ بات مخفی تھی کہ ابوبکر صدیقؓ ایمان لائیں اور امر شرع بھی یہی تھا کہ ایمان لائیں۔ یہاں ارادہ اور امر دونو جمع ہوگئے۔ فَقَدْ لَا یُرِیْدُ وَلَا یَأْمُرُ اللہ تعالیٰ کبھی کسی شئی کا ارادہ نہیں کرتا اور حکم بھی نہیں دیتا جیسا کہ سابقہ شکل کے خلاف، ابوبکر صدیقؓ کا کفر مشیئتِ ایزدی میں یہ نہیں تھا کہ ابوبکر صدیقؓ ایمان نہ لائیں اور حکم شرع بھی نہیں تھا کہ کوئی ایمان سے انکار کرے۔ یہاں ارادہ اور امر دونو کی نفی ہوئی۔ فَقَدْ لَا یُرِیْدُ وَیَأْمُرُ اللہ تعالیٰ کبھی کسی شئی کا ارادہ نہیں کرتا مگر حکم دیتا ہے جیسا کہ ابوجہل کا ایمان۔ مشیئت ایزدی میں نہ تھا کہ ابوجہل ایمان لائے مگر شرع نے ابوجہل کو ایمان لانے کیلئے حکم دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر اپنی رسالت کی ساری تبلیغی قوت صرف کی

واجب اور مستحیل خارج ہوجاتے ہیں۔ قدرت کی طرح واجب اور مستحیل کا تعلق بھی ارادہ کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ ارادہ کا تعلق واجبات اور مستحیلات سے نہ ہونے کی وجہ سے کوئی عجز اسلئے لازم نہیں آتا کہ واجبات اور مستحیلات ارادہ کے وظیفہ (منصب) میں داخل نہیں ہیں۔ ممکن کا لفظ خیر و شر دونوں پر شامل ہے بخلاف معتزلہ کے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا تعلق شرور سے نہیں ہے۔

**مکالمہ**۔ صاحب بن عباد کے یہاں استاد ابو اسحٰق **اسفرائنی** بیٹھے ہوئے تھے کہ قاضی عبد الجبار **ہمدانی** پہنچے اور اسفرائنی پر نظر پڑتے ہی ہمدانی نے اسفرائنی کی تعریض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ سُبْحَانَ مَنْ تَنَزَّهَ عَنِ الْفَحْشَاءِ۔ پاک ہے وہ ذات جو منزہ ہے برائی اور بے حیائی سے۔ اسفرائنی اشعری تھے اور ہمدانی معتزلی۔ اسفرائنی نے جواب دیا۔ سُبْحَانَ مَنْ لَا يَجْرِي فِي مُلْكِهِ إِلَّا مَا يَشَاءُ۔ پاک ہے وہ ذات جسکی حکومت میں فقط وہی چیز جاری ہوتی ہے جو وہ چاہتا ہے۔ ہمدانی۔ أَفَيُرِيدُ رَبُّنَا أَنْ يُعْصَى۔ کیا ہمارا پروردگار چاہتا ہے کہ اسکی نافرمانی کی جائے۔ اسفرائنی۔ أَفَيُعْصَى رَبُّنَا كَرْهًا۔ کیا ہمارے پروردگار کی نافرمانی جبراً کی جاتی ہے۔ ہمدانی۔ أَرَأَيْتَ إِنْ مَنَعَنِي الْهُدَى وَقَضَى عَلَيَّ بِالرَّدَى أَحْسَنَ إِلَيَّ أَمْ أَسَاءَ۔ تم کیا سمجھتے ہو اللہ تعالیٰ نے مجھکو ہدایت سے روکا اور میرے لئے ہلاکت کا فیصلہ کر دیا تو آیا اس نے مجھ پر احسان کیا یا ظلم۔ اسفرائنی۔ إِنْ مَنَعَكَ مَا هُوَ لَكَ فَقَدْ أَسَاءَ وَإِنْ مَنَعَكَ مَا هُوَ لَهُ فَهُوَ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تم کو اس چیز سے روکا جو تمہاری تھی تو برا کیا اور اگر اس چیز سے روکا جو اسکی ہے تو اسکی خوشی وہ جسکو چاہے اپنی رحمت سے سرفراز کرے۔ ہمدانی سے اسکا کوئی جواب نہ بن پڑا اور مطلوب حاصل ہوا۔

**انتسابِ شرور وقبائح**۔ اللہ تعالیٰ کی طرف شرور و قبائح کا انتساب کرنیکے جواز و عدمِ جواز کی نسبت علماء میں اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ مقامِ تعلیم (درس و تدریس اور تفہیم کے وقت) میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ ایسی باتوں کی نسبت بھی یہی حکم ہے مقامِ تعلیم میں جائز اور اسکے علاوہ جائز نہیں۔

**تعلق**۔ صفت کے اقتضا کو تعلق کہتے ہیں جس سے ذات پر ایک زائد امر کا لزوم ہوتا ہے۔ ارادہ کے لحاظ سے دو تعلقات ہیں تعلقِ تنجیزی قدیم اور تعلقِ صلوحی قدیم۔ **تنجیزی** قدیم اس تعلق کو کہتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے ازل میں شیٔ کو ان صفات کے ساتھ تخصیص کیا جنکی نسبت اسکو علم تھا کہ ان صفات کے ساتھ وہ شیٔ خارجی وجود میں ظاہر ہوگی۔ **صلوحی** قدیم، ازل میں تخصیص کی صلاحیت کو کہتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ حادث تنجیزی تعلق بھی ہے لیکن یہ مستقل تعلق نہیں ہے صرف تنجیزی قدیم تعلق کا اظہار ہے۔ اسی حادث کی طرف تخصیص کو منسوب کرنا مجاز عقلی ہے کہ سبب کی طرف منسوب کیا گیا ورنہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی اسکا مخصص ہے۔

**تعلقات**۔ تعلق کے لحاظ سے صفاتِ معانی کی چار قسمیں ہیں۔ صفاتِ معانی میں سے بعض ایسی صفات ہیں جو کہ کسی چیز سے تعلق ہی نہیں رکھتیں جیسا کہ حیات۔ بعض صفات ایسی ہیں جو تاثیر کا تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ قدرت اور ارادہ

وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہاں شَیْء سے مراد مطلق امر ہے، موجود کی تخصیص نہیں ہے۔ آیت ۴-۱۵۔ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہر چیز کو جو ہم سے غائب ہے اور جو ہمارے سامنے ہے غیب و شہادت کا امتیاز ہم مخلوق کیلئے ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے دونوں مساوی ہیں۔

لے شیء کی تفصیلی بحث اشاریہ مجددیہ ملاحظہ ہو

**تعلقِ علم** - اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق تمام اشیاء کے ساتھ، قدیم تنجیزی تعلق ہے۔ اللہ سبحانہٗ ازل سے جانتا ہے کہ ہر ایک شیٔ زمانۂ ماضی میں کس طرح تھی، زمانۂ حال میں کس طرح ہے اور زمانۂ استقبال میں کس طرح ہوگی۔ شیٔ کے حالات کے تغیر سے، اللہ تعالیٰ کے علم کے تعلق میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا، بلکہ شیٔ معلوم کی صفت میں تغیر واقع ہوتا ہے بعضوں نے اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق تین تعلقات کا اظہار کیا ہے۔ تعلقِ تنجیزی قدیم۔ اس علم کا تعلق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اور صفات سے ہے تعلقِ صلوحی قدیم۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے سوا دوسرے اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ان اشیاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کا علم تعلقِ تنجیزی حادث۔ اللہ تعالیٰ کا علم اشیاء کے بالفعل وجود میں آنیکے بعد لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق قدیم تنجیزی ہے۔ اللہ تعالیٰ اشیاء کو ازل میں اجمال اور تفصیل کے ساتھ کلی اور جزئی طور پر جانتا تھا اور جانتا ہے فلسفیوں نے تین امور سے انکار کیا ہے جزئیات کے علم سے انکار کیا۔ کہتے ہیں کہ جزئیات کا علم ازل میں اللہ تعالیٰ کو حاصل نہیں تھا۔ دنیا کے حادث ہونے سے انکار کیا اور دنیا کو قدیم ظاہر کیا۔ قیامت میں حشر اجساد یعنی دوبارہ پیدا ہونے سے انکار کیا

لے تعلقات کی تفصیلی بحث ۱۳۱ تعلق پر درج ہے۔ ۱۵۳

**ترتیبِ تعلقات** محققین کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت، ارادہ اور علم کے قدیم تعلقات میں ترتیب ہے، فقط تعقل کے اعتبار سے اور حقیقت میں حادث اور قدیم کے درمیان بھی ترتیب ہے۔ قدرت کے صلوحی قدیم تعلق، ارادہ کے صلوحی قدیم اور تنجیزی قدیم تعلق اور علم کے تنجیزی قدیم تعلق کے درمیان تعقل میں ترتیب ہے۔ پہلے علم کا تعلق سمجھ میں آتا ہے، پھر ارادہ کا تعلق، اور پھر قدرت کا تعلق۔ قدرت کا تعلق ارادہ کے تعلق کے تابع ہے اور ارادہ کا تعلق علم کے تعلق کے تابع ہے۔ خارج میں ان تعلقات کے درمیان ترتیب نہیں ہے۔ اسلئے کہ یہ تعلقات قدیم ہیں اور قدیم میں خارج میں کوئی ترتیب نہیں ہے۔ اگر قدیم میں ترتیب ہوگی تو متاخر کا حادث ہونا لازم آئیگا۔ قدرت تنجیزی حادث کے تعلق، ارادۂ تنجیزی قدیم اور صلوحی قدیم کے تعلق اور علم کے تنجیزی قدیم تعلق کے درمیان خارج میں اور تعقل میں دونوں میں ترتیب ہے۔ قدرتِ تنجیزی حادث کا تعلق، تعلقات قدیم سے ضروری طور پر متاخر ہے جس طرح حادث قدیم سے متاخر ہے۔ قدرتِ تنجیزی حادث کے تعلق اور ارادۂ تنجیزی حادث کے تعلق کے درمیان خارج اور تعقل دونوں میں ترتیب ہے۔ قدرتِ تنجیزی حادث کا تعلق ارادۂ تنجیزی حادث کے تعلق سے متاخر ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان دونو کے درمیان صرف تعقل میں ترتیب ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد اسکے ارادہ سے متاخر نہیں ہے۔ شیخ عبدالسلام کی شرح پر شنوانی کے حاشیہ سے یہ اقتباس لیا گیا ہے۔

جمیع واجبات میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال سب اسکے نفس کے علم میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے جانتا ہے کہ اسکو علم حاصل ہے۔ جائزات میں اشیاء کی خلقت شامل ہے۔ مستحیلات کی مثال اللہ تعالیٰ کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ

گروہ ایمان نہ لانا تھا نہ لایا۔ یہاں ارادہ اور امر دونوں میں مغایرت ہے فَقَدْ یُرِیْدُ وَلَا یَأْمُرُ اللہ تعالیٰ کبھی کسی شئی کا ارادہ کرتا ہے مگر حکم نہیں دیتا۔ جیسا کہ اگلی مثال میں ابوجہل کا کفر مشیئتِ ایزدی میں یہ مضمر تھا کہ ابوجہل کافر ہی رہیگا مگر بروئے شرع ابوجہل کو کفر کے ارتکاب کیلئے حکم نہیں دیا گیا۔

**ارادہ اور علم۔** ارادہ عینِ علم نہیں ہے اور نہ علم کیلئے ارادہ لازم ہے۔ اسلئے کہ علم کا تعلق جائز، واجب اور مستحیل تینوں سے ہے اور ارادہ کا تعلق صرف جائز ہی سے ہے جیسا کہ اس سے پہلے قدرت کے ضمن میں بیان کیا گیا۔

**ارادہ اور رضا۔** رضا اُس چیز کو کہتے ہیں جسکو قبول کیا جائے اور اُس پر صلہ بھی دیا جائے بخلاف اسکے ارادہ کا تعلق بعض ایسی چیز سے بھی ہو سکتا ہے جسکو اللہ تعالیٰ پسند نہ کرے جیسا کہ کفر جو کفار سے وقوع میں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے کفر کا ارادہ تو کیا مگر اسکو پسند نہیں کیا۔

**دلیلِ ارادہ۔** اسکے قبل دلیلِ قدرت کے ضمن میں ص ۱۴۸ پر قدرت کے ساتھ ارادہ، علم اور حیات چاروں کی دلیل بیان کیجا چکی ہے اسلئے کہ ان چاروں کی نوعیت ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اختیار کے ساتھ دنیا کا صانع ہے اور جو ایسا ہو اس کیلئے ارادہ واجب ہے، پس اللہ تعالیٰ کیلئے ارادہ واجب ہے۔

**غزالیؒ** نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرنیوالا ہے تمام کائنات کا، مدبر ہے تمام حادثات کا، مُلک اور ملکوت میں کم زیادہ چھوٹی بڑی چیزیں، نیکی اور برائی، نفع اور نقصان، ایمان و کفر، عرفان اور نکران، فوز و خسران، طاعت اور عصیان، اُسی کی قضا و قدر، حکمت و مشیئت سے صادر ہوتی ہیں۔ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ اسکے ارادہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ انس و جن، ملائکہ و شیاطین، متحد ہو کر دنیا میں اسکے ارادہ اور مشیئت کے خلاف ایک ذرہ کو جو ساکن ہے حرکت نہیں دے سکتے اور نہ متحرک کو سکون دے سکتے ہیں۔ جملہ صفات میں اس کا ارادہ بذاتہٖ قائم ہے جسکے ذریعہ وقتِ مقررہ پر تمام اشیاء وجود میں آتی ہیں۔

مدام معتبر

## ۹ علم

**علم** واجب ہے اللہ تعالیٰ کیلئے۔ جو تمامی واجبات، جائزات اور مستحیلات کے ساتھ متعلق ہے، بغیر خفاء کی سبقت کے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی صفت ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم تمام امور میں قدرت اور ارادہ کے مانند ہے۔ علم کا تعلق تمام ممکنات سے ہے۔ علم کے متعلقات لامتناہی ہیں اور علم کی وحدت واجب ہے۔ علم کی وحدت کی نسبت سب کا اجماع ہے کسی نے یہ نہیں کہا کہ معلومات کے تعدد کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی تعدد ہے۔ بخلاف ابوسہل صعلوکی کے۔ ابوسہل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علوم قدیم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم صرف ممکنات تک محدود نہیں ہے بلکہ ممکنات کی طرح واجبات اور مستحیلات پر بھی حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق معلومات کے ساتھ، عام ہے۔ آیت ۳ تا آخر قبل

ھُوَ فِی شَاْنٍ کے یہی معنی ہوئے۔ ہر وقت وہ ایک امر پیدا کرتا ہے جسکو ظاہر کرتا ہے اپنے ارادہ اور علم کے موافق جو ازل میں ہے۔

**غزالیؒ**۔ اللہ تعالیٰ کو جمیع موجودات کا علم ہے۔ زمین کی پستیوں اور آسمانوں کی بلندیوں پر اسکا علم حاوی ہے۔ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اسکے علم سے خارج نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے قول آیت ۳/۱ آخر۔ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (وہ ہر چیز کو جانتا ہے) میں صادق ہے۔ آیت ۲۹/۱ آخر۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ کیا بھلا وہ نہیں جانتا کہ کس نے پیدا کیا (اس نے پیدا کیا) جو لطیف اور خبیر ہے۔ چھوٹی سی چھوٹی چیز کی نازک خلقت، باقاعدگی اور خوبصورتی رہنمائی کرتی ہے صانع کی صنعت کے کمال کی طرف آیت ۱۵/۹ آخر کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا۔ ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر سو تیرا رب خوب جانتا ہے کون زیادہ سوجھی ہوئی راہ پر ہے۔ اندھیری رات میں، پتھر کی چٹان پر، کالی چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ کو جانتا ہے۔ چھپے ہوئے بھیدوں، دلوں کے وسوسوں اور خطرات سے واقف ہے۔ اسکا علم قدیم اور ازلی ہے۔

**دلیل وجوب علم**۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل اسکے محکم ارادہ اور اختیار سے صادر ہوتا ہے اور جس کی یہ صفت ہو اسکے لئے علم واجب ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کیلئے علم واجب ہے۔

## حیات

**حیات** واجب ہے اللہ تعالیٰ کیلئے۔ حیات وجودی صفت ہے جسکا تعلق کسی شئی سے نہیں ہے۔ شیخ سنوسی نے حیات کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ حیات اسی ذات میں ہو سکتی ہے جس میں ادراک پایا جائے یعنی ادراک کی صفات سے متصف ہو۔ علم، سمع اور بصر ادراک کی صفات ہیں۔ قدرت اور ارادہ جیسی دوسری صفات بھی ادراک کی صفات کی مانند ہیں۔ اس تعریف سے صرف حیاتِ قدیمہ کا احتمال ہو سکتا ہے جیسا کہ اس مقام پر مطلوب ہے۔ اس تعریف سے حیاتِ قدیمہ اور حیاتِ حادثہ دونو کا احتمال بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن فقط حیاتِ حادثہ کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ اس مقام پر حیاتِ حادثہ مطلوب نہیں ہے۔ بہرحال شیخ سنوسی کی تعریف کی عبارت میں قِدم اور حدوث کی دو مختلف حقیقتیں جمع ہوتی ہیں اور اسکی وجہ سے کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تعریف رسمی کہلاتی ہے۔ البتہ حدی تعریف میں دو مختلف حقیقتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ بعضوں نے حیاتِ قدیمہ اور حیاتِ حادثہ کی تعریف ایسے الفاظ میں کی ہے جس سے ان دونو میں امتیاز پایا جائے۔

**حیاتِ قدیم** ایک ازلی صفت ہے جو علم کی صحت کی مقتضی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں علم کی صحت واجب ہے بخلاف ہم انسانوں کے۔ انسان میں حیات کے باوجود علم کی نفی ہو سکتی ہے جیسا کہ مجنون جو زندہ ہے مگر علم نہیں رکھتا۔

**حیاتِ حادثہ**۔ ایک ایسی کیفیت ہے جو حس اور حرکتِ ارادی کو قبول کرے۔ حرکتِ اضطراری اس سے خارج ہے۔ جیسا کہ کسی نے پتھر پھینکا تو پھینکنے والے کی حرکت، ارادی و اختیاری ہے اور پتھر کی حرکت اضطراری۔

جانتا ہے کہ اسکا شریک معدوم ہے۔ صفتِ علم کو واجبات، جائزات اور مستحیلات کے ساتھ اسلئے متعلق کیا گیا کہ علم تاثیر کی صفات میں سے نہیں ہے بخلاف قدرت اور ارادہ کے۔ قدرت اور ارادہ کا تعلق فقط ممکن کے ساتھ ہے۔ اگر قدرت اور ارادہ کو واجبات کے ساتھ بھی متعلق کیا جائے تو قدرت اور ارادہ، واجبات میں بھی، وجود کا اثر پیدا کرتے اور تحصیلِ حاصل لازم آتی اور عدم کا اثر پیدا کرنے پر عدم لازم آتا اور عدم کے لازم آنے سے حقائق کا قلب ہوتا۔ اسلئے کہ واجب کی حقیقت یہ ہے کہ عدم کو قبول نہ کرے۔ اگر قدرت اور ارادہ کو مستحیلات کے ساتھ متعلق کیا جائے تو قدرت اور ارادہ مستحیلات میں بھی، وجود کا اثر پیدا کرتے اور حقائق کا قلب لازم آتا۔ اسلئے کہ مستحیل کی حقیقت یہ ہے کہ وجود یا عدم کو قبول نہ کرے، پس تحصیلِ حاصل لازم آتی۔

**کسبی**۔ اللہ تعالیٰ کے علم کو کسبی کہنا بھی جائز نہیں ہے۔ اسلئے کہ عُرفِ عام میں کسبی اُس علم کو کہتے ہیں جو غور و فکر اور استدلال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ استدلال کہ عالم متغیر ہے اور ہر متغیر حادث ہے نتیجہ یہ کہ عالم حادث ہے۔ گویا کہ عالم کے حادث ہونیکا علم دلائل کے ذریعہ حاصل ہوا اور اسی کو کسبی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم کو کسبی اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث قائم ہونگے جو محال ہے۔ اسکے علاوہ کسبی علم کیلئے اسکے پہلے جہل بھی لازم آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کو ضروری، نظری اور بدیہی بھی نہیں کہہ سکتے علمِ ضروری کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو نظر اور استدلال پر موقوف نہ ہو۔ اس قسم کا ضروری علم تو اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ضروری علم کی دوسری قسم یہ ہے کہ جو ضرورۃً حاصل ہوا اور جس سے چارہ نہ ہو۔ اس دوسری قسم کا ضروری علم اللہ تعالیٰ کیلئے ممتنع ہے۔ علمِ نظری کسبی ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے حسب صراحتِ بالا ممتنع ہے۔ علمِ بدیہی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ بدیہی علم جو نظر و استدلال پر موقوف نہ ہو۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کیلئے حاصل ہے۔ بدیہی علم کی دوسری قسم وہ ہے جو اچانک نفس کو حاصل ہو۔ ایسا بدیہی علم اللہ تعالیٰ کیلئے ممتنع ہے۔

**فائدہ۔ ابن شجری** ایک مرتبہ کرسیِ وعظ پر آیت ۲۹/۲۷ ۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (ہر روز وہ ایک خاص شان میں ہے) کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ جماعت میں سے ایک صاحب نے سوال کیا۔ فَمَا يَفْعَلُ رَبُّكَ الْآنَ۔ تمہارا رب اب کیا کر رہا ہے۔ آپ جواب نہ دیسکے اور اسی فکر کی حالت میں رات میں سو گئے۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرضِ حال کیا۔ آپ نے فرمایا، سوال کرنے والے خضر تھے وہ پھر تم سے ملیں گے اور وہی سوال کرینگے تم کہنا "لَهُ شُئُونٌ وَلَا يَبْتَدِئُهَا يَخْفِضُ اَقْوَامًا وَيَرْفَعُ آخَرِيْنَ" اللہ تعالیٰ کی شئون ہیں۔ انکو ظاہر کرتا ہے، انکو از سرِ نو شروع نہیں کرتا بعض قوموں کو پست کرتا ہے اور بعض کو بلند کرتا ہے۔ ابنِ شجری صبح خوش خوش بیدار ہوئے۔ خضرؑ پہنچے اور پھر وہی سوال کیا اور ابنِ شجری نے ویسا ہی جواب دیا۔ خضرؑ نے کہا صَلِّ عَلٰى مَنْ عَلَّمَكَ۔ جس نے تمھیں علم سکھایا اس پر درود پڑھو اور یہ کہکر خضر چلے گئے۔ شُئُون سے مُراد احوال ہیں۔ يُبْدِيْهَا کے معنی يُظْهِرُهَا اور لَا يَبْتَدِئُهَا کے معنی لا يستأنفها علمًا ہیں۔ اس طرح كُلَّ يَوْمٍ

ف ۔ استئناف، از سر نو آغاز کرنا۔

خواہ ذات سے ہوں یا غیرِ ذات سے۔ اللہ تعالیٰ تمامی موجودات کو دیکھتا ہے حتّٰی کہ اصوات کو بھی جو نہایت ہی خفی ہوں جیساکہ اندھیری رات میں کالی چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے یہ سب منکشف ہیں اور انکو دیکھتا ہے۔ بصارتِ حادثہ ایک قوت ہے جو مرکوز کیگئی ہے دو اعصاب میں جو دماغ کے اگلے حصّہ میں آکر ملتے ہیں۔ یہ تعریف تو حکماء نے کی ہے لیکن اہلِ سنّت کے پاس بصارت ایک ایسی قوت ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے دونوں آنکھوں میں پیدا کیا ہے۔

**متعلق** کے لفظ سے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ سماعت اور بصارت کے تین تعلقات ہیں۔ تعلق تنجیزی قدیم تعلقِ صَلوحی قدیم اور تعلق تنجیزی حادث۔ تنجیزی قدیم اُس تعلق کو کہتے ہیں جو ازل میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے ساتھ تھا صَلوحی قدیم اُس تعلق کو کہتے ہیں جو جائزِ موجود کے وجود میں آنے سے قبل اسکی صلاحیت کی نسبت ہے۔ تنجیزی حادث اُس تعلق کو کہتے ہیں جو موجودِ جائز کے وجود میں آنیکے بعد حاصل ہوتا ہے۔ تمامی موجودات کا فقرہ حاوی ہے واجبات اور جائزات پر اور موجودات میں اَلوان (رنگ) اور اَصوات بھی داخل ہیں لیکن **اکوان** سے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ سماعت بصارت کو تعلق نہیں ہے۔ اسلئے کہ اکوان اعتباری امور ہیں۔ اکوان اجتماع، افتراق، حرکت و سکون کو کہتے ہیں اور یہ اعتباری امور ہیں جنکا مشاہدہ نہیں ہوسکتا البتہ اُن چیزوں کا مشاہدہ ہوتا ہے جو ان اکوان سے متصف ہوتی ہیں ان صفات کا تعلق ہر موجود کے ساتھ واجب ہے اور ان صفات کے متعلقات لامتناہی ہیں اور ان صفات کی وحدت بھی واجب ہے۔

**غزالیؒ** نے ان صفات کے بارے میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اُسکی سماعت سے کوئی مسموع باہر نہیں، اُسکی بصارت سے کوئی مرئی غائب نہیں۔ دُوری اُسکی سماعت میں حائل نہیں، تاریکی اسکی بصارت میں مانع نہیں۔ بغیر کانوں کے سنتا ہے، بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے اور بغیر دل کے جانتا ہے۔ دل کے واردات، وہم، فکر کے راز اُسکی رویت سے بچ نہیں سکتے۔ سماعت اور بصارت کی صفتیں کمالی ہیں اور کمالی صفات اللہ تعالیٰ کیلئے ضروری ہیں۔ آیت پ۱۶ع۲ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ تم کیوں پوجتے ہو اُن کو جو سنتے نہیں اور دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ بغیر اعضاء کے فاعل اور بغیر دل و دماغ کے عالم ہے تو بغیر آنکھ کے بصیر اور بغیر کان کے سمیع بھی ہے۔

**دلیل** سماعت و بصارت آئندہ کلام کی صفت کے ساتھ بیان کیجائیگی۔

## ۱۳ کلام

**کلام** واجب ہے اللہ تعالیٰ کیلئے ایسا جو نہ حرف ہے اور نہ آواز اور متعلقات میں سے اُن امور کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جس کے ساتھ علم کو تعلق ہے۔ مختلف مذاہب میں، کلام کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں۔ اہلِ سنّت کہتے ہیں کہ کلام صفتِ ازلی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ وہ نہ حرف ہے اور نہ آواز، اُس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہے

**حیاتِ حادثہ اور روح** ۔ اللہ تعالیٰ کی حیات' اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے راست ہے' روح کے وجود کے سبب سے نہیں ہے ۔ اور ہماری حیات ہماری ذات کیلئے راست نہیں ہے بلکہ روح کے وجود کے سبب سے ہے ۔ حیاتِ حادثہ اور روح دو مختلف امور ہیں ۔ حیاتِ حادثہ خود روح نہیں ہے' روح کے سوائے ہے ۔ حیاتِ حادثہ روح کے بغیر بھی پائی جا سکتی ہے ۔ جماد اور نبات میں نہ حیات ہے اور نہ روح ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے جماد اور نبات میں' بعض وقت بطورِ معجزہ اور کرامت حیات کو پیدا کیا بغیر روح کے ۔ درخت نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجا اور آپ کے دستِ مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی ۔

**دلیل** وجوبِ حیات ۔ اللہ تعالیٰ قدرت' ارادہ اور علم سے متصف ہے اور جو اس طرح متصف ہو اُس کے لئے حیات واجب ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ کیلئے حیات واجب ہے ۔ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے جس ذات کیلئے علم اور قدرت ثابت ہے اسکے لئے ضروری طور پر حیات بھی ثابت ہے ۔ اگر کوئی موجود' حیات کے بغیر قادر' عالم اور مدبّر ہو سکتا تو حیوانات کا حرکت کرنا' چلنا پھرنا بغیر جان کے ہو سکتا' پیشہ ور اور کاریگر بغیر جان کے اپنے کام کر سکتے' مگر ایسا نہیں ہے

# سماعت[۱۱] وبصارت[۱۲]

سماعت اور بصارت دونو واجب ہیں اللہ تعالیٰ کیلئے اور یہ دونو صفاتِ وجودی ہیں جو متعلق ہیں تمام موجودات کیساتھ

**سماعت**' صفتِ ازلی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اُس کا تعلق عام ہے موجودات کے ساتھ خواہ اَصوات ہوں یا ذوات ۔ اللہ تعالیٰ اصوات اور ذوات کو سنتا ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اَصوات اور ذوات دونو اللہ تعالیٰ پر منکشف اور کھلے ہوئے ہیں' انکو سنتا ہے ۔ یہ اعتقاد بھی واجب ہے کہ سماعت کا انکشاف بصارت کے انکشاف کے سوائے ہے ۔ اس طرح علم کا انکشاف' سماعت اور بصارت کے انکشاف سے جداگانہ ہے ۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بصارت مشاہدہ کا ایسا فائدہ دیتی ہے جو وضاحت میں علم سے بالاتر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بصارت اور علم کے درمیان ایسا کوئی امتیاز نہیں ہے ۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی تمامی صفات ایسی مکمل ہیں کہ ان میں کسی قسم کا فقدان' زیادتی یا نقص وغیرہ محال ہے ۔ سماعتِ حادثہ یعنی ہم انسانوں کی سماعت ایک قوت ہے جو ودیعت کی گئی اُن اعصاب میں جو کان کے سوراخ کی گہرائی میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ اِن اعصاب کے ذریعہ ہم عادتی طور پر اَصوات کا ادراک کرتے ہیں لیکن کبھی یہ اعصاب غیرِ اَصوات کا ادراک بھی کرتے ہیں جیسا کہ حضرت **موسیٰ** علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے قدیم کلام کو سنا تھا اور یہ مسلّمہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہ حروف پر شامل ہے اور نہ آواز پر ۔ اہلِ سنّت کے پاس سماعت ایسی قوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے دونو کانوں میں پیدا کی ہے ۔

**بصارت** صفتِ ازلی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اسکا تعلق عام ہے موجودات کے ساتھ

اسی طرح اُن الفاظ پر بھی اطلاق ہوتا ہے جنکو ہم مصاحف میں پڑھتے ہیں' اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا۔ اصل ترکیب میں اسکے کسی کو کسب اور دخل نہیں ہے۔ عایشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول اسی قبیل سے ہے۔ مَابَیْنَ دُفَّتَیِ الْمُصْحَفِ کَلَامُ اللّٰہِ تَعَالیٰ یعنی مصاحف کی دو دفتیوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے' مخلوق کی تالیف نہیں ہے۔ ابابی نے لکھا ہے کہ یہاں کلام سے نقوش مراد ہیں نہ کہ الفاظ۔ قرآن اور تورات وغیرہ دلالت کرتے ہیں اس چیز پر جس پر صفتِ قدیم دلالت کرتی ہے۔ اگر پردۂ حجاب رفع ہوجائے تو یہ معنی صفتِ قدیم سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ کلامِ لفظی کا جو مدلول ہے کلامِ نفسی کا بھی مدلول ہے۔ بلکہ یوں کہنا بہتر ہے کہ کلامِ لفظی کا مدلول کلامِ نفسی کے مدلول کے مانند ہے' دلالت کرنیوالے کے تغایر کے لحاظ سے جو الفاظ ہم پڑھتے ہیں کلام قدیم پر دلالت کرتے ہیں بطریق دلالتِ التزامی عرفی۔ اسلئے کہ جس کسی کیلئے کلامِ لفظی ہے' عرفی طور پر لازم آتا ہے کہ اسکے لئے کلامِ نفسی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلامِ لفظی کے معنی یہ ہیں کہ اس نے لوحِ محفوظ میں اسکو پیدا کیا۔ پس یہ عرفی طور پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلامِ نفسی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ کلام اللہ کا اطلاق کلامِ لفظی اور کلامِ نفسی دونو پر مشترکاً ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کلام اللہ کا اطلاق کلامِ نفسی پر حقیقی ہے اور کلامِ لفظی پر مجازی آگے چلکر جوہرۃ التوحید کی شرح میں شیخ بیجوری نے بہ مزید صراحت کی ہے کہ **قرآن** کا لفظ کلامِ لفظی اور کلامِ نفسی دونو پر صادق آتا ہے لیکن اکثر اسکا اطلاق کلامِ لفظی پر ہے۔ اسی طرح **کلام اللہ** کا لفظ بھی اطلاق ہوتا ہے کلامِ نفسی اور کلامِ لفظی دونو پر لیکن اکثر اسکا اطلاق ہوتا ہے کلامِ نفسی پر۔ ہر حال میں مصاحف کی دو دفتیوں کے درمیان جو کلام ہے اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے سے انکار کرنا کفر ہے سوائے اسکے کہ مراد صرف اسیقدر ہو کہ یہ وہ صفت نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ جو الفاظ کہ ہم پڑھتے اور اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں اگرچیکہ وہ حادث ہیں لیکن باوجود اسکے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ قرآن حادث ہے۔ البتہ تعلیم اور تفہیم کے موقع پر مضائقہ نہیں ہے۔ قرآن کے حادث ہونیکے اطلاق سے یہ وہم پیدا ہوسکتا ہے کہ کلام کی جو صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے وہ حادث ہے۔ اسی لئے ائمہ نے خلقِ قرآن کے قول سے منع کیا ہے اور اس ضمن میں اہلِ سنت کی کثیر تعداد کو ابتلاء اور امتحان کی مصیبت جھیلنی پڑی۔ امام **بخاریؒ** نکل پڑے یہ کہتے ہوئے اَللّٰھُمَّ اقْبِضْنِی اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ۔ یا اللہ مجھکو اپنی طرف بلالے فتنہ میں مبتلا ہوئے بغیر۔ اس واقعہ کے چار دنوں کے بعد آپ کی موت واقع ہوئی۔ **عیسیٰ بن دینار** بیس برس حبس میں رکھے گئے۔ امام **حنبلؒ** کو حبس میں رکھا گیا اور اتنی اذیت پہنچائی گئی کہ آپ بیہوش ہوگئے' فقط یہ کہنے پر مجبور کرنیکے لئے کہ قرآن مخلوق' ہاگیا ہے اور حادث ہے لیکن آپ اس قول کے اظہار پر راضی نہیں ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے امام شافعیؒ سے خواب میں فرمایا۔ بَشِّرْ اَحْمَدَ بِالْجَنَّۃِ عَلٰی بَلْوَیٰ تُصِیْبُہٗ فِی خَلْقِ الْقُرْآنِ۔ احمد کو جنت کی بشارت دو اُن مصائب کے صلہ میں جو

پاک ہے سکوتِ نفسی سے اور پاک ہے آفتِ باطنی سے جو بچپن یا گونگے پن میں پائی جاتی ہے۔ حشویہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں حروف اور آواز ہوتے ہیں، پائے جاتے ہیں اور ترتیب کے ساتھ اور کہتے ہیں کہ یہ حروف اور آواز قدیم ہیں بعضوں نے یہاں تک غلو کیا ہے کہ جو حروف اور نقوش ہم پڑھتے ہیں وہ بھی قدیم ہیں اور غلافِ مصحف بھی قدیم ہے
معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے حروف اور آواز حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض اجسام میں کلام کو پیدا کرتا ہے۔ انکا عقیدہ ہے کہ حروف اور آواز ہی سے کلام پیدا ہوا ہے۔ معتزلہ کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ معتزلہ نزولِ قرآن کے متعلق ان آیتوں سے استدلال کرتے ہیں۔ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں اتارا۔ آیت ۲ ۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ۔ بیشک ہم نے ذکر یعنی قرآن کو اتارا ہے۔ سنوسی کہتے ہیں کہ نص کے ظاہری الفاظ قرآن کے الفاظ پر دلالت کرتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے جس کے چھوٹے سورہ کی تلاوت بھی عبادت میں داخل ہے۔ بیجوری نے لکھا ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ الفاظ اور معنی دونوں نازل ہوئے۔ بعض نے کہا ہے کہ معنی نازل ہوئے اور جبریل نے اپنے الفاظ میں انکی تعبیر کی۔ بعض نے کہا ہے کہ معنی نازل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں انکی تعبیر کی۔ صحیح قول اول ہے یعنی لفظ اور معنی دونوں نازل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے **لوحِ محفوظ** میں اس کو پیدا کیا اور پھر اس کو مجموعی شکل میں لیلۃ القدر میں دنیا کے آسمان پر اس مقام پر اتارا جسکو "**بیت العزت**" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ موقع کے لحاظ سے تھوڑا تھوڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارتا رہا۔ کتاب اور سنت کے ان الفاظ سے حدوث کی جو تصریح معلوم ہوتی ہے وہ ان الفاظ پر دلالت کرتی ہے جو زبان سے پڑھے جاتے ہیں نہ کہ کلامِ نفسی پر۔ لیکن قرآن کو مخلوق کہنا منع ہے تاکہ صفتِ کلام کی طرف وہم نہ جائے۔ لغت میں کلامِ نفسی بھی ثابت ہے جیسا کہ اخطل کے اس شعر میں ہے۔

إِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفُؤَادِ وَإِنَّمَا     جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفُؤَادِ دَلِيلًا

بے شک کلام دل میں ہوتا ہے اور     زبان دل کی ترجمانی کرتی ہے

**اعتباری اقسام**۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی صفت ایک ہی ہے اور اس میں تعدد نہیں ہے بلکہ اعتبار کے لحاظ سے اسکی کئی قسمیں ہیں۔ طلبِ فعل کے تعلق سے وہ **امر** ہے۔ ترکِ فعل کے تعلق سے وہ **نہی** ہے کسی واقعہ کے بیان کرنے سے **خبر** ہے۔ اس حیثیت سے کہ مطیع فرمانبردار کے لئے جنت ہے **وعدہ** ہے۔ اس حیثیت سے کہ عاصی اور نافرمان کیلئے دوزخ ہے **وعید** ہے۔ اور اسی طرح اور قسمیں ہو سکتی ہیں۔ سوائے امر و نہی کے تعلق کے دیگر سارے تعلقات **تنجیزی قدیم** ہیں۔ مکلفین کے وجود سے پیشتر امر و نہی کا تعلق صلوحی قدیم ہے اور مکلفین کے وجود میں آنیکے بعد تنجیزی حادث ہے جس طرح کلام کا لفظ اس [illegible] پر اطلاق ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے

وَمِنْ بَعْدُ۔ اللہ تعالیٰ کیلئے امر ہے آگے بھی اور بعد بھی۔ گویا کہ تمام اشیاء کے وجود سے قبل اللہ تعالیٰ کو امر حاصل تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا امر مخلوق ہوتا تو نفسِ امر کے پہلے امر حاصل ہوتا اور یہ محال ہے۔ آیت ۵۴ ۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ اسی کیلئے ہے خلق اور امر۔ اس آیت میں امر اور خلق کے درمیان امتیاز کیا گیا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ خلق میں امر داخل نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ اَعُوْذُ بِكَلِمٰتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات کی توصیف تام کے لفظ سے کیگئی ہے اور حادث تام نہیں ہوتا۔ کلام کمال کی صفات میں سے ہے۔ اگر کلام حادث ہو تو اس کلام کے حدوث سے پہلے وہ کلام صفات کمال سے خالی اور خارج ہوگا اور جو چیز کمال سے خالی ہوگی ناقص ہوگی اور اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ اللہ تعالیٰ صفاتِ کمال سے آمروناہی ہے۔ اگر یہ صفات حادث ہوں تو لازم آئیگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حوادث کی محل ہو اور یہ محال ہے۔ اگر کلام اللہ حادث ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہوگا یا غیر کی ذات کے ساتھ یا کسی محل کے ساتھ قائم ہی نہ ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہوا تو گویا اللہ تعالیٰ کی ذات حوادث کی محل ہوئی جو محال ہے۔ اور اگر غیر کے ساتھ قائم ہوا تو وہ بھی محال ہے اسلئے کہ اگر غیر کے ساتھ کلام ممکن ہوا تو غیر کے ساتھ حرکت و سکون کا بھی امکان ہوگا اور یہ محال ہے۔ اگر یہ کلام بغیر محل کے پایا جائے تو وہ بالاتفاق باطل ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حروف اور آواز ہی ہے اور حروف اور آواز قدیم اور ازلی ہیں۔ گویا کہ وہ ضروریات سے انکار کرتے ہیں۔ اسکی دو وجوہ ہیں۔ وجہ اول یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ ان حروف کو وقتِ واحد میں کہا تھا یکے بعد دیگرے۔ اگر وقتِ واحد میں کہا تھا تو وہ الفاظ نہیں پیدا ہوسکتے جو ہم سنتے ہیں۔ اسلئے کہ ہم جو الفاظ سنتے ہیں وہ ایسے ہیں جو یکے بعد دیگرے واقع ہوئے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ کہ قرآن جو مسموع ہوا ہے قدیم نہ ہوگا۔ اگر یہ کلام یکے بعد دیگرے واقع ہوا ہے تو کلام کا وہ حصہ جو گزرا مُحدَث ہوگا، قدیم نہ ہوگا۔ وجہ دوم یہ ہے کہ حروف اور آواز ہماری زبان اور حلق سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر یہ حروف اور آواز اللہ تعالیٰ کی نفسِ صفت ہوں تو لازم آئیگا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہر فردِ بشر کی ذات میں حلول کرے۔ نصاریٰ نے جب اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو عیسیٰ علیہ السلام کی تنہا ذات میں حلول کرنا کہا تو جمہور مسلمین نے انکو کافر ٹھیرایا۔ پس وہ شخص جو ہر فردِ بشر میں اسکے حلول کی تائید کریگا تو اس کا کفر نصاریٰ کے کفر سے بڑھ جائیگا۔

**رازی** پھر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونیکی نسبت جملہ مسلمین کو اتفاق ہے لیکن معنی اور مفہوم میں اختلاف ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اجسام میں، خاص معنی پر دلالت کرنیوالی آوازوں کی تخلیق کی۔ ہم اس معنی میں انکے ساتھ اختلاف نہیں کرتے۔ اسلئے کہ ہمارا اعتقاد بھی یہی ہے کہ سارے حوادث اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے واقع ہوئے ہیں اور ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جمادی اور حیوانی اجسام میں بھی آوازوں کا پیدا کرنا ممکن ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کلام سے متکلم ہے وہ حروف اور آواز پر شامل نہیں ہے بلکہ وہ کلام نفسی سے متکلم ہے۔

انکو خلقِ قرآن کے بارے میں پہنچائی گئیں آپ نے بغداد کو چٹھی لکھ بھیجی اور امام احمد حنبلؒ کو اس بشارت سے آگاہ کیا۔ متقدمین کا (جن میں سنوسی بھی شامل ہیں) قول ہے کہ جو الفاظ ہم پڑھتے ہیں وہ کلام قدیم پر دلالت کرتے ہیں اور متاخرین کا قول ہے کہ بعض الفاظ کا مدلول قدیم ہے اور بعض الفاظ کا مدلول حادث۔ ابراہیم بیجوری نے متاخرین کی رائے کو موافقِ تحقیق قرار دیا ہے۔ آیت ۳-۲ ۔ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (اللہ کے سوائے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ زندہ ہے سب کا تھامنے والا ہے) کا مدلول قدیم اور آیت ۲۸ اول۔ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى (بیشک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا) کا مدلول حادث ہے۔

**حرف و آواز**۔ اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں نہ حرف ہے اور نہ آواز۔ رازی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ایک ہی ماہیت یعنی ایک ہی معنی و مفہوم کیلئے، مختلف زبانوں میں مختلف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں گویا کہ ماہیت ایک ہے اور حروف اور آواز میں مغایرت۔ نتیجہ یہ کہ کلام کی ماہیت الفاظ اور حروف سے جداگانہ ہے عضد نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حروف اور آواز کے ساتھ قدیم ہے۔ متاخرین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس قول سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تقدّم و تاخُّر ہے لیکن اسکا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ ہمارے حروف میں تقدّم و تاخُّر، مخارج کے اختلاف کی بناء پر پیدا ہوتا ہے لیکن جو ذات اس سے پاک ہے اسکا کلام بھی تقدّم و تاخُّر سے پاک ہے۔ عضد اس تعبیر کیلئے آمادہ نہیں ہیں بعض نے کہا ہے کہ حروف اور آواز سے کلام متعدد ہے اور اگر اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیجائے تو وہ کلام قدیم ہے اور اگر حوادث کی طرف نسبت کیجائے تو حادث ہے۔ اس تقریر کا بُطلان خود ظاہر ہے۔

**متعلِقات** میں لام کو زیر ہے اور متعلِقات سے مراد واجبات، جایزات اور مستحیلات ہیں جس طرح علم کا تعلق واجبات جایزات اور مستحیلات سے ہے، اسی طرح کلام کا تعلق بھی ان تینوں سے ہے۔ کلام تین امور میں علم کے مانند ہے۔ کلام کا تعلق تمامی واجبات، جایزات اور مستحیلات سے ہے۔ کلام کے متعلِقات بھی علم کے متعلِقات کی طرح لاتناہی ہیں۔ اور کلام کی وحدت بھی علم کی وحدت کے مانند ہے۔ کوئی سماعی دلیل کلام کے تعدُّد کی نسبت نہیں وارد ہوئی بلکہ اس پر اجماع ہے کہ کوئی دوسرا کلام قدیم نہیں ہے۔ البتہ علم اور کلام کے جہتِ تعلق میں اختلاف ہے علم کا تعلق انکشاف کا تعلق ہے، کلام کا تعلق دلالت کا تعلق ہے اور وہ تعلقِ تنجیزی قدیم ہے سوائے امر و نہی کے۔ وہ دلالت کرتا ہے ازلی طور پر کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات واجب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شریک اور صاحبۃ اور وَلَد مستحیل ہیں۔ زید کا وَلَد ہونا اور زید کا رزق اور زید کا علم جایز ہے اور ازلی طور پر دلالت کرتا ہے کہ جس نے اطاعت کی اسکے لئے جنت ہے اور جس نے نافرمانی کی اس کیلئے دوزخ ہے۔ پہلی صورت میں **وعدہ** اور دوسری صورت میں **وعید** ہے۔ امر اور نہی کا تعلق مامور و منہی کے وجود سے پیشتر صلوحی قدیم اور وجود کے بعد تنجیزی حادث ہے۔

**رازی** نے اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہونیکی نسبت نقلی اور عقلی دلایل پیش کئے ہیں۔ آیت ۲۱ ۵ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ

اَرْبِعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ کے معنی ہیں اَشْفِقُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ یعنی اپنے نفوس پر ڈرتے رہو پکار کر دعا کرنے سے کہ تم نہیں پکارتے ہو بہرے کو اور نہ غائب کو بلکہ تم ایسی ذات کو پکارتے ہو جو سنتا اور دیکھتا ہے۔ آیت ۲۔ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً۔ پکارو اپنے رب کو تضرع کے ساتھ اور پوشیدہ طور پر۔ تمام مذاہب والوں کو اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع بصیر اور متکلم ہے۔ اہل لغت سمیع بصیر اور متکلم اُسی ذات کو سمجھتے ہیں جس میں سماعت، بصارت اور کلام کی صفت ہو۔ مشتق کے اطلاق کیلئے اسکے ماخذ کا ثبوت لازم ہے۔ معتزلہ اللہ تعالیٰ کے سمیع بصیر اور متکلم ہونیکے قایل ہیں مگر صفاتِ سماعت، بصارت اور کلام سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صفات کی قدامت سے قدماء کی کثرت اور قدماء کا تعدد لازم آئیگا جو محال ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ قدماء کی تعداد کا امتناع متعدد ذاتوں میں ہے ذاتِ واحد میں تعددِ صفات کا امتناع نہیں ہے۔ کتاب سنت اور اجماع کے تعلق سے دلیلِ نقلی بیان کی گئی۔ اسکے بعد دلیلِ عقلی یہ بیان کی گئی کہ اللہ صفاتِ سماعت بصارت اور کلام سے متصف نہ ہو تو وہ متصف ہوگا اُن صفات کے اضداد، بہرے پن، اندھے پن اور گونگے پن سے جو نقائص ہیں اور اللہ تعالیٰ میں نقائص محال ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کیلئے یہ اضدادی صفات محال ہیں۔ اسکو قیاس **اقترانی** کہتے ہیں۔ اس دلیل کی بنیاد اس امر پر ہے کہ جو قبول کرتا ہے کسی چیز کو وہ اس چیز سے یا اسکے ضد سے خالی نہ ہوگا۔ یہ دلیل کسی قدر کمزور ہے اس طور پر کہ حاضر میں نقائص کے پائے جانے سے غائب میں نقائص کا پایا جانا لازم نہیں ہے عقلی دلیل کے مقابلہ میں نقلی دلیل میں قوت تھی اُسی کا لحاظ کرتے ہوئے متقدمین نے نقلی دلیل کو ترجیح دی اور عقلی دلیل کو صرف نقلی دلیل کی تقویت کیلئے بعد میں بیان کیا۔

**ادراک** ۔ حادث کے حق میں ادراک کہتے ہیں شئی مدرَک کی حقیقت کے تصور کو جو مدرِک میں حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں ادراک کہتے ہیں صفتِ قدیم کو جو قائم ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں۔ اس سے ملموسات کی نرمی اور سختی اور مشمومات کی خوشبو وغیرہ اور مذوقات کی حلاوت وغیرہ کا ادراک ہوتا ہے، انکے محال[1] جو اجسام ہیں ان سے اتصال کئے بغیر اور مدرَک کی کیفیت سے تکیف کے بغیر۔ بعض کہتے ہیں کہ اسی صفت کے ذریعہ ہر موجود کا ادراک ہوتا ہے۔ بعض متاخرین نے صراحت کی ہے کہ ادراک کی ایک ہی صفت ہے لیکن فن کلام میں ادراک کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں، ادراکِ ملموسات، ادراکِ مشمومات اور ادراکِ مذوقات۔ صفتِ ادراک کے بارے میں تین اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ادراک ثابت ہے۔ اور بعض اللہ تعالیٰ کیلئے ادراک کی نفی کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس بارے میں توقف بہتر ہے یعنی نہ ادراک کے اثبات کی نسبت کچھ کہا جائے اور نہ ادراک کی نفی کیجائے۔ قاضی باقلانی، امام الحرمین اور انکی تائید کرنیوالے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ادراک ثابت ہے اور دلیل[illegible] بیان کرتے ہیں کہ ادراک کمالی صفت ہے اور ہر کمال اللہ تعالیٰ کیلئے واجب ہے۔ اسلئے کہ اگر اس کمال سے [illegible] تو اسکے ضد سے اتصاف ہوگا جو

[1] محال، محل کی جمع ہے

اللہ تعالیٰ کے کلام کی یہ صفت قدیم اور واحد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس صفت کی بھی پانچ صفات ہیں امر، نہی، خبر، استخبار اور نداء۔ ہم کہتے ہیں کہ کلام کی حقیقت دراصل خبر ہے۔ امر و نہی بھی خبر ہیں اسلئے کہ ان میں بھی خبر دیگئی ہے کہ عمل کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں ثواب یا سزا کا بدلہ ملیگا۔

**غزالیؒ** کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے کلام ازلی قدیم کے ساتھ جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ مخلوق کے کلام کو اسکے ساتھ مشابہت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر ایسی آواز کے ہے جو ہوا کی موج کے سلسلہ میں پیدا ہو اور ایسے حرف کے بغیر ہے جو ہونٹ یا زبان کی حرکت سے ظاہر ہو۔ قرآن، توراۃ، انجیل اور زبور کتابیں ہیں جو اس نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیں۔ قرآن پڑھا جاتا ہے زبان سے، لکھا جاتا ہے صحیفوں میں اور حفظ کیا جاتا ہے سینوں میں اور باوجود اسکے قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ آواز اور حروف کے بغیر **موسیٰ** علیہ السلام نے اللہ کے کلام کو اسی طرح سنا جس طرح اس کے نیک بندے، آخرت میں اس کی ذاتِ پاک کو، جوہر یا عرض ہونے کے بغیر دیکھیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں ایسا کلام سنا جو نہ آواز تھا اور نہ حرف۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں ایک صفتِ کلام ہے جو حاوی ہے اُن تمام امور پر جس پر ساری عبارتیں دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام بنفسہٖ قائم ہے قدیم ہے البتہ جو آوازیں اس پر دلالت کرتی ہیں حادث ہیں۔

**دلیل** سماعت، بصارت و کلام۔ اللہ تعالیٰ کیلئے سماعت، بصارت اور کلام کے وجوب کی دلیل کتاب، سنت اور اجماع ہے اور یہ بھی ہے کہ اگر ان صفات سے متصف نہ ہو تو لازم ہے کہ اُنکی اضداد سے متصف ہو جو نقائص ہیں اور اللہ تعالیٰ میں نقائص محال ہیں کتاب، سنت اور اجماع لغوی قواعد کے لحاظ سے۔ کلام اللہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع، بصیر اور متکلم ہے متعدد آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے سمیع اور بصیر ہونیکا ذکر ہے۔ کلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۲۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيْمًا یعنی اللہ تعالیٰ نے **موسیٰ** علیہ السلام سے حجاب کو رفع کیا اور انھیں اپنا قدیم کلام سنایا اور اسکے بعد پھر حجاب حائل کیا۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہنا شروع کیا اور پھر خاموش ہوگیا۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک متکلم ہے معتزلہ یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلام کو درخت میں پیدا کیا اور اسی کلام کو موسیٰ نے سنا۔ قضاعی نے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے ایک لاکھ چالیس ہزار کلمات میں سرگوشی کی۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے موسیٰ کے فہم میں اتنے معانی آئے جنکی تعبیر ایک لاکھ چالیس ہزار کلمات میں کیجا سکے۔ روایت کیگئی ہے کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے مناجات سے نکلتے ہوئے اپنے کان بند کرلئے تھے تاکہ کلامِ الٰہی کے ذوق کو قائم رکھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ نورِ الٰہی سے ایسا روشن ہوگیا تھا کہ دوسروں کی نظر کو چکا چوندا اور اندھی کرنے اسی لئے آپ نے اپنے چہرہ پر نقاب ڈالا تھا اور آپ نے آخری وقت تک اس نقاب کو قائم رکھا۔ آیت۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ حدیث۔ اَرْبِعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ بِالدُّعَاءِ فَاِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَفِیْ روایۃ وَلَا غَائِبًا وَاِنَّمَا تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا

[illegible]

# صفاتِ معنوی (۷)

قادر، مرید۔ عالم۔ حی۔ سمیع۔ بصیر۔ متکلم

**معنوی** صفات سات ہیں اور یہ لازم ہیں پہلی سات صفاتِ معانی کی۔ اللہ تعالیٰ قادر، مرید، عالم، حی، سمیع، بصیر اور متکلم ہے۔ اس سے پہلے صفات معانی بیان کیجا چکی ہیں۔ اب صفاتِ معنوی بیان کیجائینگی۔ صفاتِ معانی کی ایک مثال قدرت ہے اور اسکی صفتِ معنوی قادریت یا اللہ تعالیٰ کا قادر ہونا ہے۔ اسی طرح دوسری صفاتِ معانی کے مقابلہ میں صفاتِ معنوی ہیں۔ لازم ہونے کا اقتضاء یہ ہے کہ جانبین کی طرف سے تلازم ہے اور یہاں مقصود بھی یہی ہے۔ اگر اقتضاء یہ ہے کہ صفاتِ معنوی معلول ہیں اور صفات معانی علل ہیں تو صرف صفاتِ معنوی لازماً ہونگی، اسلئے کہ معلول علت کا لازم ہے۔ قادر ہونیکی صفت واسطہ ہے موجود اور معدوم کے درمیان اور قدرت کی لازم ہے۔ مرید ہونیکی صفت واسطہ ہے موجود اور معدوم کے درمیان اور ارادہ کی لازم ہے۔ اسی طرح بقیہ صفات کی تعبیر کیجائیگی۔

## قادر[۱۴]

**قادر** ہے اللہ تعالیٰ، اسلئے کہ اسکے لئے قدرت واجب ہے۔ قادر کی تعریف یہ ہے کہ اگر چاہے تو عمل کرے اور نہ چاہے تو ترک کرے۔ فعل اور ترک فعل دو تو اسکی قدرت میں داخل ہیں اور اس سے وہی فعل یا ترکِ فعل صادر ہوتا ہے جو مخلوق کی مصالح کے موافق ہے۔

## مرید[۱۵]

**مرید** ہے اللہ تعالیٰ، اسلئے کہ اسکے لئے ارادہ واجب ہے۔ مرید کی تعریف یہ ہے کہ اسکا ارادہ معدوم کی طرف توجہ کرے تو اسکو عدم کے بدلہ وجود کے ساتھ تخصیص کرے۔

**ارادہ اور مشیئت**۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ارادہ اور مشیئت دونوں ایک ہیں۔ کرامیہ کہتے ہیں کہ مشیئت کی صفت واحد ہے اور ازلی، جو چاہتا ہے مشیئت کی صفت کے ذریعہ عمل میں لاتا ہے۔ ارادہ کی صفت، حادث اور مرادات کے تعدد کے لحاظ سے متعدد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرادیں کیا ہیں؟ وہ اس کے شئون ہیں اسکی مخلوق میں۔ یہاں ابن شجری کی آیتِ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کی تفسیر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ صفحہ ۱۵۸ ملاحظہ ہو۔

نقص ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے نقص محال ہے۔ نتیجہ یہ کہ صفتِ کمال سے اللہ تعالیٰ کا متصف ہونا واجب ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس اتصاف کیلئے اجسام سے اتصال نہیں ہے اور لذات اور آلام حاصل نہیں ہیں۔ ایک جماعت ادراک کی نفی کرتی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ ادراک کی صفت سے متصف ہوا تو عقلی تلازم یہ ہے کہ اس کے محال سے بھی اتصال لازم ہو اور اس اتصال کا انفکاک نہ ہو اور یہ لزوم اللہ تعالےٰ کے حق میں مستحیل ہے۔ یہ دعوے کہ ادراک کی صفت کمال ہے اگر اس سے متصف نہ ہو تو اس کی ضد سے متصف ہوگا فاسد ہے' اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم جمیع متعلقات پر محیط ہے اور وہ کفایت کرتا ہے اس صفت سے اس بارے میں کوئی نقلی اور سماعی دلیل نہیں وارد ہوئی اور نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل اس پر دلالت کرتا ہے' دنیا کی تخلیق اس پر موقوف نہیں ہے۔ جن لوگوں نے صفاتِ سماعت' بصارت اور کلام کو دلیلِ عقلی سے ثابت قرار دیا اس بناء پر کہ صفاتِ کمالی سے اللہ تعالیٰ کا اتصاف واجب ہے انھوں نے صفتِ ادراک کو بھی کمال ہونیکی وجہ سے ثابت قرار دیا۔ جن لوگوں نے سمعی اور نقلی دلیل کی بناء پر صفاتِ سماعت' بصارت اور کلام کو اللہ تعالےٰ کیلئے ثابت قرار دیا ادراک کی صفت کی نفی کر دی۔ اسلئے کہ کوئی سماعی دلیل وارد ہی نہیں ہوئی متکلمین میں سے مقترح اور ابن تلمسانی اور بعض متاخرین اس بارے میں **توقف** کو ترجیح دیتے ہیں دلایل میں تعارض پیدا ہونے کی وجہ سے۔ ادراک کے ثبوت پر اور نہ نفی پر جزم رکھتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ وقف کرنے میں زیادہ سلامتی ہے۔ جس طرح صفتِ ادراک کی نسبت اختلاف ہے اسی طرح مُدرِک ہونیکی نسبت بھی اختلاف ہے' اس میں بھی توقف کرنا صحیح ہے۔

**تکوین**۔ صفتِ تکوین کی نسبت بھی علماء میں اختلاف ہے۔ مَاتُرِیْدِیَّہ صفتِ تکوین کو ثابت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تکوین کی صفت قدیم ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس سے پیدا کرتا ہے اور معدوم کرتا ہے۔ اگر وجود سے صفتِ تکوین کا تعلق ہوا تو ایجاد کہلایا اور اگر عدم سے اسکا تعلق ہوا تو اِعدام کہلایا اور حیات سے تعلق ہوا تو اِحیاء اور اسی طرح صفاتِ افعال انکے پاس قدیم ہیں۔ اسلئے کہ وہ صفتِ تکوین سے ہیں جو قدیم ہے۔ بعض علماء اس طرف مایل ہوئے کہ یہ تمام صفات متعدد ہیں اور انکی وجہ سے قدماء کی کثرت لازم آتی ہے۔ اشاعرہ نے صفتِ تکوین کی نفی کی ہے اور کہتے ہیں کہ صفاتِ افعال قدرتِ تنجیزی حادث کے تعلقات ہیں۔ ماتریدیہ جو صفتِ تکوین کے قایل ہیں اگر ان پر اعتراض کیا جائے کہ جب تکوین کی صفت واجب ہے تو قدرت کا منصب کیا ہے۔ ماتریدیہ جواب دیتے ہیں کہ قدرت کا منصب یہ ہے کہ ممکن میں صلاحیت پیدا کرے کہ وجود یا عدم کو قبول کرے۔ پھر اعتراض کیا گیا کہ قبول تو ذاتی فعل ہے تو جواب دیا گیا کہ قبول' امکانِ ذاتی ہے بخلاف قبولِ استعدادی کے جو محل کے قریب زمانہ میں پیدا ہوتا ہے۔

---

اور واجب ہیں اور انکے قدیم اور واجب ہونے کے متعلق اعتقاد کرنا بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء، باعتبار ذات کے نہیں بلکہ باعتبار تسمیہ کے، قدیم ہیں۔ اسماء کے قدیم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسماء میں صلاحیت دی اور باعتبار صلاحیت کے قدیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی قدامت اس حیثیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ان کو جانا اور انکی تقدیر کی۔ بعض کا قول ہے کہ چونکہ مدلول قدیم ہے اسلئے اسماء بھی قدیم ہیں۔ علامہ ملوی نے شیخ ابن عربیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کلام قدیم میں جو اسماء ہیں وہ قدیم ہیں۔ اسماء کی تسمیہ قدیم ہے، ازل ہی سے اسماء کے معانی پر کلام دلالت کرتا ہے۔ اسماء کی تقسیم میں حصر نہیں ہے بلکہ اہم اسماء پر اکتفا کیا گیا۔ اسماء کے مدلول کا حصر نہیں ہے۔ ملوی نے لکھا ہے کہ یہاں قدم کے معنی عدم اوّلیت کے نہیں ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ انکو خلق کی تخلیق سے پیشتر اللہ تعالیٰ نے وضع کیا اور پھر ان اسماء کا انکشاف کیا نورِ محمدی پر پھر ملائکہ پر اور پھر عام مخلوق پر۔ قرطبی نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اوصاف سے موصوف تھا خلق کے وجود میں آنے سے پیشتر، وجود میں آنیکے بعد اور مخلوق کے فنا ہونیکے بعد مخلوق کو ان اسماء میں کوئی تاثیر یا دخل نہیں ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کو مخلوق نے وضع کیا اور چونکہ یہ اسماء الفاظ پر مشتمل ہیں اس لئے حادث ہیں، ازلی نہیں۔ شمسی نے معتزلہ کے اس قول کو لغو ٹھہرایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں بغیر اسماء کے اور بغیر صفات کے تھا اور جب کائنات کی تخلیق ہوئی تو مخلوق نے ان اسماء کو وضع کیا اور مخلوق کے فنا ہونے کے بعد بھی مخلوق کے بغیر یہ اسماء باقی رہیں گے۔ معتزلہ کا یہ قول خلقِ قرآن سے زیادہ قبیح ہے۔ یہ علماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء، عظیم، جلیل اور مقدس اس معنی میں ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا دوسروں کو ان اسماء سے نہیں پکارا جاسکتا۔ اسماء کی ایسی تفسیر نہیں کیجاسکتی جو اللہ جل شانہ کے لائق نہ ہو۔ اسماء کا ذکر اس طرح نہیں کیا جاسکتا جس میں تعظیم مضمر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی عظمت پر سب کا اجماع ہے۔

**تفاضلِ اسماء۔** باری تعالےٰ کے اسماء کے باہمی کوئی تفاضل ہے یا نہیں، اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کوئی تفاضل نہیں ہے۔ یواقیت میں ابنِ عربیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ نفس الامر میں اللہ تعالیٰ کے اسماء برابر برابر ہیں۔ اسلئے کہ اسماء سب کے سب ایک ہی ذات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اگر انکے درمیان تفاضل ہے تو امرِ خارجی کے تعلق سے۔ بیجوری نے شیخ امیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اسماء کے درمیان تفاضل ہے اور سب سے بزرگ جلالت کا لفظ (اللہ) ہے اور وہ اسم اعظم ہے۔ آیت ۱۰؍۴۰ ۔ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (اللہ کا کلمہ ہمیشہ اوپر ہے) میں لفظ اللہ کے اسم کی طرف اشارہ ہے۔ تمامی اسماء میں اسمِ اللہ کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے اور اسی طرح آیت ۲۱؍۴۵ ۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اللہ کی یاد سب سے بڑھی ہے) سے مراد یہ ہے کہ تمام اسماء کے ذکر میں اللہ کے اسم کا ذکر سب سے بڑھا ہوا ہے۔

**صفاتِ ذات۔** اللہ تعالیٰ کے اسماء کی طرح، صفاتِ معانی جو اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں وہ بھی

## عالِم[16]

عالم ہے اللہ تعالیٰ، اسلئے کہ اسکے لئے علم واجب ہے۔ اُس کا علم شامل ہے ہر اُس چیز پر جس کی شان یہ ہے کہ جانی جا[ئے]۔ صفتِ علم ایک ہے، اُس میں کثرت نہیں، معلومات میں کثرت ہے۔

## حیّ[17]

حیّ ہے اللہ تعالیٰ، اسلئے کہ اس کے لئے حیات واجب ہے۔ حیّ کی حیات حقیقی ہے یعنی اسکی حیات اسی کی ذات سے ہے، اسکے سوائے دوسروں کی حیات اُنکی ذات سے نہیں ہے۔

## سمیع[18]

سمیع ہے اللہ تعالیٰ، اسلئے کہ اس کیلئے سماعت واجب ہے۔ سمیع وہ ہے جو ہر موجود کی سنتا ہے۔

## بصیر[19]

بصیر ہے اللہ تعالیٰ، اسلئے کہ اسکے لئے بصارت واجب ہے۔ بصیر وہ ہے جو ہر موجود کو دیکھتا ہے۔ وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے ہر چیز کو (مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّشْغَلَهٗ شَاْنٌ عَنْ شَاْنٍ) بغیر اسکے کہ دوسری چیز سے غفلت کرے۔

## متکلّم[20]

متکلم ہے اللہ تعالیٰ، اسلئے کہ اس کیلئے کلام واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کی نسبت مختلف مذاہب کے لوگوں میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف ہے تو صرف اُسکے کلام کے معنی میں۔ اللہ تعالےٰ کے کلام کی قدامت کی تفصیل اسکے قبل صفحہ ۱۵۱ پر بیان کی گئی ہے۔

# اسماء اللہ تعالیٰ[1]

اللہ تعالیٰ کے اسماءِ ذات اور اسماءِ صفات دونو قدیم ہیں اور واجب۔ اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو مجرد ذات پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ لفظِ "اللہ" عربی میں اور لفظِ "خدا" فارسی میں۔ اسم سے مراد وہ لفظ بھی ہے جو صفت کے اعتبار سے زائد معنی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ عالم اور قادر۔ ایسے اسماء کو اسماءِ صفات کہتے ہیں۔ اسماءِ ذات و صفات دونو قدیم

[1] جوہرۃ التوحید

سنوسی نے شرح صغیر میں لکھا ہے کہ بعض نے مطلق طور پر قیاس کو منع کیا ہے اور یہ ظاہر بھی ہے کہ دو مترادفین میں سے ایک کی طرف ایہام[1] ہوتا ہے بمقابل دوسرے کے جیسا کہ عالم، عارف، جواد، سخی، علیم اور عاقل۔ مختصر یہ کہ جسکے اطلاق اور استعمال کی نسبت شارع نے اجازت دی ہے وہ جائز ہے اگرچہ اس میں ایہام ہو جیسا کہ صبور، شکور اور حلیم۔ صبور کے لفظ سے ایہام پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے اس میں مشقت ہے محنت کرنیوالے کے اپنے نفس کو روک رکھنے کو صبر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں صبور سے ایسی ذات سے تفسیر کیجاتی ہے جو عاصی کے عصیان پر اسکی عقوبت میں عجلت نہ کرے۔ شکور کے لفظ میں ایہام ہے احسان پہنچنے کی طرف۔ شکور کے معنی ہیں کثرتِ شکر کے اس کیلئے جس کی طرف احسان کیا گیا حالانکہ احسان بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں شکور کی تفسیر کیجاتی ہے ایسی ذات سے جو یسیر طاعات کے بدلہ بھی کثیر درجات عنایت فرماتا ہے۔ معدودے چند ایام کے عمل کے معاوضہ میں آخرت میں غیر محدود نعمتوں سے سرفراز کرتا ہے بعض کہتے ہیں کہ شکور صلہ دینے والا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تعریف کرنیوالا ہے اُس شخص کی جس نے اُسکی اطاعت کی۔ حلیم کے معنی میں ایہام ہے اذیت پہنچنے کیطرف اور اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جسکی طرف کوئی اذیت کرجوع نہیں کرسکتا یا نہیں پہنچا سکتا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ کے حق میں حلیم کی تفسیر کیجاتی ہے ایسی ذات سے جو عاصی کی عصیان پر اسکی عقوبت میں عجلت نہیں کرتا۔ اسکا نتیجہ یہ کہ صبور کے معنی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء جو اجماع سے ثابت ہیں انکی مثال یہ ہے۔ صانع موجود واجب اور قدیم وغیرہ۔

**اسماءِ حُسنیٰ۔** ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَةً غَیْرَ وَاحِدَةٍ مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو، جس نے اُنکو شمار کیا جنت میں داخل ہوا۔ اس میں اسماءِ حُسنیٰ کی صراحت نہیں ہے۔ صرف صفوان بن صالح سے جو حدیث آئی ہے اس میں اسماءِ حُسنیٰ کی صراحت ہے جو یہ ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْكَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِیْدُ الْحَقُّ الْوَكِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِیْ الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ الْمُحْیِیْ الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِیْ الْمُتَعَالِیْ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ

[1] ایہام وہم کا

قدیم ہیں۔ نہ تو اللہ تعالیٰ کے اسماء کو مخلوق نے وضع کیا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی صفات حادث ہیں۔ انکے حادث ہونے سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث قائم ہوں اور لازم آتا کہ اللہ تعالیٰ ازل میں ان صفات سے عاری ہو اور کسی مخصص کی طرف محتاج ہو اور یہ غنیِ مطلق کے وجوب کے منافی ہے۔ **غنیِ مطلق** مطلق حاجات کی نفی کو کہتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ اس سے متصف ہو سکتا ہے بخلاف غنیِ متقید کے۔ **غنیِ مقید** قلتِ حاجات کو کہتے ہیں اور یہ مخلوق کی صفت ہے۔ اسی معنی میں بعض کا قول ہے۔ اِلٰهِی غِنَاكَ مُطْلَقٌ وَغِنَانَا مُقَيَّدٌ۔ یا اللہ تیری غنا مطلق ہے اور ہماری غنا مقید ہے۔

**صفاتِ افعال**۔ صفاتِ ذات قدیم ہیں، صفاتِ افعال قدیم نہیں ہیں۔ یہ اشاعرہ کا قول ہے۔ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ صفاتِ افعال بھی قدیم ہیں۔ اشاعرہ کے پاس صفاتِ افعال کا تعلق قدرت کے ساتھ تنجیزی حادث ہے اور ماتریدیہ کے پاس صفاتِ افعال عین صفتِ تکوین ہیں جو قدیم ہیں۔ صفاتِ سلبیہ قطعی طور پر قدیم ہیں۔ قدیم اور ازلی کے درمیان خلاف ہونیکی صورت میں بطورِ تردید یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ازلی ہیں

**توقیفِ اسماء**۔ جمہور اہلِ سنّت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں اور اُسکی صفات بھی توقیفی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اسی صورت میں ثابت قرار پاتے ہیں جبکہ شارع کی جانب سے وارد ہوئے ہوں۔ معتزلہ کا یہ قول کہ ایسی صفات کا اِثبات بھی جائز ہے جو ثابتہ صفات کے معنی میں ہوں اور ان میں کسی نقص کا وہم و گمان نہ ہو اگرچہ کہ شارع سے توقیفی طور پر وارد نہ ہوئے ہوں۔ ابوبکر باقلانی بھی اس قول کی تائید کرتے ہیں۔ امام الحرمین اس بارے میں توقّف کرتے ہیں، یعنی نفی یا اثبات دونو کے بارے میں سکوت کرتے ہیں۔ امام غزالی اس بارے میں تفصیل میں جا کر کہتے ہیں کہ صفت جو ذات کے معنی پر زاید ہے اسکا اطلاق جائز ہے اور اسم جو نفسِ ذات پر دلالت کرتا ہے اسکا اطلاق ممنوع ہے۔ حاصل یہ کہ علماءِ اسلام کو اتّفاق ہے کہ باری تعالیٰ عزّ وجلّ کے اسماء اور صفات جنکے بارے میں شارع کیجانب سے اِذن وارد ہوئی ہے انکا اطلاق جائز ہے اور جنکی نسبت امتناع ہوئی ہے وہ ممنوع ہیں۔ البتہ جنکی نسبت نہ اِذن ہے اور نہ امتناع، انکے بارے میں علماء میں اختلاف ہے اور مختار (قولِ پسندیدہ) یہ ہے کہ یہ بھی ممنوع ہیں اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ شارع کی جانب سے ورود سے مراد یہ ہے کہ کتاب یا سنّتِ صحیحہ یا سنّتِ حسنہ میں وارد ہوئے ہوں یا اجماع سے ثابت ہوں بخلاف سنّتِ ضعیف کے۔ اگر یہ کہیں کہ اس مسئلہ کا تعلق علمیات یعنی اعتقادیات سے ہے اس حیثیت سے کہ اعتقاد کیا جائے کہ یہ اسم اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے تو سنّتِ ضعیفہ کافی نہیں ہے۔ اگر یہ کہیں کہ اس مسئلہ کا تعلق عملیات سے ہے اس حیثیت سے کہ اسکا استعمال کریں اور اطلاق کریں اللہ تعالیٰ پر تو سنّتِ ضعیفہ بھی اس بارے میں کافی ہے۔ اسلئے کہ اعمال کے فضائل کیلئے حدیثِ ضعیفہ پر بھی عمل کیا جاتا ہے۔ قیاس اگر صحیح ہو تو اجماع کے مانند ہے اور اس پر اتفاق ہے۔

مندرجہ اسمار کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو حسب ذیل اسمار برآمد ہوتے ہیں جنکی تعداد ۱۳۹ ہوتی ہے۔

اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ المَلِكُ القُدُّوسُ السَّلَامُ المُؤْمِنُ المُهَيْمِنُ العَزِيْزُ الجَبَّارُ المُتَكَبِّرُ الخَالِقُ البَارِئُ المُصَوِّرُ الغَفَّارُ القَهَّارُ الوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الفَتَّاحُ العَلِيْمُ السَّمِيْعُ البَصِيْرُ اللَّطِيْفُ الخَبِيْرُ الحَلِيْمُ العَظِيْمُ الغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ العَلِيُّ الكَبِيْرُ الكَرِيْمُ المُجِيْبُ الوَاسِعُ الحَكِيْمُ الوَدُوْدُ المَجِيْدُ الحَقُّ القَوِيُّ المَتِيْنُ الوَلِيُّ الحَمِيْدُ الحَيُّ القَيُّوْمُ الوَاحِدُ القَهَّارُ المُقْتَدِرُ الاَوَّلُ الآخِرُ الظَّاهِرُ البَاطِنُ المُتَعَالِي البَرُّ التَّوَّابُ العَفُوُّ الرَّؤُفُ الغَنِيُّ الاَحَدُ البَدِيْعُ الجَامِعُ الحَسِيْبُ الحَفِيْظُ الحَكَمُ الرَّقِيْبُ الشَّهِيْدُ القَادِرُ مَالِكُ المُحْيِي المُقِيْتُ المُنْتَقِمُ النُّوْرُ الهَادِي الوَارِثُ الوَكِيْلُ البَاسِطُ القَابِضُ المُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ الاَكْرَمُ الاَعْلٰى الخَلَّاقُ الرَّبُّ الشَّاكِرُ القَاهِرُ القَدِيْرُ المُبِيْنُ مَلِيْكُ البَاعِثُ البَاقِي الجَلِيْلُ الخَافِضُ ذُو الجَلَالِ وَالاِكْرَامِ الرَّافِعُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ الضَّارُّ العَدْلُ المَاجِدُ المَانِعُ المُبْدِئُ المُحْصِي المُذِلُّ المُعِزُّ المُعِيْدُ المُغْنِي المُقْسِطُ المُمِيْتُ النَّافِعُ الوَاجِدُ الوَالِي الاِلٰهُ الحَافِظُ الحَفِيُّ الرَّفِيْعُ الشَّدِيْدُ الغَالِبُ الغَافِرُ الغَالِبُ الفَاطِرُ القَائِمُ القَرِيْبُ الكَافِي الكَفِيْلُ المُحِيْطُ المُسْتَعَانُ المَوْلٰى النَّصِيْرُ الاَقْرَبُ الاَكْرَمُ الاَعَزُّ جَمِيْلٌ الدَّهْرُ رَفِيْقٌ السَّيِّدُ سُبُّوْحٌ الشَّافِي مَحْسَانٌ المُسْعِرُ المُعْطِي وِتْرٌ۔

بہرحال اسماءِ الٰہی توقیفی ہیں اور انکی تعداد ننانوے سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے مگر ان میں سے ننانوے نام ایسے ہیں جنکے احصاء (شمار کرنے) پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

**خواص**۔ ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ اسماءِ الٰہی کی خواص بلحاظ ترکیبِ حروفِ اسماء ہیں۔ اگر ان اسماء کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کیا گیا تو وہ خاصیت باقی نہ رہیگی۔ **اخلاق** اللہ بھی تین سو ہیں۔ ہر انسان مومن ہو یا کافر اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی خُلق پر ہوگا اور اُس خلق کے لحاظ سے اسکو سعادت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق تمامی حسنہ اور حمیدہ ہیں۔

# تاویلِ تشبیہ

**تشبیہ**۔ ہر نص کو جس میں تشبیہ کا ایہام ہو تاویل کی جائے اور تنزیہہ کا ارادہ کیا جائے۔

**نص** کہتے ہیں اُس دلیل کو جو کتاب یا سنت سے اخذ کیجاتی ہے خواہ وہ صریحی ہو یا ظاہری اور نص قیاس استنباط اور اجماع کے مقابلہ میں ہے۔ جن امور میں مشابہت پائی جائے ان میں ظاہر پر عمل نہ کرکے تفصیلی تاویل کیجائے اور مطلوبہ معنی کو بیان کیا جائے اور یہ خلف کا مذہب ہے۔ بلحاظ زمانہ کے فقہاء کے دو طبقے ہیں۔ ایک سلفِ صالحین کا

العَفُوُّ الرَّؤُفُ مَالِکُ المُلکِ ذُوالجَلَالِ وَالاِکرَامِ المُقسِطُ الجَامِعُ الغَنِیُّ المُغنِیُّ المَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّورُ الھَادِی البَدِیعُ البَاقِی الوَارِثُ الرَّشِیدُ الصَّبُورُ۔ ابن حجر عسقلانی نے حسب ذیل اسماء بیان کئے ہیں۔

اَللہُ الرَّحمٰنُ الرَّحِیمُ المَلِکُ القُدُّوسُ السَّلَامُ المُؤمِنُ المُھَیمِنُ العَزِیزُ الجَبَّارُ المُتَکَبِّرُ الخَالِقُ البَارِئُ المُصَوِّرُ الغَفَّارُ القَھَّارُ الوَھَّابُ الرَّزَّاقُ الفَتَّاحُ العَلِیمُ السَّمِیعُ البَصِیرُ الحَکَمُ اللَّطِیفُ الخَبِیرُ الحَلِیمُ العَظِیمُ الغَفُورُ الشَّکُورُ العَلِیُّ الکَبِیرُ الحَفِیظُ المُقِیتُ الحَسِیبُ الکَرِیمُ الرَّقِیبُ المُجِیبُ الوَاسِعُ الحَکِیمُ الوَدُودُ المَجِیدُ الشَّھِیدُ الحَقُّ الوَکِیلُ القَوِیُّ المَتِینُ الوَلِیُّ الحَمِیدُ المُحیِی الحَیُّ القَیُّومُ الوَاحِدُ الصَّمَدُ القَادِرُ المُقتَدِرُ الاَوَّلُ الاٰخِرُ الظَّاھِرُ البَاطِنُ المُتَعَالِی البَرُّ التَّوَّابُ المُنتَقِمُ العَفُوُّ الرَّؤُفُ المَالِکُ المُقسِطُ الجَامِعُ الغَنِیُّ النُّورُ الھَادِی البَدِیعُ الوَارِثُ الاَعلٰی الاَکرَمُ الاِلٰہُ الحَافِظُ الحَفِیُّ الخَلَّاقُ الرَّبُّ الرَّفِیعُ الشَّاکِرُ الشَّدِیدُ العَالِمُ الغَافِرُ الغَالِبُ الفَاطِرُ القَائِمُ القَاھِرُ القَدِیرُ القَرِیبُ الکَافِی الکَفِیلُ المُبِینُ المُحِیطُ المُستَعَانُ المَلِیکُ المَولٰی النَّصِیرُ۔ شیخ ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ ہم ان اسماءِ حسنیٰ کو وجہ صحیح پر معیّن نہ کرسکے۔ جو احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں مضطرب ہیں اور جو اسماء کہ ہم کو یا دوسروں کو کشف کے ذریعہ حاصل ہوئے ہیں انکو کتاب میں نہیں لاسکتے۔ حافظ ابو محمد علی بن سعید بن حزم الفارسی نے کہا ہے کہ جو اسماء قرآن سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ہم اخذ کرسکے ہیں انکی تعداد اسی قدر ہے جو ہم بیان کرتے ہیں۔

اَللہُ الرَّحمٰنُ الرَّحِیمُ العَلِیمُ الحَکِیمُ الکَرِیمُ العَظِیمُ حَلِیمٌ القَیُّومُ الاَکرَمُ السَّلَامُ التَّوَّابُ الرَّبُّ الوَھَّابُ الاَقرَبُ سَمِیعٌ مُجِیبٌ وَاسِعٌ العَزِیزُ الشَّاکِرُ القَاھِرُ الاٰخِرُ الظَّاھِرُ الکَبِیرُ الخَبِیرُ القَدِیرُ البَصِیرُ الغَفُورُ الشَّکُورُ الغَفَّارُ القَھَّارُ الجَبَّارُ المُتَکَبِّرُ المُصَوِّرُ البَرُّ مُقتَدِرٌ البَارِی العَلِیُّ الغَنِیُّ الوَلِیُّ القَوِیُّ الحَیُّ الحَمِیدُ المَجِیدُ الوَدُودُ الصَّمَدُ الاَحَدُ الوَاحِدُ الاَوَّلُ الاَعلٰی المُتَعَالِ الخَالِقُ الخَلَّاقُ الرَّزَّاقُ الحَقُّ اللَّطِیفُ رَؤُفٌ عَفُوٌّ الفَتَّاحُ المَتِینُ المُبِینُ المُؤمِنُ المُھَیمِنُ البَاطِنُ القُدُّوسُ المَلِکُ مَلِیکٌ الاَکبَرُ الاَعَزُّ السَّیِّدُ سُبُّوحٌ وِترٌ مُحسَانٌ جَمِیلٌ رَفِیقٌ المُسَعِّرُ القَابِضُ البَاسِطُ الشَّافِی المُعطِی المُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ الدَّھرُ (اس فہرست میں بارہ اسماء الف لام کے ساتھ اور بقیہ بغیر الف لام کے ہیں اور غالبًا یہ امتیاز بلحاظ نقل کے کیا گیا ہے۔) اسکے بعد ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک دوسرے اسماء بھی ہیں جو قرآن میں اضافت کے ساتھ آئے ہیں اور حافظ ابو محمد نے انکو اسماء میں شمار نہیں کیا ہے اور یہی حال اخبار کا بھی ہے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء ہیں اس سے کوئی شخص واقف ہونا چاہے تو اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور کرے۔ آیت ۲۳/۱۵۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنتُمُ الفُقَرَآءُ اِلَی اللہِ اے لوگو تم افتقار رکھنے ہو اللہ تعالیٰ کی طرف۔ ان ہر سہ اقوال کے

دلالت کرتے ہیں اُن سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ واجب ہے۔

**جہت** کی نسبت یہ آیت ہے۔ ۱۴/۱۴ آخر۔ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ۔ ڈر رکھتے ہیں اپنے ربّ کا اوپر سے سلفِ صالحین یہ لا کہتے ہیں کہ ہم فوقیت کو نہیں جانتے۔ خلف کہتے ہیں کہ فوقیت سے عظمت میں اللہ تعالیٰ کی بلندی اور برتری مراد ہے اور آیت کے معنی یہ ہوئے کہ فرشتے ڈرتے ہیں عظمت میں اللہ تعالیٰ کی ارتفاع کے سبب سے۔ آیت ۱۶/۱ ۲۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى[1] میں سلف کہتے ہیں کہ ہم استواء کو نہیں جانتے خلف کہتے ہیں کہ استواء سے مراد استیلاء و ملک یعنی غلبہ اور حکومت مراد ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ ‏ مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَدَمٍ مُهْرَاقِ

غالب آیا بشر عراق پر ‏ بغیر تلوار اور خونریزی کے

کسی نے امام مالکؒ سے اس آیت کی نسبت سوال کیا تو آپ نے ذرا غور کیا اور کہا اَلْاِسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُوْلٍ وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُوْلٍ وَالْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ وَمَا اَظُنُّكَ اِلَّا ضَالًّا۔ استواء کے معنی ظاہر ہیں لیکن اُس کی کیفیت سمجھنا مشکل ہے اور اُس پر ایمان لانا واجب ہے اور اُس کی نسبت سوال کرنا بدعت ہے اور مجھ کو گمان ہو رہا ہے کہ تم گمراہ ہو رہے ہو۔ زمخشری نے امام غزالیؒ سے اس آیت کی نسبت سوال کیا تو آپ نے جواب دیا۔ اِذَا اسْتَحَالَ اَنْ تَعْرِفَ نَفْسَكَ بِكَيْفِيَّةٍ اَوْ اَيْنِيَّةٍ فَكَيْفَ يَلِيْقُ بِعُبُوْدِيَّتِكَ اَنْ تَصِفَهٗ تَعَالٰى بِاَيْنٍ وَكَيْفٍ وَهُوَ مُقَدَّسٌ عَنْ ذٰلِكَ۔ جب تم کو اپنے نفس کی کیفیت اور اینیت کا سمجھنا دشوار ہے تو تمھاری عبودیت کے کب لایق ہے کہ اَیْنَ (کہاں) اور کَیْفَ (کیسا) کے ساتھ اسکی صفت بیان کرو جو پاک ہے ان سب سے۔ پھر غزالیؒ کہنے لگے۔

قُلْ لِمَنْ يَفْهَمُ عَنِّيْ مَا اَقُوْلُ ‏ قَصِّرِ الْقَوْلَ فَذَا شَرْحٌ يَطُوْلُ

جو شخص میری بات سمجھتا ہے اس سے کہدو ‏ کہ بات کو مختصر کرو اسلئے کہ اسکی شرح طویل ہے

ثَمَّ سِرٌّ غَامِضٌ مِنْ دُوْنِهٖ ‏ قُصِرَتْ وَاللّٰهِ اَعْنَاقُ الْفُحُوْلِ

گہرا راز ہے اُس کے ورے ‏ قسم ہے خدا کی جوانمردوں کی گردنیں جھک گئیں

اَنْتَ لَا تَعْرِفُ اِيَّاكَ وَلَا ‏ تَدْرِ مَنْ اَنْتَ وَلَا كَيْفَ الْوُصُوْلُ

تم خود کو نہیں جانتے اور تم کو یہ بھی نہیں معلوم ‏ کہ تم کون ہو اور اُس تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے

لَا وَلَا تَدْرِيْ صِفَاتٍ رُكِّبَتْ ‏ فِيْكَ حَارَتْ فِيْ خَفَايَاهَا الْعُقُوْلُ

نہیں تم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ تم کن صفات سے ترکیب پائے ہو ‏ عقول ان بھیدوں میں حیران ہیں

اَيْنَ مِنْكَ الرُّوْحُ فِيْ جَوْهَرِهَا ‏ هَلْ تَرَاهَا فَتَرٰى كَيْفَ تَجُوْلُ۔

روح کا جوہر تم میں کہاں ہے ‏ کیا تم اسکو دیکھتے ہو اور سمجھ سکتے ہو کہ کیسا پھرتی ہے

[1] اشاریہ ملاحظہ ہو

طبقہ اور دوسرا سلف کا طبقہ **سلف** وہ لوگ ہیں جو پانسو ہجری کے قبل گزرے ہیں بعض کہتے ہیں کہ تین قرنوں کے اصحاب کو سلف کہتے ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم، تابعین اور اتباع تابعین **خلف** وہ لوگ ہیں جو پانسو ہجری کے بعد گزرے اور بعض کہتے ہیں کہ جو تین قرنوں کے بعد گزرے۔ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ متشابہت کی صورت میں کسی تاویل کو پسند نہ کرتے اور سکوت اختیار کرتے بخلاف اسکے خلف کا طریقہ یہ تھا کہ جہاں الفاظ کے ظاہری معنی میں ابہام پیدا ہوتا اسکی تاویل کرتے اور اپنے مطلوب کو بیان کرتے۔ امام لقانی کہتے ہیں کہ متشابہت کی صورت میں اجمالی طور پر تاویل کرنیکے بعد نفس کے مراد کو سلف کے طریقہ پر چھوڑدو۔ سلف کا طریقہ اختیار کرنے میں سلامتی ہے۔ اسکے علاوہ یہ اندیشہ بھی نہیں رہتا کہ غلط معنی لئے جائیں۔ خلف کا طریقہ فہم و نظر سے قریب تر ہے اور مخالف کی تردید میں آسانی ہوتی ہے اور یہی طریقہ راجح ہے شیخ سنوسی باری تعالیٰ کی ذات کی تنزیہہ پر تاکید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اُن تمام امور سے پاک ہے جو اسکے لایق نہیں ہیں اور معنی مراد کے علم کو اسی کے تفویض کرتے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ کہ سلف اور خلف دونوں کو تاویل اجمالی سے اتفاق ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ سلف مراد کو معیّن نہ کرکے توقیف سے کام لیتے ہیں اور خلف مراد کو معین کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ آیت ﷺ، هُوَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ؔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ وہی ہے جس نے اُتاری تجھ پر کتاب، اُس میں بعض آیتیں پکّی ہیں سو جڑ ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں کئی طرف ملتی، سوجن کے دل پھرے ہوئے ہیں وہ لگتے ہیں انکی ڈھب والیوں سے تلاش کرتے ہیں گمراہی اور تلاش کرتے ہیں انکی کل بٹھانی اور انکی کل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور جو مضبوط علم والے ہیں سو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور سمجھائے وہی سمجھتے ہیں جنکو عقل ہے۔ سلف آیتِ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ پر وقف کرتے ہیں اور یہ معطوف ہوگا لفظ جلالت (اللہ) پر اور اس قول کے لحاظ سے آیت کی نظم یہ ہوگی وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم۔ اس کی تاویل اللہ ہی جانتا ہے اور جو مضبوط علم والے ہیں یقولون آمنا بہ کا جملہ الراسخین تاویل کے سبب کو بیان کرتا ہے یا وما یعلم تاویلہ الا اللہ کا عطفِ بیان ہے اور فاما الذین فی قلوبہم زیغ کا مقابل ہے۔ فاما الذین فی قلوبھم زیغ یعنی مثل فرقۂ مجسمہ کے۔ مجسمہ میں سے بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیخ کبیر کی صورت میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک خوبصورت جوان مرد کی صورت میں ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔

**حاصل** یہ ہے کہ اگر کوئی بات قرآن یا حدیث میں ایسی وارد ہوئی ہو جس میں جہت، جسمیت، صورت یا جوارح کا اظہار ہوتا ہو تو سوائے مجسمہ اور مشبہہ فرقہ کے بقیہ جملہ محققین کو اسکی تاویل پر اتفاق ہے۔ اسلئے کہ یہ الفاظ جس ظاہری معنی پر

**صورت** کا ایہام احمد اور شیخان کی اس حدیث میں ہے۔ اَنَّ رَجُلاً ضَرَبَ عَبْدَاہُ فَنَھَاہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ ایک شخص نے اپنے غلام کو مارا تو نبی ؐ نے اُس کو منع کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔ سلف کہتے ہیں کہ ہم صورت کو نہیں جانتے اور بس اور خلف کہتے ہیں کہ صورت سے مراد صفاتِ سماعت، بصارت، علم اور حیات ہے۔ پس فی الجملہ وہ اسکی صفت میں ہے اگرچہکہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور انسان کی صفات حادث۔

**جوارح کا ایہام**۔ آیت ۲۷ پ ۲۷۔ وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ۔ اور رہیگا منہہ تیرے رب کا۔ آیت ۱۰ پ ۲۶۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ اللہ کا ہاتھ انکے ہاتھوں پر۔ اور حدیث اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ آدَمَ کُلُّھَا کَقَلْبٍ وَّاحِدٍ بَیْنَ اُصْبُعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ بنی آدم کے سارے قلوب، قلبِ واحد کے مانند ہیں اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ سلف کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا چہرہ، ہاتھ اور انگلیاں ہم نہیں جانتے اور خلف کہتے ہیں کہ وجہ سے ذات، ہاتھ سے قدرت مراد ہے۔ رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ کی دو صفتوں کے درمیان ہے۔ شعرانی نے اپنے شیخ، خواص سے وجہ پوچھی کہ شارع سے جو امورِ موہمہ واقع ہوتے ہیں علماء انکی تاویل کرتے ہیں اور جو امورِ موہمہ ولی سے واقع ہوتے ہیں انکی تاویل کیوں نہیں کرتے۔ جواب دیا انصاف کی تو یہ بات ہے کہ ولی سے جو امور واقع ہوں انکی تاویل کرنا اولیٰ ہے۔ اسلئے کہ وہ اپنے احوال میں کمزوری کی وجہ سے معذور ہیں بخلاف شارع کے۔ شارع بلند مرتبہ رکھتا ہے بعض نے کہا ہے کہ شارع سے جو امور واقع ہوتے ہیں جہانتک ممکن ہو انکی محافظت ہونی چاہئے اسلئے کہ اسکی پیروی کیجاتی ہے بخلاف ولی کے۔ ولی اپنے کلام کی محافظت نہیں کرتا اسلئے کہ اسکی پیروی نہیں کیجاتی۔

## مستحیلات

**مستحیلات**۔ بیس صفات اللہ تعالیٰ کے حق میں مستحیل ہیں اور وہ پہلی بیس صفاتِ واجبات کی اضداد ہیں۔ عدم، حدوث، طروِ العدم، مماثلتِ حوادث، غیر قایم بنفسہٖ، غیر واحد، عجز، کراہت، جہل، موت، بکم، عمی، صمم۔ ان ہی صفات سے معنوی صفات کی اضداد بھی واضح ہوتی ہیں۔ مصنف نے اللہ تعالیٰ کے حق میں جو صفات مستحیل ہیں وہ سارے نہیں بیان کئے بلکہ انکے منجملہ بیس صفات بیان کئے ہیں۔ بیس کی تعداد **احوال**[1] کے ثبوت کے قول کی بناء پر ہے۔ احوال کے ثبوت کا اعتبار کرتے ہوئے اشیاء کی تقسیم چار قسموں پر ہوتی ہے۔ موجودات، معدومات، احوال اور امورِ اعتباری۔ احوال کی نفی کے قول کا لحاظ کرتے ہوئے اشیاء کی صرف تین قسمیں ہوتی ہیں۔ موجودات، معدومات اور امورِ اعتباری۔ پہلی صفات کی اضداد سے مراد یہ ہے کہ پہلی مستحیل صفت پہلی واجبی صفت کی ضد ہے اور دوسری مستحیل صفت دوسری

[1] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۳

وَكَذَا الْاَنْفَاسُ هَلْ تُحْصِرُهَا ۔۔۔ اَلَا وَلَا تَدْرِىْ مَتٰى عَنْكَ تَزُوْلُ

کیا تم اپنے انفاس کی گنتی کر سکتے ہو؟ ۔۔۔ نہیں اور نہ یہ جانتے ہو کہ کب ختم ہونگے

اَيْنَ مِنْكَ الْعَقْلُ وَالْفَهْمُ اِذَا ۔۔۔ غَلَبَ النَّوْمُ فَقُلْ لِيْ يَا جَهُوْلُ

تمہاری عقل اور سمجھ کدھر ہوتی ہے ۔۔۔ جب تم پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے کہو اے نادان

اَنْتَ اٰكِلُ الْخُبْزِ لَا تَعْرِفُهٗ ۔۔۔ كَيْفَ يَجْرِيْ مِنْكَ اَمْ كَيْفَ تَبُوْلُ

تم روٹی کھاتے ہو اور سمجھتے نہیں کہ ۔۔۔ کس طرح تم سے نکلتی ہے اور کس طرح پیشاب کرتے ہو

فَاِذَا كَانَتْ طَوَايَاكَ الَّتِيْ ۔۔۔ بَيْنَ جَنْبَيْكَ كَذَا فِيْهَا ضَلُوْلُ

تمہارے احشاء جو پہلوؤں کے ۔۔۔ درمیان ہیں کیا کرتے ہیں اے گمراہ

كَيْفَ تَدْرِيْ مَنْ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۔۔۔ لَا تَقُلْ كَيْفَ اسْتَوٰى كَيْفَ النُّزُوْلُ

تم کیسا جانو گے اس ذات کو جو عرش پر استواء کئے ۔۔۔ کیسا استوار کیا اور کیسا نزول کیا مت کہو

كَيْفَ يُحْكِيْ الرَّبُّ اَمْ كَيْفَ يُرٰى ۔۔۔ فَلَعَمْرِيْ لَيْسَ ذَا اِلَّا فُضُوْلُ

پروردگار کی شباہت کیا ہے اور نہ کیسا دکھائی دیگا؟ ۔۔۔ قسم ہے میری زندگی کی یہ بات فضول ہے

فَهُوَ لَا اَيْنَ وَلَا كَيْفَ لَهٗ ۔۔۔ وَهُوَ رَبُّ الْكَيْفِ وَالْكَيْفُ يَحُوْلُ

اس ذات کیلئے نہ اَیْن ہے اور نہ کیف ہے ۔۔۔ وہ پروردگار ہے کیف کا اور کیف بدلتا رہتا ہے

وَهُوَ فَوْقَ الْفَوْقِ لَا فَوْقَ لَهٗ ۔۔۔ وَهُوَ فِيْ كُلِّ النَّوَاحِيْ لَا يَزُوْلُ

وہ فوق کے بھی اوپر ہے اسکا فوق نہیں ہے ۔۔۔ وہ ہر جگہ ہے کہیں سے غائب نہیں ہے

جَلَّ ذَاتًا وَصِفَاتٍ وَسَمَا ۔۔۔ وَتَعَالٰى قَدْرُهٗ عَمَّا نَقُوْلُ

ذات اور صفات میں بزرگ ہوا اور بلند ہوا ۔۔۔ اور اسکی شان بالاتر ہے ہر چیز سے جو تم کہو

**جسمیت** کا ایہام - آیت ۲۲ پ۳۰ - وَجَاءَ رَبُّكَ اور آوے تیرا پروردگار - حدیث صحیحین - يُنَزِّلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرُ وَيَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ مَنْ يَسْاَلُنِيْ فَاُعْطِيَهٗ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَاَغْفِرَ لَهٗ - اُترتا ہے ہمارا پروردگار (کا فرشتہ) ہر ایک رات کو دنیا کے آسمان تک جبکہ رات کا آخری ثلث حصہ باقی رہتا ہے اور کہتا ہے جو مجھ سے دعا کریگا میں قبول کرونگا جو مجھ سے مانگے گا میں دونگا جو مغفرت چاہیگا میں اسکو بخشونگا - سلف کہتے ہیں کہ آنے اور اُترنے سے کیا مراد ہے ہم نہیں جانتے اور خلف کہتے ہیں کہ جَاءَ رَبُّكَ سے مراد یہ ہے کہ تمہارے رب کا عذاب آیا یا تمہارے پروردگار کا حکم آیا جو عذاب پر شامل ہے - اور حدیث میں مراد یہ ہے کہ ہمارے پروردگار کا فرشتہ اُترتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے کہتا ہے -

**حادث** ہو ذات اور صفات میں۔ جمہور مسلمین، نصاریٰ، یہود اور مجوسی کا قول ہے کہ اجسام، ذات اور صفات دونوں میں حادث ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اگر اجسام ازلی ہوتے تو ازل میں متحرک ہوتے یا ساکن۔ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں تو ازلیت کا قول بھی باطل ہے۔ اس حصر کی وجہ یہ ہے کہ اگر جسم کسی مکان میں ایک زمانہ سے زیادہ قائم رہے تو وہ ساکن ہے اور اگر اس طرح قائم نہ رہے تو متحرک۔ ازل میں جسم کے متحرک نہ ہونیکی دو وجوہ ہیں۔ وجہ اوّل حرکت کی ماہیت ہے کہ کوئی ایک امر حاصل ہو اُسکے غیر کے فنا کے بعد تو گویا اُسکی ماہیت کا اقتضائیہ ہے کہ غیر اس پر سبقت کرے اور ازلیت کی ماہیت یہ ہے کہ غیر اس پر سبقت نہ کرے۔ یہ دونو حالتیں جمع ہو جائیں تو اجتماعِ نقیضین ہوگا جو محال ہے۔ وجہ دوم یہ ہے کہ ہر ایک حرکت حادث ہے اور وہ موجد کی محتاج ہے۔ جس چیز کی ہر ایک فرد موجد کی طرف احتیاج رکھے تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ جملہ حرکات کا کوئی موجد اور مختار ہے۔ پس ہر ایک چیز فاعل مختار کے فعل سے وقوع میں آئیگی اور اسکا اوّل وہ آغاز ہوگا۔ اسکا نتیجہ یہ کہ کل حرکات کا اوّل ہے اور یہ ہمارا مطلوب ہے۔ ازل میں جسم کے ساکن نہ ہونیکی دو وجوہ ہیں۔ وجہ اوّل یہ ہے کہ اگر جسم، ازل میں ساکن تھا تو اسکی دو صورتیں ہیں۔ اُس میں حرکت پیدا ہوسکتی ہے یا نہیں ہوسکتی۔ اس میں حرکت محال ہے۔ حرکت صرف اس صورت میں پیدا ہوسکتی ہے جبکہ اس جسم کے نفس میں حرکت موجود ہو۔ یہ ثابت کرچکے ہیں کہ حرکتِ ازلی کا وجود نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جسم میں حرکت نہیں آسکتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سکون، امر ثبوتی ہے۔ اگر یہ سکون قدیم ہوتا تو اسکا زوال ممتنع ہوتا۔ مگر جب سکون زوال پذیر ہے تو وہ قدیم نہیں ہے۔ جب ازل میں جسم کا متحرک ہونا یا ساکن ہونا ثابت نہیں ہوا تو اسکا ازلی ہونا محال ہے۔

**قدیم** ہو ذات وصفات میں۔ یہ ارسطاطالیس، فرسطس، مسطیوس، برقلس اور متاخرین میں سے ابونصر فارابی اور بوعلی سینا کا قول ہے۔ سماوات، ذات اور صفات میں قدیم ہیں البتہ انکی حرکات اور اوضاع حادث ہیں۔

**قدیم** ذات میں اور حادث صفات میں۔ یہ ارسطاطالیس سے قبل کے فلسفیوں ثالیس، انکساغورث اور سقراط کا قول ہے۔ انکے بھی دو فرقے ہیں۔ پہلا فرقہ کہتا ہے کہ اصل مادہ جسم ہے اور ثالیس کہتا ہے کہ پانی اصل ہے اسلئے کہ وہ ہر ایک صورت کو قبول کرنیکی صلاحیت رکھتا ہے۔ پانی منجمد ہوا تو زمین بنا اور لطافت پیدا ہوئی تو ہوا بنا۔ ہوا صفائی سے آگ بنی اور دھوئیں سے آسمان سایر بلیطیس کہتا ہے کہ اصل آگ ہے اور آگ کی کثافت سے دوسرے اشیاء بنے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اصل زمین ہے اور دوسرے اشیاء ان میں لطافت پیدا ہونے سے بنے۔ بعض کا قول ہے کہ اصل ہوا ہے، اس میں لطافت پیدا ہوئی تو آگ اور کثافت کے اثر سے پانی اور زمین بنی۔ انکساغورث کہتا ہے کہ اجسام غیر متناہیہ خلیط سے بنے ہیں۔ خلیط اوّل میں ساکن تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں حرکت دی تو اس سے یہ عالم بنا۔ دیمقراطیس کا قول ہے کہ عالم کے اصل اجزاء چھوٹے چھوٹے گردی شکل میں ہیں جنکی وہمی تقسیم ہوسکتی ہے۔ لیکن انفکاکی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ وہ دائمی حرکات سے متحرک ہیں۔ ان القاطیس ایک خاص طریقہ پر میل ہوتے سے عالم کی

واجبی صفت کی ضد۔ اسی طرح اُس ترتیب کے موافق جو واجبات میں بیان کی گئی۔

**ضد** کے لغوی معنی مطلق منافی کے ہیں وجودی ہو یا عدمی اور یہاں یہی معنی مراد ہیں ورنہ اصطلاحِ منطق میں ضدین ایسے دو وجودی امور کو کہتے ہیں جنکے درمیان انتہائی اختلاف پایا جائے۔ ضدین میں سے دونو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے مگر دونو اکٹھے مرتفع اور برخاست ہوسکتے ہیں جیسا کہ سیاہی اور سپیدی۔ یہاں اضداد کا لفظ لغوی معنی ہی میں استعمال ہوا ہے اللہ تعالےٰ کی صفات قدیم ہیں اور وہ غیر قدیم یا حادث کی ضد نہیں ہوسکتیں۔ شیخ عبدالبر کے کلام سے یہی ماخوذ ہوتا ہے۔ تضاد جانبین کی نسبت کو کہتے ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے کی ضد ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات حادث ہیں۔ اسلئے کہ ضد کا لفظ جس طرح حادث پر دلالت کرتا ہے اسی طرح قدیم پر بھی دلالت کرتا ہے۔ بیشتوں صفات پوری کی پوری اضداد نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض ضد ہیں، بعض نقیض اور بعض نقیض کے مساوی اور بعض نقیض سے اخص ہیں۔ ہر ایک صفت کے تحت اسکی تفصیل بیان کیجائیگی۔ لقانی نے صفاتِ واجبات کی اضداد کو اجمالی طور پر مستحیل ظاہر کرنے پر اکتفا کیا اور شیخ سنوسی نے اپنے رسالہ میں تفصیل کے ساتھ انکا ذکر کیا۔ بیجوری کی ہر دو شروح سے انکی تفصیل کو ہم یہاں بیان کرینگے اور اس غرض کیلئے سنوسی کے متن کو بھی قائم رکھیں گے۔ عکس، ضد اور نقیض کی اصطلاحات کا تعلق منطق سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں جو صفات مستحیل ہیں انکی بحث میں ان اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے۔

## عدم

**عدم** اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے وجوب واجب ہے۔ وجوب وجود کی بحث صفاتِ واجبات کے ضمن میں بیان کیجا چکی ہے۔ عدم اور وجود کے درمیان ایسا تقابل ہے جیسا کہ شیٔ اور اسکی نقیض سے اخص کے درمیان ہے۔ وجود کا نقیض لاوجود ہے اور لاوجود شامل ہے عدم، امرِ اعتباری اور واسطہ پر۔ پس عدم کا لفظ اخص ہے لاوجود سے جو وجود کا نقیض ہے۔

## حدوث

**حدوث** اللہ تعالیٰ کیلئے محال ہے، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے قِدم واجب ہے۔ جیسا کہ واجبات کے ضمن میں بیان کیا گیا حدوث اور قدم کے درمیان ایسا تقابل ہے جیسا کہ شیٔ اور اسکی نقیض کے مساوی کے درمیان ہے۔ اسلئے کہ قِدم کا نقیض لاقِدم ہے اور وہ عینِ حدوث ہے اسلئے کہ دونو کے درمیان واسطہ نہیں ہے۔

**حدوثِ** اجسام کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ اسکی چار صورتیں ہیں۔ حادِث ہو ذات اور صفات میں۔ قدیم ہو ذات اور صفات میں۔ قدیم ہو ذات میں اور حادث ہو صفات میں۔ حادث ہو ذات میں اور قدیم ہو صفات میں۔

جرم کے ہونے سے لازم آتا ہے کہ فراغ کی مقدار کو لے۔ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت مطلق جسمیت کا اعتقاد رکھنے والا کافر نہیں ہے سوائے اسکے کہ جسمیت میں دوسرے عام اجسام کے ساتھ مشابہت دے۔ حقیقت میں تشبیہ کفر میں مبتلا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے **ذات** کے لفظ کا اطلاق جائز ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ بعض نے اسکے عدم جواز کی رائے دی اور بعض نے اس بارے میں توقف کیا۔ ابن حجر کی یہ روایت جواز پر دلالت کرتی ہے۔ حدیث۔ تَفَكَّرُوْا فِيْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَتَفَكَّرُوْا فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ۔ غور و فکر کرو ہر چیز کے بارے میں مگر غور و فکر نہ کرو اللہ تعالیٰ کی ذات میں۔ یہاں ذات کا لفظ استعمال کیا گیا۔ **فراغ** اسکو کہتے ہیں جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ اسکو فراغِ موہوم کہتے ہیں متکلمین اسکو موہوم اسلئے کہتے ہیں کہ اسکے امرِ وجودی ہونیکی نسبت گمان ہوتا ہے۔ حالانکہ فراغ امرِ وجودی نہیں ہے بلکہ امرِ عدمی ہے بعض کہتے ہیں کہ چونکہ فراغ یعنی خالی ہونیکا گمان ہوتا ہے اسلئے اسکو موہوم کہا گیا حالانکہ جسکو فراغ کہتے ہیں وہ بھی ہَوا سے بھرا ہوا ہے۔ غایت امر یہ ہے کہ ہَوا ایسا لطیف جسم رکھتی ہے جس کا کچھ حصہ دوسرے کے کچھ حصہ میں داخل ہو جاتا ہے جبکہ دوسرا جسم اسکی جگہ لے لیتا ہے۔ **خلا** جائز ہے ہمارے پاس اور بعض فلسفی کے پاس۔ ارسطاطالیس کو اس سے اختلاف ہے خلا سے مراد یہ ہے کہ دو جسم اس طرح واقع ہوں کہ آپس میں چھوئیں نہیں اور نہ انکے درمیان کوئی ایسی چیز ہو جو ان دونوں کو چھوئے۔ ہمارے پاس اجسام متناہی ہیں اور براہمہ ہند اجسام کو لا متناہی تصور کرتے ہیں۔

**عرض** وہ ہے جو دوسرے کے ساتھ قائم ہے۔ صفاتِ حادثہ کے لئے اور وہ اخص ہے مطلق صفت سے۔ مطلق صفت عرض و صفتِ قدیمہ میں ہے۔

**جہت** کی چھ قسمیں ہیں۔ یمین و شمال، امام و خلف، اور فوق و تحت یعنی دائیں و بائیں، آگے و پیچھے، اوپر اور نیچے۔ یہاں یہ سب جہتیں مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ عرش کے یمین میں ہے اور نہ شمال میں، نہ آگے ہے اور نہ پیچھے، نہ اوپر ہے اور نہ نیچے۔ عامۃ الناس کے اس اعتقاد سے بچنا چاہئے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم کے اوپر ہے۔ عبدالسلام کا یہ قول صحیح ہے کہ جہت کے اعتقاد سے کفر نہیں عاید ہوتا۔ قونوی نے کفر نہ ہونے کیلئے قایل کے عامی ہونیکی قید لگائی ہے اور ابن ابی جمرہ نے یہ قید لگائی ہے کہ جہت کی نفی کا تصور قایل کیلئے دشوار ہو۔ بعض اسکی تفصیل میں گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ جہت علو یعنی بلندی کا اعتقاد کیا تو کفر نہیں ہے اسلئے کہ اس میں فی الجملہ شرف اور رفعت مضمر ہے اور اگر جہتِ سفل یعنی پستی کا اعتقاد کیا تو کفر ہے اسلئے کہ اس میں خست و دناءت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی کوئی جہت بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے نہ یمین ہے و نہ شمال، نہ امام ہے اور نہ خلف اور نہ فوق ہے نہ تحت۔ اس اعتقاد سے بھی بچے رہنا چاہئے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نیچے ہے۔ جس طرح اس کے پہلے کہا گیا، جہت کا اعتقاد کفر میں مبتلا نہیں کرتا۔ اسلئے کہ جہات کی نسبت خود علماء میں اختلاف ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ جہت صرف نوعِ انسانی کے ساتھ مختص ہے حیوان کے ساتھ جہت نہیں ہے بعض کی رائے ہے کہ جہت کا اطلاق انسان اور غیرِ انسان دونوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

**مکان** کے تقیید سے مراد مکان میں حلول کرنے کے ہیں نہ کہ مکان کے ساتھ اسکے مختص ہونیکے ہیں دوسرے کے بغیر مکان

موجودہ شکل بنی، سماوات اور عناصر بنے۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ عالَم کا اصل جسم نہیں ہے۔ انکے بھی دو فرقے ہیں ایک حرمانیہ ہے جو پانچ قدیموں کو تسلیم کرتا ہے۔ باریؔ تعالیٰ، نفسؔ، ہیولیٰؔ، دہرؔ اور خلاءؔ۔ دوسرا فرقہ فیثا غورث اور اس کے ساتھیوں کا ہے جو کہتا ہے کہ اعداد جو وحدات میں متولد ہوئے ہیں وہی مبادیات ہیں اور بسایط سے ہی مرکبات قائم رہتے ہیں۔ وہ ایسے امور ہیں جنکا ہر ایک فی نفسہٖ واحد ہے۔ وضع کے لحاظ سے وحدت نقطہ ہوگئی اور دو نقطے ملکر خط بنا اور دو خطوط کے ملنے سے سطح اور دو سطحوں سے جسم بنا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اجسام کے مبادی وحدات ہیں۔

**حادث** ذات میں اور قدیم صفات میں۔ کوئی ذی عقل یہ نہیں کہیگا کہ عالَم صفات میں قدیم اور ذات میں حادث ہے۔ جالینوس نے ان تمام صورتوں میں توقف کیا ہے۔

## طروِ عدم

**طروِ عدم** اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہے، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے بقاء واجب ہے۔ طروِ عدم یعنی فناء ضد ہے بقاء کی۔ طروِ عدم اور بقاء کے درمیان ایسا تقابل ہے جیساکہ شئ اور اسکے نقیض کے مساوی کے درمیان ہے۔ بقاء کا نقیض لا بقاء ہے اور لا بقاء طروِ عدم کا عین ہے جو فناء ہے

## مماثلتِ حوادث

**مماثلتِ حوادث** اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہے، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے مخالفتِ حوادث واجب ہے۔ مماثلت حوادث کے استحالہ کے یہ معنی ہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ جِرم نہیں ہے جو خلاء کی کوئی مقدار پکڑے۔ عَرَض نہیں ہے جو جِرم کے ساتھ قائم ہو یا یہ کہ جِرم کی کسی جہت میں ہو یا مقید ہو مکان کے ساتھ یا زمان کے ساتھ یا ذاتِ باری تعالیٰ متصف ہو حوادث کے ساتھ یا صِغر و کِبر کے ساتھ متصف ہو، یا اغراض کے ساتھ متصف ہو افعال میں یا احکام میں۔ مخالفتِ حوادث اور مماثلتِ حوادث کے درمیان ایسا تقابل ہے جیساکہ شئ اور اُسکی نقیض کے مساوی کے درمیان ہے جیساکہ پہلے بیان کیا گیا۔ اسلئے کہ مخالفتِ حوادث کی نقیض لا مخالفتِ حوادث ہے اور وہ مماثلتِ حوادث کا عین ہے۔

**اقسامِ مماثلت** ۔ مماثلت کی دس صورتیں ہیں۔ جِرم ہو۔ عَرَض ہو جو جِرم کے ساتھ قائم ہو۔ جہت میں ہو۔ اسکی خود جہت ہو۔ مکان میں ہو۔ زمان میں ہو۔ محل ہو حوادث کیلئے۔ متصف ہو صِغر کے ساتھ۔ متصف ہو کِبر کے ساتھ۔ اَغراض کے ساتھ متصف ہو افعال اور احکام میں۔

**جِرم** وہ ہے جو فراغ (خلاء) کو بھر دے خواہ مرکب ہو یا مفرد۔ مرکب ہو تو جسم کہا جاتا ہے اور مفرد ہو تو جوہرِ فرد۔ جِرم کا اطلاق دو طرح ہوتا ہے پورے کرۂ ارض پر اپنے متعلقات کے ساتھ یا کوئی ایک جِرم پر۔ دوسرا اطلاق عام ہے جو پہلے پر بھی شامل ہے

میں تعدد ہو جیسا کہ دو قدرتیں یا دو ارادے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کی طرح کسی دوسرے میں ایسی صفت پائی جائے۔ اس صفت اور وحدانیت کی صفت کے درمیان ایسا تقابل ہے جیسا کہ شئی اور اسکی نقیض کے درمیان ہے۔ واحد ہونے کی صفت کے تحت تمام منفی شدہ کموم داخل ہوجاتے ہیں۔ کموم جملہ چھ ہیں۔ ذات میں کمِ متصل اور کمِ منفصل، صفات میں کمِ متصل اور کمِ منفصل اور افعال میں کمِ متصل اور کمِ منفصل جنکی تفصیل وحدانیت کے ضمن میں ص۱۴۲ پر بیان کی گئی ہے۔ وجود میں موثر ہونے کی قید سے معتزلہ کے اس قول کی تردید ہوتی ہے کہ بندہ اپنے نفس کے اختیاری افعال کی تخلیق کرتا ہے اُس قدرت کی بنا پر جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا کی ہے۔ اس قول کی وجہ سے معتزلہ پر کفر کا الزام بھی عاید نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ انھوں نے بندہ کی خالقیت کی صفت کو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی صفت کے مانند نہیں گردانا بلکہ بندہ کو اسباب اور وسایط کا محتاج ظاہر کیا اور اللہ تعالیٰ اسباب اور وسایط کا محتاج نہیں ہے۔ علماء ماوراء النہر نے معتزلہ کے کفر کی رائے دی ہے بلکہ مجوسی کو ان پر ترجیح دی ہے۔ اسلئے کہ مجوسی اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف ایک شریک کو ثابت قرار دیتے ہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہتیروں کو شریک کرتے ہیں۔ وجود میں اسکے ساتھ کوئی موثر کے شریک ہونے سے مراد یہ بھی ہے کہ عادتی اسباب کو انکے مسببات میں کوئی تاثیر نہیں ہے۔ آگ کو جلانے میں تاثیر نہیں ہے' نہ کھانے کو پیٹ بھرنے میں' نہ چھری کو کاٹنے میں۔ اگر کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ کوئی شئی اپنے نفس سے تاثیر کرتی ہے تو اسکے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ کوئی شئی اُس قوت کی وجہ سے تاثیر کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُس میں ودیعت کی ہے تو وہ صرف فاسق اور مبتدع ہے۔ سبب اور مسببات کے تلازم پر اعتقاد کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے معجزوں سے انکار کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔ پس ناجی وہ شخص ہے جس نے اعتقاد کیا کہ کسی شئی کو کوئی تاثیر نہیں ہے اور سبب اور مسببات کے درمیان تلازم بھی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ سبب پایا جائے اور مسبب نہ ہو۔ وَمَا تَوْفِيقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ۔

# عجزؔ و کراہت

کسی ممکن کے ایجاد یا اعدام کرنے سے اللہ تعالیٰ کیلئے عجز مستحیل ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے قدرت واجب ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کیلئے **کراہت** کے ساتھ کسی ممکن کا ایجاد یا اعدام کرنا بھی مستحیل ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ارادہ واجب ہے یعنی اس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا تعلق نہ ہونے کے باوجود یا ذہول و غفلت کے ساتھ یا تعلیل یا طبیعت کے سبب کی وجہ سے۔ چونکہ عجز اور کراہت کے معانی میں ایک طرح کا ربط تھا اسلئے ان دونو صفات کو ایک جگہ بیان کیا گیا۔ صفتِ نفسی اور صفاتِ سلبی کی اضداد بیان کرنیکے بعد یہاں سے صفاتِ معانی کی اضداد کا بیان شروع کیا گیا۔ اہلِ سنت کے پاس عجز اور قدرت کے درمیان ایسا تقابل ہے جیسا کہ ضدین کے درمیان۔ عجز امر وجودی ہے جو قدرت کے متضاد ہے

اہلِ سنت کے پاس فراغ موہوم کو کہتے ہیں۔ جمہورِ فلسفیوں کی رائے ہے کہ گھیرنے والی چیز کی باطنی سطح کو مکان کہتے ہیں جو چھوتی ہے گھیری ہوئی چیز کی ظاہری دبیرونی سطح کو جیسا کہ کوزے کی باطنی سطح جو پانی کی ظاہری سطح کو چھوتی ہے۔ زمان کی قید سے مراد یہ ہے کہ اس پر آسمان گھومتا ہے اور آسمان کی گردش پر زمانہ کی مطابقت ہوتی ہے۔ یا اس پر رات اور دن کی مجدّد اتکرار ہوتی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ آسمان کی حرکت کو زمانہ کہتے ہیں۔ بعض محققین نے زمانہ کو عقول کے مواقف[1] میں شمار کیا ہے اور سچ یہی ہے۔ حوادث سے متصف ہونے سے مراد یہ ہے کہ قدرت حدوث سے متصف ہو یا ارادہ حدوث سے متصف ہو یا علم حدوث سے متصف ہو اور اسی طرح دوسری صفات اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہے۔ صغر سے مراد اجزاء کی قلت اور کبر سے مراد اجزاء کی کثرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے پاک ہے۔ کبر سے اللہ تعالےٰ کی عظمت مراد لیجائے تو مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ آیت ۱۳/۲۔ اَلْكَبِيْرُ الْمُتَعَالُ۔ سب سے بڑا بلند۔ اغراض سے متصف ہونیکی مثال ایسی ہے جیسا کہ زید اور عمرو کی ایجاد۔ زید اور عمرو کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض شامل نہیں۔ یہ تو افعال میں غرض کی نفی ہوئی۔ اسی طرح احکام میں بھی غرض کی نفی کیجائے۔ نماز اور زکوٰۃ واجب ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال اور احکام غرض سے پاک ہیں۔ آیت ۵۱/۱۔ وَمَا خَلَقْتُ الْاِنْسَ وَالْجِنَّ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (نہیں پیدا کیا میں نے انسان اور جن کو سوائے اسکے کہ عبادت کریں) میں لیعبدون کا لام، عاقبت اور صیرورت کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال اور احکام اگرچہ کہ غرض سے پاک ہیں لیکن حکمت سے خالی نہیں ہیں گو ہماری سمجھ میں نہ آئے۔ اسلئے کہ اگر حکمت شامل نہ ہو تو فعل عبث ہوگا جو اللہ تعالیٰ کیلئے محال ہے۔ اسبابِ حقیقی کی معرفت کو حکمت اور اسبابِ ظاہری کی معرفت کو علم کہتے ہیں۔ حوادث کے ساتھ مماثلت کی دس صورتیں ہوسکتی تھیں اور ان دسوں صورتوں کو اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ثابت کیا گیا۔

[1] توقف ذریعہ اشارہ ملاحظہ ہو

## غیر قایم بنفسہ

قایم بنفسہ نہ ہونا اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہے اور یہ ضد ہے قیام بنفسہٖ کی قائم بنفسہ نہ ہو تو یا تو صفت ہوگا اور کسی ذات کے ساتھ قائم ہوگا یا کسی مخصص اور موجد کا محتاج ہوگا اور یہ دونوں امور اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہیں۔ غیر قایم بنفسہٖ اور قایم بنفسہٖ کی صفتوں کے درمیان ایسا تقابل ہے جیسا کہ شئے اور اسکی نقیض کے درمیاں ہے۔

## غیر واحد

واحد نہ ہونا اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہے اور یہ ضد ہے صفتِ وحدانیت کی۔ واحد نہ ہو یعنی اس طرح ہو کہ اپنی ذات میں مرکب ہو یا اس کا مماثل ہو اسکی ذات میں یا اسکی صفات میں یا اسکے ساتھ وجود میں کوئی موثر ہو یا ایک نوع کی صفت

**کسب** کرتا ہے۔ آیت ۴/۵ ۔ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ای کسبا۔ تم کو جو بھلائی نصیب ہوی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی یا مصیبت پہنچی وہ تمہارے نفس کی طرف سے ہے یعنی اسکو تمہارے نفس نے کسب کیا ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ خود اسکی تفسیر بیان کرتا ہے۔ آیت ۲۵/۵ ۱۔ وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔ جو مصیبت تم کو پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوت ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہدو کہ یہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے حقیقت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ **خضر** کا حُسنِ ادب اس آیت سے ظاہر ہے ۱/۱۶ آخر۔ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا تمہارے رب نے چاہا کہ وہ دونو سِن بلوغ کو پہنچیں۔ آیت ۱/۱۶ ۱۔ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا میں نے چاہا کہ اُس میں عیب پیدا کردوں۔ خضر نے جو فعل بظاہر حسن سمجھا اسکو خدا کی طرف اور جس کو بظاہر بُرا سمجھا اپنی طرف منسوب کیا۔ حالانکہ یہ سارے افعال بارشادِ خداوندی خضر کے ہاتھوں انجام پا رہے تھے۔ آیت ۱/۱۶ آخر۔ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے۔ یعنی آزادانہ طور پر اور اپنے اختیار سے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں ماموتھا اس کام کیلئے۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے زبانی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۹/۱۹ ۱۔ اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھ کو ہدایت کرتا ہے وہی مجھکو کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھکو شفا دیتا ہے۔ پیدا کرنے کے فعل کو خدا کی طرف اور بیمار ہونے کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا۔ ادب کا لحاظ کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ مجھکو بیمار کیا ورنہ سب باتیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔

**ذہول، غفلت، نسیان**۔ کسی شئی کا علم ہونیکے بعد اسکے عدمِ علم کو ذہول کہتے ہیں اور کسی شئی کے مطلق عدمِ علم کو غفلت کہتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مُدرکہ سے کوئی شئی زایل ہوجائے باوجودیکہ حافظہ میں باقی رہے وہ غفلت ہے اور مُدرکہ سے مطلق طور پر زایل ہوجائے تو اسکو ذہول کہتے ہیں۔ نسیان کسی شئی کے حافظہ اور مُدرکہ دونو سے زایل ہونے کو کہتے ہیں۔ بہرحال ذہول، غفلت اور نسیان ایسے نقایص ہیں جو علم کے منافی ہیں اور جو علم کے منافی ہیں وہ ارادہ کے بھی منافی ہیں۔ اللہ سُبحانہٗ ان نقایص سے پاک ہے اور کوئی چیز ذہول، غفلت اور نسیان کے ساتھ نہ ایجاد ہوسکتی ہے اور نہ اعدام اور یہ صفات اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہیں۔

**تعلیل**۔ علت کہتے ہیں ایک شئی سے دوسری شئی کے پیدا ہونے کو، اس میں کسی ارادہ اور اختیار کا دخل نہیں ہے اور نہ کسی شرط کا پایا جانا لازم ہے اور نہ کسی مانع کے نہ پائے جانے پر موقوف ہے۔ گویا کہ باری تعالیٰ صرف علت ہے اور اس علت سے جملہ مخلوق پیدا ہوئی اور ہوتی ہے بغیر کسی اختیار اور ارادہ کے اور وہ موقوف نہیں ہے کسی شرط پر اور نہ کسی مانع کی نفی پر۔ تعلیل کے قائلین کہتے ہیں کہ انگوٹھی کی حرکت معلول کی حرکت ہے۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انگلی کی حرکت کی تخلیق کی اور انگلی کی حرکت نے انگوٹھی کی حرکت پیدا کی اور اسی طرح باری تعالیٰ ذات کو عِلَّةُ الْعِلَل ساری

معتزلہ کے پاس عدم اور ملکہ کا تقابل ہے۔ عدمِ قدرت اس کیلئے جسکی شان یہ ہے کہ قادر ہو۔ کسی ممکن کا لفظ دلالت کرتا ہے ممکن کی عمومیت پر اور تمامی ممکنات پر شامل ہے جیسا کہ آسمان زمین اور دوزخ کا پیدا کرنا۔ غزالیؒ نے بیان کیا ہے کہ جو کچھ ہوا اس سے بہتر امکان میں نہ تھا یعنی اس عالم سے بہتر عالم کا پیدا کرنا ممکن نہ تھا۔ وہی عالم پیدا ہوا جس سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور قدرت کا تعلق تھا۔ اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو اس سے بہتر عالم بھی پیدا کرتا۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ "اللہ تعالیٰ میں یہ قدرت نہیں ہے کہ اپنی مملکت سے مجھکو خارج کرے" تو اس نے تکفیر کی یا نہ کی تکفیر نہیں کی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی مملکت سے اسکا اخراج مستحیل ہے کیسی دوسرے کی مملکت کا وجود ہی نہیں ہے۔ اسکے علاوہ قدرت کسی مستحیل سے تعلق ہی نہیں رکھتی۔ اسی طرح اس قول میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹا یا زوجہ نہیں بنا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے منصب میں یہ فعل داخل نہیں ہے اسلئے عجز لازم نہیں آتا۔ دنیا کی کسی چیز کا ایجاد کرنا یا اعدام کرنا کراہت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے منافی اور مستحیل ہے۔ اہلِ سنت کا قول ہے کہ اللہ تعالےٰ کے تعلق سے خیر[له] و شر کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شرور و قبائح کا ارادہ ہی نہیں کرتا اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ شر کا ارادہ شر ہے اور قبیح کا ارادہ قبیح۔ ایسی چیز سے منع کرنا جو ارادہ میں ہو اور ایسی چیز کیلئے حکم دینا جو ارادہ میں نہ ہو سفاہت ہے اور اس فعل پر سزا دینا جو ارادہ میں ہو ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شر، قبح، سفاہت اور ظلم کا تصور ہوتا ہے حادث کی طرف نسبت کے سبب سے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے۔ آیت ۱۲ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُونَ جو کچھ وہ کرتا ہے وہ مختار ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا، ہاں دوسروں کیلئے پرسش ہے۔ امر و نہی میں امتحان کی حکمت مضمر ہے کہ بندہ فرمانبرداری کرتا ہے یا نافرمانی۔ آیت ۸ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ۔ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کیلئے کفر اس آیت کے تعلق سے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ رضا، ارادہ اور امر یہ تینوں چیزیں جُدا جُدا ہیں اور مترادف نہیں ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بات کا حکم دے اور ارادہ نہ کرے اور جس بات کا ارادہ کرے اس میں اس کی خوشنودی کا شامل ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ ایسی مختلف صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں ملاحظہ ہو ۱۵۱۔ معتزلہ کے قول پر بہت اہم اعتراض یہ ہے کہ دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں بھی واقع ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد کے خلاف ہیں، فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ۔ وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، اسکو قہر و جبروت حاصل ہے۔ ایک ذرہ بھی اس کے ارادہ سے ٹل نہیں سکتا۔ اس ضمن میں اسفرائنی اور ہمدانی کے درمیان ایک مناظرہ کی تفصیل ۱۵۱ پر درج ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے بندہ کو حجت کرنیکی مجال نہیں قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ کہدو اللہ تعالیٰ کی حجت سب پر غالب ہے۔ بندہ کیلئے طاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اگرچہ کہ خیر و شر دونو اللہ تعالےٰ کیجانب سے ہیں لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ صرف فعلِ حسن کو اسکی طرف منسوب کرے۔ شر اگرچہ تخلیق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے مگر اس کو بندہ

[له] اسی ضمن میں وحدانیت فی الافعال کی بحث ملاحظہ طلب۔

**طبیعت** کے سبب سے مراد یہ ہے کہ ایک شئ سے دوسری شئ قانونِ طبیعت کے سبب سے پیدا ہوتی ہے ارادہ اور اختیار کو اس میں دخل نہیں ہوتا' شرط کے وجود اور مانع کی نفی پر موقوف ہوتی ہے جیسا کہ آگ۔ طبیعت کے لحاظ سے آگ اپنی ذات سے جلاتی ہے بشرطیکہ مماست پائی جائے یعنی آگ دوسری چیز کو چھو جائے اور مانع کا وجود نہ ہو یعنی دوسری چیز میں گیلا پن نہ ہو تعلیل اور طبیعت کے درمیان یہ فرق بتلاتے ہیں کہ تعلیل وجودِ شرط اور انتفاء مانع پر موقوف نہیں ہے اور اسلئے علت اور معلول کے درمیان اقتران لازم ہے بخلاف طبیعت کے۔ مطبوع کے ساتھ طبیعت کا اقتران لازم نہیں ہے جیسا کہ آگ کے جلانے کے فعل کے ساتھ اسلئے کہ وہ کبھی نہیں بھی جلاتی ہے گیلے پن اور مانع کے وجود کی وجہ سے اور کبھی کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جیسا کہ لکڑی اور آگ میں مماست نہ ہو۔ اس اعتراض کا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی تاثیر کی نسبت شرط کا وجود اور مانع کی نفی کہاں ہے' یوں جواب دیا جاتا ہے کہ واقعی طور پر شرط کا وجود اور مانع کی نفی پائی جاتی ہے اگرچہ ہم اس سے واقف اور باخبر نہیں ہیں۔ انکے پاس ثبوتِ الوہیت شرط ہے اور اللہ تعالیٰ کی عدمِ نظیر' انتفاءِ مانع ہے۔ تاثیر بالطبع کو انھوں نے سبب پر موقوف اسلئے نہیں رکھا کہ انکے پاس نفسِ طبیعت سبب ہے۔ طبیعت کی تاثیر کیلئے کوئی خارجی سبب نہیں ہے۔ اسلئے کہ اگر تاثیر کیلئے کوئی خارجی سبب ہو تو تاثیر ذاتی نہ ہوگی اور انکی غرض یہ ہے کہ طبیعت بذاتہٖ تاثیر کرتی ہے۔ وہ اس قول کو صرف حادث کے تعلق سے پیش کرتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہر اثر کا موثّر اللہ تعالیٰ ہے۔ آگ میں جلانے کی تاثیر بذاتہٖ نہیں ہے جبتک کہ اللہ تعالیٰ ارادہ نہ کرے۔

## جہل

**جہل** اور اسکی ہم معنی صفات کسی بھی معلوم کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے علم واجب ہے۔ جہل ضد ہے علم کی۔ جہل کی دو قسمیں ہیں۔ جہلِ مرکب اور جہلِ بسیط۔ **جہلِ مرکب** کسی شئ کی نسبت ایسے اعتقاد کو کہتے ہیں جو واقعہ کے خلاف ہو۔ **جہلِ بسیط** صرف کسی شئ کے عدمِ علم کو کہتے ہیں۔ جہلِ مرکب اور علم کے درمیان ضدّین کا تقابل ہے۔ جہلِ بسیط اور علم کے درمیان تقابل' عدم اور مَلَکہ کا تقابل ہے۔ جہلِ مرکب کو اسلئے مرکب کہا گیا کہ اس سے دو جہل لازم آتے ہیں۔ حقیقتِ شئ سے جہل اور اپنے نفس کے حال سے جہل اس معنی میں کہ اپنے کو جاہل نہیں سمجھتا۔ جہل کے ہم معنی صفات کی مثالیں یہ ہیں۔ ظن' شک' وہم۔ طرفِ راجح کے ادراک کو **ظن**' طرفین کے مساوی ادراک کو **شک** اور طرفِ مرجوح کے ادراک کو **وہم** کہتے ہیں۔

**اقسامِ علم** چار ہیں۔ علمِ ضروری' علمِ نظری' علمِ بدیہی اور علمِ کسبی۔ **ضروری** اُس علم کو کہتے ہیں جس کو نظر اور استدلال سے تعلق نہیں جیسا کہ دو کا نصف ایک۔ دوسرا وہ علم جو علمِ ضروری کے متقارن ہے جیسا کہ وہ علم جو ضرب و توبیخ کے سبب سے حاصل ہوتا ہے معنی اوّل کے لحاظ سے اس علم کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے حق میں صحیح ہو سکتا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے

علتوں کی علت بتاتے ہیں۔

**عقولِ عشرہ** تعلیل کے قائلین کا قول یہ ہے کہ واجب الوجود جمیع وجوہ سے واحد ہے اور اس میں تعدد نہیں ہے۔ جمیع وجوہ سے جو واحد ہے اُس سے صرف علت کے ذریعہ واحد ہی پیدا ہوتا ہے۔ وہ چیز جو اللہ تعالیٰ سے بطریق علت پیدا ہوئی اُسکو عقلِ اوّل سے موسوم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس عقل کی ایک جہت امکانی ہے اس حیثیت سے کہ اس میں غیر نے اثر کیا اور ایک جہت وجوبی ہے اس حیثیت سے کہ اس کا اوّل نہیں ہے۔ جہتِ اوّل سے بطریقِ تعلیل فلکِ اوّل پیدا ہوا اور جہتِ دوم سے بطریقِ تعلیل عقلِ ثانی پیدا ہوئی جو اس فلک کی مُدبّر ہے۔ عقلِ ثانی کی پھر دو جہتیں ہیں اور ان دو جہتوں سے عقلِ ثالث اور فلکِ دوم پیدا ہوئے اور اسی طرح فلکِ قمر تک۔ اسکا نتیجہ یہ کہ عقول دس ہوئے اور افلاک نو۔ عقلِ عاشر فلکِ قمر کی مُدبّر ہے اور اسکے نیچے جس قدر عنصریات ہیں ان میں کون و فساد پیدا کرتی ہے۔ عنصریات کی انواع قدیم ہیں۔ ان میں تعلیل کا اثر ہے اور عنصریات کے اشخاص حادث ہیں۔ انکا قول ہے کہ دنیا میں مجرّدات ہیں یا مادّیات اور پھر مجرّدات میں بعض قدیم ہیں جیسا کہ عقولِ عشرہ اور نفوسِ فلکیہ اور بعض حادث ہیں جیسا کہ نفوسِ بشریہ۔ مادّیات میں فلکیات قدیم ہیں اپنے مواد، صُور اور اعراض یعنی شکل، لون، ضوء اور اسکی حرکت کی نوعیت کے لحاظ سے لیکن شخصِ حرکت حادث ہے۔ مادّیات کی دوسری قسم عنصریات ہے جسکی انواع قدیم ہیں اور افراد حادث۔ قِدم سے مراد قِدمِ زمانی ہے، قِدمِ ذاتی نہیں ہے۔ قِدمِ زمانی عدمِ اوّلیت کو کہتے ہیں اور قِدمِ ذاتی غیر کے عدمِ تاثر کو کہتے ہیں اور اسی طرح حدوث۔

**عالَم کی تقسیم حسب رائے قائلینِ تعلیل**
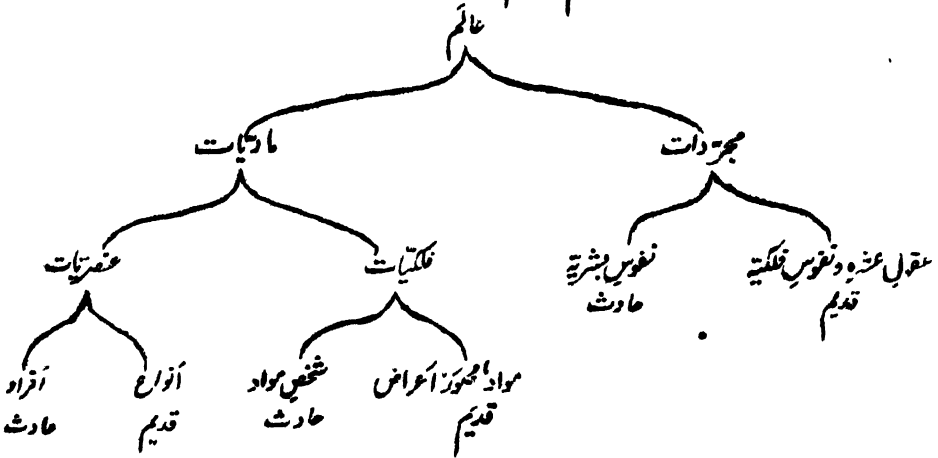
حق بات یہ ہے کہ ساری حرکتوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ انگلی کی حرکت اور انگوٹھی کی حرکت دونوں اسکے ارادہ اور قدرت کے تابع ہیں۔ انگلی کی حرکت کو انگوٹھی کی حرکت میں کوئی تاثیر نہیں ہے۔ اللہ سبحانہٗ فاعل ہے ارادہ اور اختیار کے ساتھ۔

اہلِ سنّت ضدّین کا تقابل ہے اور بقولِ معتزلہ عدم وملکہ کا تقابل ہے۔

## بُکم (گونگاپن)

**بُکم** اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کلام واجب ہے۔ بُکم گونگاپن امر وجودی ہے جو کلام کی ضد ہے۔ معتزلہ کے پاس عدمِ کلام ہے اس چیز کا جس کی شان یہ ہے کہ متکلم ہو بقولِ اہلِ سنّت ان دونوں کے درمیان ضدّین کا تقابل ہے اور معتزلہ کے قول کے لحاظ سے عدم وملکہ کا تقابل ہے۔

---

**صفاتِ معنوی** کی اضداد ان سے واضح ہوتی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صفاتِ معانی کی اضداد بیان کرنیکے بعد صفاتِ معنوی کی اضداد بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ صفاتِ معانی کی اضداد سے بآسانی انکو اخذ کیا جاسکتا ہے۔ جب یہ سمجھ میں آگیا کہ قدرت کی ضد عجز ہے تو یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ قادر کی ضد عاجز ہے۔ جب یہ سمجھ سکے کہ علم کی ضد جہل ہے تو عالِم کی ضد جاہل کا سمجھنا دشوار نہیں۔ اسی طرح بقیہ معنوی صفات کی نسبت قیاس کیا جاسکتا ہے۔

# جایزات

**جایزات** ہر ممکن فعل کا کرنا یا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے جایز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں کونسی چیزیں واجب ہیں اور کونسی چیزیں مستحیل ہیں بیان کیجاچکیں۔ اب وہ امور بیان کئے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے حق میں جائز ہیں اور اسکا تعلّق سارے ممکنات سے ہے۔ فرق یہ ہے کہ واجبات اور مستحیلات کو بغیر حصر کے بیان کیا گیا اور اب جائزات کو حصر کے ساتھ بیان کیا جائیگا۔ ہر ممکن فعل کا کرنا یا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے جائز ہے۔ ممکن کے تعلّق سے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور نہ مستحیل ہے۔

**صلاح واصلح** اللہ تعالیٰ کیلئے واجب نہیں ہے بخلاف معتزلہ کے عقاید کے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ صلاح اور اصلح اللہ تعالیٰ کیلئے واجب ہیں۔ براہمۂ ہند کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی رسالت ہی مستحیلات میں سے ہے۔

**صلاح** سے مراد وہ امر ہے جو فساد کے مقابل ہے جیسا کہ ایمان کفر کے مقابل، اور صحت مرض کے مقابل۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ جہاں دو امور میں سے ایک میں صلاح اور دوسرے میں فساد ہے تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ فساد کو چھوڑ کر صلاح کو عمل میں لائے، کفر کے عوض ایمان اور مرض کے عوض صحت عطا کرے۔

**اصلح** سے مراد وہ امر ہے جو صلاح کے مقابل ہے جیسا کہ جنّت کے اعلیٰ طبقہ میں ہونا مقابل اسکے کہ ادنیٰ طبقہ میں ہو، لذیذ

علم کیلئے نظر و استدلال کی ضرورت نہیں ہے۔ **نظری** اُس علم کو کہتے ہیں جو غور و استدلال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے قدرت کے وجود کا علم۔ علمِ نظری سے قبل جہل کا وقوع ہوتا ہے اسلئے علمِ نظری اللہ تعالیٰ کے حق میں مستحیل ہے۔ **بدیہی** اُس علم کو کہتے ہیں جو غور و استدلال پر موقوف نہیں ہے، سمجھ اور تجربہ پر موقوف ہے۔ اس معنی میں علمِ بدیہی علم ضروری کے مرادف ہے۔ علم بدیہی اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل نہیں ہے۔ لیکن جب یہ کہا جائے کہ نفس نے ایک امر کو بداہتہً پا لیا یعنی اچانک حاصل ہوا، شعور کی سبقت کے بغیر، تو اسکا اطلاق اللہ تعالیٰ کے حق میں ممتنع ہے اسلئے کہ یہ بھی جہل کی سبقت کا مقتضی ہے۔ **کسبی** وہ علم ہے جو اکتساب سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ کسی شخص کے سامنے کوئی چیز گزرے تو وہ اپنی آنکھیں کھولتا ہے اور دیکھتا ہے۔ اس شخص نے آنکھیں کھولکر اس چیز کے علم کو حاصل کیا۔ اس میں بھی جہل کی سبقت مضمر ہے اسلئے اللہ تعالیٰ کے حق میں مستحیل ہے۔ یہ علم کسبی کی اقرب ترین مثال ہے۔ معلوم سے عمومیت مراد ہے اور تمام معلومات پر حاوی ہے۔

## موت[10]

**موت** اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے حیات واجب ہے۔ موت حیات کی ضد ہے اور اہلِ سنت کے پاس امرِ وجودی ہے۔ معتزلہ، موت کہتے ہیں عدمِ حیات کو اس چیز کی جس کی شان یہ ہے کہ حی ہو۔ اہلِ سنت کے لحاظ سے موت اور حیات کے درمیان ضدّین کا تقابل ہے اور معتزلہ کے پاس عَدَم اور مَلَکہ کا تقابل ہے۔ اہلِ سنت آیت ۲/۲۹ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ (پیدا کیا موت اور حیات کو) سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تخلیق کا تعلق امرِ وجودی سے ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ خلق سے مراد تقدیر ہے اور امرِ عدمی کی تقدیر اسی طرح ہو سکتی ہے جس طرح امرِ وجودی کی۔

## صَمم[11] (بہراپن)

**صمم** اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے سماعت واجب ہے۔ صمم بہراپن امرِ وجودی ہے جو سماعت کی ضد ہے۔ معتزلہ کے پاس اُس چیز کی عدمِ سماعت کو بہراپن کہتے ہیں جس میں سماعت کی صلاحیت ہو۔ قولِ اول کے لحاظ سے بہرے پن اور سماعت کے درمیان ضدّین کا تقابل ہے اور قولِ دوم کے لحاظ سے عَدم و مَلَکہ کا تقابل ہے۔

## عَمٰی[12] (اندھاپن)

**عمٰی** اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے بصارت واجب ہے۔ عمٰی امرِ وجودی ہے جو بصارت کی ضد ہے۔ معتزلہ کے پاس اس چیز کی عدمِ بصارت کو اندھاپن کہتے ہیں جس میں بصارت کی شان ہے۔ ان دونو کے درمیان بقولِ

یا سنِ بلوغ کو پہنچنے اور مکلف ہونے سے قبل اُسکی عقل سلب کر لیجائے۔ اصلح یہی ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جنت میں پیدا کرتا اور انکو بھلے خواہشات کے اسباب سے مالا مال کرتا تاکہ بُرے افعال کی طرف مائل نہ ہوں۔

**حافظ ابن حجر** لباس فاخرہ پہنے گھوڑے کے ساتھ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ راستہ میں ایک تیل بیچنے والا یہودی ملا جس کے کپڑے تیل میں لت پت اور نہایت ہی میلا کچیلا تھا۔ اس نے آپ کے خچر کی باگ پکڑ لی اور کہا۔ اے شیخ الاسلام تمہارے نبی کا یہ قول ہے اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔ دنیا مومن کیلئے قیدخانہ اور کافر کیلئے جنت ہے۔ یہ تو بتائیے کہ آپ کس قیدخانہ میں گرفتار ہیں اور میں کونسی جنت سے بہرہ اندوز ہوں۔ آپنے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو ناز و نعم کے اسباب میرے لئے جنت میں مہیا کئے ہیں اُنکے مقابلہ میں میں اسوقت قیدخانہ میں ہوں اور اُس دردناک عذاب کے مقابلہ میں جو تمہارے لئے دارِ آخرت میں رکھا ہوا ہے تم گویا اسوقت جنت ہو۔

**مختار**۔ اللہ تعالیٰ بااختیار فاعلِ حقیقی ہے۔ اگر اُس پر کسی فعل کا کرنا یا نہ کرنا واجب قرار دیجائے تو وہ مختار نہ ہوگا۔ مختار تو وہی ہے جو چاہے کرے اور جو نہ چاہے نہ کرے۔ آیت ۱۲-۱۔ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ روئے زمین پر کوئی جانور ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے رزق کا وعدہ کیا ہے اور بس۔

**وعدہ** اللہ نے مومنین سے جنت کی نسبت جو وعدہ کیا ہے بروئے شرع قطعی طور پر اسکے خلاف نہ ہوگا۔ آیت ۲۱-۳ ماقبل آخر وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ الْمِیْعَادَ۔ وعدہ ہوا اللہ کا' اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ۔ وعدہ خلافی ایسا نقص ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی تنزیہہ واجب ہے۔ اس بارے میں اشاعرہ اور ماتریدیہ دونو متفق ہیں۔ گناہ کے صادر ہونے پر جس عذاب اور سزا میں مبتلا کرنے کا ذکر شرع نے کیا ہے اسکو **وعید** کہتے ہیں۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے وعید کے خلاف عمل جائز ہے۔ اسلئے کہ وعید کی خلاف ورزی نقص نہیں تصور کیجاتی بلکہ فضل و کرم شمار کیجاتی ہے۔ شعر

| | |
|---|---|
| وَاِنِّیْ وَاِنْ اَوْعَدْتُہٗ اَوْ وَعَدْتُّہٗ | لَمُخْلِفُ اِیْعَادِیْ وَمُنْجِزُ مَوْعِدِیْ |
| میں اگر کسی کو سزا کی تخویف دلاتی یا صلہ کا وعدہ کیا | تو سزا کی تخویف کے خلاف کرتا ہوں اور وعدہ کو پورا کرتا ہوں |

**تخلّفِ وعید** کی نسبت یہ اعتراضات کئے گئے ہیں کہ اس سے بہت سے فسادات پیدا ہو سکتے ہیں۔

**کذب**۔ اللہ تعالیٰ کے اخبار (خبر دینا) میں کذب لازم آتا ہے اور اجماع اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خبر میں کذب نہیں ہے۔

**تبدیلِ قول**۔ اللہ تعالیٰ کے قول میں تبدیلی ہو جاتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۲۶-۱۹ آخر۔ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ۔ بدلتی نہیں بات میرے پاس۔

**عذابِ کفّار** کا عدمِ خلود لازم آتا ہے حالانکہ قطعی دلایل عذابِ کفار کے خلود کی تائید کرتے ہیں۔ پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کریم نے وعید کی خبر دی تو اسکے کرم کے لایق یہ امر ہے کہ اس اخبار کو مشیت پر چھوڑے اگرچہ اسکی صراحت نہیں کی

غذائیں غیر لذیذ غذائوں کے مقابل۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ جہاں دو امور میں سے ایک میں صلاح اور دوسرے میں اصلح ہے تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ صلاح کو چھوڑ کر اصلح پر عمل کرے۔ جنت کے ادنیٰ طبقہ کے عوض اعلیٰ طبقہ میں جگہ دے اور غیر لذیذ غذائوں کے عوض لذیذ غذائیں نصیب کرے۔ حاصل یہ ہے کہ معتزلہ کو اس امر پر اتفاق ہے کہ صلاح اور اصلح اللہ تعالیٰ پر واجب ہیں۔ لیکن اسکے بعد ان میں آپس میں اختلاف ہے۔ بغداد کے معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر صلاح اور اصلح کی مراعات اپنے بندوں کیلئے واجب ہے دینی اور دنیاوی دونوں امور میں اور بصرہ کے معتزلہ کہتے ہیں کہ صلاح اور اصلح کی مراعات فقط امورِ دین میں واجب ہے۔ اسکے بعد پھر ان میں اصلح کے مطلب کی نسبت اختلاف ہے۔ بغدادی کہتے ہیں کہ حکمت اور تدبیر میں جو امر اوفق یعنے خوشگوار اور پسندیدہ ہے اصلح سے وہی مراد ہے اور بصری کہتے ہیں کہ انفع مراد ہے۔ صلاح اور اصلح ہی کے مسئلہ نے شیخ ابوالحسن اشعری کو اپنے اُستاد ابو ہاشم جُبائی سے منحرف کردیا۔

**مناظرہ۔** شیخ ابوالحسن **اشعری** نے اپنے اُستاد ابو ہاشم **جُبائی** سے اثناءِ درس میں تین بھائیوں کی مثال پیش کرکے سوال کیا کہ ایک نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زندگی بسر کی اور بوڑھا ہوکر مرا' دوسرے نے نافرمانی میں عمر گزاری اور بوڑھا ہوکر فوت ہوا اور تیسرا طفولیت ہی میں چل بسا کہئے انکی نسبت آپ کی کیا رائے ہوگی۔ جُبائی نے جواب دیا' پہلا ثواب کا مستحق ہوگا' دوسرا سزا کا مستوجب ہوگا اور تیسرے کو نہ ثواب ملیگا نہ عذاب۔ اشعری نے کہا ممکن ہے کہ تیسرا سوال کرے' پروردگار! اگر تو مجھکو عمر دیتا اور جلد نہ مارتا تو میں تیری اطاعت کرتا' تیری خوشنودی حاصل کرتا اور جنت میں جاتا۔ پروردگار اُسکو کیا جواب دیگا؟ جبائی نے کہا' پروردگار اُسکو جواب دیگا' میں خوب جانتا تھا کہ اگر تو بڑا ہوتا تو عصیاں کاری اختیار کرتا اور دوزخ میں جھونکا جاتا۔ اسلئے اصلح یہ تھا کہ شعور سے پہلے ہی مرجائے۔ اشعری نے پھر سوال کیا کہ اگر دوسرا پوچھے' پروردگار! مجھکو بڑھنے کیوں دیا اور بچپن میں کیوں نہ مارڈالا تاکہ میں گناہ نہ کرتا اور دوزخ میں نہ جاتا تو کہئے خدا کیا جواب دیگا؟ جُبائی سے جواب نہ بن پڑا اور خاموش رہ گیا۔ اشعری نے اُسوقت سے جُبائی کے مسلک کو ترک کیا اور معتزلہ کے خیالات کی تردید اور مسنونات کے اثبات میں اپنا دل ودماغ صرف کیا اور ایک کثیر جماعت نے ان کا ساتھ دیا۔ یہ سب کے سب اہل السنت والجماعت کہلائے۔

**دلیل۔** اللہ تعالیٰ کے حق میں ممکنات کے تعلق سے فعل یا ترکِ فعل کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس میں سے کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے حق میں عقلاً واجب یا مستحیل ہوتی تو ممکن بدل کر واجب یا مستحیل ہوجاتا اور یہ بات معقول نہیں ہے۔ اسلئے کہ ممکن کے تعلق سے اگر کوئی فعل یا ترکِ فعل واجب یا مستحیل ہوجائے تو ممکن کی قلبِ ماہیت ہوکر ممکن واجب ہوجائیگا یا مستحیل اور یہ محال ہے۔ معتزلہ کے قول کے لحاظ سے اگر اللہ تعالیٰ پر بندوں کے تعلق سے صلاح اور اصلح واجب ہوتے تو اللہ تعالیٰ کافر فقیر کو پیدا ہی نہ کرتا جس کو دنیا میں فقر کی مصیبت برداشت کرنا اور آخرت میں دائمی عذاب بھگتنا پڑے۔ ایسے کافر کیلئے اصلح یہ ہوتا کہ پیدا ہی نہ کیا جاتا اور اگر پیدا کیا گیا تو اس کیلئے اصلح یہ ہوتا کہ یا تو طفولیت ہی میں مارا جائے

اسی طرح اگر ہماری معصیت کی کوئی سزا دی تو محض اسکا عدل ہے۔

کرم کرے تو چھٹیاں عدل کرے تو لٹیاں

اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے کہ کوئی طاعت اسکو فائدہ اور کوئی معصیت اسکو نقصان پہنچائے۔ طاعت اور معصیت دونو اسکی پیدا کردہ ہیں۔ طاعت کیلئے ثواب لازم نہیں اور نہ معصیت کیلئے عذاب لازم ہے۔ البتہ یہ دونو علامتیں ہیں اس بات کی کہ طاعت کا بدلہ ثواب اور معصیت کا بدلہ عذاب ہے۔ اگر اسکے برعکس اللہ تعالیٰ یہ کہے کہ طاعت کے بدلہ عذاب دونگا اور عصیاں کے بدلہ ثواب، تو یہ عمل بھی اُسکے تعلق سے حَسَن ہی ہے۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وہ جو کرتا ہے اُس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا ہے اور یہ عمل عقل کے موجب ہے۔ البتہ شرع کی رو سے وعدہ خلافی جایز نہیں ہے اسلئے کہ اس میں سفاہت ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے مستحیل ہے۔ وعید کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے اسلئے کہ اس میں فضل و کرم مضمر ہے۔

## خیر و شر

**خیر و شر**۔ اللہ تعالیٰ کیلئے خیر و شر کا پیدا کرنا جایز ہے یہ اہلِ سنّت کا عقیدہ ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے نفس کے اختیاری افعال کی تخلیق آپ کرتا ہے، خیر ہوں یا شر۔ اس بارے میں اہلِ سنّت اور معتزلہ دونو کو اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے البتہ شر کے ارادہ کی نسبت دونوں میں اختلاف ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ شرور اور قبائح کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے لئے ممتنع ہے۔ اِنکے اس قول کی بنیاد اُس اصول پر مبنی ہے کہ افعال کی تحسین و تقبیح عقلی ہے۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حَسَن لذاتہٖ کا ارادہ کرتا ہے اور شر لذاتہٖ کا ارادہ نہیں کرتا۔ ہمارے پاس حُسن وہ ہے جسکو شرع نے حُسن ظاہر کیا اور قبیح وہ ہے جس کو شرع نے قبیح قرار دیا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ شر کا ارادہ شر اور قبیح کا ارادہ قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ شرور و قبائح سے پاک ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بات قبیح نہیں ہے، غایتِ امر یہ ہے کہ اُسکی وجہ حُسن ہماری نظر سے پوشیدہ ہے۔ معتزلہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اُس عمل پر عذاب دینا جو اُسکے ارادہ میں تھا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس نے اپنے خالص ملک میں تصرف کیا اور ایسا تصرف ظلم نہیں ہو سکتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آیت ۲۳؍۲۱ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وہ جو کرتا ہے اس سے اسکی نسبت سوال نہیں کیا جاتا۔

**حکایت** بیان کیگئی ہے کہ ابلیس ملعون شافعی رضی اللہ عنہ کے سامنے انسانی شکل میں ظاہر ہوا اور سوال کیا کہ اُس ذات کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے مجھکو پیدا کیا جیسا چاہا اور مجھ سے عمل طلب کیا جو چاہا اور اسکے بعد اگر چاہا تو جنت میں داخل کیا اور اگر چاہا تو دوزخ میں۔ اسکا یہ عمل میرے حق میں عدل پر مبنی ہے یا ظلم پر۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اُسکے اس سوال پر غور کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر الہام کیا کہ کہوں، اے وہ شخص اگر اس نے تجھکو پیدا کیا جیسا کہ تو چاہا تو تجھ پر ظلم کیا اور اگر تجھکو پیدا کیا اپنے ارادہ کے موافق تو لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ اس حدیث

یعنی اگر چاہے تو عذاب کی سزا کو قائم رکھے۔ حدیث۔ مَنْ وَعَدَهُ اللّٰهُ عَلٰى عَمَلٍ ثَوَابًا فَهُوَ مُنْجِزٌ لَّهٗ وَ مَنْ اَوْعَدَهٗ عَلٰى عَمَلٍ عِقَابًا فَهُوَ فِي الْخِيَارِ اِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ جہاں اللہ تعالیٰ کسی عمل پر ثواب کا وعدہ کیا تو اسکو پورا کرتا ہے اور کسی عمل پر عذاب تجویز کیا تو وہ مختار ہے، چاہے عذاب میں مبتلا کرے اور چاہے بخش دے۔ اعتراض دوم کا جواب یہ ہے کہ کفار کی وعید کی نسبت تبدیل نہیں ہوسکتی یا جس کو اللہ تعالیٰ معاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا یہ آیت ان دونوں امور پر محمول ہے۔ وعید اگر ایسے امر کی نسبت ہو جسکا عفو جایز ہو تو اس سے کفار کے خلودِ عذاب کی نفی نہیں ہوتی۔ اسلئے کہ کفر سے عفو جایز نہیں ہے۔ آیت ۶-- اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ۔ بیشک اللہ نہیں بخشتا کہ اسکے ساتھ شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے جسکو چاہے۔ یہ آیت مقید کرتی ہے اِس آیت کو ۲۴ اوّل۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ بیشک اللہ بخشتا ہے سارے گناہ۔ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ جس طرح وعدہ کا خلاف ممتنع ہے اسی طرح وعید کا خلاف بھی ممتنع ہے۔ البتہ مؤمن مغفور لہٗ اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اسلئے کہ عام وعید کے تعلق سے جو آیتیں وارد ہوئی ہیں اس سے مومن مغفور لہٗ خارج ہے۔ لیکن مؤمن غیر مغفور لہٗ کے خلاف وعید کا نفاذ ہونا ضروری ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان الفاظ میں دعا کرنا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ جَمِيْعَ ذُنُوْبِهِمْ۔ یا اللہ تو بخش دے جمیع مؤمنین کو اُنکے سارے گناہ۔ اشاعرہ کے قول کے لحاظ سے صحیح ہوگا اور ماتریدیہ کے قول کے لحاظ سے صحیح نہ ہوگا۔

**ثواب و عذاب۔** وعدہ کو ثواب اور وعید کو عذاب کہتے ہیں۔ بنی آدم کی سزا اور جزاء کے متعلق سب کو اتفاق ہے۔ فرشتوں کی اثابت کا ذکر آگے آئیگا۔ جنّات کے متعلق علماء کو اتفاق ہے کہ کفارِ جن آخرت میں عذاب میں مبتلا ہونگے البتہ مومنین جن کی نسبت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ بھی بنی آدم کے مانند ہیں، طاعت پر انھیں ثواب نصیب ہوگا اور معصیت پر عذاب۔ بعض کہتے ہیں کہ انکو کوئی ثواب نہیں ملیگا البتہ دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے اور پھر ان سے کہا جائیگا کُوْنُوْا تُرَابًا كَالْبَهَائِمِ مٹی ہوجاؤ جانوروں کی طرح۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت کے مضافات میں ہونگے۔ انسان تو انکو دیکھتے ہونگے مگر وہ انسان کو نہ دیکھیں گے اور معاملہ دنیا کے برعکس ہوگا۔ دنیا میں جنات انسان کو دیکھتے تھے اور انسان انھیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ **اعراف** میں ہونگے۔ جلال سیوطی نے اسکا ذکر کیا ہے۔

**ثواب** کی نسبت اہلِ سنّت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ثواب دیتا ہے، خالص اپنے فضل سے، جس میں ایجاب اور وجوب کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو انسان پیدا کیا اور دنیاوی زندگی میں ہمارے لئے جو ضروریات اور اسباب مہیا کئے انکے مقابلہ میں شریعت کی رو سے جن طاعات کی ادائی ہمارے ذمہ عاید کی وہ اُن نعمتوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں جن سے ہم اس زندگی میں استفادہ کر رہے ہیں تو پھر ان طاعات کے عوض کے پانیکا استحقاق ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر ہمارے نیک اعمال کے صلہ میں ثواب عطا کیا تو محض اسکا فضل و کرم ہے ورنہ اُس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے

اسکی تفصیل کا نام **قدر** ہے۔ قبلِ خلق، وجودِ علمی کو **ثبوت** کہتے ہیں اور بعدِ خلق وجودِ خارجی کو **وجود** کہتے ہیں۔ **قدر**: آیت ۲۲/۳۳ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا۔ اور ہے حکمِ اللہ کا مقرر اندازہ پر۔ آیت ۲۷/۹ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ۔ ہم نے پیدا کیا ہر چیز کو اندازہ پر۔ آیت ۲۸/۴ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔ اللہ نے بنایا ہر چیز کو اندازہ پر۔

**حکمتِ خلقت** ۱۵/۹۔ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا۔ کہہ دو ہر ایک عمل کرتا ہے اپنی سرشت کے مطابق تمہارا پروردگار بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھی راہ پر ہے۔ آیت ۱۵/۴ وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ۔ ہر انسان کے گلے میں اسکا اعمال نامہ لٹکا دیا ہے۔ آیت ۱۶/۱۱ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ۔ ہمارا پروردگار وہی ہے جس نے ہر چیز کو اسکی صورت دی اور پھر اسے راہ بتائی۔

**وجوبِ ایمان**۔ قضا و قدر پر ایمان کے وجوب کی بابت دلیلِ سمعی ہے۔ علی کرّم اللہ وجہہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ بِأَرْبَعَةٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ بَعَثَنِي بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ حُلْوِهِ وَمُرِّهِ"۔ بندہ مومن نہیں ہے جبتک کہ ایمان لائے چار باتوں پر۔ شہادت دے کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بیشک میں اللہ کا رسول ہوں مجھکو بھیجا ہے حق کے ساتھ اور ایمان لائے بعث پر موت کے بعد اور ایمان لائے قدر پر قدر کے خیر اور شر پر اسکی شیرینی اور تلخی پر۔ ان حدیثوں کے منجملہ ایک حدیثِ اربعین ہے۔ "اَلْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ حُلْوِهِ وَمُرِّهِ"۔ ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اسکے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں پر اور اسکے پیغمبروں پر اور ایمان لاؤ تم قدر پر اس کے خیر و شر پر اسکی شیرینی اور تلخی پر۔ دلیلِ سمعی پر اسلیئے اکتفا کیا گیا کہ وہ عوام کی تفہیم کیلئے سہل و آسان ہے ورنہ گذشتہ تفصیل سے معلوم ہو گیا ہے کہ قضا اور قدر رجوع کرتے ہیں صفات کی طرف جو دلائلِ عقلی سے ثابت اور درست کیے گئے ہیں۔

**قدریہ** ایک فرقہ ہے جو قدر سے انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں امور کو مقدر نہیں کیا بلکہ ان امور کے واقع ہونیکے وقت وہ اپنے علم سے انکا اعادہ کرتا ہے۔ چونکہ انھوں نے قدر کی نفی اور انکار میں مبالغہ کیا اسلئے انکو قدریہ کہا گیا۔ امام شافعیؒ کے زمانہ سے پہلے ہی یہ فرقہ ناپید ہو گیا۔ ایک دوسرے فرقہ کا نام بھی قدریہ ہے جو بندوں کے افعال کو منسوب کرتا ہے بندوں کی قدرت پر اور کہتا ہے کہ بندوں کے اعمال کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُن افعال کے وقوع میں آنے سے پہلے اور اس فرقہ کی تردید اسکے قبل کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے قدریہ دو فرقوں کا نام ہے۔ پہلا فرقہ وہ ہے جو اشیاء کے وقوع سے پیشتر اللہ تعالیٰ کے علم سے انکار کرتا ہے اور قدر کی بالکلیہ نفی کرتا ہے۔ دوسرا فرقہ وہ ہے جو بندوں کے اعمال کو بندوں کی قدرت کی طرف منسوب کرتا ہے۔ انکا مذہب بھی باطل ہے لیکن فرقۂ اول کے مقابلہ میں یہ خفیف تر ہے۔

**رضا بقضا**۔ قضا اور قدر پر ایمان لانیکا اقتضا یہ ہے کہ ان پر راضی بھی ہو یعنی قضا و قدر پر رضا بھی واجب ہے۔ یہاں

اَلْخَیْرُ بِیَدَیْكَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْكَ کے معنی یہ ہیں کہ خیر تیری قدرت اور تیرے ارادہ کے سبب سے ہے اور شر
کے توسط سے کوئی تیری طرف تقرب حاصل نہیں کر سکتا۔ معتزلہ کے قول کے لحاظ سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اکثر امور جو
اللہ تعالیٰ کے ملک میں واقع ہوتے ہیں اسکی مراد کے خلاف ہوتے ہیں اسلئے خیر کے مقابلہ میں شر کی کثرت ہے۔ اس
حدیث سے بھی انکے قول کی تردید ہوتی ہے۔ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ اگر اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہ ہوا
اور جو نہ چاہا نہ ہوا۔ معتزلہ شر کو قبیح سے تعبیر کرتے ہیں اور خیر کو حُسن سے اور انکی اصطلاح میں قبیح وہ ہے جو لائق مذمت ہے
دنیا میں اور عذاب ہے آخرت میں۔ اس لحاظ سے حرام ہی قبیح ہوگا۔ حُسن وہ ہے جو مذمت اور عذاب دونوں کے لائق نہیں
ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ حُسن، واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور خلافِ اولیٰ پر شامل ہوگا اور یہ پانچوں امور انکے پاس
حُسن ہونگے۔ اہلِ سنت کے ایک کثیر طبقہ کی اصطلاح میں مطلق منہی عنہ قبیح ہے۔ امام الحرمین کا قول ہے کہ مکروہ اور
خلافِ اولیٰ جو مکروہ میں داخل ہے نہ حُسن ہے اور نہ قبیح۔

## قضا و قدر

**قضا و قدر** پر ایمان لانا واجب ہے۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان قضا و قدر دونو کے تعلق سے اختلاف ہے۔
**قضا**۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ قضا سے مراد اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اشیاء کی نسبت ازل میں جیسی کہ اشیاء ہیں اور ہونگی
اور اسلئے انکے پاس قضا ذات کی صفات میں سے ہے اور قدیم ہے۔ ماتریدیہ کہتے ہیں قضا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
اشیاء کی ایجاد کرتا ہے احکام اور اتقان کی زیادتی کے ساتھ اور انکے پاس قضا فعل کی صفت ہے اسلئے وہ حادث ہے۔
**قدر**۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ قدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کی ایجاد کرتا ہے مخصوص قدر میں اور معین وجہ میں۔ جو
اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں مضمر ہے۔ چونکہ انکے پاس قدر سے ایجاد مراد ہے اسلئے وہ فعل کی صفت ہے اور افعال کی صفات
میں سے ہے اسلئے وہ حادث ہے۔ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہر مخلوق کی حسن و قبح نفع و ضرر وغیرہ کی
حدود مقرر کردی ہیں جس کے مطابق وہ پیدا کئے جائیں گے۔ یعنی ازل ہی میں مخلوقات کی صفات اللہ تعالیٰ کے علم
میں تعین اور اسلئے علم کی صفت قدر ہے اور علم ذات کی صفات میں سے ہے۔ اشاعرہ قضا سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ
اور قدر سے اللہ تعالیٰ کی ایجاد اور ماتریدیہ قضا سے اللہ تعالیٰ کا حکم جو فعل کی طرف رجوع کرتا ہے اور قدر سے اللہ تعالیٰ
کا علم مراد لیتے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ کہ اشاعرہ کے پاس قضا صفتِ ذاتِ قدیم ہے اور قدر صفتِ فعل حادث ہے اور
ماتریدیہ کے پاس قضا صفتِ حادث اور قدر صفتِ قدیم ہے۔ قضا و قدر دونو رجوع کرتے ہیں صفاتِ علم، ارادہ اور
تعلقِ قدرت کی طرف جیسا کہ اسکے پہلے ان سب کی تفصیل بیان کیا جا چکی ہے۔
ابن عربیؒ نے فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ عالم کے نظام اصلی کا نام **قضا** اور قضا کی متابعت میں جو چیزیں نمایاں ہوتی ہیں

مگر انکی رائے تعلیل[۱] اور طبیعت کے اصول پر مبنی ہے فلسفی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وجود سے عالم کا وجود لازم آتا ہے تعلیل یا طبیعت کی بنا پر۔ اور عالم کے وجود سے مُصلح کا وجود بھی لازم آتا ہے جو نظامِ عالم میں صلاح کو قائم رکھے۔ شمس الدین سمرقندی کے کلام سے ظاہر ہے کہ فلسفی کو ارسال سے بھی انکار ہے۔ اسلئے کہ وہ علت اور طبیعت کو عالم کے وجود کی بناء قرار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اختیار کی نفی کرتے ہیں۔ شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ براہمۂ ہند کی رائے ہے کہ انسان کو فطرت سے عقل ملی ہے جو انکے افعال کے خیر و شر کی وضاحت کرتی ہے اور انکی رہنمائی کیلئے کافی ہے عقل کے علاوہ کسی شرع یا کسی الہامی دین کی ضرورت نہیں، اسلئے انکے خیال میں بعثتِ انبیاء محال ہے۔ نبوت کے بعض منکرین اسکو مستحیل کہتے ہیں اور بعض براہمہ کی طرح نبوت کی عدمِ احتیاج ظاہر کرتے ہیں محصّل میں رازی نے محققِ طوسی کی جانب سے براہمہ کے استدلال کا یوں ذکر کیا ہے کہ پیغمبروں کی لائی ہوئی چیزیں دو طرح کی ہو سکتی ہیں یا تو پیغمبروں کی لائی ہوئی چیزیں عقل کے موافق ہونگی یا مخالف: اگر وہ چیزیں عقل کی مخالف ہیں تو وہ مقبول نہیں ہیں اور اُن چیزوں کے لانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ جو چیزیں عقل کے موافق ہیں اور عقولِ بشری میں آسکتی ہیں تو پھر انکے لئے پیغمبروں کے بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جو امور عقل کے موافق ہیں انکی نسبت عقل مستقل طور پر ادراک کر سکتی ہے یا مستقل طور پر ادراک نہیں کر سکتی۔ پیغمبروں کا احتیاج اسی آخر الذکر صورت کی نسبت ہے۔

۱ تعلیل ۱۸۱ طبیعت ۱۰۱

# رویت

رویت اللہ تعالیٰ کی مومنین کیلئے دارِ آخرت میں جایز ہے بصارت کے ذریعہ بغیر کیفیت اور انحصار کے، اسلئے کہ رویت کی تعلیق جایز کے ساتھ کی گئی ہے۔ اتفاق اس امر پر ہے کہ کفار کو رویت نصیب نہ ہوگی اور قولِ صحیح یہ ہے کہ منافقین کو بھی رویت نصیب نہ ہوگی۔ عام قول یہ ہے کہ دار دنیا میں رویت واقع نہ ہوگی۔ البتہ قول راجح یہ ہے کہ لَیْلَةُ الْاِسْرَاء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم رویتِ باری تعالیٰ سے سرفراز ہوئے تھے۔ شیخ بیجوری نے لکھا ہے کہ رویت جایز ہے عقلاً دنیا میں اور آخرت میں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ موجود ہے اور ہر موجود کیلئے اسکا امکان ہے کہ دیکھا جائے پس اللہ جلّ شانہٗ کی رویت ہو سکتی ہے۔ لیکن دنیا میں صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا دیدار نصیب ہوا تھا۔ آخرت میں بروئے شرع رویت حاصل ہوگی مومنین کو جیسا کہ اہلِ سنت کے پاس قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن میں بہت سی آیتیں اس بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ آیت ۲۹/۱۴ ۲۲۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اس روز بعض چہرے تر و تازہ ہونگے اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ہونگے۔ ناضرۃ کے معنی حَسَنَةٌ ہیں اور وہ وجوہ کی صفت ہے اور اس جملۂ ابتدائیہ کی خبر ناظرۃ ہے جبّائی نے اس آیت میں نظر کی تاویل انتظار سے کی ہے اور الیٰ کو اسم یعنی نعمت قرار دیکر یہ معنی بیان کئے ہیں کہ مُنْتَظِرَةٌ نِعْمَةَ رَبِّهَا اپنے رب کی نعمت کے انتظار میں ہونگے آیت ۲۹/۱۴

ایک مشکل سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قضا اور قدر پر رضا سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ کفر اور معاصی پر بھی رضا سے کام لے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس شخص پر اسکو قضا کیا اور اسکی تقدیر کی۔ حالانکہ کفر پر رضا کفر ہے اور معصیت پر رضا معصیت ہے۔ سعد نے اسکا جواب دیا ہے کہ کفر اور معصیت مَقْضِی اور مُقَدَّر ہیں قضا و قدر نہیں ہیں۔ رضا کا وجوب قضا اور قدر کے ساتھ ہے مَقْضِی اور مُقَدَّر کے ساتھ نہیں ہے۔ اس تعبیر پر بھی ایک بات ذہن میں آتی ہے کہ قضا اور قدر سے رضا کے معنی یہی سمجھ میں آتے ہیں کہ مَقْضِی اور مُقَدَّر سے رضا۔ خیالی نے اپنے حاشیہ میں تحقیق کے ساتھ کہا ہے کہ کفر اور معاصی کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت یہ ہے کہ وہ مَقْضِی اور مُقَدَّر ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور دوسری جہت یہ ہے کہ بندہ نے انکا اکتساب کیا ہے۔ پہلی جہت کا لحاظ کرتے اسکے ساتھ رضا واجب ہے اور دوسری جہت کے لحاظ سے واجب نہیں ہے۔ یہ جاننا چاہئے کہ اگرچہ کہ قدر پر ایمان لانا واجب ہے لیکن اسکے وقوع میں آنے سے پیشتر اس پر حجت پکڑنا اس تک پہنچنے کے خیال سے جائز نہیں ہے۔ کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر زنا مُقَدَّر کیا ہے اور غرض اسکی یہ ہو کہ اسکو زنا میں وقوع کا ذریعہ بنائے یا وقوع کے بعد حدِ شرعی سے خلاصی پائے جیسا کہ کسی شخص نے زنا کا ارتکاب کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو میرے لئے مُقَدَّر کیا تھا اور اسکی غرض حدِ شرعی سے رہائی پانا ہو۔ وقوع کے بعد محض دفعِ لوم کیلئے اس سے حجت حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

**قصۂ آدم و موسیٰ علیہ السلام۔** حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آدم اور موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی روحوں کا آمنا سامنا ہوا فَقَالَ مُوْسٰی لِاٰدَمَ اَنْتَ اَبُو الْبَشَرِ الَّذِیْ کُنْتَ سَبَبًا لِاِخْرَاجِ اَوْلَادِکَ مِنَ الْجَنَّۃِ بِاَکْلِکَ مِنَ الشَّجَرَۃِ فَقَالَ اٰدَمُ یَا مُوْسٰی فَاَنْتَ الَّذِیْ اصْطَفَاکَ اللّٰہُ بِکَلَامِہٖ وَخَطَّ لَکَ التَّوْرَاۃَ بِیَدِہٖ تَلُوْمُنِیْ عَلٰی اَمْرٍ قَدَّرَہُ اللّٰہُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَنِیْ بِاَرْبَعِیْنَ سَنَۃً۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰی اَیْ غَلَبَہٗ بِالْحُجَّۃِ۔ موسیٰؑ نے آدمؑ سے کہا آپ ابوالبشر ہمارے باوا آدم ہیں جنھوں نے درخت کے ممنوعہ پھل کو کھا لیا اور جنت سے اپنی اولاد کے اخراج کا سبب بنے۔ آدم نے جواب دیا موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا اور تمہارے لئے توراۃ کو اپنے ہاتھ سے لکھا تم مجھ کو ایسی بات میں ملامت کرتے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھکو پیدا کرنے کے چالیس برس پہلے مقدر کر رکھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کی یہ حجت موسیٰ پر غالب آئی۔

---

**نبوت، رسالت۔** پیغمبروں کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کے حق میں جائزات میں سے ہے اور یہ جائزِ عقلی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے چاہا تو پیغمبروں کو اُمّت کی ہدایت کیلئے بھیجے یا نہ بھیجے اللہ تعالیٰ بالکلیہ اس بارے میں مختار ہے۔ اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے کہ پیغمبروں کو بھیجے اور نہ اللہ تعالیٰ پر اسکا امتناع ہے۔ معتزلہ اور براہمہ کو اختلاف ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ امّت کی ہدایت کیلئے پیغمبروں کو بھیجے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ افرادِ بشری کی عقل و فہم میں تفاوت فطری بات ہے اور اس تفاوت کی وجہ سے بنی نوعِ انسان میں فساد کا واقع ہونا بھی لازم ہے۔ پس صلاح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی توفیق کے لئے دنیا میں ایک پیغمبر قائم کرے اور اسکو معجزوں سے تقویت دے تاکہ لوگ اسکی پیروی کریں۔ فلسفی بھی رسالت اور نبوت کے قائل ہیں

صلاح ۱۸۷

حدود اور نہایات میں منحصر ہو۔ آیتِ کریمہ میں ادراک کی نفی کی گئی ہے جو رویت سے اخص ہے۔ بروئے عقل اخص کی نفی کرنے سے اعم کی نفی لازم نہیں آتی۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا بغیر اُن کیفیات کے جو اجسام کی رویت میں واقع ہوتی ہیں اور بغیر احاطہ کے، بلکہ بندہ اُسکی عظمت اور جلال میں ایسا حیران ہوگا کہ اپنا نام بھی نہیں جانیگا اور نہ یہ جانیگا کہ اسکے اطرف خلایق میں سے کون کون گھیرے ہوئے ہیں۔ اس مقام پر عقل سمجھنے سے عاجز ہو جاتی ہے۔ وتبدا [مقفی] الکل فی جنب عظمتہ تعالیٰ۔ اُس سبحانہٗ تعالیٰ کی عظمت کی قربت میں ہر ایک چیز نظر سے غائب ہو جاتی ہے۔

**رائی** کی رویت کی کیفیت کیا ہوگی۔ اسکی نسبت تین قول ہیں۔ آنکھوں[1] کے ذریعہ رویت ہوگی۔ جمیع[2] وجوہ سے رویت ہوگی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ ۲۹/۱ ۲۲۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ اس روز چہرے تروتازہ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہونگے۔ رویت[3] ہوگی اجزاءِ بدن کے ہر جزو سے جیسا کہ بایزید بسطامیؒ سے منقول ہے۔ مومنین کی تخصیص ہے۔ مومنین میں مومنات بھی داخل ہیں اور صحیح یہ ہے کہ مومنات کو بھی رویت نصیب ہوگی سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ مومنین کا لفظ عام ہے ملائکہ پر بھی شامل ہے اور یہی قول قوی ہے۔ مومنین کا لفظ جن مومن پر بھی شامل ہے۔ مومنین کا لفظ سابقہ امتوں کے مومنین پر بھی حاوی ہے۔ مومنین کا لفظ اہلِ **فترت** پر بھی حاوی ہے۔ اس قول کی بناء پر کہ اہلِ فترت ناجی ہیں اگرچہ کیا انھوں نے تغیر و تبدل کیا ہو۔ مومنین کی قید کی وجہ سے کفار اور منافقین خارج ہو جاتے ہیں۔ کفار اور منافقین کو رویت حاصل نہ ہوگی۔ آیت ۳۰/۸ ۱۶۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ بیشک یہ لوگ اپنے پروردگار سے محجوب رہیں گے۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار اور منافقین اہلِ اکرام او تشریف نہیں ہیں بعض کی رائے ہے کہ کفار اور منافقین کو بھی رویت نصیب ہوگی اور اسکے بعد اُن پر حجاب عاید ہوگا اور یہ حجاب اُنکے لئے حسرت کا باعث ہوگا۔

**مقامِ رویت**۔ بغیر کسی اختلاف کے یہ ثابت ہے کہ رویت کا محل جنت ہوگا۔ اہلِ جنت کو رویت نصیب ہوگی جمعہ اور عید جیسے دنوں میں اور خاصگانِ جنت کیلئے رویت ہوگی صبح سویرے اور شام میں (بُكْرَةً وَّعَشِيًّا)۔ بعض تو ہمیشہ عالمِ شہود میں ہونگے۔ بایزید بسطامیؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندے ایسے بھی ہونگے کہ اگر جنت میں ایک گھڑی بھر دیدار سے انھیں حجاب ہوا تو جنت اور اُسکی نعمتوں سے ایسے بیزار ہونگے اور پناہ مانگیں گے جیسا کہ اہلِ دوزخ دوزخ اور اسکی آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔ صحیح قول یہ بھی ہے کہ عرصاتِ قیامت میں **موقف** میں بھی رویت ہوگی۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ندا ہوگی کہ ہر ایک اُمت اپنے معبود کے ساتھ ہو جائے۔ پس پروردگار تجلی دیگا ایسی جو مقام کے حال کے لایق ہے اور پنڈلی سے کھولیگا اور کہیگا اَنَا رَبُّكُمْ میں تمھارا پروردگار ہوں دیکھیں گے اسکو مومنین پھر وہ سجدہ میں گر پڑیں گے سوائے منافقین کے۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے ۲۹/۵ ۔ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ جس دن کہ پنڈلی کھول دیجائیگی۔ **خلف** کے پاس کشفِ ساق کے معنی رفعِ حجاب کے ہیں اور **سلف** نے اسکے معنی

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۔ حُسنیٰ سے مراد جنت ہے اور زیادتی سے مراد اللہ جل شانہ کا دیدار جیسا کہ جمہور مفسرین کی رائے ہے۔ آیت ۲۴۔ عَلَى الْاَرَائِكِ يَنْظُرُوْنَ تختوں پر دیکھتے ہونگے۔

**حدیث** ۔ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ۔ تم قریب میں دیکھو گے اپنے رب کو جیسا کہ تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔ یہاں رویت کے بلاشک و بغیر خفاء ہونے کی نسبت تشبیہہ دی گئی ہے۔ مرئی کی تشبیہہ مقصود نہیں ہے۔ حدیث موصوف میں سین سے قیامت کی قربت کی تعبیر کی گئی ہے۔ معتزلہ نے اس حدیث کی تاویل میں یہ بیان کیا ہے کہ تم قریب میں دیکھو گے اپنے پروردگار کی رحمت کو۔

**اجماع** ۔ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو آخرت میں رویت کے واقع ہونے کی نسبت اتفاق تھا۔ امام مالک رح کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے اعداء (کفار) سے حجاب کیا تو اعداء نے اسکو نہ دیکھا تجلی کی اپنے اولیاء کیلئے اور اولیاء نے اسکو دیکھا اگر مومنین قیامت میں اپنے رب کو نہ دیکھتے ہوتے تو حجاب سے کافروں کی مذمت نہ کیجاتی۔ آیت ۳۰ ۔ ۱۶۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۔ بیشک کافر اپنے رب سے اس دن محجوب رہیں گے۔ امام شافعی رح کہتے ہیں کہ ناراضگی کی بناء پر ایک قوم کا محجوب ہونا دلالت کرتا ہے کہ رضامندی کی وجہ سے دوسری قوم اسکو دیکھے گی۔ اس سے بڑھکر آپ کا یہ قول ہے کہ خدا کی قسم اگر محمد بن ادریس (شافعی) کو اس بات کا یقین نہ ہوتا کہ میعاد میں اپنے رب کو دیکھے گا تو وہ دنیا میں اسکی عبادت نہ کرتا۔ یہ صرف [illegible] کے کلام کا نمونہ ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ بذاتہ مستحق عبادت ہے۔ شیخ ابن عربی رح کہتے ہیں کہ جو معرفت دنیا میں حاصل ہوتی آخرت میں اسکی تقویت رویت سے ہوتی ہے۔ دیکھنے والا سننے والے کے مساوی نہیں ہے۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

**مرئی** (دیکھی ہوئی چیز) کی رویت بلا کیف ہوگی یعنی مرئی میں وہ کیفیتیں نہ ہونگی جو حوادث میں ہوتی ہیں۔ حوادث کی کیفیتیں جیسے کہ مقابل ہونا جہت میں ہونا اور تحیز ہو وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کی رویت اس کیفیت کے ساتھ نہ ہوگی جس طرح کہ ہم میں سے بعض کو بعض دیکھتے ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ مرئی کیلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ رائی (دیکھنے والے) کے مقابل ہو اور جب مرئی مقابل ہوا تو جہت اور حیز میں واقع ہوا اور یہ محال ہے اللہ تعالیٰ کیلئے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ رائی کے مقابل کا ہونا ضروری نہیں ہے اور جب مقابل ہونا ضروری نہیں ہے تو جہت اور حیز میں ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ رویت ایک قوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں پیدا کی ہے۔ اس کیلئے شرط نہیں ہے کہ رائی کے مقابل ہو یا جہت اور جہت میں ہو وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ یہ امور عادت کے طور پر لازم ہیں نہ کہ عقلاً۔ بغیر انحصار سے مراد یہ ہے کہ رائی کی نظر میں مرئی کا احاطہ نہ ہو اور اسکو گھیر لے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے حدود اور نہایات محال ہیں۔ معتزلہ آیت [illegible] ۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (بصارتیں اسکا ادراک نہیں کرتیں) سے استدلال کرکے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک بصارت سے نہیں ہوسکتا۔ ادراک و رویت مترادف ہیں اسکا نتیجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رویت بصارت سے ممکن نہیں ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ بصارت کے ساتھ ادراک مطلق رویت کے برابر نہیں ہے اور رویت کی مخصوص صورت ادراک ہے جس میں مرئی کا احاطہ کیا جائے اور مرئی

میکائیل بائیں جانب آپ کے ہمرکاب تھے آپ کا سفر مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور مسجدِ اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور اسی طرح آپ کی واپسی۔ یہ سارا واقعہ آنِ واحد میں وقوع میں آیا۔ اسلئے معراج بھی ایک اہم معجزہ ہے۔ معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رویتِ باری کے بارے میں تین قول ہیں بیداری کی حالت میں روح اور بدن کے ساتھ رویت ہوئی۔ قرنِ ثانی کے بزرگوں اور عامۂ امت کو اس سے اتفاق ہے۔ غیبتہ کی حالت میں رویت ہوئی۔ قرنِ اوّل کے بعض اصحاب کا یہ قول ہے۔ رویت فقط روح کے ذریعہ ہوئی حالتِ بیداری میں۔ روح نے ان مقامات کی سیر کی اور جسدِ مبارک، غفلت کی حالت میں اپنے مقام پر قائم رہا۔ یہ بھی قرنِ اوّل کے بعض اصحاب کا قول ہے۔ حق قول اوّل ہے کہ بحالتِ بیداری روح اور بدن دونوں کے ساتھ آپ کو رویت نصیب ہوئی۔ اکثر علماء کے پاس راجح قول یہ ہے کہ رَأَى رَبَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بِعَيْنَيْ رَأْسِهِ وَهُمَا فِي مَحَلِّهِمَا۔ آپ نے اپنے پروردگار سبحانہ وتعالیٰ کو اپنے سر کی دو آنکھوں سے دیکھا جبکہ دونوں آنکھیں اپنے صحیح مقام پر قائم تھیں۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ پوری جسمانی حالت میں آپ دیدارِ الٰہی سے فیض یاب ہوئے۔ آیت پ۱۵ ا۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى۔ پاک ہے وہ ذات جو لیگئی اپنے بندہ کو ایک رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ اس آیت میں مکۂ مکرمہ سے بیت المقدس کا سفر درج ہے اور مسجدِ اقصیٰ سے آسمانوں کا سفر اس آیت میں ہے پ۳۰ ۲۔ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ۔ تم کو چڑھنا ہے درجہ بدرجہ۔ حدیثِ مشہور سے بقیہ منازل کے سفر کی تفصیل ثابت ہے۔ مسجدِ اقصیٰ تک آپ کا سفر کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ اسکے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ مسجدِ اقصیٰ سے سات آسمانوں تک کا سفر مشہور احادیث سے ثابت ہے اور پھر جنت تک اور پھر مستوی یا عرش یا عرش کے اوپر تک خبرِ آحاد سے ثابت ہے اسکے انکار سے فسق لازم آتا ہے کفر لازم نہیں آتا۔ بجوری نے لکھا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ آپ عرش تک نہیں پہنچے تھے۔

یہ اعتراض کہ انسان کا جسمِ ثقیل ہوائے لطیفہ میں صعود نہیں کر سکتا اسلئے صحیح نہیں ہے کہ اس سے جبریل علیہ السلام کے جسمِ لطیف کے ساتھ ارضِ ثقیل پر ہبوط کرنے کی تردید ہوتی ہے۔ جبریل کے ہبوط کے انکار سے نفسِ نبوت کا انکار لازم آتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جب ابلیس کا مشرق سے مغرب کو اور مغرب سے مشرق کو ایک لحظہ میں نقل کرنا ممکن ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امر کیسے مستبعد ہوگا۔

تعدادِ نماز کی تخفیف کے ضمن میں جتنے مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ رب العزت میں لوٹ کر آتے گئے ہر مرتبہ آپ کو رویت سے سرفراز کیا گیا۔ ابنِ وفا کے کلام سے ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں کی تعداد کی تخفیف کے ضمن میں لوٹاتے رہے اس شوق میں کہ متعدد دفعات کے انوار کا مشاہدہ بار بار کریں۔ موسیٰؑ کے اس عمل کی باطنی حکمت یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے نور کا اقتباس کریں۔ ہر ایک مرتبہ کے چکر میں آپ کے چہرہ کے نور میں زیادتی ہوتی گئی۔ موسیٰؑ کے لوٹاتے جانے میں ظاہری حکمت نمازوں میں تخفیف تھی۔

اور مفہوم کو خدا کے تفویض کیا اور کسی تاویل کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

**دلیل** جواز رویت۔ رویت کے جواز کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی تعلیق ایسے امر کے ساتھ کی جو بروئے عقل جایز ہے یعنی پہاڑ کے استقرار کے ساتھ تعلیق کی۔ آیت ۱۴۳-۷ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي۔ موسیٰؑ نے درخواست کی 'پروردگار! دکھلا مجھکو' میں تجھکو دیکھوں۔ ارشاد ہوا 'تم ہرگز نہ دیکھو گے مجھکو' لیکن تم پہاڑ کی طرف نظر کرو' اگر وہ اپنی جگہ ٹھیرا رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے۔ اس آیت سے دو وجوہ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ وجہ اول قیاس **اقترانی** ہے اور اسکی تقریر یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی روبت کی تعلیق کی گئی امر ممکن کے ساتھ اور جس چیز کی تعلیق ممکن کے ساتھ کیجائے وہ ممکن ہی ہوگا۔ اِسکا نتیجہ یہ کہ رویت ممکن ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ بحالت حرکت پہاڑ کا استقلال محال ہے اور چونکہ رویت ایک امر مستحیل پر معلق کی گئی ہے اسلئے وہ بھی مستحیل ہے انکا یہ دعویٰ بغیر کسی دلیل کے ہے۔ وجہ دوم قیاس **استثنائی** ہے جس کی تقریر یہ ہے۔ اگر دنیا میں رویت کا امتناع ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام رویت کی درخواست ہی نہ کرتے۔ اسلئے کہ آپ نبی تھے جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کونسی چیز واجب اور کونسی مستحیل اور کونسی جایز ہے۔ اسلئے کہ کسی نبی کیلئے 'الوہیت کے کسی احکام کی نسبت جہل جایز نہیں ہے۔ لیکن با وجود اسکے موسیٰؑ کا درخواست کرنا دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ رویت جایز ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم کی جہالت کے سبب سے یہ سوال کیا تھا اور موسیٰؑ کا مقصود یہ تھا کہ اپنی قوم کی جہالت کو رفع کرے۔ یہ دلیل اسلئے مردود ہے کہ سیاق آیت (أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ) صریحی طور پر موسیٰ علیہ السلام کے نفس کی حالت کو ظاہر کرتی ہے۔

# معراج

**معراج**۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس دنیا میں' لیلۃ الاسراء' میں رویت واقع ہوئی اور اس مقام کیلئے آپکا انتخاب کیا گیا۔ معراج' عروج سے مشتق ہے اور عروج کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں' عروج ضد ہے نزول کا۔ سریٰ کے معنی ہیں رات میں چلا اور سیر کیا اور اسکا فعل متعدی اسریٰ رات میں لے گیا اور سیر کرایا اور مصدر اسراء ہے۔ اسراء میں بلندی کا مفہوم نہیں ہے۔ دیدار الٰہی کیلئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۶-۲۷ رجب کی درمیانی شب کا ہے' ہجرت کے ایک سال پہلے اور بعض نے کہا ہے کہ ہجرت کے چھ مہینے پہلے اور بعض نے کہا ہے ہجرت کے اٹھارہ مہینے پہلے۔ اس سفر کے دو حصے ہیں پہلا حصہ اسراء کہلاتا ہے جو مکۂ مکرمہ میں مسجدِ حرام سے شروع ہوتا ہے اور بیت المقدس میں مسجدِ اقصیٰ پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ معراج کہلاتا ہے جو مسجدِ اقصیٰ سے شروع ہو کر سدرۃ المنتہیٰ پر ختم ہوتا ہے۔ معراج کے لفظ کا استعمال اس طور پر بھی کیا گیا ہے جو اسراء اور معراج دونو پر شامل ہو۔ آپ کے سفر کا آغاز براق پر ہوا' جبرئیل آپ کی داہنی جانب اور

عیسیٰؑ سے بحالتِ جسم ملے، تیسرے آسمان پر یوسفؑ سے، چوتھے آسمان پر ادریسؑ سے بحالتِ جسم ملے۔ پانچویں آسمان پر ہارونؑ اور یحییٰؑ سے ملے اور چھٹے آسمان پر موسیٰؑ سے اور ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملے جو **بیت معمور** کو ٹیکا دئے ہوئے تھے۔ پھر **سدرۃ المنتہیٰ** کو پہنچے۔ جبرئیل علیہ السلام نے یہانتک آپ کا ساتھ دیا۔ یہاں سے آپ رفرف پر سوار ہوئے اور **مستوی کو پہنچے** جہاں نور چھایا ہوا تھا۔ جو فرشتہ آپکے ساتھ مستوی کو آیا تھا آپ سے جدا ہوگیا۔ یہاں آپ نے قلم اور اقلام کی صریف (قلم کے لکھنے کی آواز) سنی۔ آپ پر بیخودی طاری ہوئی اور آپ جھومنے لگے۔ ابوبکر صدیقؓ کے لہجہ میں آپ کو آواز سنائی دی۔ یا محمد قِف اِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّي۔ اے محمد ٹھہر جاؤ تمہارا رب صلاۃ بھیجتا ہے۔ آپ حیرت میں رہ گئے۔ اس وقفہ کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ وحی دینی تھی دی اور پھر داخل ہونے کے لئے حکم دیا۔ آپ داخل ہوئے اور **دیکھا اس چیز کو جس کو آپ نے جانا تھا**۔ آپ کے اعتقاد کی صورت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اسکے بعد نمازیں فرض کی گئیں پچاس سے کم کرتے ہوئے پانچ پر ٹھیریں اور ارشاد ہوا۔ آیت $\frac{۲۹}{۱۶}$ آخر۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ میرے پاس بات نہیں بدلتی۔ آپ واپس ہوئے اور طلوعِ فجر سے پہلے زمین پر حجرِ اسود کے پاس نازل ہوئے۔ آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور گھر کو روانہ ہوئے۔ صبح ہوتے ہی آپ نے اسراء کا واقعہ بیان کیا۔ ایمان والوں نے تصدیق کی اور کافروں نے انکار کیا۔ آپ نے براق کے پاؤں سے مکہ کے قافلہ کے ایک شخص کے پانی کے قدح کے انڈلے جانے کا واقعہ بیان کیا۔ جب یہ قافلہ مکہ کو واپس آیا تو اُس شخص نے اسکی تصدیق کی۔ منکرین میں سے جنھوں نے مسجدِ اقصیٰ دیکھا تھا، اسکی تعریف بیان کرنے کے لئے کہا۔ آپ نے مسجدِ اقصیٰ میں صرف نماز پڑھی اور وہاں سے گزرے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسجدِ اقصیٰ آپ کے روبرو کر دیگئی اور آپ نے اسکو دیکھکر اسکی صفات بیان کر دیں اور کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔

کافروں کو اسراء کے واقعہ سے انکار اسلئے تھا کہ آپ نے جسمانی حالت میں رویت کا ادعاء کیا تھا۔ خواب یا نیند کا واقعہ بیان فرماتے تو کسی کو اعتراض ہی نہ ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چونتیس ۳۴ مرتبہ اسراء کا واقعہ پیش آیا جس میں سے فقط ایک واقعہ بحالتِ جسم وقوع میں آیا۔ اولیاء اللہ کو روحانی برزخی اسراءات پیش آتے رہے ہیں جسکی تفصیل آگے بیان کیجائیگی۔

**رویتِ اولیاء** کی نسبت اختلاف ہے۔ اشعری کے دو قول ہیں اور ان میں سے ارجح قول منع کی نسبت ہے۔ حق بات یہ ہے کہ دنیا میں رویت صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیلئے ثابت ہے۔ کسی نے دنیا میں بحالتِ بیداری رویت کا ادعاء کیا تو وہ ضلالت میں مبتلا ہوا بلکہ بعضوں نے اسکی تکفیر کی رائے دی۔ علامہ قونوی کہتے ہیں کہ اگر معتبرین میں سے کسی سے اسکے وقوع کی خبر صحیح بھی ہو تو اسکی تاویل ممکن ہے۔ احوال کا غلبہ غائب کو حاضر کی طرح پیش کرتا ہے یہانتک کہ جب (دل) کسی چیز کے اشتغال میں کثرت کرے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ روبرو حاضر اور موجود ہے۔ **ہیجان** اسی کا نام ہے۔

**رویت بمنام** ۔ اوپر جو کچھ بیان کیا گیا وہ حالتِ بیداری کی نسبت تھا۔ نیند میں رویت کے واقع ہونے کی نسبت قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اسکے وقوع اور صحت کی نسبت کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بیشک شیطان اللہ تعالیٰ کی یا انبیاء علیہم السلام

**حنفی** سے بحیرمی نے نقل کیا ہے کہ معراج کی رات میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے تو آپ پر نور کا ابر چھا گیا' جبرئیلؑ وہیں ٹھہر گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیا تو آپ نے فرمایا کیا تم میرا ساتھ چھوڑ دوگے اور میں تنہا جاؤنگا تو جبرئیل نے جواب دیا' ہر ایک کیلئے ایک مقام مقرر ہے۔ آپ نے کہا ذرا تو بڑھو' ایک قدم ہی سہی۔ جبرئیل ایک قدم آگے بڑھے تھے کہ اللہ تعالےٰ کے نور' جلال اور ہیبت سے قریب تھا کہ جبرئیل گل جاتے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ خطاب الٰہی کے مقام تک پہنچیں تو اپنے پروردگار پر سلام بھیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اُس مقام پر پہنچے تو آپ نے کہا اَلتَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو اس مقام سے بھی کچھ حصّہ نصیب ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ۔ اس پر آسمان کے رہنے والوں نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس مقام پر جو شفقت اور عدم طاقت جبرئیلؑ کو حاصل ہوئی تھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں ہوئی اسلئے کہ نبی مراد اور مطلوب تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مقام کے برداشت کرنیکی قوت اور قابلیت عنایت کی تھی۔ اسی لئے جب اللہ تعالیٰ کی تجلّی کوہ طور پر پڑی تو پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور پہاڑ زمین میں دھس گیا' موسیٰ بیہوش ہوکر گر پڑے۔ لِاَنَّ مُوْسٰی طَالِبٌ وَمُرِیْدٌ وَمُحَمَّدٌ مَطْلُوْبٌ وَمُرَادٌ۔ اسلئے کہ موسیٰ طلب و تلاش میں آپ خود پہنچے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب و مراد تھے اور بلائے گئے تھے۔ ان دونوں مقامات میں بڑا فرق ہے۔

**قلم و لوح**۔ شیخ ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ اگر دنیا میں اسرار ہوتا تو اس اسراء میں اور مستوی کے مقام اعلیٰ کو پہنچنے میں کوئی بات معرض بحث کے لایق نہ ہوتی اور اعراب آپ کے حق میں ایسے اسراء سے انکار بھی نہ کرتے۔ انتہائی عروج اور علوّ مرتبت کو حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا۔ اَسْرٰی بِهٖ حَتّٰی ظَهَرَ لِمُسْتَوًی یَسْتَوِیْ فِیْهِ صَرِیْفُ الْاَقْلَامِ۔ ان اقلام کا رتبہ قلم اعلیٰ اور لوح محفوظ کے رتبہ سے کمتر ہے۔ قلم اعلیٰ نے جو کچھ لکھا ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ لوح کو محفوظ اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ مٹنے سے محفوظ ہے۔ اُس میں جو لکھا گیا وہ محو نہیں ہوتا۔ اقلام جو لوح میں لکھتے ہیں انکے لئے محو اور اثبات ہے۔ آیت ۱۳/۳۹۔ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ۔ ان الواح سے پیغمبروں پر شریعتیں' صحیفے اور کتابیں نازل ہوئیں اور اسی سبب سے شرایع کا نسخ ہوا اور اسی وجہ سے ایک ہی شریعت میں بعض حکم کا نسخ ہوا اور اسی سے حکم کی مدت کی انتہا مراد ہے۔

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آپ کا سفر براق پر ہوا اور مسجد اقصیٰ سے مستویٰ تک بذریعۂ رفرف آپ نے سفر کیا۔ مسجد اقصیٰ میں آپ براق سے اُترے اور نماز پڑھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ مسجد اقصیٰ میں براق کی ٹھوکر سے پانی کا ایک قدح اُنڈیلا گیا تھا جس سے ایک شخص وضو کر رہا تھا۔ یہ شخص اُس قافلہ میں تھا جو مکّہ کی طرف لوٹ رہا تھا۔ مسجد اقصیٰ سے آپ آسمانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ دنیا کے آسمان پر آدم علیہ السلام سے ملے' دوسرے آسمان پر

لہ فتوحات جلد سوم

شیخ ابن عربیؒ (فتوحات جلد دوم میں) لکھتے ہیں کہ نبوت کہتے ہیں بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خطاب کو بیداری یا یا خواب کی دونوں حالتوں میں۔ اس خطابِ الٰہی کے تین طریقے ہیں۔ وحی کے ذریعہ وراءِ حجاب کلام کے ذریعہ اور رسول کے ذریعہ رسول یعنی پیغامبر کبھی فرشتہ ہوتا ہے اور کبھی بشر۔ آیت ۲۵ پ ۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی بشر کے ساتھ بات کرے۔ مگر وحی کے ذریعہ یا حجاب کے ورے سے یا پیامبر کو بھیجکر۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی وہ ہے جسکا القاء راست بندوں کے قلوب پر کرتا ہے بغیر کسی واسطہ کے۔ اُنکے دلوں میں سناتا ہے کسی بات کو۔ اس سنانے کی کوئی کیفیت یا حد نہیں ہوتی۔ خیال اسکی تصویر نہیں کھینچتا اور باوجود اسکے اسکو سمجھتا ہے مگر جانتا نہیں کہ کیسا آیا، کہاں سے آیا اور اسکا سبب کیا ہے۔ حجاب۔ کبھی اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے حجاب کے ورے سے۔ یہ حجاب کبھی اُسی انسان کی بشریت کا ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے جیسا کہ موسیٰ کے ساتھ کلام کیا درخت سے' طور کی جانب سے' داہنی جانب سے۔ رسول کی وساطت سے کبھی کلام کرتا ہے، رسول کبھی فرشتہ ہوتا ہے۔ آیت ۱۹/۱۵ ۲۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ۔ اُتارا اُسکو روح الامین نے تمھارے قلب پر یہاں بِهٖ کی ضمیر سے مراد قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ کبھی کلام بوساطتِ بشر ہوتا ہے۔ آیت ۱۰ آخر۔ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ۔ پس اُسکو مہلت دو کہ سُنے اللہ کا کلام۔ یہاں کلام کی اضافت اللہ کی طرف کی حالانکہ اس کلام کو صحابہ اور اعرابی نے رسول اللہ کی زبانی سنا تھا۔

---

رسالت میں نبوت کی صفات کے سوا ایک اور صفت کا اضافہ ہے۔ رسول کو شرع کی تبلیغ کے لئے حکم دیا گیا۔ رسول احکامِ الٰہی کی تبلیغ کرنے والا صاحبِ کتاب یا صاحب صحیفہ و صاحب معجزات ہوتا ہے۔ نبی کو صاحبِ کتاب ہونا یا بعض کے پاس صاحبِ تبلیغ و صاحبِ اُمت ہونا ضرور نہیں ہے۔ نبی اور رسول دونوں کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے اس طرح کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ بعض نے رسول کے لفظ کو اس طرح عام قرار دیا کہ فرشتوں پر بھی حاوی ہے۔ سعد الدین تفتازانی نے کہا ہے کہ ان دونوں الفاظ میں تساوی کی نسبت ہے اور مرادف المعنی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ان دونو کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے جبکہ بعض امور کو انکی ذات کیلئے مختص کیا گیا اور بعض امور کی تبلیغ کیلئے حکم دیا گیا تو ایسی صورت میں وہ نبی اور رسول دونو ہو سکتے ہیں۔ انسان کی قید کی وجہ سے حیوانات' جن اور فرشتے خارج ہو جاتے ہیں۔ آیت ۸ پ ۱۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ اے گروہِ جنات و انسان کیا نہیں آئے تمھارے پاس پیغمبر تم میں سے۔ اس آیت میں مِنْكُمْ کا اشارہ صرف بعض مخاطبین کی طرف ہے اور وہ بعض مخاطبین انسان ہیں۔ آیت ۱۷/۱۴ ۲۔ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا۔ اللہ تعالیٰ انتخاب کرتا ہے فرشتوں میں سے پیامبروں کو۔ اس آیت میں رسول سے مراد سفیر اور ایلچی کے ہیں' اسلئے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے پیام کو انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں۔ ذکورت کی قید کی وجہ سے عورتیں خارج ہو جاتی ہیں۔ مریم' آسیہ فرعون

کی تمثیل نہیں کر سکتا۔ دوسروں کو اس بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ شیطان اللہ تعالیٰ کی تمثیل کر سکتا ہے مگر نبی کی تمثیل نہیں کر سکتا۔ فرق یہ ہے کہ نبی بشر ہیں نبی کی تمثیل سے لبس (گمان) پیدا ہو سکتا ہے بخلاف مولیٰ کے جس کا امر معلوم ہے بعض کہتے ہیں کہ شیطان تمثیل نہیں کر سکتا ملائکہ کی اور نہ سورج کی اور نہ چاند کی اور نہ روشن تاروں کی اور نہ ایسے بادل کی جس میں مینھ ہو۔ کہا گیا ہے کہ امام احمدؒ نے مولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ کو نیند میں ننیانوے مرتبہ دیکھا اور اسکی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ اگر پورے سو مرتبہ بھی دیکھتا تو پھر سوال کرتا۔ آپ نے سو بار دیکھا اور سوال کیا سَیِّدِی وَمَوْلَائِی مَا اَقْرَبُ مَا یَتَقَرَّبُ بِهِ الْمُتَقَرِّبُوْنَ اِلَیْكَ مقربین کے تیری طرف قریب ہونیکا قریب تر راستہ کیا ہے۔ قَالَ تِلَاوَةُ كَلَامِی کہا میرے کلام کی تلاوت۔ فَقَالَ بِفَهْمٍ اَوْ بِغَیْرِ فَهْمٍ کہا فہم کے ساتھ یا بغیر فہم کے فَقَالَ یَا اَحْمَدُ بِفَهْمٍ وَبِغَیْرِ فَهْمٍ کہا اے احمد فہم اور بغیر فہم کے بعض صوفیائے کرام نے کہا ہے کہ انھوں نے اپنے پروردگار کو اسکے وصف کے ساتھ نیند میں دیکھا کسی نے پوچھا آپ نے کیا دیکھا تو جواب دیا اِنْعَكَسَ بَصَرِی فِی بَصِیْرَتِی فَصِرْتُ كُلِّی بَصَرًا فَرَاَیْتُ مَنْ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ میری بصارت نے میری بصیرت پر عکس ڈالا میں بالکلیہ بصارت ہوگیا اور دیکھا اسکو جس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے۔

# نبوّت و رسالت

**نبوّت** نبی سے ہے۔ نبیٔ کا لفظ آخر میں ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے نبأ سے ماخوذ ہے اور نبأ کے معنی خبر کے ہیں۔ نبی کہتے ہیں مخبر اور خبر دینے والے کو اور یہ لفظ نبی اور رسول دونو کیلئے عام ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نبی خدا کی طرف سے اپنے نبی ہونے کی خبر دیتا ہے۔ اگر نبی رسول بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی دوسروں کو بھی خبر دیتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نبی نبوت سے ماخوذ ہے۔ نبوت کے معنی بلندی کے ہیں اور چونکہ نبی کا رتبہ اسکی امت کے مقابلہ میں بلند ہے اور وہ اپنی امت میں افضل ہے یا یہ کہ اس شخص کے رتبہ کو بلند کرتا ہے جو اسکی پیروی کرتا ہے اسلئے اسکو نبی کہا گیا۔ دونو ماخذوں کے لحاظ سے نبی کا لفظ فعیل کے وزن پر ہونے کی وجہ سے اسم فاعل اور اسم مفعول دونو کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نبوت کی صفت کی وجہ سے صلاۃ وسلام کا اسی طرح نبی مستحق ہوتا ہے جس طرح رسالت کی صفت کی وجہ سے رسول مستحق ہوتا ہے۔ آیت ۲۲ ۴۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر۔

**نبی** کی تعریف اصطلاح میں یہ ہے کہ وہ انسان ہیں۔ اہل ذکور میں سے ہیں۔ حر ہیں، سلیم الاعضاء ہیں، طبعی طور پر نفرت کے قابل صفات سے بری ہیں۔ عمل پیرائی کیلئے انکو شرع کی وحی دیگئی ہے اگرچہ اس شرع کی تبلیغ کا حکم نہیں دیا گیا۔ **وحی** کے معنی اشارہ کرنے اور الہام کرنیکے ہیں۔ آیت ۱۴ ۱۵ ۱۳ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ۔ اشارہ کیا تمہارے رب نے مکھی کو۔ آیت ۲۰ ۔ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى۔ ہم نے الہام کیا موسیٰ کی ماں کو۔ وحی کے معنی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے، جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ پیغمبر کو احکام دینے اور تعلیم دینے کے ہیں۔

وہ ولایت جو عطائے ربانی سے ہے جیسا کہ علمِ لدنّی اور رویتِ لوحِ محفوظ وغیرہ۔ نبوت و رسالت محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اور **فضل** کہتے ہیں بغیر کسی دنیاوی اور اُخروی عوض کے کسی شیٔ کے دینے کو اور یہ صرف اللہ کی جانب سے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا نبوت سے سرفراز کیا اور ازل ہی میں اس میں ایسی صفات جمع کیں جو نبوت میں مشروط ہیں۔

**فوایدِ بعثت**۔ (رازی) امور دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ امور جنکا عقل مستقل طور پر ادراک کر سکتی ہے اور دوسرے وہ امور جنکو عقل مستقل طور پر ادراک نہیں کر سکتی۔

**قابلِ ادراک**۔ وہ امور جنکا عقل مستقل طور پر ادراک کر سکتی ہے۔ نقل کی دلیل پر عقل تاکید کرتی ہے تاکہ مکلف کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ آیت پ۶ ع۳۔ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر کسی حجت کا موقع نہ رہے۔ آیت پ۱۶ ع۱۶ ماقبل آخر۔ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَىٰ۔ اس سے پہلے اگر ہم انکو عذاب بھیجکر ہلاک کر دیں تو کہیں گے اگر تو ہماری طرف رسول کو بھیجتا تو ہم تیری بھیجی ہوئی آیتوں کی پیروی کرتے قبل اسکے کہ ہم ذلیل و خوار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں ارشاد فرماتا ہے کہ رسول کی بعثت قطعِ حجت کیلئے ہے۔ علماء نے اسکے تین وجہ بیان کئے ہیں۔

وجہِ اول۔ لوگ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو عبادت کیلئے پیدا کیا تھا تو واجب تھا کہ اس عبادت کی صراحت کرتا جو مقصود ہے۔ اس عذر کے رفع کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا۔

وجہِ دوم۔ لوگ کہیں گے، اللہ تعالیٰ نے ہماری طبیعت میں سہو، نسیان اور غفلت کی ترکیب دی، ہوا و ہوس کو ہم پر غالب کیا۔ اگر ہم نے غلطی کا ارتکاب کیا تو کیا تو نے ہمیں ہماری غلطی سے آگاہ کیا اور جب خواہشاتِ نفس میں مبتلا ہوئے تو کیا تو نے ہم کو منع کیا۔

وجہِ سوم۔ ہم اپنی عقل کی مدد سے سمجھ سکتے ہیں ایمان کی بھلائی کو اور کفر کی قباحت کو لیکن ہماری عقل کو یہ علم نہ تھا کہ جس نے برا کیا وہ عذاب کا مستوجب ہوگا۔ ہم جانتے تھے کہ فعلِ قبیح میں لذت ہے اور اس میں تیرا کوئی نقصان بھی نہیں ہے اور ہم کو معلوم نہ تھا کہ جو ایمان لایا اور نیک عمل کیا ثواب کا مستحق ہوا اور ہمیں معلوم تھا کہ اس میں تیرا کوئی فائدہ نہ تھا۔ بعثت کے بعد یہ سارے عذرات برخاست ہو جاتے ہیں۔

**ناقابلِ ادراک**۔ بعثت کے وہ فواید جس کا عقل مستقل طور پر ادراک نہیں کر سکتی یہ ہیں۔

عقل دلالت کرتی ہے اُن صفات کی طرف جس کی وہ محتاج ہے۔ سماعت، بصارت، کلام اور تمام جزوی صفات کی طرف راستہ صرف سماعت کے ذریعہ ہے۔

مکلف ہمیشہ خائف رہتا اور کہتا اگر میں طاعات میں مصروف ہو جاؤں تو اللہ تعالیٰ کی ملک میں اسکی اجازت کے بغیر

کی بیوی، حوّاؑ، اُمِّ موسیٰ (یوحانذ)، ہاجرہ اور سّارہ کی نبوت کی نسبت قولِ مرجوح ہے۔ حُرّ کی قید کی وجہ سے غلام خارج ہوجاتا ہے۔ **لقمان** نبی نہیں تھے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے شاگرد اور انکے خوشہ چیں تھے۔ سلامتیِ اعضاء کی قید کی وجہ سے وہ افرادِ انسانی خارج ہوجاتے ہیں جن میں کوئی طبعی نقائص اور عیوب پائے جائیں جیسا کہ اندھاپن، برص اور جذام وغیرہ۔ ایسے افراد نہ نبی ہو سکتے ہیں اور نہ رسول۔ ایوبؑ کے ابتلاء اور یعقوبؑ کی نابینائی کی وجہ سے انکی ناقابلیت کی نسبت اعتراض اسلئے نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں یہ امور ظاہری تھے، حقیقی نہ تھے۔ اگر ان امور کو حقیقی کہا جائے تو بھی کوئی اعتراض اسلئے نہیں ہوسکتا کہ یہ امور تقررِ نبوت کے بعد عائد ہوئے تھے اور یہاں مسئلہ تقررِ نبوت کے وقت سے تعلق رکھتا ہے۔

**بعثتِ انبیاء** کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۱۳؍۱ آخر۔ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم کیلئے ایک ہادی ہے آیت ۱۵؍۲ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا عذاب نہیں دیں گے ہم جبتک کہ کسی رسول کو نہ بھیجیں آیت ۸؍۳۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیغام۔ آیت ۱؍۱۶۔ قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ کہو ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالےٰ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہوا ابراہیم پر اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اُسکی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو دیا گیا نبیوں کو انکے پروردگار کی جانب سے۔ اور ہم فرق نہیں کرتے ان میں سے کسی میں اور ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں

**عدمِ اکتسابِ** نبوت۔ بندہ نبوت کا اکتساب نہیں کرسکتا اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ اگرچہ کہ مخصوص طریقوں پر عمل اختیار کرکے اپنے میں صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ فلاسفہ کا خیال ہے۔ مسلمانوں کو عام طور پر اتفاق ہے کہ نبوت کی تخصیص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، بندہ کے امکان میں نہیں ہے کہ اسکو حاصل کرے۔ **نبوت** کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکمِ شرعی کو وحی کے ذریعہ سنانے میں بندہ کی تخصیص کیجائے، تبلیغ کیلئے حکم دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ **رسالت** میں شرط ہے کہ تبلیغ کیلئے بھی حکم دیا جائے۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ بندہ نبوت کا اکتساب کرسکتا ہے خاص اسباب پر عمل کرکے۔ نبوت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ وہ نفس کی صفائی اور تجلی ہے جو ریاضت کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے۔ صفاتِ ذمیمہ کو ترک کرے اور اخلاقِ حمیدہ کو عمل میں لائے۔ اکتسابِ نبوت کا قول فلاسفہ کی تکفیر کیلئے قوی ترین مسائل میں سے ہے۔ اکتساب کے اس قول سے اس امر کا جواز لازم آتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آئے۔ اس قول سے قرآن اور سنت کی تکذیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمایا آیت ۲۲؍۱ آخر۔ مُہر سب نبیوں پر۔ مُہر حکم کے آخر میں ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا نَبِيَّ بَعْدِي اور ساری اُمت کو اتفاق ہے کہ اس حدیث کو اسکے ظاہری معنی پر باقی رکھا جائے۔ ولایت کے دو طریقے ہیں اور اظہر قول یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے۔ ولایتِ عامّہ کا اکتساب ہوسکتا ہے مامورات کے امتثال اور منہیات کے اجتناب سے۔ دوسری

ض کہتے ہیں کہ انبیاء ایسے معصوم ہیں جن سے معاصی سرزد ہی نہیں ہوسکتیں۔ انکے بدن یا نفس میں ایسی خاصیت ودیعت کی گئی ہے کہ معصیت کا ارتکاب نہیں کرسکتے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ بدنی اور نفسیاتی خواص میں یہ دوسروں کے ساوی ہیں۔ انکی رائے ہے کہ طاعت پر قدرت کا نام عصمت ہے اور یہ ابوالحسن اشعری کا قول ہے۔

ض کہتے ہیں کہ انبیاء سے معاصی کے سرزد ہونیکا امکان ہے مگر عصمت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں کہ عصمت ایسا ملکہ ہے جو لٰلہ تعالےٰ نے بندہ میں پیدا کیا ہے جسکی موجودگی کی وجہ سے وہ معصیت میں مبتلا نہیں ہوسکتا۔ گروہِ اول پر انکا عقلاً اعتراض ہ ے کہ اگر ان سے معاصی سرزد ہی نہیں ہوسکتیں تو عصمت کی بناء پر وہ کسی مدح وستایش کے مستحق ہی نہیں نیقل میں ان آیتوں ے استدلال کرتے ہیں۔ آیت ۲۴/۱۵، اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ بیشک میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ آیت ۱۵ آخر۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ مت بنا اللہ کے ساتھ ایک دوسرا معبود۔ آیت ۱۵/۴۔ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ اور اگر ہم نہ ٹھیرا رکھتے تجھکو تو تو جھکنے لگتا انکی طرف۔ آیت ۱۳/۱۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ۔ اور میں پاک نہیں کہتا پنے نفس کو۔ اس طائفہ کے خیال میں عصمت کے چار اسباب ہیں۔

ن کے بدن یا نفس میں ایک خاصیت ہے جس کا اقتضاء ایسا ملکہ ہے جو برائیوں سے منع کرتا ہے۔

ن کو معصیت کی برائی اور طاعت کی بھلائی کا علم ہے۔

ن معلومات کی ان پر تاکید ہوتی رہی وحی اور اللہ تعالےٰ کے کلام کے ذریعہ۔

ن سے اگر کوئی امر ترکِ اَولیٰ یا نسیان کا سرزد ہوا تو فوری عتاب ہوا اور متنبہ کیے گئے۔ جس شخص میں یہ چاروں امور جمع ہوجائیں گے وہ معاصی سے لامحالہ معصوم رہیگا۔ اسبابِ عصمت میں وحی کے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے محققِ طوسی نے لکھا ہے کہ کثیر اُمت کا قول ملائکہ، اُمتہ، حواؑ، مریمؑ اور فاطمہؓ کی عصمت کی نسبت ہے حالانکہ انکو وحی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ قیقت میں عصمت وہ صفت ہے جو سعادت کی طمع یا معصیت کے خوف سے نہ ہو بلکہ طبیعت اور فطرت کا اقتضاء ہو عتزلہ کا قول ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان میں ایسا لطف جاگزیں کیا ہے کہ قدرت کے باوجود طاعت کو ترک نہیں کرسکتے اور معصیت کا ارتکاب کرسکتے ہیں۔ حکماء کہتے ہیں کہ عصمت ایک ایسا ملکہ ہے جسکی وجہ سے معاصی وقوع میں نہیں آسکیں۔ سب کو اس بارے میں اتفاق ہے کہ انبیاء کفر سے معصوم ہیں ان سے کبیرہ اور صغیرہ کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔ بعض ک اس حکم میں توسیع کرکے اُمتہ کو بھی اس میں داخل کرتے ہیں۔

**تمثیلِ شیطان** ۔ ابن عربیؒ نے (فصوص میں) لکھا ہے کہ انبیاء معصوم ہیں، انکا نفس ساکن ہے اپنی طرف سے مداخلت کمی یا زیادتی نہیں کرتا۔ انکا کشف اور خواب بھی وحی ہے۔ حدیث۔ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فِی الْيَقْظَةِ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ عَلٰی صُوْرَتِیْ۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا گویا بیداری میں دیکھا اسلئے کہ شیطان میری صورت تمثیل نہیں کرسکتا۔ اگر رسول کی صورت میں شیطان متمثل ہو تو دنیا سے امن مرتفع اور مقصودِ رسالت فوت ہوجائے گا۔

مداخلت کرتا ہوں اور اگر مشغول نہ ہوں تو ترکِ طاعت کے سبب مجھکو سزا ملیگی اور اس طرح دونوں حالتوں میں خوف کی وجہ سے ہراساں رہتا۔ بعثت کے ذریعہ یہ خوف زایل ہو جاتا ہے۔

ہمارے پاس بعض ایسی چیزیں بھی قبیح ہیں جو فی نفسہٖ قبیح نہیں ہیں۔ آزاد بوڑھی عورت کے چہرے پر نظر کرنا فعلِ قبیح ہے اور حسین جوان باندی کے چہرے پر نظر کرنا فعلِ قبیح نہیں ہے بروئے شرع۔

انسان مُدنی بالطبع ہے اور جہاں متعدد انسانوں کا اجتماع ہوگا وہاں فتنہ و فساد کا بھی خطرہ ہوگا۔ اس کے انسداد کیلئے ایک شریعت کی ضرورت داعی ہوئی۔

عبادت کی کیفیت کو بندوں پر چھوڑ دیا جائے تو ہر ایک شخص ایک مختلف طریقہ اور مقام کو اختیار کریگا جس کی وجہ کوئی مساوات نہ ہوگی اور فتنہ و فساد برپا ہوگا۔

انسان جو امور عقل کے ذریعہ انجام دیگا وہ معتاد ہونگے اور معتاد امور میں عبادت نہیں۔

عقول متفاوت ہیں اور کامل عقول نادر الوقوع ہیں۔ اسرارِ آلہیہ نازک ہیں۔ اسلیئے بعثتِ رسول اور نزولِ صحائف کی ضرورت واقع ہوئی۔

ایک جنس کے تحت بہت سی انواع ہیں اور ان میں بعض نوع اکمل ہے۔ اسی طرح انواع کی نسبت ہے اصناف کی طرف اور اصناف کی نسبت ہے اشخاص کی طرف اور اشخاص کی نسبت ہے اعضاء کی طرف۔ اعضاء میں اشرف اور انکا سردار قلب ہے اور اسکا خلیفہ دماغ ہے اور اسکے ذریعہ بدن کی ساری جوانب میں قوت قائم رکھی جاتی ہے۔ اسی طرح انسانوں میں ایک سردار کی ضرورت ہے۔ رئیس کا حکم صرف ظاہر تک محدود ہو تو وہ بادشاہ ہے اور باطن پر موقوف ہو تو عالِم ہے اور دونو پر حاوی ہو تو وہ نبی ہے۔

دُنیا کی معیشت میں احکام اور سیاست کے علم کی ضرورت ہے جس کیلئے پیغمبروں کی بعثت ہوئی۔

**عصمت** انبیاء اور ملائکہ کیلئے واجب ہے۔ واجب سے مراد یہ ہے کہ عصمت انبیاء اور ملائکہ سے جدا نہیں ہو سکتی اور نفی کو قبول نہیں کرتی۔ عصمت کے معنی لغت میں مطلق حفاظت کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں "اللہ تعالیٰ کے مکلف کو گناہ سے محفوظ رکھنے کو عصمت کہتے ہیں جبکہ گناہ کا وقوع انکے لئے مستحیل ہو۔ ہمارے لئے عصمت کا سوال جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ کوئی دعا کرے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ الْعِصْمَةَ۔ اگر عصمت سے صرف لغوی معنی حفاظت لئے جائیں تو مضائقہ نہیں۔ مشہور یہ ہے کہ تمامی ملائکہ معصوم ہیں۔ آیت پارہ اوّل اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ (کیا تو بناتا ہے اس میں جو فساد پیدا کرے اور خونریزی کرے) میں کوئی غیبت نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض ہے بلکہ مجرد استفہام ہے۔ **ہاروت** اور **ماروت** کے متعلق جو قصے مؤرخین نے یہودیوں سے نقل کئے ہیں افترا اور بہتان ہیں۔

**رازی** لکھتے ہیں کہ عصمتِ انبیاء کے مفہوم کی نسبت علماء کے دو گروہ ہیں۔

سُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ؕ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۙ وَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی وَ عِیْسٰی وَاِلْیَاسَ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۙ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۙ

آیات تلک حجتنا میں مسلسل اٹھارہ نام اور بقیہ سات نام ادریس، ہود، شعیب، صالح، ذوالکفل، آدم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین جیدہ جیدہ طور پر قرآن مجید میں مذکور ہیں اور انکی نبوت متفق علیہ ہے۔

**اختلاف** ۔ ذوالقرنین، عزیر اور لقمان کی نبوت کی نسبت اختلاف ہے۔ قرآن مجید میں خضر کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ آیت ۱۸ ۹۔ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔ خضر قرآن مجید کے اٹھائے جانیکے بعد فوت ہو جائینگے اور بعض کہتے ہیں کہ اسوقت فوت ہو چکے ہیں لیکن معتمد قول یہ ہے کہ خضر اور الیاس بقید حیات موجود ہیں اور ان میں سے الیاس علیہ السلام متعین قرآنی کے بموجب رسول ہیں۔ آیت ۳۷ ۹۔ وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ خضر کی نسبت مختلف اقوال ہیں۔ انکو بعض ولی، بعض نبی اور بعض رسول کہتے ہیں لیکن خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا۔ یوشع بن نون رفیق موسیٰ کا نام قرآن میں نہیں ہے

**وجوب** ۔ ان پر تفصیل سے ایمان لانا واجب ہے۔ سے مراد یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی کا نام پیش کیا جائے تو انکی نبوت سے انکار نہ کرے۔ انکی نبوت سے انکار کفر ہے۔ انکے ناموں کا حفظ کر لینا واجب نہیں ہے جیسا کہ بعض کا قول ہے۔

# واجبات

**پیغمبروں** ۔ حق میں واجب ہے صدق، فطانت، امانت اور تبلیغ خلق کیلئے ان امور میں جنکی تبلیغ کیلئے حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں جو امور واجب مستحیل اور جایز ہیں بیان کرد ئے گئے۔ اب وہ امور بیان کئے جاتے ہیں جو پیغمبروں کے حق میں واجب مستحیل اور جایز ہیں ۔ وجوب سے مراد عدم انفکاک ہے اگرچہ دلیل شرعی سے ہو۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ صفات پیغمبروں سے جدا نہیں ہوسکتیں۔ ان صفات میں سے امانت اور تبلیغ کا وجوب شرعی دلیل سے ثابت ہے۔ صدق کا وجوب عقلی دلیل سے ہے۔ معجزہ کی دلالت صدق پر وضعی ہوسکتی ہے یا عقلی۔ وضعی اس بنا پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے مرتبہ میں ہے ۔ صَدَقَ عَبْدِیْ فِیْ کُلِّ مَا یُبَلِّغُ عَنِّیْ۔ میرے بندہ نے سچ کہا ان جملہ امور میں جس کی میری جانب سے تبلیغ کی۔ اس دلالت کو وضعی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دلالت عقلی ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس بات سے کہ جھوٹے کی تصدیق کرے۔ صحیح یہ ہے کہ دلالتِ عادی ہے عادتِ جاریہ کے لحاظ سے کہ معجزہ صداقت کی علامت ہے۔

**صدق** پیغمبروں کے حق میں واجب ہے۔ آیت ۲۷ ۴۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی نہیں بولتا اپنی خواہش سے، یہ تو وحی ہے جو پہنچتی ہے۔ واقعہ کے مطابق خبر دینے کو صدق کہتے ہیں اگرچہ صداقت محض انکے اعتقاد پر مبنی ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کُلُّ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ دونو ہی نہیں۔ ذوالیدین کے اس سوال کے جواب میں

شیطان کسی اور شکل میں بھی آپ کے نام کا دعوےٰ نہیں کرسکتا۔

**فضیلتِ انبیاء بر ملائکہ**۔ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں۔ آیت ۳۳/۳۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح کو انتخاب کیا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، سہو و غفلت کے مواقع کی کثرت اور داخلی اور خارجی موانعات کی موجودگی کے باوجود۔ ملائکہ کو ایسے مواقع اور موانع موجود نہیں ہیں۔ چونکہ انسان کی طاعت میں زیادہ مشقت ہے، انسان کو فضیلت حاصل ہے۔ حدیث۔ اَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ اَحْمَزُھَا اَیْ اَشَقُّھَا۔ عبادتوں میں زیادہ فضیلت اُس عبادت کو ہے جس میں زیادہ مشقت ہے۔ ملائکہ کے عنوان کے تحت صفحہ ۲۵۷ پر مزید تفصیلی بحث ہے۔

**تعدادِ رسل و انبیاء** رسولوں کی تعداد کی نسبت علماء میں اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں اُنکی تعداد ۳۱۳ تین سو تیرہ، بعض میں ۳۱۴ تین سو چودہ اور بعض میں ۳۱۵ تین سو پندرہ بتائی گئی ہے۔ فتوحات جلد دوم میں ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ نوحؑ پہلے رسول ہیں۔ اسی طرح نبیوں کی تعداد بعض روایتوں میں ۱۲۴۰۰۰ ایک لاکھ چوبیس ہزار بعض میں ۱۲۵۰۰۰ ایک لاکھ پچیس ہزار اور بعض روایت میں ۱۲۰۰۰۰ بارہ لاکھ اور بعض روایت میں ۲۲۴۰۰۰ چار لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں کی تعداد کا حصر نہ کیا جائے۔ حصر کرنے میں یہ خطرہ ہے کہ ان میں سے جو فی الحقیقت نبی یا پیغمبر ہیں اُنکی نفی ہو جائے اور جو فی الحقیقت نبی یا پیغمبر نہیں ہیں اُنکی نبوت یا رسالت کا اقرار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۷۸/۴۰ آخر۔ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ۔ ان میں سے بعض کا ہم نے ذکر کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا ہے۔

**تصدیق** اجمالی اور تفصیلی دو طرح واجب ہے۔ **اجمالی** طور پر تصدیق واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور انبیاء ہیں۔ ان میں سے پچیس کو **تفصیل** سے جاننا واجب ہے۔

| | |
|---|---|
| حَتْمٌ عَلٰی کُلِّ ذِی التَّکْلِیْفِ مَعْرِفَةٌ | بِاَنْبِیَاءَ عَلٰی تَفْصِیْلٍ قَدْ عُلِمُوْا |
| ہر مکلف پر لازم ہے کہ معرفت | ان انبیاء کی تفصیل کے ساتھ جانے |
| فِیْ تِلْكَ حُجَّتُنَا مِنْهُمْ ثَمَانِیَةٌ | مِنْ بَعْدِ عَشْرٍ وَیَبْقٰی سَبْعَةٌ وَّهُمُوْ |
| تِلْكَ حُجَّتُنَا کی آیت میں | اٹھارہ مذکور ہیں اور سات باقی کے یہ ہیں |
| اِدْرِیْسُ هُوْدٌ شُعَیْبٌ صَالِحٌ وَكَذَا | ذُو الْكِفْلِ اٰدَمُ بِالْمُخْتَارِ قَدْ خُتِمُوْا |
| ادریسؑ ہودؑ شعیبؑ صالحؑ | ذوالکفلؑ آدمؑ اور محمد مختارؐ جو آخری ہیں |

آیت ۸۳/۶ اول وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ۚ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۗ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ۗ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ و

ہیں۔ محققین نے معجزہ کیلئے سات **قیود** عاید کئے ہیں۔

**قولؔ** یا فعل یا ترکِ قول و فعل سے ہو۔ قول کی مثال قرآن اور فعل کی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا بہنا۔ ترک کی مثال سیدنا ابراہیمؑ کو آگ کا نہ جلانا۔

**خارقِ** عادت ہو۔ عادت وہ ہے جس کا عام طور پر لوگوں کو تجربہ ہے۔ ایک سے دو مرتبہ کسی کام کا وہی نتیجہ ظاہر ہو تو اسکو **امرِ عادی** کہتے ہیں۔ اس قید کی وجہ سے غیرِ خارقِ عادت امر خارج ہوا۔

**مدعیِ نبوت** کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ اس قید کی وجہ سے کرامت خارج ہوتی ہے جو ظاہری صلاح کے شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور معونت بھی خارج ہوتی ہے جو عوام کے ہاتھ پر ظاہر ہو کسی مصیبت سے خلاصی دلانے میں، استدراج جو کسی فاسق کے ہاتھ پر ظاہر ہو فریب اور دھوکہ کے طور پر، اہانت جو فاسق کے ہاتھ پر ظاہر ہو اسکی تکذیب کیلئے جیسا کہ مسیلمۃ الکذاب کا واقعہ۔

**دعویٰ** نبوت کے ساتھ ہو، حقیقی طور پر یا حکمی طور پر، رسالت کے کچھ ہی دنوں پہلے۔ اس قید سے اِرہاص خارج ہوتا ہے۔ اِرہاص اُس امرِ خارقِ عادت کو کہتے ہیں جو نبی سے بعثت سے پہلے واقع ہوا اور یہ بعثت کیلئے بنیاد ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ابر کا سایہ تھا بعثت سے پہلے۔

**موافقِ** دعویٰ ہو۔ اس قید کی وجہ سے وہ امر خارج ہوگا جو دعوے کے خلاف ہو۔

امرِ خارقِ عادت اسکی تکذیب نہ کرے۔

اسکا مقابلہ کرنا دشوار ہو۔ اس قید کی وجہ سے جادو، شعبدہ وغیرہ خارج ہیں۔ شعبدہ کا انحصار زیادہ تر ہاتھ کی چالاکی پر ہے خواہ اس میں کوئی حقیقت ہو یا نہ ہو۔

آٹھویں قید بعضوں نے یہ اضافہ کی ہے کہ نقضِ عادت کے زمانہ میں واقع نہ ہو جیسا کہ مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کا زمانہ۔ اس قید سے وہ امور بھی خارج ہوتے ہیں جو **دجال** سے صادر ہونگے۔ دجال آسمان کو پانی برسانے کا حکم دیگا اور پانی برسے گا۔ زمین کو اُگانے کیلئے حکم دیگا اور زمین اُگائیگی۔

**خارقِ عادت** امور کی چھ قسمیں ہیں۔

**معجزہ** وہ امرِ خارقِ عادت ہے جو رسالت کے بعد وقوع میں آئے۔

**اِرہاص** وہ امرِ خارقِ عادت ہے جو رسالت سے پہلے وقوع میں آئے۔

**کرامت** وہ امرِ خارقِ عادت ہے جو ظاہر الصلاح بندہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔

**معونت** وہ امرِ خارقِ عادت ہے جو عوام کے حال پر ظاہر ہو کسی مصیبت سے خلافِ توقع خلاصی دلاتے ہوئے۔

**استدراج** وہ امرِ خارقِ عادت ہے جو کسی فاسق کے ہاتھ پر ظاہر ہو فریب اور مکر کے طور پر۔

**اِہانت** وہ امرِ خارقِ عادت ہے جو فاسق کے ہاتھ پر ظاہر ہو اسکے دعوے کی تکذیب کیلئے جیسا کہ مسیلمۃ الکذاب کے واقعات

اَقُصِرَتِ الصَّلٰوۃُ اَمْ نَسِیْتَ یَا رَسُوْلَ اللہِ حِیْنَ سَلَّمَ فِیْ رَکْعَتَیْنِ۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا تو ذوالیدین نے پوچھا کہ آپ نے نماز میں قصر کیا یا بھول گئے۔ کل ذلک لم یکن کا فقرہ آپ کے یقین کے موافق تھا لیکن واقعہ کے خلاف۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نخلستان پر سے گزرے لوگ کھجور کے درختوں کو بارآوری کیلئے (نر کے پھول سے) ٹو پچ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا، اگر تم ایسا نہ بھی کرو تو درخت ٹھیک رہیں گے یعنی بارآور ہونگے۔ ان لوگوں نے اپنے عمل کو ترک کیا اور کھجور کی گٹھلی سخت نہیں ہوئی اور ثمرہ خراب ہوگیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بہ قبیلِ انشاء تھا مطلب یہ تھا کہ میں ایسی امید کرتا ہوں۔ انشاء کا اتصاف نہ صدق سے ہوگا اور نہ کذب سے۔ خلافِ امید کوئی امر واقع ہونے سے کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

**اقسامِ صدق۔** صدق کی تین قسمیں ہیں۔ رسالت کے دعوے میں صداقت۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ میں صداقت۔ امورِ دنیا کے متعلق کلام کرنے میں صداقت۔ یہاں صداقت کی تین قسموں میں سے پہلی دو قسمیں مراد ہیں۔ صداقت کی تیسری قسم جس کا تعلق امورِ دنیاوی سے ہے امانت کی صفت میں داخل ہے۔

**دلیلِ صدق۔** پیغمبروں میں اگر صداقت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبر کا کذب لازم آئیگا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو معجزہ عطا کرکے انکے دعویٔ رسالت کی تصدیق کی جو بمنزلہ اس قول کے ہے۔ صَدَقَ عَبْدِیْ فِیْ کُلِّ مَا یُبَلِّغُ عَنِّیْ میرے بندہ نے صداقت سے کام لیا ان تمام چیزوں میں جو میری جانب سے پہنچائیں۔ کذب کی تصدیق کذب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے تو نتیجہ یہ کہ پیغمبروں کی عدمِ صداقت بھی محال ہے اور انکے لیٔے صداقت واجب ہے یہ دلیل ہے اس امر کی کہ پیغمبروں نے رسالت کے دعوے میں اور شریعت کے احکام کے پہنچانے میں صداقت سے کام لیا۔ یہی دو چیزیں ہیں جو پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو پہنچائیں۔ رسالت اور شریعت کے علاوہ دیگر امور میں یہ دلیل انکی صداقت پر دلالت نہیں کرتی لیکن دیگر دنیاوی امور کی صداقت پر امانت کی دلیل دلالت کرتی ہے اور یہ اس میں شامل ہے۔ اگر امانت کی صفت کے عموم کا لحاظ کیا جائے تو یہ ساری صفات اُس میں داخل ہوجاتی ہیں۔

**معجزہ،** مشتق ہے عجز سے اور عجز قدرت کی ضد ہے۔ عدمِ قدرت کو عجز کہتے ہیں۔ عُرفِ عام میں معجزہ کہتے ہیں ایسے امر کو جو خارقِ عادت ہو جسکو باثباتِ دعویٔ رسالت و نبوت پیش کیا جائے بغیر معاوضہ کے۔ خارقِ عادت کے معنی ہیں عادت کو پھاڑنے والا یعنی عادت کے خلاف۔ سعد نے کہا ہے کہ معجزہ ایسا امر ہے جو عادت کے خلاف ظاہر ہوتا ہے، نبوت کے مدعی کے ہاتھ پر جب وہ منکرین کو مقابلہ کی دعوت دیتا ہے اپنے عمل سے اس طریقہ پر کہ منکرین اُس جیسے فعل کے عمل سے عاجز ہوتے

---

۱؎ ذوالیدین کا نام خرباق تھا۔ یا تو آپ کے ہاتھ دراز تھے یا آپ بہت دینے والے تھے جسکی وجہ سے آپ کو ذوالیدین (دو ہاتھ والے) کا لقب دیا گیا۔

یہاں سے ہیں ایسے مقام کو پہنچے ہوئے ہیں جہاں بلحاظِ نیت اُنکے حرکات اور سکنات عبادت کے درجہ میں داخل ہوتے ہیں۔
اسکا نتیجہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ افعال کہ آپ نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا، کھڑے رہکر پیشاب کیا، کھڑے رہکر پانی
پیا امرِ تشریع پر مبنی تھے۔ اجماع اس پر ہے کہ محرّمات اُن سے صادر ہی نہیں ہو سکتے۔ بعض باتیں جو اُن سے واقع ہوئیں
اور جنکی نسبت معصیت کا گمان ہو سکتا ہے وہ اسی باب سے ہیں۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ نیک
لوگوں کی نیکیاں مقربین کے حق میں برائیوں کے مساوی ہیں۔ بغیر ضرورت اور بے موقع انکا بیان کرنا بھی جائز نہیں ہے۔
آدم[1] علیہ السلام سے جو فعلِ معصیت صادر ہوا وہ عام معاصی کے مانند نہیں تھا۔ اسکی تاویل ایسے بڑ (بعید) سے
کیجائیگی جو انکے اور انکے مولیٰ کے درمیان تھی اور جسکو ہم نہیں جانتے۔ یواقیت میں ابو مدین سے منقول ہے کہ
آپ نے کہا تھا۔ اگر میں آدم کی جگہ ہوتا تو پورے کے پورے درخت کو کھا جاتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ چیز اگرچہ منہی عنہ تھی مگر
باطن میں مامور بھی تھی۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے افعال بھی اسی قبیل سے تاویل کئے جائیں گے اس قول
کی بناء پر کہ وہ انبیاء کے زمرہ سے تعلق رکھتے تھے۔

[1] آدمؑ دیکھو ما مکالمہ ۲۹۷ پر صفحہ ۴

**دلیلِ وجوبِ امانت۔** رُسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے امانت کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ خیانت کریں اور
فعلِ محرّم یا مکروہ کو عمل میں لائیں تو انکے حق میں فعلِ محرّم یا مکروہ بدلکر طاعت ہو جائیگا۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو
حکم دیا ہے کہ اُنکے اقوال اور افعال کی پیروی کریں اور اللہ تعالیٰ فعلِ محرّم یا مکروہ پر عمل کرنیکے لئے حکم نہیں دیتا۔
وہ ساری باتیں جو اُن سے صادر ہوتی ہیں اُنکی نسبت اللہ تعالیٰ ہی اُنھیں حکم دیتا ہے اور جس بات کیلئے اللہ تعالیٰ
حکم دیتا ہے وہ طاعت ہی ہوگی اسلئے کہ آیت پ۳۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَامُرُ بِالْفَحْشَاءِ (بے شک اللہ تعالیٰ بُرے
کاموں کا حکم نہیں دیتا۔) یہ حکم کچھ صرف اس اُمت کے افراد تک محدود نہیں ہے بلکہ ساری سابقہ اُمتوں پر بھی عاوی
ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پیروی کرنے کا قول صحیح نہ ہوگا۔ اِس اُمت کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے
پیغمبر عیسیٰ و موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی پیروی لازم نہیں ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سابقہ شریعتیں بھی ہمارے لئے
شریعت ہیں اُن امور میں جس کے بارے میں ہمارے نبی سے کوئی حکم وارد نہیں ہوا ہے۔ یہ سادات مالکیہ کا مذہب
ہے اور شیخ سنوسی بھی انہی میں سے ہیں۔ شافعیہ کے پاس یہ قول ضعیف ہے۔ قولِ اول کے لحاظ سے ہر ایک اُمت
کو اپنے رسول کی پیروی کیلئے حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم اُنکے اقوال اور افعال تک محدود نہیں ہے بلکہ اُنکے قرارات اور سکوت
پر بھی حاوی ہے۔ اُنکے قرارات اور سکوت بھی اُنکی اُمت کیلئے پیروی کے لایق ہیں اسلئے کہ وہ کسی غلطی کا قرار نہیں کرتے۔
اور نہ اُس پر سکوت کر سکتے ہیں۔

**استثناء۔** البتہ پیروی کیلئے اُن امور کا استثناء ہے جو پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہیں اور جنکی تخصیص پیغمبروں کے ساتھ
ثابت ہے۔ قیام، قعود، اور مشی جیسے جبلّی اور طبعی امور کا بھی استثناء ہے ہم کو ان جبلّی امور میں پیغمبروں کی اتباع کیلئے

کانے کی آنکھ کو درست کرنیکے لئے تھوکا تو اچھی آنکھ بھی اندھی ہوگئی۔ پانی کو بڑھانے کیلئے باؤلی میں تھوکا تو موجودہ پانی بھی غائب ہوگیا۔ پانی کو میٹھا کرنے کیلئے تھوکا تو باؤلی کا سارا پانی کڑوا ہوگیا۔

**سحر۔** ابن عرفہ اور صاحبِ مقاصد نے سحر کو بھی خارقِ عادت ظاہر کیا ہے لیکن قرافی کہتے ہیں کہ سحر امرِ معتاد ہے۔ اس میں نُدرت کا تصور اس وجہ سے ہے کہ اسکے اسباب سے واقفیت نہیں۔ جس شخص نے اسکے اسباب کو پہچانا اور اس پر عمل کیا' غلبہ پایا۔ شیخ سنوسی نے شرحِ کبریٰ میں سحر کو امرِ معتاد قرار دیا ہے۔

**اِبتلاء۔** بعض نے اِبتلاء کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اِبتلاء کہتے ہیں کسی مرض یا مصیبت میں خلافِ عادت شدت پیدا ہوجائے

**فطانت** پیغمبروں کے حق میں واجب ہے' بغیر فطانت کے حجت نہیں کرسکتے۔ فطانت فہم و ذکاوت کو کہتے ہیں مخالفین پر الزام لگانے اور انکے فاسد دعاوی کے اِبطال کیلئے فطانت کے وجوب پر یہ آیتیں دلالت کرتی ہیں۔ آیت پ۷ اوّل وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ۔ اور یہ حجت ہم نے ابراہیم کو دی۔ اس آیت میں اشارہ ہے۔ اُن دلایل کی طرف جسکو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے پیش کیا تھا ان الفاظ میں۔ آیت ۷/۱۵۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ ... إِلَىٰ هُمْ مُهْتَدُونَ۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں قومِ نوح کی زبانی فرمایا۔ آیت ۱۲/۹۔ يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا۔ اے نوح تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور جھگڑے میں طوالت دی یعنی مختلف پہلوؤں سے ہم سے بحث کی۔ آیت ۱۴/۲۲ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ جھگڑا کرو ان سے بطریقِ احسن یعنی ایسے طریقوں سے جس میں نرمی و ملاطفت شامل ہو۔ جس شخص میں فطانت و ذکاوت نہ ہوگی وہ اپنی حجت کو حسن و خوبی کے ساتھ پیش نہیں کرسکتا۔ یہ آیتیں گو بظاہر بعض پیغمبروں کے تعلق سے وارد ہوئی ہیں اگرچہ کہ ان آیتوں میں صفتِ کمالی کی طرف اشارہ ہے اور فطانت کا کمال جو بعض پیغمبروں کیلئے ثابت ہے دوسرے پیغمبروں کیلئے بھی ثابت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کیلئے اگر مطلق طور پر فطانت واجب ہے تو رسولوں کیلئے فطانت میں کمال بھی واجب ہے۔ شیخ سنوسی نے اس صفت کا ذکر نہیں کیا تھا ہم نے اسکو شیخ ابراہیم لقانی کی جوہرۃ التوحید سے اخذ کیا ہے۔

**امانت** پیغمبروں کے حق میں واجب ہے۔ امانت کے معنی عدمِ خیانت کے ہیں۔ خیانت فعلِ محرّم یا فعلِ مکروہ کے ارتکاب کو کہتے ہیں۔ بعض نے اسکی تفسیر یوں کی ہے کہ پیغمبر اور انبیاء متصف ہیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے پیغمبروں کے ظواہر منہیاتِ ظاہرہ سے بھی محفوظ ہیں جیسا کہ زنا' شراب خواری اور کذب وغیرہ۔ اُنکے بواطن بھی باطنی منہیات سے محفوظ ہیں جیسا کہ حسد' کبر اور ریا وغیرہ۔ نبوت اور بعثت سے پہلے بھی بحالتِ صغرسنی' ان سے مکروہات یا خلافِ اَولیٰ امور صادر نہیں ہوسکتے۔ فعلِ مباح بھی جو مکروہ اور خلافِ اَولیٰ ہو اُن سے صادر نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی فعلِ مباح ان سے صادر بھی ہوا تو امرِ تشریع کیلئے تھا اور جب یہ امرِ تشریع تھا اُنکے حق میں اس پر عمل کرنا واجب یا مندوب تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پیغمبروں کے افعال واجب اور مندوب کے دائرہ سے خارج ہی نہیں ہوتے۔ یہ بات پیغمبروں اور انبیاء کی حد تک محدود نہیں بلکہ اولیاءِ کرام جو انکے اتباع

# مستحیلات

پیغمبروں کے حق میں صفاتِ واجبات کی اضداد کذب، بلادت، خیانت اور کتمان کا پایا جانا مستحیل ہے۔ پیغمبروں کی ذات میں جن صفات کا وجوب ہے بیان کی جا چکی ہیں، صدق، فطانت، امانت اور تبلیغ۔ ان صفات کی اضداد یہ ہیں۔ کذب، بلادت یا عدمِ فطانت، خیانت اور کتمان یا عدمِ تبلیغ۔ پیغمبروں کیلئے صفاتِ کذب، بلادت، خیانت اور کتمان کا پایا جانا مستحیل ہے۔ صفاتِ واجبات کا ثبوت شرعی دلیل پر مبنی ہے اسلئے صفاتِ مستحیلات کا بطلان بھی شرعی دلیل پر مبنی ہوگا ضد سے مراد مطلق طور پر منافی ہے اسلئے کہ صفاتِ مستحیلات ساری صحیح طور پر اضداد نہیں ہیں۔ خیانت سے مراد یہ ہے کہ ایسی چیز کا عمل میں لانا جسکی نسبت تحریم یا کراہت کی نہی ہے اور کراہت کی نہی میں خلافِ اولیٰ بھی داخل ہے۔ خیانت میں اقوال، افعال، اقرارات اور سکوت بھی داخل ہیں۔ پیغمبروں سے کوئی عمل مکروہ یا خلافِ اولیٰ صادر نہیں ہو سکتا اور فعل مباح بھی اس بنا پر کہ وہ مباح ہے صادر نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی عمل صادر ہوا ہے تو وہ عمل تشریع کیلئے صادر ہوا اور وہ پیغمبروں کی حد تک واجب ہے۔ وضو میں اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ یا دو دو مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریع کے قائم کرنیکے لئے دھویا۔ آپ کیلئے وضو میں یہ عمل واجب تھا تاکہ آپ کی امت پر اس سہولت کا اظہار ہو سکے۔ نتیجہ یہ کہ پیغمبروں کے سارے اعمال واجب اور مندوب کے دائرہ میں ہونگے۔ پیغمبر تو پیغمبر بعض اولیاء اور منتخب افراد سے واجبات اور مندوبات کے سوائے کوئی فعل صادر نہیں ہوتا۔ مباح سے انھوں نے استفادہ نہیں کیا اور خلافِ اولیٰ سے احتراز کیا۔ کتمان سے مراد یہ ہے کہ جن امور کی تبلیغ کیلئے حکم دیا گیا انکی تبلیغ نہ کرنا اور چھپائے رکھنا۔ کتمان میں سہواً بھی داخل ہے احکام کی تبلیغ کے بارے میں ان سے سہو کا وقوع بھی نہیں ہو سکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں سہو واقع ہوا تھا لیکن اسکا سبب یہ تھا کہ آپ کا قلب تعظیمِ الٰہی میں مستغرق تھا۔

| | |
|---|---|
| يَا سَائِلِي عَنْ رَسُولِ اللهِ كَيْفَ سَهَا | وَالسَّهْوُ مِنْ كُلِّ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهِي |
| اے وہ شخص جو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ رسولؐ سے کیسے سہو ہوا | حالانکہ سہو ایسے قلب سے ظاہر ہوتا ہے جو غفلت اور لہو میں ہو |
| قَدْ غَابَ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ سِرُّهُ فَسَهَا | عَمَّا سِوَى اللهِ فَالتَّعْظِيمُ لِلّٰهِ |
| بعض وقت آپ کا قلب ہر ایک چیز سے غائب ہو جاتا ہے | سوا اللہ کے اور مشغول ہوتا تعظیم الٰہی میں وجہ آپ کو سہو واقع ہوا |

# جائزات

پیغمبروں کے حق میں اعراضِ بشری (سے) وہ باتیں جائز ہیں جو انکے مراتبِ عالیہ میں نقص نہیں پیدا کرتیں جیسا کہ مرض وغیرہ

ملاحظہ: بلادت۔ کند ذہنی

حکم نہیں دیا گیا۔ خصوصیت کی صراحۃ اثبات کی ضرورت ہے۔ خصوصیت کا احتمال کافی نہیں ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ پیروی کیجائیگی انکے تمام اقوال، افعال اور حالات کی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نبی کے بارے میں فرماتا ہے۔ آیت ۳/۱۲ اوّل۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ تم کہدو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں چاہیگا آیت ۹/۱-۱۔ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ اور تم پیروی کرو اسکی، اغلب یہ ہے کہ تم راہ پاؤگے۔ آیت ۹/۹۔ ۵۔ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ۔ میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو پس قریب میں لکھ دونگا اسکو انکے لئے جو تقویٰ کرتے ہیں، زکات دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر یقین کرتے ہیں اور پیروی کرتے ہیں رسول کی جو نبی اور امّی ہے۔

**توقُّف**۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع اس پر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کی پیروی کیجائے بغیر کسی توقُّف کے اور یہ غالب پر نظر کرتے ہے ورنہ ان سے بعض اوقات میں توقُّف بھی وقوع میں آیا تھا۔ **غزوۂ فتح** میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو روزہ افطار کرنے کیلئے حکم دیا اور صحابہ نے آپ کے حکم کی تعمیل میں تامّل کیا۔ آپ نے پیالہ اٹھایا اور پیالہ پھر سبھوں نے پی لیا۔ غزوۂ حُدیبیّہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نَحر (قُربانی) وحَلق (سر منڈھوانے) کیلئے حکم دیا۔ صحابہ نے اس حکم کی تعمیل میں تامّل کیا۔ وجہ یہ تھی کہ اس سفر میں جو مشقت انھیں لاحق ہوئی تھی اُسی میں انکا دماغ غلطان و پریشان تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل صفحہ ۲۳۹ پر اہلِ بیعتِ رضوان کے عنوان کے تحت ملیگی۔

**تبلیغ** پیغمبروں کے حق میں واجب ہے۔ جن امور کی تبلیغ کیلئے حکم دیا گیا۔ آیت ۶/۱۴ ۱۔ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اے پیغمبر پہنچا دو جو تم پر اُتاری گئی۔ آیت ۲۴ ماقبل آخر۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ نہیں ہے رسول پر سوائے پہنچا دینے کے۔ آیت ۳۰/۱۲ ۲۲۔ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ بیشک تمہارا کام سمجھانا ہے تم ان پر قابو نہیں رکھتے۔ حکم کے لحاظ سے تبلیغ کی تین قسمیں ہیں۔ وہ ۱ امور جنکی تبلیغ کیلئے حکم دیا گیا۔ وہ ۲ امور جن کے کتمان کیلئے حکم دیا گیا اور وہ ۳ امور جن کے بارے میں پیغمبر کو اختیار دیا گیا۔ صرف ان امور کا مخلوق تک پہچانا پیغمبروں پر واجب ہے جنکی نسبت تبلیغ کیلئے حکم دیا گیا۔ وہ امور جنکے کتمان کیلئے حکم دیا گیا ہے پیغمبروں پر واجب ہے کہ انکو کتمان میں رکھیں اور مخلوق پر ظاہر نہ کریں۔ وہ امور جنکے بارے میں پیغمبروں کو کتمان یا عدم کتمان کا کوئی حکم نہیں دیا گیا، انکے بارے میں پیغمبروں کو اختیار حاصل ہے کہ انکو مخلوق پر ظاہر کریں یا نہ کریں۔

**دلیلِ** وجوبِ تبلیغ وہی ہے جو امانت کے وجوب کی دلیل ہے۔ جن امور کی تبلیغ کیلئے حکم دیا گیا ہے اگر انکو چھپائیں اور مخلوق پر ظاہر نہ کریں تو پیغمبروں کے حق میں کتمانِ تبلیغ، طاعت ہو جائیگی اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اُنکے افعال و اقوال کی پیروی کرنے کی ہدایت دی ہے اور ہم ان کی اطاعت کو طاعت باور کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اسلئے تبلیغی امور کا کتمان جو فعلِ محرّم ہے طاعت سے بدل جائیگا اور یہ محال ہے۔

عظمت وجلال کا ملاحظہ کرتا ہے یا یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے کنف اور حفاظت میں ہوتے ہیں۔ کھلانے اور پلانے سے یہ مراد ہے کہ کھانے اور پینے سے جو قوت حاصل ہوتی ہے وہ مجھکو عطا کرتا ہے یا یہ کہ کھلاتا اور پلاتا ہے جنت کی غذا اور شراب۔ وہ امور بھی پیغمبروں کو لاحق نہیں ہوسکتے جو مروت میں خلل ڈالیں نفرت پیدا کریں یا بعثت کی حکمت کے خلاف ہوں۔ خسیس اور ذلیل حرکات بھی اُن سے صادر نہیں ہوتیں۔

سہو پیغمبروں سے وقوع میں نہیں آسکتا تبلیغی امور کے پہنچانے میں۔ اسکی مثال یہ اقوال ہیں۔ اَلْجَنَّةُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْن۔ جنت مہیا کی گئی ہے پرہیزگاروں کیلئے۔ وَعَذَابُ الْقَبْرِ وَاجِبٌ۔ قبر کا عذاب واجب ہے۔ غیر تبلیغی امور یعنی عام دنیاوی امور میں بھی ان سے سہو نہیں ہوسکتا اسلئے کہ اس سے کِذب لازم آتا ہے۔ تبلیغی اور غیر تبلیغی افعال میں البتہ ان سے سہو کا واقع ہونا ممکن اور جایز ہے۔ جیسا کہ نماز میں سہو عملِ تشریع کیلئے واقع ہوا۔ یہ سہو ما سوی اللہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے واقع نہیں ہوا۔ **نسیان** تبلیغی امور میں قولی ہوں یا فعلی تبلیغ کے قبل پیغمبروں کے حق میں ممتنع ہے امورِ تبلیغی قولی کی مثال اَلْجَنَّةُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْن اور فعلی کی مثال صَلٰوةِ ضُحٰی جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عمل کرنے کیلئے حکم دیا تو ان دونوں میں نسیان جایز نہیں ہے قول کے ذریعہ اول الذکر خبر کو پہنچا دینے سے پہلے اور عمل کے ذریعہ بعد الذکر عبادت کی تبلیغ کرنے سے پہلے۔ تبلیغ کے بعد ان امور میں نسیان جایز ہے۔ شیطان کا بھلا دینا مستحیل ہے اسلئے کہ شیطان کو ان پر قابو نہیں ہے۔ یوشع کا یہ قول آیت ۱۵/۶۳۔ وَمَا اَنْسَانِيْهُ اِلَّا الشَّيْطَانُ۔ نہیں بھلایا اُس کو مگر شیطان نے، آپ کی طرف سے تواضع کے طور پر ہے یا یہ کہ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے جبکہ آپ اپنے نفس کے حال سے واقف نہ تھے۔ شیطان نے آدم میں ظاہری تمثیل میں وسوسہ پیدا کیا تھا جس کا امکان ہوسکتا ہے انتناع اگر ہے تو اس بات کا کہ شیطان پیغمبروں کے بواطن سے کھیلے اور ان پر اثر ڈالے۔ خلاصہ یہ کہ انسان کیلئے جو بات جایز ہوسکتی ہے بغیر نقص وعیب کے وہ پیغمبروں کے ظواہر پر بھی اثر کر سکتی ہے لیکن انکے بواطن اس سے منزہ اور اپنے پروردگار کے ساتھ مشغول ہیں۔ متن میں لکھا ہے کہ معروف کرخی کہتے تھے۔ لِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً فِیْ حَضْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی مَا خَرَجْتُ فَاَنَا اُكَلِّمُ اللّٰهَ وَالنَّاسُ يَظُنُّوْنَ اَنِّیْ اُكَلِّمُهُمْ۔ میں تیس برس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہا اور غایب نہیں ہوا۔ میں اللہ تعالیٰ سے کلام کرتا تھا اور لوگ گمان کرتے تھے کہ اُن سے بول رہا ہوں۔ بعض اَتباع کا جہاں یہ حال ہو وہاں تم کیا سمجھتے ہو انبیاء کے حال کو اور خاص طور پر انکے رئیسِ اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ اُنکی اور دوسرے نبیوں کی تربتوں پر اپنے رحمت کے پھول برسائے۔

**دلیل** جائزات۔ پیغمبروں کیلئے اعراضِ بشری کے جایز ہونے پر مشاہدہ دلالت کرتا ہے۔ یہ سب کچھ اُنکے اجر کو بڑھانے کیلئے ہے عمل تشریع کیلئے یا دنیا سے تسلی کیلئے یا اس بات کی تنبیہ کیلئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا کی قدر بہت کم ہے اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ کم انکے احوال کے لحاظ سے انبیاء اور اولیاء کیلئے دنیا دارِ جزاء ہو۔ یہاں وہ اعراضِ بشری

پیغمبروں کے حق میں جو امور ولعب اور تخیل ہیں انکے بیان کرنیکے بعد اُن امور کو بیان کیا جاتا ہے جو اُنکے حق میں جائز ہیں۔ جو امور کہ پیغمبروں کیلئے جائز ہیں انبیا کیلئے بھی جایز ہیں۔ اعراض کی قید کی وجہ سے صفاتِ اُلوہیتہ خارج ہوجاتی ہیں۔ پیغمبر صفاتِ اُلوہیتہ سے متصف نہیں ہوسکتے۔ اسکے علاوہ اعراض حوادث کی صفات سے ہیں اور اس وجہ سے بھی صفاتِ اُلوہیتہ خارج ہوجاتی ہیں۔ بخلاف نصاریٰ کے جو سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اِلٰہ یعنی معبود گردانتے اور انھیں صفاتِ الوہیت سے متصف کرتے ہیں۔ بشری بشر کی طرف منسوب ہے اور بشر بنی آدم کو کہتے ہیں بشری کی قید سے وہ اعراض خارج ہوجاتے ہیں جو فرشتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ فرشتوں کے اعراض رُسل پر جایز نہیں ہیں۔ بخلاف عرب کے جُہلاء کے جنکا تصور یہ تھا کہ پیغمبر میں فرشتہ کی عادات ہوں، ضروریات زندگی سے بے نیاز ہوں، نہ کھائیں اور نہ پئیں اور نہ عوام کی طرح چلیں پھریں۔ آیت ۱۸ پ ۱۸۔ وَقَالُوا مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے غذا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ انسانی ضروریات میں سے بعض عادۃً صحت کیلئے لابُدی ہیں جیسا کہ کھانا پینا اور سونا۔ ایسے پیغمبروں کیلئے بشر ہونیکی حیثیت سے جایز ہیں۔ نیند کی حالت میں پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں اور قلب بیدار رہتا ہے۔ حدیث۔ نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ تَنَامُ أَعْيُنُنَا وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُنَا۔ ہم نبیوں کے گروہ میں آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارے قلوب نہیں سوتے بعض ضروریں عادۃً صحت کیلئے لابُدی نہیں ہیں جیسا کہ عورت سے جماع کرنا۔ اسکو اگر لذت میں شمار کیا جائے تو اسکو رُوکے رہنے میں حبس شدید نہیں ہے نفس کیلئے اور اگر اسکو قوت میں شمار کیا جائے تو اس سے رُکے رہنے میں حبس شدید بھی ہے۔ یہ صفت بھی پیغمبروں کیلئے جایزات میں سے ہے۔ نووی نے یہ فرق ظاہر کیا ہے کہ پیغمبروں کو احتلام نہیں ہوسکتا اسلئے کہ وہ عمل شیطان کا نتیجہ ہے اور شیطان کو پیغمبروں پر غلبہ نہیں ہے۔ مرض وغیرہ جیسے بشری اعراض جن سے اُنکے مراتب عالیہ میں نقص نہیں پیدا ہوتا پیغمبروں کیلئے جایز ہیں۔ بیہوشی بھی ان پر طاری ہوسکتی ہے بغیر طوالت کے بقول ابو حامد۔ بلقینی نے بھی ابو حامد کی تائید کی ہے۔ بخلاف جنون اور خلل دماغ کے جو پیغمبروں کی صفات کے لایق نہیں ہیں۔ جنون، جذام، برص اور اندھاپن جیسے امراض سے پیغمبر متاثر نہیں ہوسکتے۔ شعیبؑ کی نسبت ثابت نہیں ہے کہ (ضریر) اندھے تھے۔ یعقوبؑ کی آنکھوں پر روتے روتے پردہ آگیا تھا اور بشیر کی بشارت پر آپ کی بینائی عود کر آئی۔ ایوبؑ کو جو عارضہ تھا وہ جلد اور استخواں کے درمیاں تھا اور نفرت کا باعث نہ تھا۔ نفرت آمیز قصے جو آپ کی نسبت بیان کئے جاتے ہیں غلط ہیں۔ پیغمبر بھوک سے متاثر ہوسکتے ہیں۔ شفاء میں لکھا ہے، إِنَّهُ كَانَ يَبِيْتُ يَتَلَوّٰى مِنَ الْجُوْعِ۔ بھوک سے بل کھاتے ہوئے رات گزاری تھی۔ اس واقعہ سے اس حدیث کی نفی نہیں ہوتی۔ أَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّيْ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ میں اپنے پروردگار کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھکو کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اسلئے کہ یہ بات آپ کو بعض وقت حاصل ہوتی اور بعض وقت نہیں۔ اس حدیث میں عِنْدَ بِيْتٌ جیسے مجازتیت مراد ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ رات گزارتے ہیں اور آپ کا قلب پروردگار سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی

آگاہ کرینگے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبروں کے سوائے دوسروں کو آگاہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا اور اموال دنیا نہایت ہی حقیر ہیں اور انکی کوئی قدر نہیں ہے۔ حدیث۔ اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ قَذِرَۃٌ۔ دنیا سڑی گلی چیز ہے۔ حدیث لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَزِنُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَا سَقَی الْکَافِرَ مِنْھَا جُرْعَۃَ مَاءٍ (ترمذی)۔ اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے پاس مچھر کے پر کی وقعت رکھتی تو کافر کو دنیا میں پانی کا گھونٹ نہ ملتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ وَّ عَابِرُ سَبِیْلٍ (بخاری) وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ (زاد ترمذی) تم دنیا میں اس طرح گزارو کہ گویا مسافر ہو اور رستے سے گزر رہے ہو۔ اپنے نفس کو اہلِ قبور سے شمار کرو۔ عقل رکھنے والا مسافر سرائے کو اپنی قیامگاہ نہیں بناتا اور موت کا منتظر طویل اُمیدوں کے محل نہیں تعمیر کرتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ اُسامہ بن زید نے ایک مہینہ کے وعدہ سے باندی خریدی تو آپ نے فرمایا۔ اُسَامَۃُ وَاللّٰہِ لَطَوِیْلُ الْاَمَلِ قسم خدا کی اُسامہ لمبی امید رکھتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ مَا رَفَعْتُ قَدَمِیْ وَظَنَنْتُ اَنِّیْ اَضَعُھَا حَتّٰی اُقْبَضَ وَلَا فَتَحْتُ عَیْنِیْ وَظَنَنْتُ اَنِّیْ اُغْمِضُھَا حَتّٰی اُقْبَضَ وَلَا لَقَمْتُ لُقْمَۃً وَظَنَنْتُ اَنِّیْ اُسِیْغُھَا حَتّٰی اُقْبَضَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ۔ میں اپنا قدم اٹھاتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ شاید رکھنے نہ پاؤں اور روح قبض کیجائے، میں اپنی آنکھ کھولتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ شاید بند نہ کر سکوں اور فوت ہو جاؤں اور لُقمہ مُنہ میں لیتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ شاید نہ نگل سکوں کہ میری موت واقع ہو۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، جن باتوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے آنیوالی ہیں اور تم اسکو روک نہیں سکتے۔ ابونعیم نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا لِیْ لَا اُحِبُّ الْمَوْتَ۔ مجھے کیا ہوا ہے، موت سے محبت نہیں کرتا۔ آپ نے پوچھا اَلَکَ مَالٌ کیا تمہارے پاس مال ہے۔ تو جواب دیا ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ قَدِّمْہُ فَاِنَّ قَلْبَ الْمُؤْمِنِ مَعَ مَالِہٖ اِنْ قَدَّمَہٗ اَحَبَّ اَنْ یَّلْحَقَہٗ وَاِنْ اَخَّرَہٗ اَحَبَّ اَنْ یَّتَاَخَّرَہٗ۔ اُسکو آگے بھیجو، مومن کا قلب مال کے ساتھ ہے۔ اگر اسکو آگے بھیجیگا تو چاہیگا کہ اسکو جا ملے اور اگر اسکو اپنے پیچھے رکھ چھوڑیگا تو چاہیگا کہ اُسکے پیچھے رہے۔ جس دنیا کی شان میں مذمت کی گئی ہے وہ ایسی دنیا ہے جو تعالیٰ سے منحرف کر کے اپنی طرف مشغول کر لیتی ہے۔ حدیث اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْھَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ وَمَا وَالَاہُ ای مِنَ التَّسْبِیْحِ وَالتَّحْمِیْدِ وَالتَّھْلِیْلِ۔ دنیا ملعون ہے۔ وہ سب چیزیں جو دنیا میں (جو اسکے مانند ہے) ہیں وہ بھی ملعون ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ذکر جیسی باتوں کے جیسا کہ تسبیح تحمید اور تہلیل تسبیح پاکی بیان کرنا، تحمید تعریف کرنا، تہلیل کلمۂ لا اِلٰہ کہنا۔ لیکن وہ دنیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل نہ کرے تو اسکی شان میں کوئی مذمت نہیں ہے اور وہ محمود و مستحسن ہے۔ حدیث۔ نِعْمَ الدُّنْیَا مَطِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ بِھَا یَبْلُغُ اِلَی الْخَیْرِ وَبِھَا یَنْجُوْ مِنَ الشَّرِّ۔ ہاں دنیا مومن کی سواری ہے اُسکے ذریعہ نیکی حاصل کرتا ہے اور برائی سے

مراد ہیں جو پیغمبروں کے مراتبِ عالیہ میں نقص نہیں پیدا کرتے۔ مشاہدہ سے یہ مراد ہے کہ اُنکے ہمعصروں نے ان پیغمبروں پر اعراضِ بشری کو واقع ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں مُشاہدۂ حُکمی مراد لیا جائے جسکی خبر ہم تک تواتُر کے ساتھ پہنچی ہے کہ یہ واقعات پیغمبروں پر گذرے ہیں۔ استدلال دو طرح سے ہوسکتا ہے۔ قیاسِ اقترانی کے ذریعہ یا تقریرِ استثنائی کے ذریعہ۔ قیاس **اقترانی** یہ ہے کہ پیغمبروں پر اعراضِ بشری واقع ہوتے ہوئے مشاہدہ کیا گیا اور جب ان پر اعراضِ بشری واقع ہوئے تو ثابت ہوا کہ ان پر اعراضِ بشری کا واقع ہونا جایز ہے اسلیئے کہ وقوع مستلزم ہے جواز کا تقریرِ **استثنائی** یہ ہے کہ اگر پیغمبروں کیلیئے اَعراضِ بشری جایز نہ ہوتے تو اَعراضِ بشری اُن پر واقع نہ ہوتے لیکن مشاہدہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اُن پر اَعراضِ بشری واقع ہوئے تھے تو اسکا نتیجہ یہ کہ پیغمبروں کے حق میں اَعراضِ بشری جایز ہیں۔ پیغمبروں پر اَعراضِ بشری کے واقع ہونے میں کونسے **فوایدِ** مترتب ہوتے ہیں بیان کئے گئے ہیں۔

**اجر** میں پیغمبروں کے زیادتی ہوتی ہے۔ حدیث۔ اَشَدُّکُمْ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ شدید ترین بلائیں تم میں سے انبیاء پر نازل ہوئیں اور پھر اولیاء پر اور پھر افضل پر اور پھر افضل پر یعنی ان کے مدارج۔ جیسے جیسے کم ہوتے گئے بلاؤں کی شدت بھی کم ہوتی گئی۔ قشیری نے لکھا ہے کہ ہر ایک شخص بلاء کا اہل نہیں ہے، جبتک کہ اس میں خصوصیت نہ ہو۔ اجنبی اسکا اہل نہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اَجر میں زیادتی اعراض کے لاحق ہونے کے بغیر بھی ہوسکتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آیت پ۱۲ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ جو کچھ کرتا ہے اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا اور (وہ جو کچھ کرتے ہیں) ان سے پرسش کیجائیگی۔

**تشریع** کیلیئے یعنی شرع میں داخل کرنیکے لئے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں سہو واقع ہوا تو آپ نے نماز کی تکمیل کی اور سجود سہو کئے اور ہم کو یہ معلوم ہوسکا کہ نماز میں سہو واقع ہو تو اسکی تلافی کس طرح ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ کہا جائے کہ جس طرح عمل سے تشریع ہوسکتی ہے اسی طرح قول سے بھی تشریع ہوسکتی تھی، خواہ مخواہ عمل میں سہو کے واقع کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ قول کے ذریعہ کسی سہولت کا اظہار کیا جائے تو اسکی نسبت **ترخیص** یا رخصت کا گمان ہوتا ہے۔ اگر نماز میں سہو کے احکام میں یہ بتایا جاتا کہ سہو کے واقع ہونے پر اس طرح نماز کی تکمیل کرکے سجودِ سہو کئے جائیں تو ممکن تھا کہ اسکو عمل ترخیص تصور کرکے اس پر عمل نہ کرے اور شروع سے نماز کا اعادہ کرے اور یہ استدلال کرے کہ اگر یہ عمل ترخیص نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ایسا عمل کرتے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ یہ عمل کرتے دیکھنے کے بعد اس سے عدول نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا عمل نہیں فرماتے جو اَولیٰ یا افضل نہ ہو۔

**دنیا** سے تسلی کے۔ یہ معنی ہیں کہ جب ساداتِ کرام جو مخلوق کے پسندیدہ اور بندوں میں برگزیدہ ہیں اُن پر اَعراضِ بشری واقع ہوئے تو اسکو دیکھکر یا اسکو سنکر مومنین کے قلب میں تسکین اور تسلی واقع ہوتی ہے اور صبر و تحمل کے ساتھ دنیاوی مصائب کو جھیلتے ہیں۔ دنیا سے مراد یہاں اموال اور اموال کے توابع ہیں جیسا کہ جاہ و فخر، راحت و لذت وغیرہ۔ تنبیہ کے معنی

ہم نے تم کو گر سارے انسانوں کی طرف آپ کی بعثت کی عمومیت سے انکار پر کفر لازم آتا ہے۔ اس سے بعض یہودیوں کے قول کی تردید ہوتی ہے جو آپ کی رسالت کو عرب کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ نوح ؑ کی بعثت کے عموم کی نسبت مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی بعثت طوفان کے بعد عام تھی اور بعض کہتے ہیں کہ طوفان کے پیشتر بھی۔ اور پھر نوح ؑ کی بعثت آپ کے زمانہ تک محدود تھی بخلاف اسکے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت آپ کے زمانہ کے بعد اور قیامت تک جاری اور قائم رہیگی۔ نوح ؑ کی بعثت جنات پر شامل نہ تھی۔ اسلئے کہ جن کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ سلیمان ؑ کی تسخیر جن تسخیر نبوت نہ تھی بلکہ تسخیر سلطنت و ملک تھی ثقلین کی قید سے فرشتے خارج ہوتے ہیں۔ رملی نے منہاج کی شرح میں لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت فرشتوں کی طرف ارسالِ تکلیف نہیں بلکہ ارسالِ تشریف ہے۔ فرشتوں کی جبلت میں طاعت ہے اُن پر طاعت گراں نہیں گزرتی شیخ ابن حجر کا قول ہے کہ فرشتوں کی طرف بھی آپ ایسے ہی بھیجے گئے جیسے کہ انس و جن کی طرف۔ رأس الاربعین کے مفہوم سے ظاہر ہے کہ برابر چالیس برس کی تکمیل پر آپ مبعوث ہوئے۔ جمہور کے پاس صحیح بھی یہی ہے۔ یہ اُس وقت ہو سکتا ہے جبکہ بعثت بھی ولادت کے مہینے میں واقع ہوئی ہو مشہور یہ ہے کہ آپ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور رمضان مبارک میں بعثت ہوئی اگر یہ کہا جائے کہ چالیس برس کی تکمیل کے بعد رمضان میں بعثت ہوئی تھی تو گویا چالیس برس اور چھ مہینوں کے بعد بعثت ہوئی اور اگر یہ قرار دیا جائے کہ چالیسویں سال کے درمیانی رمضان میں بعثت ہوی تو آپ کی عمر اس وقت انچالیس سال چھ مہینے قرار پائیگی۔ اس لحاظ سے چالیس برس کے قول میں یہ ہوگا کہ صورتِ اول میں کسرات کو حذف کیا گیا اور صورتِ دوم میں کسرات کا اضافہ کیا گیا۔ بعض کا قول ہے کہ سب سے پہلے ربیع کے مہینے میں نیند میں وحی نازل ہوئی اور اس کے بعد چھ مہینوں کا فصل رہا۔ جنھوں نے بعثت کی ابتداء کو رمضان کے مہینے میں قرار دیا ہے انکی مراد بحالتِ بیداری جبرئیل علیہ السلام کے نزول سے ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ اختلاف صرف لفظی ہے اور کسرات کی زیادتی یا کمی کا سوال نہیں۔ صحیح یہ بھی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ عبدالبر وغیرہ کا قول ہے کہ آپ کو رسالت تینتالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی اور نبوت اس کے پہلے اِقْرَا کے نزول سے واقع ہوئی جب آپ کو انذار کا حکم آیتِ المدثر میں دیا گیا تو اس وقت سے رسالت شروع ہوئی۔ پس وحی کے "فترت" (فصل) کے زمانہ میں آپ نبی تھے نہ کہ رسول۔ قولِ اول کی تائید کرنے والوں کا جواب یہ ہے کہ المدثر کی آیت سورۂ اِقْرَا کے مقصد کو بیان کرتی ہے اور اِقْرَا سے مراد یہی ہے کہ اِقْرَأْ لِقَوْمِكَ مَا نُبِّئْتَهُ لَكَ۔ اپنی قوم کو پڑھکر سنا دو اس حکم کو جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں۔ چالیس برس میں بعثت ہونے کی عادتِ مستمرہ تھی اکثر بلکہ تمامی انبیاء علیہم السلام کیلئے شیخ الاسلام نے بیضاوی کی شرح میں لکھا ہے اور اکثروں کا یہی خیال ہے۔ علامہ شیخ امیر اور علامہ شیخ شنوانی نے لکھا ہے کہ نبوت میں یہ حق فقط غالب امر ہے ورنہ عیسیٰ ؑ کو اس سے بہت پہلے نبوت ملی اور تینتیس برس کی عمر میں آپ آسمان کی طرف

نجات پاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا بذاتہٖ محمود ہے اور نہ مذموم، انسان کے عمل کے تعلق سے اسکی مذمت یا ستایش کیجائیگی۔ دنیا کی خسّت اور حقارت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا کہ اپنے انبیاء اور اولیاء و اصفیاء کے لئے دنیا کو دارِ جزاء بنائے۔ اگر وہ دارِ جزاء بنانا پسند کرتا تو انکو دنیا سے نہ روکتا اسلئے کہ وہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ خلوص سے اُسکی عبادت میں مشغول ہیں اور طاعت میں کمال رکھتے ہیں۔

**تفاضُلِ انبیاء**۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف افضل الانبیاء نہیں بلکہ افضل کائنات بھی ہیں۔ آپ کے بعد دیگر انبیاء کے مراتب کیا ہیں اس حدیث سے ظاہر ہیں۔ خِیَارُ وُلْدِ آدَمَ خَمْسَةٌ نُوحٌ وَاِبْرَاهِیْمُ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمُحَمَّدٌ وَخَیْرُهُمْ مُحَمَّدٌ (کنز) اولادِ آدم میں بہتر پانچ ہیں، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد اور ان سب میں بہتر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ ترتیب یہ ہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد سیدنا ابراہیم، پھر سیدنا موسیٰ، پھر سیدنا عیسیٰ، پھر سیدنا نوح علیہم الصلاۃ والسلام۔ اسی طرح یہ پانچوں اُولُوا العزم انبیاء کہے جاتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کا شمار ان میں نہیں ہے اسلئے کہ آیت ۱۶/۱۵ آخر۔ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ ہم نے اس میں ہمت نہیں پائی، مانع ہے۔ ان پانچوں کے بعد بقیہ رُسُل کا رتبہ ہے اور انکے بعد پھر اُن انبیاء کا رتبہ ہے جو غیر رُسُل ہیں اور اُنکے باہمی فرقِ مراتب کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ہم پر یہ واجب ہے کہ اعتقاد کریں، افضل کی افضلیت کی نسبت تفصیل کے ساتھ اُس حکم کے مطابق جو تفصیل سے وارد ہوا ہے اور اجمالی طور پر جہاں اجمالی حکم ہے۔ جہاں **توقیفی**ؒ حکم نہ ملے تو وہاں اظہارِ رائے ممنوع بھی ہے۔ ان سارے رُسُل اور انبیاء کے بعد ملائکہ کا درجہ ہے جیسا کہ آگے بیان کیا جائیگا۔

ؒ امرِ توقیف ۹۵

## محمد صلی اللہ علیہ وسلم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اسمِ مبارک لفظ محمد کی تفصیل ۹۵ پر بیان کی گئی ہے۔ وَقَدْ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی رَأْسِ الْاَرْبَعِیْنَ سَنَةً اِلٰی جَمِیْعِ الْمُکَلَّفِیْنَ مِنَ الثَّقَلَیْنِ اَیِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں ثقلین کے تمام مکلف افراد کی طرف بھیجا۔ **ثقلین** سے مراد انس و جن ہیں۔ اِنکو ثقل سے اسلئے موسوم کیا گیا کہ یہ زمین پر بھاری ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ گناہ کے بوجھ کی وجہ سے ثقل سے تعبیر کیگئی۔ بعض نے کہا ہے کہ نیکیوں کا پلڑا بھاری ہونے کی وجہ سے۔ تحقیق یہ ہے کہ آپ بھیجے گئے ہیں تمام انبیاء کی طرف اور سابقہ اُمتوں کی طرف بھی باعتبارِ عالمِ اَرواح اسلئے کہ دوسرے سب ارواح کی تخلیق سے پیشتر آپ کی روح کی تخلیق ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے آپ کی روح کو دوسرے سارے ارواح کی طرف بھیجا اور ان سب کی تبلیغ کی۔ عالَمِ اجسام میں سارے انبیاء آپ کے نائبین ہیں۔ نتیجہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تمامی بنی نوعِ انسان کی طرف آدمؑ سے لیکر قیامِ قیامت تک۔ حدیث بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَافَّةً۔ بھیجا گیا میں تمامی انسانوں کی طرف۔ آیت ۲۲؍۲۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ نہیں بھیجا

اور وہ **نبی** ہے۔ اور پھر یہ کمال اور تکمیل قوتِ نظری کے اعتبار سے ہونگے یا قوتِ عملی کے لحاظ سے۔ قوتِ نظری کے کمالات میں سب سے بزرگ ترین کمال اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور قوتِ عملی کے کمالات میں سب سے بزرگ ترین کمال اللہ تعالےٰ کی طاعت ہے۔ جس شخص کو ان دونوں شعبوں میں کمال کے اعلیٰ مدارج حاصل ہوئے اسکی ولایت کے درجات اکمل ہونگے اور جس شخص کو ان دونوں شعبوں میں دوسرے کی تکمیل کی قدرت ہوگی اسکی نبوت کے مدارج بھی اکمل ہونگے۔

**جہالت**۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ میں دنیا کفر، فسق و فجور میں مبتلا تھی۔ یہود تشبیہ کے باطل خیالات میں حیران تھے، نبیوں پر افتراء کرنے اور توراۃ میں تحریف کرنے میں مصروف تھے۔ نصاریٰ تثلیث یعنی باپ بیٹے، حلول و اتحاد کے اقوال میں انتہا درجہ تک پہنچے ہوئے تھے۔ مجوسی (آتش پرست) دو خداؤں یزدان و اہرمن پر اعتقاد رکھتے، آپس میں جھگڑتے اور ماؤں کے نکاح کو حلال تصور کرتے تھے۔ اہل عرب بتوں کی پرستش کرتے لوٹ اور غارت گری کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ ساری دنیا اوہام باطلہ کے نشہ میں مخمور تھی۔ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جہالت کے اس تنگ و تاریک زمانہ میں مبعوث کیا۔ آپ نے بنی نوع انسان کو دینِ حق کی طرف دعوت دی۔ دنیا باطل سے حق کی طرف، کذب سے صدق کی طرف، تاریکی سے نور کی طرف پلٹ گئی۔ توحید کا کلمہ چار دانگ عالم میں گونج اٹھا۔ قوتِ نظری اور قوتِ عملی میں جو لوگ ناقص تھے، دیکھتے کے دیکھتے کمالِ عروج کو پہنچ گئے۔ آپ کی بعثت کا اصلاحی دَور دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں اکمل تھا اور دوسری امتوں کے مقابلہ میں آپکی امت کے اکثروں نے اس سے استفاضہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نبیوں کے سردار اور صفیوں کے پیشوا تھے۔ آپ افضل البشر اور اشرف الخلایق تھے۔ یہ **برہانِ لِمّی** ہے جو برہانِ **اِنّی** پر فوقیت رکھتی ہے اور قوی تر ہے۔ علت سے معلول کی طرف استدلال کیا جائے تو وہ برہانِ لِمّی ہے اور معلول سے علت کی نسبت استدلال کیا جائے تو وہ برہانِ اِنّی ہے۔

**قبلِ بعثت** یعنی قبلِ نزولِ وحی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے نبیِ سابق کی شریعت کے متبع نہ تھے۔ اسلئے کہ سابقہ شریعتیں، عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ ہوگئیں اور شریعتِ عیسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ اسلئے ختم ہوگیا کہ اسکے متبعین تثلیث پر اعتقاد کرنے لگے۔ البتہ وہ لوگ جنھوں نے تثلیث میں مبتلا ہوئے بغیر عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی تھی وہ بہت قلیل تعداد میں تھے۔

**افضلِ انبیاء** محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمامی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے افضل ہیں۔ **نقلی** دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السلام کے اوصافِ حمیدہ کی تعریف کی اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ آیت ۹۰ـ۶ ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔ انبیاء کی ہدایت کی اللہ تعالےٰ نے پس تم انکی ہدایت کی پیروی کرو۔ آپ کو حکم دیا گیا کہ ان سب پیغمبروں کی پیروی کریں اور آپ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ امر کا نتیجہ یہ کہ آپ میں وہ ساری ستودہ خصایل جمع ہوگئیں جو متعدد نبیوں میں منتشر تھیں اسلئے آپ سب سے افضل واقع ہوئے۔ **عقلی** دلیل یہ ہے کہ

اٹھائے گئے۔ یحییٰ علیہ السلام کو نبوت لڑکپن میں ملی تھی۔ لڑکپن میں جو حکم آپ کو ملا تھا وہ نبوت ہی کی نسبت تھا تفسیر
کے حواشی میں مواہب سے منقول ہے کہ عیسیٰ آسمان سے نزول کے بعد چالیس سال دنیا میں رہیں گے۔ آیت ۱۲/۱۶
وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا دیا ہم نے اسکو حکم کرنا لڑکپن میں۔ جو یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے اس میں حکم سے مراد علم اور
معرفت ہے نہ کہ نبوت۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت آیت ۱۶/۵ ۱۵۔ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا (مجھکو
اس نے کتاب دی ہے اور مجھکو اُس نے نبی کیا) میں ماضی کی عبارت میں مستقبل کا ذکر کیا گیا جیساکہ دوسری جگہ اللہ تعالےٰ
فرماتا ہے۔ آیت ۱۴/۲ ۲۔ أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ پہنچا حکم اللہ کا سے مراد پہنچیگا حکم اللہ کا یا اس معنی میں کہ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا فِي عِلْمِهٖ
یعنی مجھکو اللہ تعالیٰ کے قدیم علم میں نبی بنایا گیا۔ علیؒ الخواص کے کلام سے ظاہر ہے کہ نبی صغیر سن سے ہی نبی بنایا جاتا ہے۔
علامہ امیر کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ صغر سن سے ہی حصولِ کمال کی تیاری کیجاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہی حقیقتِ امر کو بہتر جانتا ہے

**دلائلِ رسالت**۔ رازی نے مفصل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اثبات میں تین دلائل بیان کئے ہیں۔

دلیلِ اول۔ آپ نے نبوت کا دعوےٰ کیا اور اس دعوے کی تائید میں آپ کے ہاتھ پر بعض معجزے ظاہر ہوئے اور یہ دلیل
ہے آپ کی نبوت کی۔ اس کے تین وجوہ ہیں۔

سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید کا نزول ہے۔ قرآن مجید کا نزول تواتر سے ثابت ہے اور قرآن مجید کے معجزہ ہونیکی دلیل یہ ہے کہ
آپ نے فصحاءِ عرب کو مقابلہ کی دعوت دی تھی کہ فصاحت و بلاغت میں قرآنِ مجید کا مقابلہ کریں اور مسابقت
کریں مگر سب کے سب عاجز آگئے۔ آیت ۱/۳ ۳۔ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ
مِّنْ مِّثْلِهٖ (ہم نے اپنے بندہ پر (قرآن مجید) جو نازل کیا ہے اسکے بارے میں تمھیں کوئی شک ہو تو اسکی جیسی ایک سورۃ تولاؤ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے معجزے ظاہر ہوئے۔ ایک بڑی جماعت کو آپ نے تھوڑے سے کھانے سے
شکم سیر کردیا۔ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی بہا تھا۔ بے زبان جانوروں نے آپکی رسالت کی تصدیق کی
آپ نے غیب کی خبر دی تھی۔ غیب کی خبر دینا بھی معجزہ ہے۔

دلیلِ دوم۔ آپ کے اخلاق، افعال، احکام اور سیرت سے آپ کی نبوت کا اثبات ہوتا ہے۔ گو یہ امور انفرادی طور پر نبوت کو ثابت
نہ کریں لیکن مجموعی طور پر یہ ساری صفات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے سوا دوسرے کو حاصل نہیں۔

دلیلِ سوم۔ کتب سماوی جو سابقہ انبیاء پر نازل ہوئی تھیں ان سب میں آپ کی رسالت کی پیشیں گوئی کی گئی تھی۔ آپ
کی رسالت کی اہم ترین دلیل قرآن مجید ہے اور دیگر دلایل جنکا ذکر کیا گیا ہے وہ بطور تتمہ و تکملہ ہیں۔

**الدین** میں رازی نے ایک اور طریقہ سے استدلال کیا ہے۔ انسان ناقص ہو تو اسکا درجہ ادنی ہوگا جیساکہ عوام الناس
اگر انسان اپنی ذات میں کامل ہو مگر دوسرے کی اصلاح اور تکمیل پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اسکا درجہ متوسط ہے اور وہ ولی
ہے۔ اگر انسان اپنی ذات میں کامل ہو اور دوسرے کی اصلاح اور تکمیل کی قدرت بھی رکھتا ہو تو اسکا درجہ سب سے بلند ہے

آپ ہی اور اشیاء کا مقصودِ اصلی آخر ہی میں ظاہر ہوتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے ختمِ رسالت و نبوت کی بھی نفی
نہیں ہوتی۔ اسلئے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی کی شریعت پر حکم دینگے اور آپ ہی کی اتباع کرینگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے خود اس واقعہ کی خبر دی ہے کہ عیسیٰ کے نزول تک اس پر عمل ہوگا۔

**نسخ**۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع کی تنسیخ نہ ہوگی کلی طور پر نہ جزئی طور پر۔ اسکے پہلے آپ کے خاتم النبیین ہونے اور آپ کی
بعثت کے عام ہونے کی تفصیل بیان کی گئی۔ اب آپ کی شرع کے عدمِ نسخ کے وجوہ بیان کئے جاتے ہیں۔ **شرع** کے لغوی
معنی بیان کے ہیں اور اصطلاح میں احکامِ شرعیہ کو شرع کہتے ہیں۔ **نسخ** کے لغوی معنی ازالہ کرنے اور نقل کرنے کے ہیں نَسَخَتِ
الشَّمْسُ الظِّلَّ سورج نے سایہ کو زایل کردیا۔ نَسَخْتُ الْكِتَابَ ای نَقَلْتُهٗ یعنی نقل کیا میں نے۔ اور اصطلاح میں
نسخ کہتے ہیں' دلیلِ شرعی کے ذریعہ حکمِ شرعی کے رفع کرنے کو۔ حکمِ شرعی کے رفع سے' مکلفین کے ساتھ اسکے تعلق کا انقطاع
مراد ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب قدیم ہے اور اسکا رفع کرنا مستحیل ہے' بخلاف تعلق کے اور چونکہ تعلق حادث ہے
اسلئے تعلق کا رفع کرنا مستحیل نہیں ہے قیامِ قیامت تک آپ کی شریعت جاری رہیگی۔ حدیث۔ لَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ
قَائِمَةً عَلٰى اَمْرِ اللّٰهِ (یعنی الدِّیْنِ الْحَقِّ) لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ ای السَّاعَةُ۔ ای
قُرْبُهَا۔ یہ امت اللہ تعالیٰ کے امر یعنی دین حق پر قائم رہیگی۔ مخالفین اسکو نقصان نہ پہنچا سکیں گے' یہانتک کہ اللہ تعالیٰ
کا حکم یعنی قیامت آئے یعنی قربِ قیامت کا زمانہ پہنچ جائے۔ اسلئے کہ مومنین قیامت سے پیشتر دھیمی ہوا کے جھونکے سے
مرجائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے دوسرے سارے انبیاء کی شریعتوں کی تنسیخ ہوئی ہے۔ آیت ۳/۱۴ ۵۔ وَمَنْ
یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا۔ اور جو کوئی چاہے سوائے اسلام کے اور دین۔ اس بارے میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ
تواتر کے درجہ کو پہنچی ہیں۔ نسخِ شرایع کی نسبت سمعی دلیل ہے جس پر عام مسلمانوں کو اتفاق ہے۔ یہود و نصاریٰ ادعا کرتے ہیں کہ
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع سے دوسرے انبیاء کی شرائع کی تنسیخ نہیں ہوئی۔ اسلئے کہ یہ لوگ آپ کی نبوت سے ہی
انکار کرتے ہیں۔ انکی حجت یہ ہے کہ نسخ کے قول سے لازم آتا ہے کہ بعض مصلحت اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ تھی اور اسکا ظہور
نسخ کا باعث ہوا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ زمانہ کے مرور کے ساتھ مصلحت میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔ سابقہ امتوں کے زمانہ کی
مصلحت کے مطابق انکی شریعتیں صادر ہوئیں اور ہمارے زمانہ کی مصلحت کے موافق ہمارے لئے شریعت وارد ہوئی۔

آپ ہی شریعت کے بعض جزو کا دوسرے جزو سے منسوخ ہونا جائز ہے کیونکہ ایسا ہوا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت
اور کفر کی تحریم واجب ہے اور اسکا نسخ وقوع میں نہیں آیا۔ بعض شرع کے نسخ میں بعضِ قرآنی بھی داخل ہے۔ بخلاف
ابو موسیٰ اصفہانی کے جو اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ آیت ۲۴/۱۹ ۱۰۔ لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا
مِنْ خَلْفِهٖ۔ جھوٹ کا دخل نہیں ہے اسکے آگے اور نہ پیچھے۔ نسخ سے اس آیت کا بطلان لازم آتا ہے۔ اسکا جواب
یہ دیا گیا ہے کہ اس آیت میں ضمیرِ غایب پورے قرآن کی طرف رجوع کرتی ہے اور قرآن کے عدمِ نسخ کی نسبت سب کو

آپ کی عبادت اور توحید کی دعوت اقصاءِ عالم تک پہنچی بخلاف دیگر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت بنی اسرائیل تک محدود تھی، عیسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ حق، باقی ہی نہیں رہی، اسلئے آپ کے پیروؤں نے تثلیث پر اعتقاد شروع کیا۔ ظاہر ہے کہ اہلِ دنیا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے بدرجۂ اکمل استفادہ کیا بہ نسبت دوسری امتوں کے۔ یہ دلیل ہے آپ کی افضلیت کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت دی ہے اگرچہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ آپ میں خوبیاں موجود تھیں مگر ان سے تفضیل کا اقتضاء لازم نہیں آتا۔ عام قول ہے کہ مفضول میں بعض خوبیاں پائی جاسکتی ہیں جو فاضل میں نہ ہوں۔ مالک کے فضل وکرم پر موقوف ہے کہ کس کو کس پر فضیلت دے۔ اس سے بڑھکر کچھ کہنے میں سوءِ ادب ہے۔ بلا امتیازِ مسالک، عامۃ المسلمین کو اس بارے میں اتفاق ہے کہ آپ افضلِ کائنات ہیں۔ حدیث۔ لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ۔ مت فضیلت دو مجھکو انبیاء پر۔ حدیث۔ لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی۔ مت فضیلت دو مجھکو یونس بن متی پر۔ یونس کے والد کا نام متی تھا۔ حدیث۔ لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی۔ مجھکو ترجیح مت دو موسیٰ پر۔ یہ حدیثیں محمول ہیں ایسی تفضیل پر جس سے دوسرے انبیاء کی تنقیص ظاہر ہوتی ہو یا کہ حدیثیں اس زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں جبکہ آپ کو اپنی افضلیت کا علم نہیں تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ادب اور تواضع کو ملحوظ رکھا تھا۔ یونس علیہ السلام کی متعلقہ حدیث کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ اعتقاد مت کرو کہ میں یونس کے مقابلہ میں عرش میں اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے ساتوں آسمانوں پر سرگوشی کی اور یونس نے اپنے رب سے، سمندر کی گہرائی میں مچھلی کے پیٹ میں رہکر سرگوشی کی۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ جہت اور مکان سے پاک ہے۔ اُس کیلئے قعرِ سمندر اور فوقِ سماوات دونو برابر ہیں۔ اس اعتبار سے عدمِ تفضیل آپ کی افضلیت کے منافی نہیں ہے۔ حدیث۔ اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَی اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ اَیْ وَلَا فَخْرَ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَقُوْلُ كَلَامَ فَخْرًا بَلْ تَحَدُّثًا بِالنِّعْمَةِ۔ میں اللہ تعالیٰ کے پاس اولین اور آخرین سب میں اکرم ہوں۔ اس میں کوئی فخر نہیں ہے یعنی کوئی فخر اس سے بڑھکر نہیں ہوسکتا یا یہ کہ میں فخریہ نہیں کہتا ہوں بلکہ نعمتِ الٰہی کو بیان کرتا ہوں۔

**خاتمِ انبیاء** ۔ آیت ۲۲/۱۔ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ ختمِ نبوت سے ختمِ رسالت لازم آتی ہے جیسا کہ اعم کے ختم سے اخص کا ختم لازم آتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری رسول ہیں۔ آخری رسول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے قدم پر یعنی آپ کے طریقہ اور آپ کی شریعت پر لوگوں کا حشر ہوگا۔ حدیث۔ اَنَا الْعَاقِبُ فَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اَیْ تَبْتَدِئُ نُبُوَّتُهٗ۔ میں سب سے آخر میں آیا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا یعنی کسی اور کی نبوت نہ ہوگی۔ اس تعبیر سے عیسیٰ علیہ السلام کے آخری زمانہ میں نزول کی خبر کی نفی نہیں ہوتی اور نہ فی الوقت خضر اور الیاس علیہما السلام کے وجود کی ہوتی ہے۔ آپ کے آخری رسول ہونیکے یہ معنی ہیں کہ آپ کی شریعت گذری ہوئی شریعتوں کی ناسخ ہے۔ اس دنیا کے مقصد

مَتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ - تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور عورتیں چھوڑیں تو وصیت کریں اپنی عورتوں کے خرچ کے بارے میں ایک برس تک۔ اس آیت کے حکم کی منسوخ اس آیت سے ہوئی ۲۳۴ پ۲ - اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا - چار مہینے دس دن اور تلاوت باقی ہے **نسخ بدل** سے ہی ہوگا جیسا کہ امام شافعیؒ کا قول ہے۔ بخلاف اسکے بعض کا قول ہے کہ نسخ بعض وقت بدل سے ہوگا اور بعض وقت بغیر بدل کے۔ بدل کی مثال سورۂ انفال کی یہ دو آیتیں ہیں ۶۵ پ۱۰ اول۔ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ - ای نبی ترغیب دو مومنین کو لڑائی کی اگر تم میں بیس شخص ثابت (قدم) ہوں تو دو سو پر غالب ہونگے۔ اور آیت ۶۶ پ۱۰ - اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ - اب تخفیف کی اللہ نے تم پر اور جانا تم میں کمزوری ہے پس اگر تم میں سو شخص ثابت ہوں تو غالب ہونگے دو سو پر۔ بعض وقت نسخ بغیر بدل کے ہوگا۔ آیت ۱۲ پ۲۸ ماقبل آخر۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقَةً - اے ایمان والو جب تم سرگوشی کرو رسول سے تو پیش کرو سرگوشی سے پہلے خیرات۔ رسول کے ساتھ مناجات سے پہلے صدقہ پیش کرنیکے وجوب کی تنسیخ کی گئی بغیر بدل کے۔ قولِ اول کے لحاظ سے اس وجوب کی تبدیل ہو کر صدقہ کا پیش کرنا جایز اور مستحب قرار پایا اور یہ بلا بدل نہ رہا۔

# معجزات[1]

[1] جوہرۃ النو

**معجزات**۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کثرت سے ہیں۔ قرآن، معراج، شق قمر، تسلیم حجر و شجر، تسبیح حصیٰ، حنین جذع، عینِ قتادہ، شہادتِ ضب، براءتِ عائشہؓ وغیرہ۔ معجزہ کی عام بحث ص۱۲ پر مذکور ہے۔ مختصر یہ کہ عرفِ عام میں معجزہ کہتے ہیں ایسے امر کو جو خارقِ عادت ہو اور جس کو باثباتِ دعویٔ نبوت پیش کیا جائے۔ آپکے معجزوں کی تعداد کثیر ہے اور نہایت واضح بھی ہیں۔ بعض معجزات کا علم قطعی روایت سے ہے اور تواتر کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں جیسا کہ قرآن۔ قرآن جیسے معجزہ کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ جو معجزہ ایسا نہ ہو مگر مشہور ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا بہنا۔ ایسے مشہورہ معجزہ سے انکار کرنے سے فسق لازم آتا ہے۔ اگر معجزہ مشہورہ نہ ہو مگر طریقِ صحیح یا طریقِ حسن سے ثابت ہو تو انکار کرنے والے کو تعزیر کیجائیگی۔

**قرآن**۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کی تفصیل ص۱۵۱ پر درج ہے۔ یہاں صرف اعجازِ قرآن کی صراحت کیجاتی ہے کلام اللہ کا لفظ اطلاق کرتا ہے صفتِ قدیم پر اور اُن الفاظ پر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے جسکی تلاوت عبادت میں داخل ہے اور جس کے چھوٹے سے چھوٹے سورے کے مقابلہ کیلئے دعوت دیگئی ہے۔ صفتِ قدیم اور الفاظ دونوں پر قرآن کا لفظ بھی صادق آتا ہے لیکن غالب یہ ہے کہ کلام اللہ کا لفظ صفتِ قدیم پر اور قرآن کا لفظ الفاظِ حادث

اتفاق ہے بعض جزوی قید کی وجہ سے جمیع شریعت کا نسخ خارج ہوتا ہے۔ اگرچہ جمیع شریعت کا نسخ جایز ہے مگر اسکا وقوع نہیں ہوا۔ یہاں دو صورتیں ہیں ایک جواز کی اور دوسری وقوع کی۔ جواز کی حیثیت سے شریعت کا کلا یا جزءاً نسخ ہو سکتا ہے اور وقوع کی حیثیت سے پوری طور پر نسخ کا جواز واقع نہیں ہوا اور نہ جائز ہے۔

**نسخ کتاب بہ کتاب۔** آیت ۲/۱۲ ۳۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۔ تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو وصیت کریں اپنی عورتوں کے بارے میں خرچ کی نسبت ایک برس تک بغیر خارج کرنیکے۔ اسکی تنسیخ ہوئی اس آیت کے ذریعہ ۲/۱۵ ۵۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں وہ عورتیں انتظار میں بیٹھی رہیں چار مہینے دس دن۔ یہ آیت اگرچہ تلاوت میں پہلے ہے مگر زمانہ کے لحاظ سے بعد میں نازل ہوئی اور ناسخ ہے پہلی آیت کی۔

**نسخ سنت بہ سنت۔** حدیث۔ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا ۔ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا پس تم (آیندہ) قبور کی زیارت کیا کرو۔ نہی کو امر سے بدل دیا گیا۔

**نسخ سنت بہ کتاب۔** بیت المقدس کی طرف استقبال سنت کے حکم سے ثابت تھا جس کی تنسیخ قرآن نے کی۔ آیت ۲/۲ ۲۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ پس پھیر اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف

**نسخ کتاب بہ سنت۔** آیت ۲/۲ ۵۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۔ تمھیں حکم ہوا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور کوئی مال چھوڑے تو وصیت کرے ماں باپ اور رشتہ داروں کے حق میں۔ اسکی تنسیخ ہوئی اس حدیث سے لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ ۔ وارث کے حق میں وصیت نہیں ہے۔

**نسخ تلاوت وحکم** دونو۔ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَّعْلُوْمَاتٍ يُحَرِّمْنَ ۔ دس دفعہ کا دودھ پلانا جو معلوم ہے حرام کرتا ہے۔ اس آیت کی پہلے تلاوت کیجاتی تھی اور اسکی تنسیخ کی گئی۔ بِخَمْسٍ مَّعْلُوْمَاتٍ يُحَرِّمْنَ (پانچ دفعہ کا جو معلوم ہے حرام کرتا ہے) سے۔ ہمارے پاس اس ناسخ آیت کی تلاوت کی بھی تنسیخ ہوی نہ کہ حکم کی۔ یعنی حکم باقی رہا بخلاف مالکیہ کے۔ مالکیہ کے پاس تلاوت اور حکم دونوں کی تنسیخ ہوئی۔

**نسخ تلاوت بغیر حکم۔** اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو دونو کو رجم کرو سزا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ قوت والا اور حکمت والا ہے اس آیت کی تلاوت کی تنسیخ کی گئی نہ کہ حکم کی۔

**نسخ حکم بغیر تلاوت۔** آیت ۲/۱۵ ۵۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

کھجور کے ایک پیڑ کے پاس خطبہ دیا کرتے تھے۔ منبر کی تعمیر کے بعد جیسا ہی آپ منبر کی طرف گئے تو سبھوں نے جو مسجد میں ساق النخلہ
حاضر تھے کھجور کے پیڑ کو آپ کے فراق میں باآوازِ بلند روتے سُنا۔ قریب تھا کہ اس رنج و حسرت میں دو ٹکڑوں میں
چر جائے۔ آپ نے اسکو اپنے سے چمٹا لیا۔ روتے ہوئے بچے کو ماں اپنے سینے سے جب لگاتی ہے اور تسکین دیتی
ہے تو جس طرح بچہ سسکتا ہے اُسی طرح پیڑ سسک رہا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر تو چاہتا ہے تو میں اس احاطہ میں اپنے
اس باغ میں تجھکو نصب کردوں۔ تیری جڑیں نکل آئینگی اور تیری شکل پوری ہو جائیگی اور جدید ڈالیاں برآمد ہونگی اور کھجوریں
نکلیں گی۔ اگر تو چاہتا ہے تو تجھکو جنت میں لگا دوں اولیاء اللہ تیرے پھل کھائیں گے اسکا جواب کیا ہے، سننے کیلئے آپنے
اپنا کان لگایا تو اس نے اتنی آواز میں جواب دیا کہ آپ کے نزدیک کے لوگ سُن سکے۔ مجھکو جنت ہی میں نصب
کر دیجئے، اولیاء اللہ میرے پھل کھائیں گے اور میں ایسے مقام پر ہونگا جہاں کوئی آفت نہ پہنچیگی۔ آپ نے فرمایا ایسا
ہی کرونگا۔ اور پھر فرمایا کہ اس نے دارِ فنا پر دارِ بقاء کو ترجیح دی۔ آپ کی حسب ہدایت پیڑ کو منبر کے نیچے دفن کر دیا گیا۔
حسن رضی اللہ عنہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو روتے اور کہتے اے بندگانِ خدا! ایک لکڑی کی ناث رسول اللہ
کی جدائی پر روتی ہے تو تم اس سے زیادہ مستحق ہو کہ آپ کا لقاء (ملاقات) کا اشتیاق کرو۔

**عینِ قتادہ کا عود**۔ غزوۂ احد میں قتادہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے تیروں کی بوچھاڑ کو بچارہے
تھے کہ انکی آنکھ میں تیر لگا اور اس آنکھ کا دیدہ گال پر گرا اور قتادہ اسکو ہاتھ میں لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس دوڑتے آئے۔ قتادہ کے ہاتھ میں انکا دیدہ دیکھکر آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور آپ نے فرمایا۔ اگر تم چاہتے
ہو تو صبر کرو تمھیں جنت ملیگی اور اگر چاہتے ہو تو آنکھ کو واپس دلادوں اور تمھارے لئے اللہ سے دعا کروں اس میں
کوئی کمی نہ ہوگی۔ قتادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جنت جزائے جمیل اور عطائے جلیل ہے لیکن میں ایک مرد ہوں
جو عورتوں کی محبت میں مبتلا ہوں۔ وہ مجھکو اندھا کہیں گی اور مجھے بُرا معلوم ہوگا۔ آپ آنکھ کو واپس دلادیجئے اور
میرے لئے جنت کی بھی دعا دیجئے۔ آپ نے قتادہ کی آنکھ اسکی جگہ پر لگادی اور دعا کی، یا اللہ تو قتادہ کی آنکھ کو اسی طرح
بچا جس طرح قتادہ نے تیرے نبی کے چہرے کو بچایا۔ اس آنکھ کو دیکھنے میں بہتر اور بینائی میں تیز تر کردے! ایسا ہی ہوا
جب دوسری آنکھ کو آشوب ہوتا تو یہ آنکھ اچھی ہی رہتی۔

**شہادتِ ضب**۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کی محفل میں تشریف فرما تھے ایک اعرابی جس نے (سوسمار)
گھوڑ پوڑ پکڑی تھی آیا اور جماعت میں سے آپ کی طرف اشارہ کرکے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے
نبی ہیں۔ اعرابی نے کہا، لات اور عزیٰ کی قسم میں ان پر ایمان نہ لاؤنگا جبتک کہ یہ سوسمار ایمان نہ لائے۔ یہ کہکر اس نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوسمار کو ڈالدیا۔ سوسمار زندہ تھا۔ آپ نے یا ضبّ کہکر پکارا تو اس نے
کھلی زبان میں جواب دیا لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا زَيْنَ مَنْ وَافَى الْقِيَامَةَ۔ لبیک و سعدیک اے زینت ان تمام

کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سب سے افضل قرآن ہے اور اسکو مداومت بھی حاصل ہے قیامت تک باقی رہیگا۔ آیت ۱۵/۴ ۔ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۔ اگر انس وجن اتفاق کرلیں اور اس قرآن کے مانند کہنا چاہیں تو نہ کہہ سکیں گے اگرچہ اس بارے میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ ساری مخلوقات میں سے انس وجن کی تخصیص اسلئے کی کہ ان دونوں ہی سے اعتراض کا تصور ہوسکتا تھا بخلاف دوسروں کے۔ ملائکہ کی عصمت انکے اعتراض کی مانع تھی۔ پورے قرآن کے معجزہ ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف ہے تو اس بارے میں کہ معجزہ ہونیکے لئے قرآن کی اقل مقدار کس قدر ہے۔ اہل تحقیق میں سے جمہور کی رائے یہ ہے کہ سب سے چھوٹی سورت یا تین آیتیں کافی ہیں۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ سورت اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ یا ایک آیت یا آیتیں جو اس سورت کی مساوی ہوں کافی ہیں۔ قول اول کے لحاظ سے ایک آیت یا دو آیتیں معجزہ نہیں ہوسکتیں۔ مقصد یہ ہے کہ طویل آیت اسی طرح معجزہ ہوسکتی ہے جس طرح تین آیتیں۔ قرآن کے اعجاز کی وجہ کیا ہے اس بارے میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکو ایسا کہنے سے روکا ہے حالانکہ وہ ایسا کہہ سکتے تھے اسکو قول صرفہ کہتے ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ اعجاز کی وجہ یہ ہے کہ قرآن فصاحت وبلاغت میں بلند ترین درجہ رکھتا ہے، غیب کے امور اور علوم کی باریکیوں کی خبر دیتا ہے اور مبدأ اور معاد کے احوال بیان کرتا ہے۔ اسی طرح اور بہتیرے اَن گنت خوبیاں ہیں یہی آخرالذکر وجہ اعجاز صحیح ہے۔ بقیہ مباحث قرآن آگے بیان کئے جائیں گے۔

**شقِّ قمر**۔ ابن مسعودؓ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے کہا۔ ہم رسول اللہؐ کے ساتھ تھے کہ چاند دو ٹکڑوں میں شق ہوگیا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا دوسری طرف۔ رسول اللہؐ نے ہم سے فرمایا۔ اشھدوا۔ دیکھو۔ کفار قریش نے کہا یہ جادو ہے اور انھوں نے اطراف کے لوگوں کے پاس قاصد بھیجے تاکہ دریافت کریں کہ آیا انھوں نے بھی اس طرح دیکھا تھا یا نہیں، اُن لوگوں نے خبر دی کہ انھوں نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔ پھر بھی کفار قریش اس بات پر اڑے رہے کہ یہ جادو تھا۔ چاند آسمان پر ہی دو ٹکڑوں میں شق ہوا تھا۔

**تسبیح حجر و شجر**۔ علی کرم اللہ وجہہ نے بیان کیا۔ میں رسول اللہؐ کے ساتھ مکہ سے نکلا بعض مضافات کی طرف راستے میں جو پتھر اور درخت ملے کہتے تھے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

**تسبیح حصیٰ**۔ حسن بن مالکؓ نے کہا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تھے۔ آپ نے ایک مٹھی بھر کنکریاں اپنے ہاتھ میں لیں، کنکریاں آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھ رہی تھیں اور ہم نے انکی تسبیح سنی۔ پھر آپ نے ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں ڈالیں، کنکریاں تسبیح پڑھ رہی تھیں پھر عثمانؓ کے ہاتھ میں دیں اور وہ تسبیح پڑھتی رہیں اور پھر ہمارے ہاتھ میں ڈالیں تو تسبیح نہیں پڑھی۔

**حنین جذع**۔ یہ حدیث مشہور اور متواتر ہے۔ مسجد نبوی میں منبر کے قائم کرنیکے پہلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جبتک کہ سیکھی ہوئی آیتوں کے مفہوم کو ذہن نشین نہ کرلیں اور اس پر عمل نہ کریں۔ اعمش نے بواسطہ وائل ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص دس آیتیں سیکھتا تو آگے نہ بڑھتا جبتک کہ ان آیتوں کے معانی کو سمجھ جائے اور ان پر عمل کرے۔ حجۃ الوداع کے خطبہ کے آخر میں آپ نے آسمان کی طرف انگلیاں اٹھائیں اور کہا اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ۔ یا اللہ میں نے پہنچا دیا' تین بار کہا اور پھر ارشاد ہوا۔ اَلَا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ۔ چاہئے کہ جو حاضر ہے غائب کو پہنچا تا جائے۔ ان احادیث میں تبلیغ سے مراد معانی کی تفہیم اور تعلیم بھی ہے آپکے پیغام کی صداقت اس آیت سے ظاہر ہے۔ ۵۳/۴۔ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی نفس کی خواہش سے نہیں کہتا بجز اسکے کہ وحی بھیجی جائے۔

**اتباعِ رسول** کی ہدایت ان آیتوں میں کی گئی ۴/۸۰۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی۔ ۵۹/۷۔ وَمَا اٰتٰیکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰیکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ رسول تم کو جو کچھ دے لے لو اور جس چیز سے روکے اُس سے باز رہو ۴/۶۴۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ ہم نے رسول کو صرف اس غرض سے بھیجا ہے کہ خدا کے حکم سے اُنکی پیروی کی جائے۔ آیت ۳/۳۱۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمھیں چاہیگا۔ آیت ۳۳/۲۱۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ تمھارے لئے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے (پیروی کرنیکے لئے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک موقوف نہیں بلکہ صحابہ تابعین اور اتباعِ تابعین کو بھی امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ہدایت دیگئی۔ آیت ۳/۱۱۰۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ تم ایک بہترین امت ہو انسانوں (کی بہی خواہی) کیلئے ظاہر کئے گئے ہو تا کہ بھلائی کی ہدایت دیں اور برائی سے روکیں۔ آیت ۳/۱۰۴۔ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ چاہئے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے اور بُری باتوں سے روکے۔

**مراتبِ صحابہ**۔ ص۹۱ پر صحابی کی تعریف بیان کی گئی ہے یہاں انکے فضائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔ آیت ۵۸/۲۲ آخر اُولٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اُولٰئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اُنکے دلوں میں ایمان کا نقش جما دیا اور اُنھیں اپنی قوتِ غیبی سے تقویت بخشی۔ اُنھیں بہشتوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں؛ ہمیشہ رہیں گے اس میں اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے رضامند ہوئے۔ یہ اللہ کا گروہ ہے اور جان لو کہ یہی گروہ فلاح پانیوالا ہے۔ آیت ۴۹/۳۔ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ۔ ان لوگوں کے دلوں کی اللہ نے آزمائش کرلی ہے۔

کی جو قیامت تک آئیگی آپ نے پوچھا مَنْ تَعْبُدُ تو کس کی عبادت کرتا ہے تو جواب دیا۔ جس کا عرش آسمان میں ہے' زمین میں جس کی حکومت ہے' دریا میں جس کا راستہ ہے' جنت میں جس کی رحمت ہے' دوزخ میں جس کا عذاب ہے۔ پھر آپ نے پوچھا میں کون ہوں۔ جواب دیا' آپ ربّ العالمین کے پیغمبر اور خاتم الانبیاء ہیں جس نے آپ کی تصدیق کی فلاح پائی اور جس نے آپ کی تکذیب کی حرمان نصیب ہوا۔ اعرابی نے اسلام قبول کیا۔

جوہرۃ التوحید **براءت عائشہ۔** ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعتقاد واجب ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عائشہ رضی اللہ عنہا' ام المومنین کی نسبت منافقین نے ایک بہتان لگایا اور اسکی اشاعت کی۔ عبداللہ ابن ابی سلول نے اسکو شہرت دی۔ عبداللہ کے باپ کا نام ابی اور ماں کا نام سلول تھا۔ عائشہؓ کی براءت میں قرآن میں دس آیتیں نازل ہوئیں اور بہت سی صحیح احادیث وارد ہوئیں اور اس پر اجماع بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عائشہؓ کی براءت میں یہ آیتیں نازل کیں ۱۱-۱۸ اِنَّ الَّذِيْنَ جَاۗءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ سے دس آیتیں اُولٰۗىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ تک۔ اس پر ابوبکر صدیقؓ نے عائشہؓ سے فرمایا' اٹھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو۔ آپ نے جواب دیا لا وَاللّٰهِ لَا اَشْكُرُ اِلَّا اللّٰهَ الَّذِيْ بَرَّاَنِيْ۔ نہیں خدا کی قسم شکریہ ادا نہ کرونگی سوائے اللہ تعالیٰ کے جس نے مجھکو بری کیا۔ عائشہؓ نے ایسا اسلئے نہیں کہا کہ انکے دل میں رسول اللہ کیجانب سے کوئی بات تھی' عائشہؓ کا مقام اس بات سے بہت ارفع و اعلیٰ تھا۔ بیشک وہ شہود کے مقام میں غرق تھیں۔ اس بہتان کی مسطح نے خبر پھیلائی تھی جس کو ابوبکر صدیقؓ نفقہ دیا کرتے تھے جب آپ کو خبر ہوئی کہ اس نے اس بہتان میں حصّہ لیا ہے تو آپ نے قسم کھالی کہ آپ اسکی مدد نہ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ آیت ۲۲-۲۴ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اور نہ قسم کھائیں تم میں سے صاحبِ فضل اور کشایش والے اس پر کہ دیں رشتہ داروں اور محتاجوں اور مہاجرین کو اللہ کی راہ میں' ابوبکر صدیقؓ نے حسب معمول انکا نفقہ جاری کردیا۔

**تبلیغ۔** پیغمبروں کے حق میں عام طور پر چار امور صدق' فطانت' امانت' اور تبلیغ واجب ہیں جنکی تفصیل اسکے قبل صفحہ ۲۰ پر بیان کیجا چکی ہے۔ یہاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے احکام تبلیغ اور آپکی اتباع کی ہدایات کی صراحت کیجاتی ہے۔ آیت ۶۷ ا۔ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ پہنچا دو ان باتوں کو جو تم پر اتاری گئیں ہیں تمھارے پروردگار کی طرف سے۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو گویا رب کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ آیت ۴۴ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ ہم نے تمھاری طرف ذکر کو اتارا تاکہ بیان کرو تم لوگوں کو وہ بات جو انکے لئے اتاری گئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ صرف الفاظ کے پہنچا دینے کی نہیں بلکہ معنی و مفہوم کے سمجھا دینے کی ہدایت کیگئی۔ چنانچہ آپ کا عمل یہ تھا کہ چند آیتیں سمجھاتے اور سکھاتے اور اسوقت تک آگے نہ بڑھتے

اپنے نفوس پر اگرچہ وہ خود تنگی میں ہوں اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا رہا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اور جو لوگ انکے پیچھے آئے کہتے ہیں، پروردگار ہمارے بخش دے ہمکو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں کینہ کی پرورش نہ کر اُن لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں۔ پروردگار ہمارے، تو ہی شفقت اور رحم کرنیوالا ہے۔ آیت ۳ آخر۔ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اے نبی کافی ہے تمکو اللہ اور ایمان والے جو تمھاری پیروی کرتے ہیں۔

**حدیث**۔ اَصْحَابِیْ اَمَنَةٌ لِاُمَّتِیْ۔ میرے اصحاب امناء اور محافظ ہیں میری امت کے۔ آپ نے فرمایا صحیح مسلک وہ ہے (مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ) جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ حدیث۔ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ اَنْفَقَ اَحَدُکُمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ اللہ اللہ، میرے بعد میرے اصحاب کو نشانہ نہ بناؤ تم۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی اُحد کے پہاڑ کی مقدار میں بھی سونا خیرات کرے تو اُن صحابہ میں سے کسی کے ایک مُد یا نصف مُد کے صدقے کے برابر نہ ہوگا مُد بارہ چھٹانک یا تین پاؤ کے مساوی ہے۔

**اصحاب** رسول اللہ کا رتبہ پیغمبروں اور نبیوں کے بعد ہے۔ حدیث۔ اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ سِوَی النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ بیشک اللہ تعالےٰ نے میرے اصحاب کو تمام دنیا والوں پر فضیلت دی انبیاء اور مرسلین کے سوائے یعنی پیغمبروں اور نبیوں کے بعد صحابۂ رسول کا درجہ ہے۔

**افضل صحابہ** وہ اصحاب ہیں جو خلافتِ عظمٰی پر فائز ہوئے۔ مصالحِ مسلمین میں بالعموم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کو خلافتِ عظمٰی کہا گیا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافتِ عظمٰی کی مدت کا اندازہ اس حدیث میں کیا ہے۔ اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ ثُمَّ تَصِیْرُ مُلْکًا عَضُوْضًا۔ میرے بعد خلافت تیس ۳۰ برس رہیگی اور پھر تنگ کرنے والی حکومت ہو جائیگی یعنی ایسی حکومت ہوگی جو رعایا کیلئے باعثِ تنگی و مشقت ہوگی۔ چار اصحاب خلافتِ عظمٰی پر فائز ہوئے جن کی ترتیب اور مدتِ خلافت درج ذیل ہے۔

**ابوبکر** رضی اللہ عنہ دو ۲ سال تین ۳ مہینے اور دس ۱۰ یوم۔

**عمر** رضی اللہ عنہ دس ۱۰ سال چھ ۶ مہینے آٹھ ۸ یوم۔

**عثمان** رضی اللہ عنہ گیارہ ۱۱ سال گیارہ ۱۱ مہینے اور نو ۹ یوم۔

**علی** کرم اللہ وجہہ چار ۴ سال نو ۹ مہینے اور سات ۷ یوم۔ انکی جملہ مدت ۲۹ انتیس سال ۶ چھ مہینے ۴ چار یوم ہوتی ہے۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تیس سال کی مدت کی تکمیل اُسی صورت میں ممکن ہے جبکہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ کو اس میں شریک کیا جائے۔ اسی پر معاویہؓ کا یہ قول مبنی ہے اَنَا اَوَّلُ الْمُلُوْكِ میں بادشاہوں میں پہلا ہوں۔

آیت ۱/۱۱ ۔ اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔ سبقت کرنے والے سب سے پہلے مہاجرین اور انصار ہیں اور جنہوں نے انکی پیروی کی نیکی کے ساتھ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ آیت ۲۶/۱۱ آخر۔ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا اور لازم کردیا ان پر پرہیزگاری کا قول اور وہ اسکے حقدار تھے اور ان میں اسکی اہلیت اور صلاحیت بھی تھی۔ آیت ۹/۱۵ ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں، پروردگار کے پاس اُنکے بڑے رتبے ہیں، اور بخشایش ہے اور اچھی روزی ہے۔ آیت ۵ آخر لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔ البتہ جان لیتے ہیں اُسکو جو تحقیق سے معلوم کرلیتے ہیں ان میں سے۔ آیت ۲۰/۱۴ ماقبل وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۔ نہیں سمجھ سکتے اسکو مگر علم والے۔ آیت ۳/۹ ۔ اَلرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ۔ مضبوط علم رکھنے والے ہیں۔ آیت ۲۶/۱۲ آخر۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو اُنکے ساتھ ہیں، کفار پر سخت گیر ہیں اور آپس میں رحمدل تم انکو دیکھتے ہو رکوع کرتے ہیں سجدہ کرتے ہیں، اللہ کا فضل اور رضامندی چاہتے ہیں، سجدوں کے اثر سے انکے چہروں پر نشان (بنگئے) ہیں۔ اُنکی مثال تورات اور انجیل میں ہے۔ آیت ۱/۲ ۔ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ جس دن اللہ رسوا نہ کریگا اپنے نبی کو، اور جو لوگ نبی کے ساتھ ہیں ایمان والے، انکا نور دوڑتا ہوگا اُنکے آگے اور داہنے جانب، کہتے ہونگے، پروردگار ہمارے، پورا کر ہمارے نور کو اور بخش دے ہم کو، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

آیت ۹/۲ ۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ یہ مال فقراء مہاجرین کیلئے ہے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں اور اپنے مالوں سے (محروم ہوئے ہیں)، صرف اللہ کا فضل اور رضامندی چاہتے ہیں، اللہ اور اسکے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہ سچے ہی سچے ہیں۔ آیت ۹/۲ ۔ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ اور وہ لوگ جنہوں نے ان سے پہلے، بنالئے گھر اور ایمان، محبت کرتے ہیں ہجرت کرکے آنیوالوں سے، اور جو چیز انکو ملی ہے اسکی نسبت اپنے دلوں میں حاجت نہیں پاتے، انکو ترجیح دیتے ہیں

توگویا یہ آیت ان تینوں کی امامت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ آیتؑ ۱۵ ہ۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہیں خلیفہ بنائیگا انکو ملک میں جیسا خلیفہ بنایا تھا انکے پہلے کے لوگوں کو، اور قائم کر دیگا انکا دین جو پسند کیا انکے واسطے اور انکے خوف کو امن سے بدل دیگا۔ اس آیت میں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ سے خطاب ہے حاضرین کی اس جماعت کی طرف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں موجود تھی اور جنکو خلافت پہنچیگی۔ یہاں چاروں صحابہ مراد ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم جو اظہار دین کی قدرت رکھتے تھے۔ آیت ۳۰/۱۲ ۱۸۔ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهٗ يَتَزَكّٰى۔ بچادینگے اس سے بڑے تقوی والے کو، جو اپنا مال اپنے تزکیہ کیلئے دیتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں اتقیٰ سے مراد خلق کا افضل شخص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آیت ۲۶/۱۴ ۳۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (اللہ کے پاس بڑی عزت ہے تم میں سے اس شخص کی جو زیادہ ادب والا اور پرہیزگار رہے) میں امت کا اجماع ہے کہ افضل سے مراد ابوبکر صدیقؓ ہیں یا علیؓ۔ علیؓ پر یہ آیت اسلئے محمول نہیں ہوتی کہ اتقیٰ کی صفت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کی۔ آیت ۳۰/۱۲ ۲۰۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى۔ اور اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دے۔ علیؓ کا یہ حال نہ تھا۔ تو پھر یہ آیت ابوبکر صدیق پر محمول ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۳۰/۱۲ ۲۱۔ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى۔ مگر اپنے رب کی رضا جوئی میں جو اعلیٰ ہے اور قریب میں وہ راضی ہوگا۔ سوف استقبال کیلئے ہے یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے زمانہ میں افضلِ خلق ابوبکر صدیق تھے۔ ولسوف یرضیٰ دلالت کرتا ہے کہ یہ صفت ابوبکر صدیقؓ میں، مستقبل میں بھی باقی رہیگی۔ جب یہ آیت افضلیت پر دلالت کرتی ہے تو ان کی امامت کی صحت قطعی طور پر واجب ہے۔

**حدیث**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ۔ فتوے میں ان کی اقتداء کو واجب گردانا اور اس سے ان دونو کی امامت واجب ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اَلْخِلَافَةُ بَعْدِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَصِيْرُ مُلْكًا عَضُوْضًا۔ گویا یہ تخصیص ہے انکے سچے خلیفہ ہونے کی نہ کہ ملوک ظالمین ہونے کی۔ آپ نے ابوبکر صدیقؓ اور عمر خطاب رضی اللہ عنہما کی نسبت فرمایا۔ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ اگر وہ امامت میں غاصب ہوتے تو یہ حکم ان کے لائق نہ ہوتا۔ اسی طرح وہ حدیث جو عشرۂ مبشرہ کی بشارت پر دلالت کرتی ہے ان تینوں کی امامت کی صحت پر بھی دلالت کرتی ہے۔

**اجماع** اس پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق یا عباس یا علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ عباسؓ اور علیؓ نے امامت کے بارے میں ابوبکر صدیقؓ سے مقابلہ نہیں کیا۔ حالانکہ قدرت واقتدار کے سارے اسباب علیؓ میں موجود تھے اور ابوبکر صدیقؓ میں مفقود۔ اگر انکو امامت کا حق حاصل ہوتا اور منازعہ کو ترک کرتے تو انکی جانب سے بڑی غلطی ہوتی اور یہ غلطی

صحابہ
**فضیلت خلفاء**۔ جس ترتیب سے خلافت کے منصب پر فائز ہوئے ہیں اہلِ سنت کے پاس اُسی ترتیب سے خلفاء راشدین کو فضیلت حاصل ہے۔ اور فضیلت سے مراد کثرتِ ثواب ہے علیٰ حسبِ ترتیبِ خلافت۔ افضل صحابہ ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ اور پھر علیؓ ہیں۔ اس فضیلت پر ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ کہتے سنا۔ خَيْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ فَلَمْ يَنْهَنَا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو افضلیت کی یہ ترتیب بیان کرتے سنا اور منع نہیں کیا۔ سعد نے کہا کہ ہم نے سلف اور خلف دونو کو اسی پر متفق پایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر انکے پاس اس بارے میں دلیل نہ ہوتی تو ایسا حکم نہ لگاتے اس متفقہ قول سے فرقہ جاتِ خطابیہ راوندیہ اور شیعہ کی تردید ہوتی ہے۔ خطابیہ اُس فرقہ کا نام ہے جو ابن خطاب اسدی کی طرف منسوب ہے۔ یہ فرقہ عمر رضی اللہ عنہ کی تقدیم کی تائید کرتا ہے۔ راوندیہ فرقہ کو عباسیہ کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرقہ سارے صحابہ پر عباس بن عبد المطلب کی تقدیم ظاہر کرتا ہے۔ عباسیہ کے نام سے شبہ پیدا ہوتا تھا کہ شاید اس فرقہ کو عباسؓ کی اولاد سے تعلق ہوگا، اسلئے اس فرقہ کے عباسیہ کے نام کو بدلکر راوندیہ رکھا گیا۔ فرقہ شیعہ نے حبِّ علی میں مبالغہ کرکے آپ کو سارے صحابہ پر ترجیح دی بعض اہلِ کوفہ، بعض اہلِ سنت اور جمہور معتزلہ اور سیدنا مالکؒ نے اپنے قولِ اول میں علیؓ کو عثمانؓ پر ترجیح دی ہے۔ فرق یہ ہے کہ ان سبھوں نے صرف عثمانؓ پر اور شیعہ اصحاب نے سارے اصحاب پر علیؓ کی تقدیم ظاہر کی۔ **رازی** نے الدین میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اس پر قرآن، خبر اور اجماع دلالت کرتے ہیں۔

**قرآن**۔ آیت ۲۶/۱ ۶۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلٰى قَوْمٍ أُولِيْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ ... إلى آخر الآيہ۔ کہدو اعراب سے جو پیچھے رہ گئے ہیں، قریب میں تم بلائے جاؤگے ایسی قوم کی طرف جو بڑے بہادر ہونگے۔ یہاں ابوبکرؓ، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ آیت ۲۶/۲ ۵۔ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلٰى مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلَامَ اللّٰهِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ کہیں گے وہ جو پیچھے رہ گئے ہیں جب غنیمت کے مال لینے چلوگے، چھوڑ دو ہم چلیں تمہارے ساتھ، چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا حکم، تو کہدو تم ہمارے ساتھ نہ چلوگے، اس طرح کہدیا اللہ نے پہلے سے۔ ان لڑائیوں سے غرض اسلام کی تحصیل تھی حضرت علیؓ کی لڑائیوں سے تحصیل اسلام مقصود نہ تھی۔ اسلئے کہ اسلام سے مراد اقرار ہے جو اعتقادِ ظاہری پر دلالت کرتا ہے جو حاصل تھا۔ تو پس ان آیتوں سے ان تینوں اصحاب میں سے کوئی مراد ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انکی اطاعت کو واجب گردانا۔ آیت ۲۶/۱ ۲۔ فَإِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا۔ پھر اگر اطاعت کروگے تو اللہ دیگا تم کو اچھا اجر اور اگر پلٹ جاؤگے جیسا کہ اسکے پہلے پلٹ گئے تھے تم کو دردناک عذاب دیگا۔ جب ان تینوں میں سے کسی ایک کی اطاعت واجب گردانی گئی تو ان سب کی اطاعت واجب ہوئی۔ اسلئے کہ کوئی ان میں فرق کا قایل نہیں ہے۔

اور تبع تابعین کا زمانہ۔ ہجویری نے لکھا ہے کہ ایک زمانہ کے لوگوں کو قرن کہتے ہیں جو آپس میں قربت رکھتے ہیں اور کسی مقصد میں آپس میں مشارکت رکھتے ہیں جیسا کہ صحابہ جو صحبتِ رسول میں اشتراک رکھتے ہیں اور اسی طرح ان کے بعد کے لوگ۔ بعض کا قول ہے، قرن زمانہ کو کہتے ہیں جس زمانہ کے لوگ کسی مقصد میں باہمی اشتراک رکھتے ہیں۔ اس کو قرن اسلئے کہا گیا کہ ایک امت کو دوسری امت سے ملاتا ہے۔

**عشرۂ مبشرین** کا درجہ ان بعد ہے۔ یعنی اتباعِ تابعین کے بعد عشرۂ مبشرین کا درجہ ہے۔ عشرۂ مبشرین اُن دس اصحاب کو کہتے ہیں جنکو جنت کی بشارت دیگئی ہے۔ ترمذی اور ابن حبان میں عبدالرحمن بن عوف سے اس حدیث کی روایت کیگئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَبُوْبَکْرٍ فِی الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِی الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَعَلِیٌّ فِی الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ وَالزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِی الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ فِی الْجَنَّةِ وَاَبُوْعُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِی الْجَنَّةِ وَسَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ فِی الْجَنَّةِ۔ عشرۂ مبشرہ میں چار خلفاء راشدین ہیں اور بقیہ چھے کے پورے نام یہ ہیں۔ طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، عبد الرحمٰن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص سعید بن زید و ابو عبیدہ عامر بن الجراح۔ ان چھ اصحاب کی باہمی فضیلت کی نسبت کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے اور توقیف نہیں ہے اسلئے اس بارے میں کوئی اظہار رائے نہیں ہو سکتا۔ جس کی تعداد تو اُن اصحاب کی ہے جن کے نام حدیث مشہور میں بیان کئے گئے ورنہ اُن اصحاب کی تعداد جنکو جنت کی بشارت دیگئی ہے وہ دس سے زیادہ ہیں۔ حسنؓ و حسینؓ اور اُنکی والدۂ ماجدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جنت کی بشارت دیجانا قطعی طور پر ثابت ہے۔

**اہلِ غزوۂ بدر** کا درجہ اُنکے بعد ہے یعنی عشرۂ مبشرین کے بعد اہلِ غزوۂ بدر کا درجہ ہے۔ اُن میں جنکی شہادت ہوئی اور جنکی شہادت نہیں ہوئی ان دونوں کے مراتب میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ اس غزوہ میں جملہ چودہ ۱۴ اصحاب شہید ہوئے جن میں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔ بدر ایک وادی کا نام ہے اور بعض کہتے ہیں ایک کنویں کا نام ہے جسکی تعمیر جاہلیت میں ایک شخص نے کی تھی جس کا نام بدر تھا۔ سیرتِ شامیہ میں لکھا ہے کہ بدر ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر تھا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو سترہ ۳۱۷ تھی اور بعض کہتے ہیں تین سو تیرہ ۳۱۳۔ اس فوج میں صرف دو گھوڑے تھے ایک مقداد بن اسود کے پاس اور دوسرا زبیر بن عوام کے پاس تھا۔ اونٹوں کی تعداد ستر تھی۔ مشرکین کی فوج کی تعداد ایک ہزار ۱۰۰۰ تھی جنکے ساتھ سو ۱۰۰ گھوڑے اور سات سو ۷۰۰ اونٹ تھے۔ مشرکین بدر کے کنویں کو پہنچکر کنویں کا گھیراؤ ڈال چکے تھے مسلمان اس پانی تک نہ پہنچ سکے تھے، پیاسے ہوگئے۔ اتنا ہوا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر مینھ برسایا اتنا کہ وادی میں نالے دوڑے۔ لوگ نہائے، دھوئے، پانی پیا، اپنے مویشی کو پانی پلایا اور اپنی مشکیں بھر لیں۔ مینھ کے پانی نے ریت کی سطح کو سخت کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتے پڑھتے صبح کر دی۔ اور صبح میدانِ جنگ کی طرف تشریف لیگئے اور اشارہ کر کے آپ نے بتایا کہ قریش کا فلاں فلاں شخص اس اس جگہ قتل ہوگا (چنانچہ ختم جنگ کے بعد آپ کی پیشین گوئی

ان دونوں کی امامت کو مجروح کرتی۔ اگر نقصِ جلی سے علیؓ کو امامت کا حق ہوتا تو یہ امت گویا
کیلئے وجود میں آئی لیکن اسکی تردید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۱۔ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّ
۱۔ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے ک
مرض موت کے زمانہ میں ابوبکر صدیقؓ کو نماز میں اپنی جگہ قائم کیا۔ پس خلافت آپ کو عا
امام ہونا ثابت ہوا تو دیگر سارے امور میں آپ کی امامت ثابت ہوئی۔

**غزالیؒ** نے لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت انکی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے
جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے کوئی دوسرا اس
توصیف میں بہت سی آیتیں اور اخبار وارد ہوئے ہیں۔ فضیلت اور ترتیب کے دقیقو
قراینِ احوال اور دقایقِ تفصیل کے ساتھ وحی اور تنزیل کا مشاہدہ کیا ہے۔ اگر انکو یہ ف
نہ دیتے۔ ان حضرات کی ایسی بزرگ ہستی تھی کہ للہی معاملات میں انکے کردار پر کسی حرف
انکو حق سے نہیں پھیر سکتی تھی۔

**تابعین** کا رتبہ صحابہ کے بعد ہے اور صحابہ سے متصل ہے۔ تابعی اُس شخص کو کہتے ہیں جو
کے ساتھ۔ طولِ اجتماع کی شرط نہیں ہے جیساکہ صحابی رسول کیلئے طولِ اجتماع کی شرط نہ
نے اس قول کی تصحیح کی ہے اور قول معتمد بھی یہی ہے۔ ورنہ مشہور طریقہ کے لحاظ سے تا
جو صحابی میں نہیں ہے۔ شافعیہ میں صحابی اور تابعی دونوں کیلئے تمیز کی شرط نہیں ہے۔ تاب
ہیں اور تابعیات میں حفصہ بنت سیرین۔

**اتباع** تابعین کا درجہ تابعین کے بعد ہے۔ اتباع وہ ہیں جو تابعین میں سے کسی سے ملے
الَّذِيْنَ يَلُوْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔ میری امت میں سب سے بہت
آئے، پھر وہ جو اُن سے متصل آئے، پھر وہ جو اُن سے متصل آئے۔ بظاہر اسکا نتیجہ یہ ہے کہ تین قرو
ہیں۔ ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ بقیہ قرون کے لوگوں میں بھی بلحاظ حقیقت کے لحاظ سے تفاوت ہے کہ
افضل ہیں اور یہی طریقہ قیامت تک رہیگا۔ حدیث۔ مَا مِنْ يَوْمٍ اِلَّا وَالَّذِيْ بَعْدَ
يَحْيَا بِهٖ كُفْرٌ۔ ہر ایک بعد کا دن اُسکے قبل کے دن سے بُرا ہے۔ بیشک تمہارے زمانے میں کے ا
ہے۔ مَثَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يُدْرٰى اَوَّلُهٗ خَيْرٌ اَوْ آخِرُهٗ وَالْعَ
کی مثال مینھ کی جیسی ہے، یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اسکے ابتدائی حصہ میں بھلائی ہے یا آخری حصہ
**قرن** کہتے ہیں اسّی سال کی مدت کو اور بعض کہتے ہیں زمانہ کی ایک مدت کو جیساکہ ز

مِنْكُمْ اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ - میں تم سے بری الذمہ ہوں، میں جو دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور کہنے لگا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَنْشُدُكَ اِنِّیْ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ - یا اللہ قسم کھاتا ہوں تیری، میں مہلت یافتہ ہوں۔ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے نماز کے ختم ہونے پر صحابہ نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔ میکائیل میری طرف سے گزرے۔ انکے گھٹنوں پر گرد کا اثر تھا مشرکین کا تعاقب کر کے لوٹے تھے اور مجھکو دیکھکر ہنسنے لگے تو میں مسکرا دیا۔ قتال کے بعد جبرئیل بھیجے آپ سے کہا یا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ اِلَیْكَ وَ اَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اُفَارِقَكَ حَتّٰی تَرْضٰی هَلْ رَضِیْتَ قَالَ نَعَمْ - اے محمد اللہ تعالیٰ نے مجھکو آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں جب تک کہ آپ راضی ہوں تو کیا آپ راضی ہیں تو آپ نے فرمایا ہاں۔ جبرئیل جیسے تنہا ایک فرشتہ میں ایسی قدرت ہے کہ کافروں کی قوت کو توڑدے بلکہ دنیا کا تختہ پلٹ دے تو پھر میدانِ جنگ میں فرشتوں کی موجودگی اور لڑائی میں علاً انکی شرکت میں یہ حکمت مضمر تھی کہ فوجی لڑائی کی عادت کے موافق مسلمانوں کی فوج کی تعداد میں فرشتے اضافہ کریں اور بطورِ مدد شامل ہوجائیں، بندوں کے اعمال جس طرح ظاہری اسباب کے ساتھ جاری ہوتے ہیں اسکے موافق عمل رونما ہو۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے صرف غزوۂ بدر میں عملی طور پر حصہ لیا ورنہ یہ بات ظاہر ہے کہ کفار کے ساتھ مسلمانوں کی ہر ایک لڑائی میں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ فرشتوں کی موجودگی قیامت تک جاری رہے گی، مسلمانوں کی تعداد کی کثرت کے اظہار کیلئے۔

**اہلِ غزوۂ اُحد** کا رتبہ انکے بعد ہے۔ یعنی اہلِ غزوۂ بدر کے بعد اہلِ غزوۂ احد کا رتبہ ہے۔ ان میں بھی سب کا رتبہ مساوی ہے، میدانِ جنگ میں شہید ہوئے ہوں یا شہید نہ ہوئے ہوں۔ مسلمانوں کی تعداد اس جنگ میں ایک ہزار تھی جن میں تین سو منافقین تھے جو عبد اللہ بن ابی سلول کے ساتھ لوٹ گئے۔ مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔ مشرکین کھلے میدان میں تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے دامن میں مسلمانوں کی صف بندی کی۔ عقب کی حفاظت کیلئے آپ نے چند تیر اندازوں کو عبد اللہ بن جبیر کی نگرانی میں گھاٹی پر متعین کیا تھا تاکہ دشمنوں کی فوج پیچھے سے حملہ نہ کرے۔ لڑائی چھڑی اور ابتدائی حملے میں جب کافروں کی جماعت بکھر گئی تو دیگر مسلمانوں کے ساتھ گھاٹی کے تیر انداز بھی مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوگئے نتیجہ یہ ہوا کہ کافروں نے اس گھاٹی کے راستہ سے گھوم کر حملہ کردیا۔ لڑائی نے شدت پکڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک عتبہ بن ابی وقاص کے پتھر سے شہید ہوئے اور آپ کے رخسار پر زخم آیا۔ اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور کفار بھی اسی قدر مارے گئے۔ ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لیکر پسپا ہوگیا۔ اس لڑائی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ابی ابنِ خلف مارا گیا، ورنہ اسکے سوائے کوئی اور آپ کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا۔ حمزہؓ اس جنگ میں شہید ہوئے۔

**اہلِ بیعتِ رضوان** کا رتبہ انکے بعد ہے۔ یعنی اہلِ غزوۂ اُحد کے بعد اہلِ بیعت رضوان کا رتبہ ہے۔ انکی تعداد چودہ سو تھی واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ کو آتے ہوئے حدیبیہ کے مضافات میں اترے تھے کہ مشرکین نے مکہ میں داخل ہونے سے آپ کو روکا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفانؓ کے ساتھ ایک چٹھی

کی پوری تصدیق ہوگئی وہ شخص اسی جگہ مرا ہوا پایا گیا) آیت ۴ اوّل۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (اور جب فجر کو تم اپنے گھر سے نکلے اور مسلمانوں کے لڑائی کے مقامات مقرر کئے) میں اسی طرف اشارہ ہے۔ آپ نے خطبہ دیا اور ثابت قدمی کی ہدایت کی اور دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدْ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُمَّ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ ظَهَرُوْا عَلٰى هٰذِهِ الْعِصَابَةِ ظَهَرَ الشِّرْكُ وَلَا يَقُوْمُ لَكَ دِيْنٌ۔ اگر یہ جماعت آج کے دن ہلاک ہوجائیگی تو روئے زمین پر کوئی تیری عبادت نہ کریگا یا اللہ میں قسم دیتا ہوں تجھکو تیرے عہد اور تیرے وعدہ کی، یا اللہ اگر وہ غلبہ پائیں گے اس جماعت پر تو شرک کو غلبہ ہوگا اور تیرا دین قائم نہ رہیگا۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، سجدہ میں بار بار کہتے رہے یَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اور سجدہ میں اتنی دیر تک اس کا وظیفہ پڑھتے رہے کہ کثرتِ ابتہال سے آپکی چادر گر پڑی ابوبکر نے آپ پر چادر اڑا دی اور کہا یَا نَبِيَّ اللّٰهِ بس کیجئے اپنے پروردگار کو قسمیں دینا۔ اس نے جو آپ سے وعدہ کیا ہے قریب میں پورا کریگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس میدانِ جنگ میں شریک ہوئے اور خوب لڑائی کی اور مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب و تحریض دلاتے ہوئے فرمایا۔ فَقُوْمُوْا اِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ بڑھو جنت کی طرف جس کی پہنائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ جب جنگ کا خوف شدت پکڑتا تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آتے آپ مشرکین کی فوج سے قریب تر تھے۔ آپ نے مٹھی بھر کنکریاں اٹھائیں اور مشرکین پر پھینکتے ہوئے فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ یعنی چہرے بگڑ جائیں منھ کالا ہوجائے۔ اَللّٰهُمَّ اَرْعِبْ قُلُوْبَهُمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ۔ یا اللہ ان کے دلوں کو مرعوب کردے اور پیروں کو اکھاڑ دے۔ کنکریاں انکی آنکھوں میں جالگیں اور شکست کھاکر پسپا ہوئے۔ ابوجہل، امیۃ بن خلف اور عتبہ بن ربیعہ جیسے ستر اشرافِ مشرکین تو مارے گئے اور ستر پکڑے گئے۔ روایت کی گئی ہے کہ جب گھمسان لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں کے ساتھ ایک کثیر تعداد میں فرشتے انسانی شکل اور لباس میں شریک ہوگئے تھے۔ آیت ۴ ۴۔ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ۔ تمہاری مدد بھیجے تمہارا رب تین ہزار فرشتے۔ پھر انکی تعداد پانچ ہزار ہوگئی آیت ۴ ۵۔ يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ۔ تمہاری مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے۔ ابلیس مشرکین کے ساتھ سراقۃ بن مالک کی شکل میں نمایاں تھا اور اسکے ساتھ میں ایک جھنڈا تھا اور پکار کر کہتا تھا آج کے روز کوئی آدم زاد تم پر غلبہ نہیں پا سکتا اور میں تمہارا پشت و پناہ ہوں۔ آیت ۱ ۴۔ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ۔ جیسا ہی ابلیس کا سامنا جبرئیل اور فرشتوں کا ہوا، الٹے پاؤں بھاگا فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ اور کہتا گیا وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ اور جس وقت سنوار نے لگا شیطان انکی نظر میں انکے کام اور بولا کوئی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن اور میں رفیق ہوں تمہارا پھر جب سامنے ہوئیں دو فوجیں الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔ آیت ۱ آخر۔ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ

مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ سابقین کے تعین کرنے میں علماء میں اختلاف ہے اور اس بارے میں تین قول ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری اور دیگر اکابر علماء کہتے ہیں کہ سابقین سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے قبلۂ بیت المقدس اور قبلۂ کعبہ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ اکثروں کا یہی قول ہے اور یہ قول اصح بھی ہے۔ محمد بن کعب قرظی اور ایک جماعت کہتی ہے کہ سابقین سے اہل غزوۂ بدر مراد ہیں اور شعبی کہتے ہیں کہ اہل بیعت رضوان مراد ہیں۔ **فضیلت** کبھی باعتبار افراد کے ہوتی ہے جیسا کہ ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم کی فضیلت یکے بعد دیگرے۔ کبھی فضیلت باعتبار اصناف کے ہوتی ہے جیسا کہ خلفاءِ راشدین کی فضیلت، انکے بعد عشرۂ مبشرہ کے بقیہ چھ اصحاب کی فضیلت، پھر اہل بدر کی پھر اہل احد کی اور پھر اہل بیعتِ رضوان کی۔ ان میں سے بعض کے مراتب بعض دوسروں میں اور بعض جمیع طبقات میں داخل ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ بعض خلفاء راشدین خلیفہ بھی تھے بدری بھی اُحدی بھی اور رضوانی بھی۔ صرف عثمانؓ بدر میں حاضر نہ تھے مگر اجر میں شریک تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہؓ اس زمانے میں بیمار تھیں اور آپ نے انکی تیمارداری کیلئے عثمانؓ کو پیچھے چھوڑ رکھا تھا۔ رقیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیاب میں فوت بھی ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا تھا حدیث۔ لَكَ اَجْرُ رَجُلٍ وَسَهْمُهٗ۔ تم کو ایک مرد کا ثواب اور (غنیمت میں) اس کا حصہ بھی ہے۔ عثمانؓ کا لقب ذوالنورین تھا۔ اس لقب کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم عثمانؓ سے بیاہی گئی تھیں۔

**مشاجرت** مابین علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما۔ ان دونوں کے مناقشات میں رائے زنی مباح نہیں ہے سوائے اس کے کہ متعصبین کا رد مقصود ہو یا تعلیم وتدریس کے ضمن میں اس سے بحث کیجائے۔ خَيْرُ الْقُرُوْنِ کی حدیث صحابہ کی شان میں وارد ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے صحابہ کے عدل کی شہادت دی ہے۔ اگر اس معاملہ میں رائے زنی کی ضرورت واقع ہوجائے تو اس طرح تاویل کرے کہ ان میں سے کسی کی شان میں کوئی نقص نہ ظاہر کرے۔ انکے درمیان جو واقعات گزرے ہیں انکے بارے میں غور کرنے کیلئے ہم کو حکم نہیں دیا گیا ہے۔ یہ معاملہ دینی عقاید میں سے نہیں ہے اور نہ اصول علم کلام سے اس کا تعلق ہے۔ دین کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ خطرہ اس بات کا ہے کہ ہمارے یقین کو نقصان پہنچائے۔ گو صحابا و رسول معصوم نہیں ہیں مگر ہم سمجھتے ہیں کہ انکی ذات بابرکات ایسی ہے کہ عمداً انکی جانب سے معاصی پر اصرار بھی نہیں ہوسکتا۔ جو اختلافات انکے درمیان رونما ہوئے ہیں انکی وجہ سے انکے کردار کی نسبت برائی کا گمان نہیں پیدا ہوسکتا۔ اُس وقت کے صحابہ تین فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ ایک فرقہ نے اجتہاد[1] کیا اور انکی سمجھ میں آیا کہ علیؓ حق پر ہیں پس یہ فرقہ علیؓ کی تائید میں لڑا۔ دوسرے فرقہ نے اجتہاد کیا اور اسکی سمجھ میں آیا کہ معاویہؓ حق پر ہیں اور معاویہؓ کی تائید میں لڑا اور تیسرا فرقہ وہ تھا جس نے اپنے اجتہاد میں توقف کیا اور کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ علماء کا قول ہے کہ جس نے اجتہاد میں رائے صائب رکھی اسکے لیے دونا ثواب ہے اور جس نے اجتہاد میں غلطی کی اسکے لئے اکہرا ثواب ہے۔ واقعات کی اس طرح تاویل کیجائے کہ نیک محمول کو پہنچا سکے اور نیک گمان پیدا کرے انھوں نے اجتہاد سے کام لیا اور صفت عدالت

ے جوہرۃ التوحید

سے اجتہاد ص۳۴

اشرافِ قریش کے نام بھجوائی اور لکھا کہ آپ عمرہ کے ارادہ سے آئے ہیں، جنگ و قتال کا ارادہ نہیں ہے۔ مشرکین نے قطعی طور پر تصفیہ کرلیا کہ اس سال آپ کو مکہ میں داخل ہونیکی اجازت نہ دیجائے۔ یہی گفت و شنید ہورہی تھی کہ اچانک کسی نے تیر چلادی۔ تیر کا چلنا کیا تھا آگ بھڑک اٹھی۔ تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ دونوں فریق کے درمیان شروع ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین کو روک لیا اور مشرکین نے عثمانؓ کو روک رکھا۔ عثمان ابن عفانؓ کو روکنا کیا تھا، ابلیس ملعون نے شہرت دی کہ مشرکین نے انھیں شہید کردیا۔ اس ناگہانی واقعہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کو بدل دیا اور آپ نے ٹھان لیا کہ لڑکر ہی رہیں گے۔ آپ نے سب کو درخت (شجرہ) کے نیچے جمع کیا اور بیعت لی کہ لڑکر مرجائینگے مگر پیٹھ نہ دکھائیں گے۔

صلحِ حدیبیہ۔ کفارِ مکہ کو جب اس بیعت کی خبر ہوئی تو گھبرا گئے اور معذرت خواہی کیلئے قاصد سے کہلا بھیجا کہ بعض چھوٹے لوگوں نے چنگاری لگاکر آگ بھڑکادی ورنہ کوئی دیدہ و دانستہ حرکت نہ تھی۔ اور اسکے ساتھ ان لوگوں کی واپسی کا مطالبہ کیا جو روکے گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ جب تک تم میرے صحابہ کو نہ چھوڑوگے میں تمہارے آدمیوں کو رہا نہ کرونگا۔ قاصد نے اس بات پر اتفاق کیا اور کہا اَنصَفْتَنَا۔ عثمان ابن عفان اور آپ کے ساتھی چھوٹ کر آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے قاصد کے درمیان صلح ہوئی اور قرار پایا کہ دس برس تک فریقین کے درمیان کوئی لڑائی نہ ہوگی اور دونوں ایک دوسرے کو امن دینگے۔ مسلمان لوٹ جائیں گے اور آیندہ سال عمرہ کیلئے آئیں گے۔ اگر کوئی مسلمان مشرکین کی طرف سے بھاگ کر آئے تو واپس کردیا جائیگا اور مسلمانوں کی جماعت سے جو شخص مشرکین کے پاس بھاگ کر جائیگا اسکو واپس نہ کیا جائیگا۔ علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے اس معاہدہ کو قلمبند کرکے قاصد کے حوالہ کردیا۔ یہ شرایط مسلمانوں کو سخت ناگوار گزرے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو اُن کے پاس سے آئے ہوئے آدمی کو پلٹا دیں اور وہ ہمارے آدمی کو نہ پلٹائیں، یہ کیسے گوارا ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں، اسلئے کہ جو ہم سے بھاگا، اللہ تعالیٰ نے اسکو ہم سے دور کیا، خس کم جہاں پاک۔ جو اُنکی طرف سے ہمارے پاس بھاگ آیا اور ہم نے اسکو لوٹایا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم کریگا اور قریب تر زمانہ میں اسکو دشمنوں کے پنجے سے چھٹکارا دیگا۔ اس تصفیہ کے بعد آپ نے صحابہ کو ہدایت دی کہ قربانی دیں اور سر منڈھوائیں جس سے احرام کی تحلیل مقصود تھی۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم اُن میں سے کوئی نہیں اٹھا۔ آپ نے تین مرتبہ اپنے حکم کا اِعادہ کیا اور کسی نے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کی تو آپ نہایت متاثر اُمّ سلمہؓ کے پاس گئے اور فرمایا "مسلمان تباہ ہوئے جاتے ہیں۔ میں نے انھیں سر منڈھوانے اور قربانی دینے کیلئے حکم دیا اور انھوں نے اسکی تعمیل نہیں کی"۔ امّ سلمہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپ انکو ملامت نہ کیجئے، ان پر یہ صلح شاق گزری ہے۔ آپ باہر نکلئے اور کسی سے کچھ کہے بغیر آپ اپنا عمل فرمائیے اور دیکھئے کیا ہوتا ہے"۔ آپ باہر آئے، اپنے ہاتھ سے قربانی دی اور سر منڈھوایا۔ یہ دیکھنا ہی تھا، سب اٹھ کھڑے ہوئے اپنی اپنی قربانی دی اور سر منڈھوانے لگے (بخاری)۔

سابقین کی فضیلت نص سے ثابت ہے۔ سابقین سے مراد متقدمین ہیں جو پہلے گزرے۔ انکی فضیلت کے معنی یہ ہیں کہ بہ نسبت دوسروں کے انکے ثواب میں کثرت ہے اور عام طور پر فضیلت سے مراد یہی ہے۔ آیت ۱۱۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ

**مالک** ابن انسؓ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور نوے سال کی عمر میں ۱۷۹ھ میں وفات پائی مدینۂ طیبہ میں جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

**شافعی** ابو عبداللہ محمد بن ادریس غرۂ ربیع اول ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور چوّن سال کی عمر میں سلخ رجب ۲۰۴ھ مطابق ۲۰ جنوری ۸۲۰ء میں مصر میں وفات پائی۔

**احمد بن حنبلؒ** ربیع اوّل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۷ سال کی عمر میں ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

**لیث** بن سعد۔ **داؤد ظاہری** علم میں پہاڑ کے مانند تھے۔ **سفیان ثوری**۔ آپ کو حدیث میں امیر المؤمنین کا لقب دیا گیا تھا۔ **اسحٰق** بن راہویہ۔ محمد بن جریر **طبری**۔ ابو الحسن **اشعری**۔ ابو منصور **ماتریدی**۔

**سفیان** بن عیینہ۔ آپ فرماتے ہیں۔ اِذَا کَانَتْ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مَحْبُوسَةً عَنْ مَکَانِهَا فِی الْجَنَّةِ بِدَیْنِهٖ حَتّٰی یُقْضٰی عَنْهُ فَکَیْفَ بِصَاحِبِ الْغِیْبَةِ فَاِنَّ الدَّیْنَ یُقْضٰی وَالْغِیْبَةُ لَا تُقْضٰی۔ مومن کی روح جنت میں اپنے مقام سے رکی ہوئی رہتی ہے اُسکے قرض کے سبب سے جبتک کہ وہ ادا ہو جائے۔ پس صاحب غیبت کا کیا حال ہوگا۔ قرض تو ادا ہو سکتا ہے اور غیبت کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

**عبد الرحمٰن** بن عمرو اوزاعی۔ آپ فرمایا کرتے۔ لَیْسَ سَاعَةٌ مِّنْ سَاعَاتِ الدُّنْیَا اِلَّا وَتُعْرَضُ عَلَی الْعَبْدِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَالسَّاعَةُ الَّتِیْ لَا یَذْکُرُ اللّٰهَ فِیْهَا تَتَقَطَّعُ نَفْسُهٗ عَلَیْهَا حَسَرَاتٍ فَکَیْفَ اِذَا مَرَّتْ سَاعَةٌ مَعَ سَاعَةٍ وَیَوْمٌ مَعَ یَوْمٍ۔ دنیا کی ساعتوں میں سے کوئی ساعت ایسی نہیں ہے جو قیامت کے دن بندہ کے سامنے نہ پیش کیجائیگی۔ پس وہ ساعت جس میں اللہ کو یاد نہیں کیا کٹ جائیگا اسکا نفس حسرتوں سے پس کیا حال ہوگا جبکہ ساعت کے بعد ساعت اور دن کے بعد دن ویسے ہی گزریں گے۔

**جنید** ابو القاسم محمد علم اور عمل میں صوفیوں کے سردار امام شافعی کے صاحب ابو ثور کے مذہب پر تھے۔ اجتہاد مطلق کے طریقہ پر اجتہاد کرتے تھے آپ کے چند اقوال مشہور ہیں۔ اَلطُّرُقُ اِلَی اللّٰهِ مَسْدُوْدٌ عَلٰی خَلْقِهَا اِلَّا عَلَی الْمُقْتَفِیْنَ آثَارَ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ اللہ کی طرف پہنچانے والا رستہ مسدود ہے مخلوق پر مگر ان لوگوں کیلئے کھلا ہوا ہے جو آثار رسول پر چلتے ہیں۔ لَوْ اَقْبَلَ صَادِقٌ عَلَی اللّٰهِ اَلْفَ اَلْفَ سَنَةٍ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهُ لَحْظَةً کَانَ مَا فَاتَهٗ اَکْثَرَ مِمَّا نَالَهٗ۔ اگر کوئی مرد صادق اللہ کی طرف ہزار ہزار برس لو لگائے اور پھر ایک گھڑی غفلت کرے تو اس نے جتنا حاصل کیا تھا اس سے زیادہ کھویا۔

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر — یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

میں ذرا اپنے پاؤں سے کانٹا نکالنے چلا محمل آنکھ سے اوجھل ہو گیا (مطلب ہوگئی اور نظر سے) — ایک لحظہ غفلت میں میرے رستہ میں سو سال کا بُعد واقع ہو گیا

اِنْ بَدَتْ ذَرَّةٌ مِّنْ عَیْنِ الْکَرَمِ وَالْجُوْدِ اَلْحَقَتِ الْمُسِیْءَ بِالْمُحْسِنِ وَبَقِیَتْ اَعْمَالُهُمْ فَضْلًا لَّهُمْ۔ اللہ تعالیٰ کے چشمۂ کرم وجود سے ایک ذرہ ظاہر ہو جائے تو وہ خاطی کو محسن کے ساتھ ملا دینے کیلئے کافی ہوگا اور انکے اعمال

سے خارج نہیں ہوئے تھے۔ عوام الناس اپنی ناواقفیت اور عدم معرفت کے باعث چونکہ تاویل پر قدرت نہیں رکھتے اسلئے اس مسئلہ میں غور کرنا ان کیلئے جائز ہی نہیں ہے۔ مقام تعلیم میں جہاں صحابہ کے آثار کی نسبت درس دیا جاتا ہو یا یہ کہ کوئی فرقہ اپنے تعصب میں غلو کرتا ہو اور اسکا رد مقصود ہو تو اس مسئلے میں بحث کرنا جائز ہے کسی ایک فریق کی طرف ناپسندیدہ طریقہ پر اپنے کو مایل کرنے سے روکنا بھی واجب ہے۔ حدیث۔ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِی اَصْحَابِی لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِی مَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِی وَمَنْ اٰذَانِی فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰهَ یُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ۔ اللہ اللہ میرے بعد میرے اصحاب کو (طعنہ کا) نشانہ نہ بنانا۔ جس نے انکو اذیت پہنچائی مجھکو اذیت پہنچائی اور جس نے مجھکو اذیت پہنچائی گویا کہ خدا کو اذیت پہنچائی یعنی اپنے حدود سے تجاوز کیا اور اللہ کے خلاف کیا۔ یہاں ایذاء کے لفظ میں مشاکلت ہے ورنہ ایذاء کی حقیقت اللہ کے حق میں محال ہے۔ جس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی قریب ہے کہ اسکو عذاب ملے۔ حدیث۔ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِی فَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِی فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا۔ میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو جس نے انکی نسبت برا کہا اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی اور سب کی پھٹکار ہے۔ نہیں قبول کریگا اللہ تعالیٰ اسکی فرض عبادت کو اور نہ نفل کو۔ بغیر کسی تعین کے عُصاۃِ اُمّت کی طرف لعن کرنا جائز ہے۔

**ائمۂ کرام۔** اجتہادِ مطلق پر قدرت ہو تو اپنی رائے پر عمل کرے ورنہ ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرے۔ ۱ جوہرۃ التوحید اجتہاد۔ حدیث بخاری۔ اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِنْ حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ۔ جب حاکم نے حکم دیا اور اجتہاد کیا جو صائب رہا تو اس کیلئے دو اجر ہیں اور اگر حکم دیا اور اجتہاد کیا جو غلط ہوا تو اس کیلئے ایک اجر ہے۔ ائمۂ اربعہ کے بارے میں خاصکر کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہوئی ہے جو احادیث دستیاب ہوئی ہیں وہ ظنی ہیں اور انکی تاویل کیگئی ہے۔ حدیث۔ یُوْشِكُ اَنْ تَضْرِبَ اَكْبَادُ الْاِبِلِ یَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَا یَجِدُوْنَ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِیْنَةِ۔ قریب ہے کہ علم کی تلاش میں اونٹوں کے کلیجے پیٹے جائیں گے مگر کوئی شخص مدینہ کے عالم سے زیادہ علم رکھنے والا نہ ملیگا۔ اس حدیث کو امام مالکؒ پر محمول کیا گیا ہے۔ آپ کے دروازہ پر طالبانِ علم کا اژدحام رہا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مدینہ کے کُل عالم آپ ہی تھے۔ حدیث۔ عَالِمُ قُرَیْشٍ یَمْلَاُ طِبَاقَ الْاَرْضِ عِلْمًا۔ قریش کا ایک عالم زمین کے طبقوں کو علم سے بھر دیگا۔ اس حدیث کو امام شافعیؒ کی طرف محمول کیا گیا ہے بعض نے ابن عباسؓ کی طرف محمول کیا ہے۔ حدیث۔ لَوْ كَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَیَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ مِّنْ فَارِسَ۔ اگر علم ثریا (کے آسمان) پر ہو تو فارس کے لوگ اس تک پہنچ جائیں گے۔ یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کی طرف محمول کی گئی ہے۔ چند ائمہ کے اسماءِ گرامی یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

**ابوحنیفہ** نعمان بن ثابتؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ستر سال کی عمر میں ۱۵۰ھ مطابق ۷۶۷ء میں وفات پائی آپ کا مزار بغداد میں ہے

مذہبِ شافعی میں جائز ہے، بغیر ولی کے مذہبِ حنفی میں اور بغیر شہود کے مذہب داؤد الظاہری میں۔ اس طرح تین مذہبوں کا جمع کرنا جائز نہیں ہے اور اسکو **تلفیق** کہتے ہیں۔

# اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ

علمائے انبیاء کے ورثاء ہیں۔ انکو وراثت میں دینار و درہم نہیں ملا بلکہ علم حاصل ہوا۔ حدیث۔ نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔ ہم گروہِ انبیاء وراثت نہیں پاتے اور نہ ہم سے کوئی وراثت پاتا ہے۔ ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ نبی کا پیرو، نبی کی حیات میں جو کچھ اپنے نبی سے پاتا ہے وہ اس کیلئے انعام ہے اُس نبی کی جانب سے اور وہ میراث نہیں ہے۔ جو کچھ نبی سے، نبی کی وفات کے بعد پیرو کو حاصل ہوتا ہے وہ علمِ موروث ہے۔ کسی زمانہ میں کسی عالم کو جو علم وراثۃً ملتا ہے وہ اُن انبیاء سے ملتا ہے جو اسکے قبل گزرے ہیں نہ کہ اسکے بعد آنے والے نبی سے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ ہر ایک اُمت کے عالم کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے گزرے ہیں انکو جو وراثت ملی ہے وہ جزئی ہے چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخرِ انبیاء ہیں اور آپ کی اُمت خیر الامم ہے اسلئے اس اُمت کے علماء کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے علاوہ تمام گزرے ہوئے انبیاء کی وراثت بھی ملی۔ آیت۔ ۴/۱۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم سب اُمتوں سے بہتر ہو جو پیدا ہوئی ہیں لوگوں میں۔ آیت۔ ۱۲/۱۴۔ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ۔ بلاتا ہوں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ میں اور جنہوں نے میری اتباع کی۔ اتباع کرنیوالے وہی لوگ ہیں جنکا ذکر کیا گیا اور یہ لوگ انبیاء کے ورثاء ہیں۔

لے تدوین حدیث مناظر احسن گیلانی مرحوم

فصوص الحکم میں شیخ ابنِ عربیؒ نے لکھا ہے کہ ولی کے کمالات تابعِ نبی ہیں۔ کوئی شخص وارث نہ ہوگا سوائے اس کے کہ پورے طور پر اتباع کرے قول میں، عمل میں اور خاص کر باطن میں۔ اجتہاد کی صورت میں تبلیغ بھی وراثت میں ملی ہے۔ قرآن اور حدیث کی اتباع میں حکم دیگا۔ قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہ پائیگا تو اجتہاد کریگا۔ ولایت بمعنی قُربِ الٰہی برقرار رہیگی اور نبوت بمعنی معرفتِ الٰہی بھی باقی رہیگی۔ ولایت کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ ولی کو بالعموم اسرار اور دقایق کا عارف ہونا لازم ہے۔ یہ لغوی نبوت ہے اور عرفِ شرع میں صاحبِ وحی کو نبی کہتے ہیں۔ نبوتِ لغوی نبوتِ شرعی سے عام ہے۔ اللہ تعالےٰ نے نبوتِ عامہ یعنی عرفان اور معرفتِ اسرارِ الٰہیہ کو باقی رکھا۔ تشریع بھی نبوت احکام میں بطور اجتہاد ملی۔ ورثۂ انبیاء اسی اجتہاد فی الاحکام کا نام ہے۔

انکے لیئے فاضل ہی رہیں گے۔ **ابلیس** ایک مرتبہ فقیر کے بھیس میں جنیدؒ کے پاس حاضر ہوا اور بہت دنوں آپ کی خدمتگزاری کی اور آخر میں اپنا انکشاف کیا اور کہا' میں نے ایک مدت بھر آپ کی خدمت کی مگر آپ کے عمل میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا آپ نے فرمایا' جب تو آیا ہے میں تجکو جانتا ہوں میں تجھسے کام لیتا ہوں سزا کے طور پر اسلئے تجھے معلوم تھا کہ تجھ کو خدمت کے صلہ میں اجر نہ ملے گا۔

آیت ۳/۱۱۰۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔ تم امت میں سب سے بہتر ہو جو بھیجے گئے انسانوں کیلئے پس جن اصحاب کا ذکر کیا گیا ہے یہ اچھوں کے اچھے ہیں لیکن انکا رتبہ صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے بعد ہے خلاصہ یہ کہ امام مالکؒ اور انکے جیسے اصحاب هُدَاةُ الْاُمَّةِ فِى الْفُرُوْعِ فروع میں امت کے ہادی اور رہبر ہیں۔ امام اشعری اور انکے مانند دوسرے اصحاب هُدَاةُ الْاُمَّةِ فِى الْاُصُوْلِ ای العَقَائِدِ الدِّيْنِيَّةِ اصول یعنی عقاید دینیہ میں امت کے رہبر ہیں۔ اور جنیدؒ اور انکے جیسے هُدَاةُ الْاُمَّةِ فِى التَّصَوُّفِ تصوف میں امت کے رہنما ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزاء خیر سے اور ہمیں انکے باقیات صالحات سے بہرہ اندوز کرے۔

**اجتہادِ مطلق** کی صلاحیت جن اشخاص میں ہو انکے لئے تقلید حرام ہے اُن اُمور میں جو انکے سامنے پیش آئیں اکثروں کی یہی رائے ہے۔ آمدی' ابن حاجب اور سبکی نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ اسلئے کہ انکو اجتہاد پر قدرت حاصل ہے جو تقلید کی جڑ ہے۔ عوام الناس جو اجتہادِ مطلق کی قدرت نہیں رکھتے اُن پر واجب ہے کہ فروعی احکام میں چار ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں اگرچہ کہ کسی خاص مذہب اور فتوے کے مجتہد ہوں۔ یہ اصولیین جمہور فقہاء اور محدثین کا مذہب ہے۔ انکا استدلال اس آیت پر ہے۔ ۱۶/۴۳۔ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اہلِ ذکر یعنی اہلِ علم اور اجتہاد سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں ہے۔ جو شخص نہیں جانتا اُس پر سوال کو واجب گردانا گیا اور لازم قرار دیا گیا کہ عالم کے قول پر عمل کرے اور یہی بات اس کیلئے تقلید کہلائیگی۔ بعض کا قول ہے کہ بعینہٖ کسی ایک کی تقلید واجب نہیں ہے۔ جب کوئی چیز پیش آئے تو کبھی ایک مذہب پر عمل کرے اور کبھی دوسرے پر۔ جائز ہے کہ ظہر کی نماز امام شافعی کے مذہب پر اور عصر کی نماز امام مالک کے مذہب پر ادا کرے۔ ان چار ائمہ کے عالم حاذق کی تقلید واجب ہے کسی اور کی تقلید جائز نہیں ہے اگرچہ کہ اکابر صحابہ میں سے ہوں۔ اسلئے کہ انکے مذہب کی تدوین اس طرح ضبط قلم نہیں ہوئی ہے جیسا کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کی۔ لیکن بعض علماء نے' غیر مقام افتاء پر انکی تقلید کی بھی اجازت دی ہے۔ تقلید کے مختلف پہلوؤں پر اسکے قبل تفصیلی بحث کی گئی ہے لاحظہ ہو ص ۱۲۵

**تبدیلِ مذہب** کے بارے میں تین قول ہیں۔ بعض[1] کہتے ہیں کہ مذہب کی تبدیلی مطلق طور پر ممتنع ہے اور بعض[2] کہتے ہیں کہ مطلق طور پر مذہب کی تبدیلی جائز ہے اور بعض[3] کہتے ہیں کہ مذہب کی تبدیلی جائز ہے اس شرط پر کہ دو مذہبوں کو اس طرح جمع نہ کرے جو اجماع کے خلاف ہو جیسا کہ کسی نے نکاح کیا بغیر مہر' بغیر ولی اور بغیر شہود کے۔ نکاح بغیر مہر کے

**اقسامِ رویا** یعنی خواب کی تین قسمیں ہیں۔ رویاءِ صادقہ، خوابِ تعبیر طلب اور اضغاثِ احلام۔
**رؤیاءِ صادقہ**۔ جس طرح خواب میں دیکھے اسی طرح واقعہ وقوع میں آئے۔
**خوابِ تعبیر طلب**۔ اس خواب کا سمجھنا تعبیر پر موقوف ہے۔ قرائن کے لحاظ سے تعبیر کہجاتی ہے
**اضغاثِ احلام**۔ لغو خواب، وساوس و تخیلات کا مجموعہ۔ خوابِ تعبیر طلب میں احتمالِ عقلی اور مَظِنَّۃُ خطاء ہے۔
مشاہدہ اور رویاءِ صادقہ میں اصل حقیقت ہے اور ظاہر صورت پر عمل کرنے میں کمالِ طاعت ہے۔ گو ظاہری خواب پر عمل کرنے میں دشواری تھی اور تعبیر میں سہل گیری اور خود غرضی کا احتمال تھا اسلئے ابراہیم علیہ السلام نے ظاہر خواب کی تصدیق کی۔

**کشف**۔ شیخ ابن عربیؒ بایزید بسطامیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ اَخَذْتُمْ عِلْمَکُمْ مَیِّتاً عَنْ مَیِّتٍ وَاَخَذْنَا عِلْمَنَا عَنِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ تم نے اپنا علم حاصل کیا ایک میت اور دوسری میت سے یعنی ایسے اشخاص کے توسط سے جو مرچکے ہیں اور ہم نے اپنا علم ایسی ذات سے راست حاصل کیا ہے جو زندہ ہے، مرتا نہیں۔ ولی کا کشف کتاب اور سنت سے بڑھکر نہ ہوگا۔ جنیدؒ کہتے ہیں۔ ہمارا علم کتاب اور سنت سے مقید ہے۔ کوئی فتوحات فتوحات نہیں ہے جسکی تائید کتاب اور سنت سے نہ ہوتی ہو۔ ولی کو صرف کتاب کے فہم میں فتح ہوتی ہے۔ ولی کا علم ایک جو برابر بھی کتاب اور سنت سے خارج نہیں ہوتا ورنہ وہ علم نہ ہوگا بلکہ جہل ہوگا۔ جہل عدم ہے اور علم وجود ہے۔ ولی کبھی کوئی حکم شرع کی تنسیخ کا اثر رکھنے والا نہ دیگا۔ (لہ فتوحات جلد دوم)

**کشفِ غطاء** دنیا میں، موت کے وقت، ہوتا ہے فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ۔ پس کھولدیا ہم نے تجھ سے تیرے پردہ کو اسلئے تیری بصارت آج کے دن تیز ہے۔ کوئی مکلف نہیں مرتا مگر ایمان کی حالت میں علم و عیاں کے ساتھ۔ اب رہا یہ امر کہ یہ ایمان اسکو فائدہ بھی دیگا یا نہیں۔ یہ ثابت ہے کہ یہ ایمان دفعِ عقوبت کا باعث نہ ہوگا۔ آیت۔ ۲۴ آخر فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا۔ فائدہ نہ دیگا انکو انکا ایمان جبکہ انھوں نے ہمارے خوف کو دیکھ لیا۔

**الہام**۔ ولی کو بعض اوقات الہام ہوتا ہے ایسی صورت کی ترتیب کے بارے میں جس کا عین مجموعی طور پر شرع میں نہ پایا جائے، لیکن تفصیلی طور پر اسکے سارے اجزاء موافقِ شرع ہونگے۔ امورِ مشروعہ کی ایسی ترتیب ہوگی جس میں بعض جزء کو بعض جزء کے ساتھ اضافہ کیا جائیگا۔ ولی کو تشریع سے اسی قدر حصہ ملا ہے اور شارع نے اسکو اس حد تک تشریع کی اجازت دی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً كَانَ لَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ جس کسی نے نیک طریقہ مقرر کیا اسکو اسکا اجر ملیگا اور اس کا بھی اجر ملیگا جس پر دوسرے نے عمل کیا قیامت تک۔ یہ بھی نبوت کا ایک جزء ہے جیساکہ مبشراتِ نبوت کے اجزاء ہیں۔ اس عبارت

# اَوْلِیَاءُ اللّٰہ

اولیاء ولی کی جمع ہے۔ ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُسکی صفات کا عارف ہے اور حسب امکان طاعت کا پابند اور معاصی سے محترز۔ معاصی سے احتراز کے یہ معنی ہیں کہ کبھی کسی امر معصیت کا ارتکاب نہیں کرتا توبہ کے بغیر یہ مراد نہیں ہے کہ ولی سے معصیت بالکلیہ سرزد نہیں ہوتی اسلئے کہ ولی معصوم نہیں ہے۔ مشائخین کے اس قول لَا یُکَذِّبُ الْوَلِیُّ یعنی ولی سے کِذب واقع نہیں ہوتا سے مراد یہ ہے کہ ولی کی لسانِ حال سے اسکے باطن کے خلاف ظاہر نہیں ہوتا۔ ولی کو ولی اسلئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی ولایت اپنے ذمہ کرلی اور اس کیلئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ اپنی طرف یا کسی غیر کی طرف ایک لحظہ بھی توجہ کرے۔ اسلئے بھی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت دوامًا اختیار کی عصیان کی خلل اندازی کے بغیر۔ ولی کے فی نفس الامر ولی ہونیکے لئے ان دونو معنیوں کا تحقق ہمارے پاس واجب ہے۔ آیت ۲-۱۱/۱۱۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ بیشک اولیاء اللہ کو کوئی ڈر نہیں ہے اور نہ ملول ہونیکی کوئی وجہ ہے۔ آیت ۴-۱۱/۱۱۔ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ انکے لئے بشارت ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ آیت ۲۴-۶۔ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ۔ اُتارتا ہے روح کو اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے بشیر و نذیر ہوتا ہے ولی لیکن مُشترع نہیں ہوتا۔ حدیث۔ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ۔ بیشک رسالت اور نبوت دونوں ختم ہوچکیں۔ میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی۔ کہتے ہیں کہ یہ بات صحابہ پر شاق گزری تو آپ نے فرمایا لٰکِنَّ الْمُبَشِّرَاتِ۔ لیکن مبشرات باقی رہیں گے تو صحابہ نے عرض کیا حضرت کیا چیز ہیں تو آپ نے فرمایا رُؤْیَا الْمُسْلِمِ یعنی مسلم کا رویا۔ رویا نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

رویا۔ انسان کی دو حالتیں ہیں، حالتِ خواب و حالتِ بیداری۔ حالتِ بیداری میں جو ادراک انسان کو ہوتا ہے اُسکو حِس اور حالتِ خواب میں جو ادراک کرتا ہے اُسکو حسِّ مشترک کہتے ہیں۔ جس چیز کو بیداری میں دیکھتا ہے اسکو رویت اور جس چیز کو خواب میں دیکھتا ہے اسکو رویا کہتے ہیں۔ خواب میں صورت شکل نظر آتی ہے اور سنائی دیتا ہے بغیر آنکھوں اور کانوں کی وساطت کے۔ نوم بے اختیاری سے انسان خواب دیکھتا ہے اور نوم اختیاری سے کشف پاتا ہے۔ یہ عالم مثال ہے۔ اسکے احکام عالم شہادت سے جداگانہ ہیں۔ عالم مثال سے اوپر اُس سے زیادہ لطیف عالم ارواح ہے۔ وہاں نہ صورت ہے نہ شکل نہ طول ہے نہ عرض۔

بیشک جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور قائم رہے اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اس پیام کے ساتھ کہ) نہ ڈرو تم اور نہ ملول ہو اور بشارت پاؤ جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم (فرشتے) تمھارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں

**کرامت** اولیاء اللہ کیلئے جائز ہے زندگی میں اور مرنیکے بعد۔ جمہور اہلِ سنت کی یہی رائے ہے۔ چاروں مذہب میں سے کسی مذہب میں، موت کے بعد کرامت کی نفی کی نسبت کوئی قول نہیں ہے بلکہ قیاس یہ ہے کہ موت کے بعد کرامت کا ظہور بدرجۂ اولیٰ ہو سکتا ہے۔ اسلئے کہ موت کے بعد نفس کی بہت سی کدورتیں صاف ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس کی کرامت موت کے بعد اس طرح ظاہر نہ ہو جس طرح اسکی زندگی میں ظاہر ہوتی تھی تو وہ ولی صادق نہ تصور ہوگا۔ شعرانی نے بعض مشائخین سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ولی کی قبر پر فرشتہ کو متعین کرتا ہے کہ بندوں کے حوائج کو پورے کرے۔ بعض اوقات خود ولی اپنی قبر سے نکل پڑتا ہے کہ بنفسہٖ حاجت روائی کرے۔ کرامت کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ کرامت کے وقوع کے فرض کرنے سے کوئی امرِ محال لازم نہیں آتا اور جب کرامت کا وقوع محال نہیں ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ کرامت کا وقوع جائز ہے۔

**کرامت** اُس امرِ خارقِ عادت کو کہتے ہیں جو ظاہر الصلاح بندہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو جو اپنے نبی کی شریعت کی اتباع کرے، صحیح اعتقاد اور عملِ صالح کے ساتھ۔ معجزہ کے امرِ خارق عادت ہونیکی نسبت تفصیل سے اسکے قبل بحث کیگئی ہے۔ اہلِ سنت میں سے بیجوری کے استاد اور عبداللہ حلیمی اور جمہورِ معتزلہ کرامت کی نفی کرتے ہیں اور کرامت کو جائز تصور نہیں کرتے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ اگر اولیاء سے خوارقِ عادت امور وقوع میں آئیں تو ولی اور نبی کے درمیان التباس پیدا ہوگا اور اولیاء کی کثرت کی وجہ سے انکی کرامتوں میں کثرت ہوگی اور معجزے خارقِ عادت نہ تصور کیے جائیں گے۔ جواب یہ ہے کہ التباس کا اندیشہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ معجزہ اور کرامت میں فرق ہے۔ معجزہ کیلئے نبوت کے دعویٰ کی شرط ہے جو کرامت میں نہیں ہے۔ ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے کہ کرامتیں اگر کثرت سے وقوع میں آئیں گی تو خارقِ عادت تصور نہ کیجائینگی اور عادت میں شمار ہونگی بلکہ خارقِ عادت ہی رہیں گی۔ بعض نے یہ سوال بھی کیا کہ اگلے زمانہ کے مقابلہ میں پچھلے زمانہ میں کرامتیں کیوں کثرت سے وقوع میں آئیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ متاخرین کے اعتقاد میں ضُعف پیدا ہوا اور انکے قلوب کی تالیف کیلئے کرامتوں کے اظہار کی ضرورت واقع ہوئی تاکہ صالحین کے بارے میں انکے دلوں میں حُسنِ اعتقاد پیدا ہو۔ متقدمین کا اعتقاد شریعت کی میزان کے تابع تھا اور اس وجہ سے اس دور میں کرامتوں کے کثرتِ وقوع کی ضرورت نہ تھی۔

**قصصِ کرامات**۔ اس تعلق سے بعض مستند قصے درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

**قصۂ مریم** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۔۔۔ وَ اَنۡۢبَتَہَا نَبَاتًا حَسَنًا۔ نشو و نما دی ٹھیک طور پر اس طرح کہ انکی حقیقت کو برابر کیا اور انکو اس قابل کیا کہ ایک دن میں مولود کو اتنا نشو و نما دیں کہ جتنا عام طور پر ایک سال میں نمو

افراد بعض وقت اپنے پروردگار سے بغیر وساطت خبر دیتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ لِیْ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ غَیْرُ رَبِّیْ میرا کوئی وقت ایسا بھی ہے جس میں سوائے میرے پروردگار کے دوسرا کوئی جگہ نہیں پاتا۔ یہ مقام مخلوق کے ہر فرد کو حاصل ہوتا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اِنَّ کُلَّ مُصَلٍّ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ۔ ہر نمازی' نماز میں اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ اب یہاں واسطہ کہاں۔ اسی طرح دارِ آخرت میں موقف میں رسول اللہ نے فرمایا۔ مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَیُکَلِّمُهُ اللّٰهُ یُفَاحًا لَیْسَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهٗ تَرْجُمَانٌ تم میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا مگر قریب میں بات کریگا اللہ تعالیٰ اس سے رو برو بغیر کسی مترجم کے توسط کے۔ اب بھی اسی طرح ہے سوائے اس کے کہ قیامت میں ہر شخص سمجھ لیگا کہ اپنے پروردگار سے بات کر رہا ہے اور دنیا میں بھی ایسا ہوتا ہے مگر ہر شخص نہیں سمجھتا سوائے اہل اللہ کے۔

**حال**۔ بایزید بسطامیؒ نے ولی کے حال کی یوں صراحت کی ہے۔ ضَحِکْتُ یَوْمًا وَبَکَیْتُ زَمَانًا وَاَنَا الْیَوْمَ لَا اَضْحَکُ وَلَا اَبْکِیْ۔ ایک دن ہنسا کرتا تھا' ایک مدت تک روتا رہا اور آج میرا یہ حال ہے کہ نہ ہنستا ہوں نہ روتا ہوں

**مقام** کی صراحت اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ کسی نے بایزیدؒ سے سوال کیا۔ کَیْفَ اَصْبَحْتَ آپ نے صبح کیسے کی جواب دیا لَا صَبَاحَ لِیْ وَلَا مَسَاءَ' اِنَّمَا الصَّبَاحُ وَالْمَسَاءُ لِمَنْ تَقَیَّدَ بِالصِّفَةِ وَلَا صِفَةَ لِیْ۔ میری نہ صبح ہے اور نہ شام صبح اور شام اُسکی ہے جو کسی صفت سے مقید ہو' میری کوئی صفت ہی نہیں ہے۔ کسی نے بایزیدؒ سے سوال کیا کہ آپنے زہد و تقویٰ کے مدارج کیسے طے کئے تو آپ نے جواب دیا۔ زَهِدْتُ الدُّنْیَا یَوْمًا' وَالثَّانِیْ زَهِدْتُ الْاٰخِرَةَ وَالثَّالِثَ زَهِدْتُ کُلَّ شَیْءٍ مَا سِوَا اللّٰهِ فَنُوْدِیْتُ مَا تُرِیْدُ فَقُلْتُ اُرِیْدُ اَنْ لَا اُرِیْدَ لِاَنِّیْ اَنَا الْمُرَادُ وَاَنْتَ الْمُرِیْدُ۔ ایک دن میں ایک مرتبہ دنیا کو ترک کیا دوسری دفعہ آخرت کو ترک کیا اور تیسری دفعہ خدا کے سوائے ہر ایک چیز کو ترک کیا پس مجھکو ندا آئی تو کیا چاہتا ہے میں نے کہا' میں یہی چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔ اسلئے کہ میں مراد ہوں اور تو مرید ہے یعنی ارادہ تیرا ہے' میں نے اپنے ارادہ کو ترک کیا۔

**فرق مابینِ ولی و نبی**۔ غزالیؒ کا قول ہے کہ ولی اور نبی کے درمیان فرشتہ کے نزول کا فرق ہے۔ ولی کو الہام ہوتا ہے اور نبی پر فرشتہ نازل ہوتا ہے اور الہام بھی ہوتا ہے۔ اسلئے کہ نبی کی ذات میں نبوت اور ولایت دونوں جمع ہوتی ہیں۔ ابن عربیؒ نے غزالیؒ سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ولی اور نبی میں فرق اُس امر کی نسبت ہے جس کو فرشتہ لایا۔ نبی اور رسول کو جو باتیں فرشتہ کے ذریعہ پہنچتی ہیں وہ اُن باتوں سے جداگانہ ہیں جو ولی کو پہنچتی ہیں۔ ولی تابع پر فرشتہ نازل ہوتا ہے اُن امور کی اتباع کی ہدایت اور افہام کیلئے جو نبی پر نازل ہوئے تھے اور جسکا علم ولی کو نہ تھا نیز ستقل تک جو باتیں پہنچی ہیں انکی صحت یا سقم کو فرشتہ ظاہر کرتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت پہنچاتا ہے جسکا تعلق دنیاکی زندگی سے ہے آیت ۱۱ ہے لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ انکیلئے بشارت ہے دنیا کی زندگی میں۔ آیت ۱۱/۵ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

غیر اللہ کی اُلوہیت کی نفی کرتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی ایک ذات کیلئے الوہیت کا اثبات کرتا ہے۔ الوہیت کی حقیقت یہ ہے کہ حق کی عبادت کیجائے۔ اِس سے کُلِ ماسوا سے اللہ تعالیٰ کا **استغناء** اور کُلِ ماسوا کا اللہ کی طرف **افتقار** لازم آتا ہے۔

**استغناء** سے وجود[۱]، قدم[۲]، بقا[۳]، مخالفتِ حوادث[۴]، قیام بنفسہ[۵] اور نقائص سے تنزیہ کی صفات کا وجوب لازم ہے اور اس میں سماعت[۶]، بصارت[۷] اور کلام[۸] اور انکے لوازم داخل ہیں۔ لوازم سے مراد سمیع[۹]، بصیر[۱۰] اور متکلم[۱۱] ہونا ہے۔ اس طرح واجبات کے گیارہ[۱۱] عقیدے ہوئے۔ ان گیارہ واجبات کی گیارہ[۱۱] اضداد ہوتی ہیں جو مستحیل ہیں۔ ان اجبات اور مستحیلات کے معین ہونیکے بعد ممکنات[۱] باقی رہتے ہیں جنکا فعل اور ترکِ فعل جایز ہے۔ اس طرح جملہ تیئس[۲۳] عقیدے استغناء کی صفت سے حاصل ہوئے۔

**افتقار** مستلزم ہے حیات[۱]، قدرت[۲]، ارادہ[۳] اور علم[۴] اور ا سکے لوازم کا جو حیّ[۵]، قادر[۶]، مرید[۷] اور عالم[۸] ہونا ہے اور ان سے وحدانیت[۹] کا لزوم بھی عاید ہوتا ہے۔ اس طرح نو[۹] عقیدے واجب ہوتے ہیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی ثابت ہے کہ ان واجبات کی اضداد[۹] مستحیل ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ کہ افتقار سے اٹھارہ[۱۸] عقیدے لازم آئے۔ استغناء کے تیئس[۲۳] اور افتقار کے اٹھارہ[۱۸] عقیدوں کا مجموعہ اکتالیس[۴۱] ہوا جس میں سے بیس[۲۰] واجب اور بیس[۲۰] مستحیل اور ایک جائز ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ پہلا کلمہ حکمِ عقلی کی تینوں قسموں پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی ہیں شامل ہے۔

**نبوّت**۔ دوسرے جملہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ہے اور اُس کے ضمن میں اُن سارے امور کی تصدیق لازم آتی ہے جو آپ پر نازل ہوئے ہیں۔ اس میں پیغمبروں کی صداقت، فطانت، امانت اور تبلیغ کا وجوب داخل ہے۔ ان امور کو واجب قرار دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ اُنکی اضداد کذب، غفلت، خیانت اور کتمان مستحیل قرار پاتے ہیں۔ اسکے بعد ضمناً یہ قرار پاتا ہے کہ پیغمبروں پر اعراضِ بشری کا لاحق ہونا جایز ہے جو اُنکے مراتبِ عالیہ میں نقص نہیں پیدا کرتے۔ اسی طرح حکمِ عقلی کی یہ تینوں قسمیں پیغمبروں سے بھی متعلق ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ شہادت کے دونوں کلمے اُن سارے عقیدوں پر حاوی ہیں جو اسکے پہلے تفصیل سے بیان کئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کلمات کے مختصر ہونیکے باوجود شارع نے اسکے قلب میں جو ایمان ہے اسکا ترجمہ قرار دیا۔ کسی کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا بغیر انکے۔ علماء نے یہ بھی تنصیص[۱] کی ہے کہ ان دونوں کلموں کے معنی و مفہوم کا سمجھنا بھی لابدی ہے اگرچہ کہ بطورِ اجمال سمجھے۔ ان کلموں کا محض زبان سے دُہرانا کافی نہیں ہے۔ بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ذاکر کیلئے بہتر یہ ہے کہ ان کلموں کو قرآن سے حاصل کرے تاکہ مطلق طور پر ان کا ثواب حاصل ہو۔ اسکے بعد ہم سنوسی کے متن اور اسکی شرح کی طرف عَود کرتے ہیں۔

**شہادت** کے دو کلموں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں عقاید کے جملہ معانی مضمر ہیں۔ اسلئے کہ الوہیت

---

[۱] قرآن اور حدیث کے ذریعہ جو حکم لگایا جاتا ہے اسکو تنصیص کہتے ہیں۔

ہوتا ہے۔ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اور زکریا کو انکا کفیل بنایا۔ زکریا کے سوا کوئی شخص انکے پاس نہ آتا تھا اور زکریا مریم کے پاس آتے تو سرما میں گرما کے میوے اور گرما میں سرما کے میوے انکے پاس پاتے۔

**قصۂ اصحابِ کہف**۔ روم کے شرفاء میں سے سات اصحاب تھے جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہِ وقت کی اذیت سے گھبرا کر شہر سے چل دئے اور ایک غار میں روپوش ہوگئے۔ غذا اور پانی کے بغیر تین سو نو برس غار میں سوتے رہے اور کسی آفت میں مبتلا نہ ہوئے۔

**قصۂ آصف**۔ آصف سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے اور اسم اعظم کی معرفت انھیں حاصل تھی۔ آپ نے سلیمانؑ کو آسمان کی طرف نظر کرنے کہا اور سلیمانؑ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ آصف نے اسم اعظم سے مدد چاہی اور اللہ سے دعا کی کہ بلقیس کے تخت کو پہنچا دے اور بلقیس کا تخت پہنچ گیا۔ سلیمانؑ نے جب نظر لوٹائی تو بلقیس کے تخت کو موجود پایا۔ صحابہ اور تابعین سے لیکر اس وقت تک اولیاء اللہ کی بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔

**عمر بن خطابؓ** نے ایک مہینے کی مسافت سے دشمن کو دیکھا اور پکارا یَا سَارِيَةُ الْجَبَلُ الْجَبَلُ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف پہاڑ کی طرف۔ ساریہ نے آپ کی آواز سنی اور اپنی جماعت کو لیکر پہاڑ کی طرف چلے اور دشمن سے لڑائی کی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں نصرت دی۔

**عبداللہ** بن شقیق پر سے جب بادل گزرتا تو کہتے۔ میں تجھکو خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تو نہیں برسیگا' تو فوراً مینہ برستا۔

## کلمۂ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

سنوسی نے اپنے توحید کے رسالہ میں اللہ تعالیٰ اور پیغمبروں کی نسبت جن امور کا جاننا واجب ہے بیان کرنیکے بعد شہادت کے دو کلموں کے معنی و مفہوم میں انکی مطابقت کرتے ہوئے ہر امر کی نسبت جداگانہ استدلال پیش کیا ہے اور شرح میں بیجوری نے بھی انکی تقلید کی ہے۔ امام لقانی نے جوہرۃ التوحید میں نہایت اختصار کے ساتھ کلمۂ شہادتین کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا لیکن بیجوری نے اسکی شرح میں بطورِ تمہید ان سارے امور اور استدلالات کا اعادہ کیا ہے جو انھوں نے شیخ سنوسی کے متن کی شرح میں بیان کئے تھے۔ جوہرۃ التوحید کے حاشیہ میں مختصراً جو امور بیجوری نے بیان کئے ہیں ہم انکو پہلے قلمبند کرتے ہیں۔ اور اسکے بعد شیخ سنوسی کے متن سے بحث کرینگے۔

**تحفۃ المرید**۔ ان دو کلموں کے معنی مفہوم اور مدلول میں وہ سارے ایمانی عقاید پوشیدہ ہیں جنکا جاننا صحتِ ایمان کیلئے واجب ہے۔ اُلوہیت اور نبوت کے بارے میں بعض امور واجب بعض مستحیل اور بعض جائز ہیں۔ لفظ سے جو مطلب لیا جاتا ہے اسکو **معنی** اور لفظ سے جو چیز سمجھ میں آتی ہے اسکو **مفہوم** اور لفظ جس چیز پر دلالت کرتا ہے اسکو **مدلول** کہتے ہیں۔ الوہیت اور نبوت کی جسقدر تفصیلات اسکے قبل بیان کیگئی ہیں ان دو کلموں میں جمع ہیں۔ شہادت کا پہلا جملہ

بصارت اور کلام تین صفاتِ معانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا سمیع، بصیر اور متکلم ہونا تین صفاتِ معنوی ہیں۔ جب یہ صفات واجبی ہیں تو انکی اضداد مستحیل ہیں اور وہ بھی گیارہ ہیں۔

**دلیلِ وجوب۔** اگر یہ صفات اللہ تعالیٰ کیلئے واجب نہ ہوتیں تو وہ محتاج ہوتا محدِث یا محل یا ... طرف جو اس سے ان نقائص کو دفع کرے۔ یہ قیاسِ استثنائی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کیلئے وجود واجب نہ ہوتا تو محدث کی طرف محتاج ہوتا اور ایسا احتیاج استغناء کے منافی ہے۔ اگر اسکے لئے قِدم واجب نہ ہوتا تو محدث کی طرف محتاج ہوتا اور ایسا احتیاج استغناء کے منافی ہے۔ اگر اسکے لئے بقا واجب نہ ہوتی تو محدث کی طرف محتاج ہوتا اور یہ احتیاج استغناء کے منافی ہے۔ اگر مخالفتِ حوادث واجب نہ ہوتی تو محدث کی طرف محتاج ہوتا اور ایسا احتیاج استغناء کے منافی ہے۔ اگر قیام بالنفس بمعنی استغناءِ مخصّص[1] نہ ہوتا تو محدث کی طرف محتاج ہوتا اور ایسا احتیاج استغنا کے منافی ہے۔ اگر قائم بالنفس بمعنی استغناءِ محل نہ ہوتا تو محل کی طرف محتاج ہوتا اور ایسا احتیاج استغناء کے منافی ہے۔ اگر نقائص سے تنزیہہ واجب نہ ہوتی تو محتاج ہوتا اسکی طرف جو ان نقائص کو اس سے دفع کرے اور یہ احتیاج استغنا کے منافی ہے۔

**غرض و حکمت۔ استغناء** سے یہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اور احکام اغراض سے پاک ہیں۔ **غرض** سے مراد مصلحت ہے جو کسی فعل یا حکم پر مترتب ہوتی ہے اس لحاظ سے کہ وہ اس فعل یا حکم سے مقصود ہے بخلاف **حکمت** کے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال اور احکام اگرچہ غرض سے پاک ہیں لیکن حکمت سے خالی نہیں۔ یہ بات اور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہماری سمجھ سے باہر ہو۔ احکام و افعال میں اگر حکمت شامل نہ ہو تو وہ عبث ہونگے اور فعلِ عبث اللہ تعالیٰ کیلئے محال ہے۔ غرض اور حکمت کے درمیان یہ فرق ہے کہ فعل یا حکم سے غرض مقصود ہوتی ہے اور وہ اس فعل یا حکم کی باعث اور محرک ہوتی ہے اور حکمت ایسی نہیں ہے۔ ابن رشد نے فصل المقال میں لکھا ہے کہ اشیاء کے اسبابِ ظاہری کی معرفت کو **علم** کہتے ہیں اور اسبابِ غائب کی معرفت کو **حکمت**۔ غزالیؒ نے لکھا ہے حکیم کے معنی یہ ہیں کہ اشیاء کے حقایق سے واقف ہو اور اپنے ارادہ کے موافق اس پر عمل کرنے پر قادر ہو۔ ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ اشیاء کے حقایق کے جاننے کو حکمت کہتے ہیں۔ حکمت کی دو قسمیں ہیں بعض بیان کے قابل ہیں اور بعض بیان کے قابل نہیں ہیں۔ رازی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فعل میں غرض شامل نہیں ہوتی۔ اسکے خلاف معتزلہ اور بعض فقہاء ادعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں کوئی نہ کوئی غرض شامل ہے۔ ہمارا استدلال یہ ہے کہ کسی فعل میں غرض کے شامل ہونیکے معنی یہ ہیں کہ اس فعل کے بغیر اسکے فاعل کو کمال حاصل نہیں ہوتا اور جو فاعل ایسا ہو جو اپنے غیر سے کمال حاصل کرے تو وہ اپنی ذات میں ناقص ہوگا۔ ہر ایک غرض جو فرض کیجائیگی ممکنات سے ہوگی اور اللہ تعالیٰ ابتداء ہی میں اسکی ایجاد پر قادر ہے تو اس کو

---

[1] امکان کی دو جہتیں ہیں وجود اور عدم اور ان دونوں میں سے کسی ایک کی نسبت حکم لگانے کو تخصیص کہتے ہیں

کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا استغناء ہر ایک ماسوا سے اور اسکے سوا ہر ایک کا اسکی طرف افتقار۔ پس لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ کُلِ ماسوا سے کوئی مستغنی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک اُسی کی طرف مُفتَقِر ہے۔ جن امور کا جاننا مکلّف پر واجب ہے انکے بیان کرنیکے بعد، بطورِ فائدہ کلمۂ توحید کی فضیلت بیان کیگئی ہے کلمۂ شہادت میں لا کی خبر محذوف ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وجود کے مادّہ کا لفظ مقدّر ہے یا امکان کے مادّہ کا لفظ۔ مختار یہ ہے کہ امکان کے مادّہ کا لفظ مقدّر ہے لیکن ایسی صورت میں، کلمۂ شریفہ سے، اللہ تعالیٰ کے وجود کے ثبوت کا استفادہ نہیں ہوتا۔ امکان کے مادّہ کے مقدّر کرنے سے یہ معنی ہو جاتے ہیں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے پس وہی ممکن ہے۔ کیا وہ موجود ہے؟ اس بارے میں کوئی استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ جواب یہ ہے کہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے جملے سے اُسکے غیر کے امکان کی نفی مقصود ہے نہ کہ اسکے وجود کا اثبات۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود مسلّم الثبوت ہے۔

**استثناء** کی تین قسمیں ہو سکتی ہیں۔ استثناءِ متّصل، استثناءِ منقطع اور استثناء نہ متّصل و نہ منقطع۔ مشہور یہ ہے کہ کلمہ میں لا اور اِلَّا کے حروف سے استثناءِ متّصل مراد ہے۔ مستثنیٰ منہ ایسا کلّی ہے جو مستثنیٰ اور غیر مستثنیٰ دونوں پر حاوی ہے۔ بعض نے اسکو استثناءِ منقطع کہا ہے۔ اس کلمہ کے بولنے والے پر واجب ہے کہ اس امر کا لحاظ رکھے کہ نفی اللہ تعالیٰ کے سوا کی طرف متوجہ ہے۔ اس صورت میں مستثنیٰ منہ مستثنیٰ پر شامل نہیں رہتا۔ بعض نے کہا ہے کہ استثناء نہ متّصل ہے اور نہ منقطع۔

**اُلوہیت** کے معنی ہیں کُلِ ماسوا سے اِلٰہ کے استغناء کے اور کُلِ ماسوا کے اسکی طرف افتقار کے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اِلٰہ کے یہ معنی ہیں کہ کُلِ ماسوا سے وہ مستغنی ہے اور کُلِ ماسوا اسکی طرف مُفتَقِر ہیں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے یہ معنی ہوئے کہ کُلِ ماسوا سے کوئی مستغنی نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کُلِ ماسوا اسکی طرف مُفتَقِر ہیں۔ افتقار کے معنی احتیاج اور مُفتَقِر کے معنی محتاج ہونیکے ہیں۔ سنوسی کا یہ بیان ہے اور مشہور یہ ہے کہ الوہیت کے معنی ہیں کَوْنُ الْاِلٰہِ مَعْبُوْدًا بِحَقٍّ۔ اِلٰہ کا معبود بحق ہونا۔ کلمۂ لا الہ الا اللہ کے معنی ہونگے کوئی معبود بحق نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یہ معنیِ مطابقی کی تفسیر ہے اور سنوسی نے جو بیان کیا وہ تفسیر باللازم ہے۔ تفسیر باللازم میں عقاید مذکورہ کے معانی زیادہ واضح طور پر ظاہر ہیں بہ نسبت معنیِ مطابقی کے۔

**استغناء** کُلِ ماسوا سے اللہ تعالیٰ کے استغناء سے واجب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کیلئے وجود، قِدم، بقاء، مخالفتِ حوادث، قیام بالنفس اور نقائص سے اسکی تنزیہہ۔ افتقار کی صفت سے پہلے استغناء کی صفت کو اسلئے بیان کیا گیا کہ استغناء اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور افتقار ماسوا کی صفت ہے اور یہ دونو صفتیں کلمۂ لا الہ الا اللہ سے سمجھ میں آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کیلئے سماعت، بصارت اور کلام کا وجوب، نقائص کی تنزیہہ میں داخل ہے۔ انکے علاوہ انکے لوازمات اللہ تعالیٰ کا سمیع ہونا، اور بصیر و متکلم ہونا اس میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے استغناء میں گیارہ صفتیں داخل ہوتی ہیں جو واجبات میں سے ہیں۔ ایک صفت نفسی، وجود ہے اور چار سلبی صفات، قِدم، بقا، مخالفت حوادث اور قیام بالنفس ہیں۔ سماعت،

یہی نتیجہ نکلا۔

**افتقار** سے یہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ عالم حادث ہے۔ اسلئے کہ عالم کی کوئی چیز بھی قدیم ہوتی تو وہ چیز اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہوتی حالانکہ کُل ماسوا اسکی طرف احتیاج رکھتے ہیں۔ ماسوی اللہ کو عالم یا دنیا کہتے ہیں۔ حدوثِ عالم ایک زائد امر ہے عقاید پر لیکن اسکو عقاید سے تعلق ہے۔ اس سے فلسفیوں کی تردید مراد ہے۔ روم اور یونان کے فلسفی گو کفار تھے لیکن ذی علم و ذی فہم تھے زہد و ریاضت کی عادت کی تھی۔ ابنِ صلاح نے لکھا ہے کہ انکے سردار کا نام فیلسوف تھا اور اسکی اتباع میں اُس دَور کے علماء اور حکماء **فلسفی** کہلانے لگے۔ جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی شریعت کی انہیں دعوت دی تھی تو انہوں نے انکار کیا اور اپنے علم و فضل پر فخر کرتے ہوئے کہا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو تم کہتے ہو بلکہ ہم اس پر اضافہ بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ عالم کو قدیم اس معنی میں کہتے تھے کہ اسکے اصول یعنی عناصر اربعہ پانی، مٹی، ہوا اور آگ قدیم ہیں اور جو اجسام کہ ان عناصر سے ترکیب پاتے ہیں وہ قدیم نہیں ہیں۔ آسمانوں کو بھی یہ لوگ قدیم کہتے تھے۔

**افتقار** سے یہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ کائنات کی کسی چیز کو **تاثیر** نہیں ہے کسی اثر میں بھی (دلیل) ورنہ لازم آتا کہ وہ اثر مستغنی ہوتا اللہ تعالیٰ سے حالانکہ کُل ماسوا اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج رکھتے ہیں عام طور پر اور ہر حالت میں اور یہ اس صورت میں جبکہ فرض کیا گیا کہ کائنات کی کوئی چیز **طبیعت** کے لحاظ سے تاثیر کرتی ہے۔ اور اگر کوئی موثر اپنی اس **قوت** سے تاثیر کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہے جیسا کہ اکثر جہلا زعم کرتے ہیں تو بھی محال ہے۔ اسلئے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ محتاج ہوگا واسطہ کی طرف بعض افعال کے ایجاد کرنے میں اور یہ باطل ہے۔ اسلئے کہ کُل ماسوا سے اللہ تعالیٰ کا استغناء واجب ہے۔ کسی چیز کو تاثیر نہیں ہے کا قول وحدانیت فی الافعال سے ماخوذ ہے۔ اس بارے میں لوگ چار فرقوں پر تقسیم ہیں۔

پہلا فرقہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ہر چیز اپنی طبیعت یا ذات کے لحاظ سے تاثیر کرتی ہے جیسا کہ آگ یا چھری۔ اس فرقے کے کفر میں اختلاف نہیں ہے۔

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ ہر چیز اس قوت کے ذریعہ تاثیر کرتی ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے اس میں ودیعت کیا ہے۔ آگ کو جلانے کی اور چھری کو کاٹنے کی صفت ملی ہے۔ اس فرقہ کے کفر میں اختلاف ہے اور اصح قول یہ ہے کہ ان پر کفر کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے نفس کے اختیاری افعال کی تخلیق کرتا ہے اس قدرت کے سبب سے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا کی ہے۔

تیسرا فرقہ کہتا ہے کہ کسی کو تاثیر نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن اعتقاد رکھتا ہے کہ آگ یا چھری اور اُنکے اثرات کے درمیان تلازم ہے۔ آگ جلائیگی اور چھری کاٹیگی۔ یہ فرقہ کافر نہیں ہے لیکن بسا اوقات یہ اعتقاد بھی کفر کی طرف کھینچ لیجاتا ہے اور خارقِ عادت امور سے انکار کی طرف مائل کرتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے معجزوں اور قیامت میں جسمانی بعثت سے انکار کرتا ہے۔

چوتھا فرقہ اعتقاد رکھتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو تاثیر نہیں ہے اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ آگ یا چھری اور

واسطہ قرار دینا ایک فعل عبث ہوگا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ جس فعل میں غرض شامل نہ ہو وہ عبث ہے اور حکیم کے لئے فعل عبث جائز نہیں ہے۔ معتزلہ اگر عبث کے معنی خالی از غرض کے لیتے ہیں تو یہ استدلال ایک چیز کی نسبت اُسی چیز کے توسط سے ہے جو جائز نہیں۔

**استغناء** سے یہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ ممکنات کے تعلق سے کوئی فعل یا ترکِ فعل اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے۔ اسلئے کہ اگر اس میں سے کوئی بات بھی عقلاً اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی جیسا کہ **ثواب** تو اللہ تعالیٰ محتاج ہوتا اس بات کی طرف تاکہ اپنی غرض حاصل کرے اور یہ محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کُل ماسوا سے غنی ہے۔ اسکے حق میں کوئی بات واجب نہیں ہے۔ ثواب عقلاً جائز ہے اللہ تعالیٰ کے حق میں لیکن شرعاً واجب ہے اسلئے کہ ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے کتاب اور سنت دونوں میں۔

**افتقار۔** کُل ماسوا کے، اللہ تعالیٰ کی طرف افتقار سے، واجب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی حیات اور قدرت، ارادہ اور علم کا عموم۔ اسلئے کہ اگر ان میں سے کسی بات کی نفی ہو تو ممکن نہ ہوتا کہ حوادثات میں سے کوئی چیز پائی جائے اور کوئی چیز بھی اسکی طرف احتیاج نہیں رکھتی حالانکہ اسکی طرف کُل ماسوا احتیاج رکھتے ہیں۔ استغناء کی صفت کی تشریح کرنیکے بعد اسکے مقابل کی صفت افتقار کو بیان کیا گیا۔ حیات کے ساتھ حیات کا لازم حی ہونا بھی واجب ہے اور اسی طرح باقی صفات۔ قدرت اور اسکا لازم، ارادہ اور اسکا لازم اور علم اور اسکا لازم۔ ان صفات میں سے کسی کی بھی نفی ہو تو حوادث میں سے کسی چیز کا پایا جانا ممکن نہیں لیکن حوادث میں سے کسی چیز کے پائے جانے کا عدمِ امکان باطل ہے۔ اسلئے کہ حوادث میں سے کسی چیز کا پایا جانا ممکن نہ ہوتا تو اسکی طرف کوئی چیز محتاج نہ ہوتی حالانکہ کُل ماسوا اُسکی طرف محتاج ہیں۔

**وحدانیت** بھی اللہ تعالیٰ کیلئے واجب ہے اسلئے کہ اُلوہیت میں اسکے ساتھ کوئی دوسرا شریک ہوتا تو اسکی طرف کوئی چیز محتاج نہ ہوتی دونوں کے عجز کی وجہ سے۔ حالانکہ اسکی طرف کُل ماسوا احتیاج رکھتے ہیں۔ یہ قیاسِ استثنائی ہے اگر اُلوہیت میں اسکے ساتھ کوئی دوسرا شریک ہوتا تو اسکی طرف کوئی چیز محتاج نہ ہوتی لیکن اسکی طرف کسی چیز کا عدمِ احتیاج باطل ہے اسلئے کہ اسکے قبل ثابت کیا گیا ہے کہ کُل ماسوا اسکی طرف احتیاج رکھتے ہیں۔ عیاذاً باللہ دو الٰہ ہوتے تو دونوں کا عجز لازم ہونیکی وجہ یہ ہے کہ کسی فعل کی نسبت دونوں اتفاق کرینگے یا اختلاف۔ ان دونوں صورتوں میں عجز لازم آئیگا۔ اگر دونوں ایک ساتھ ایجاد کریں تو ایک اثر پر دو موثر کا اجتماع لازم آتا ہے اور اگر دونوں ایجاد کریں یکے دیگرے تو تحصیل حاصل لازم آتی۔ اگر دونوں شریک کے ارادہ کا نفاذ ہوا تو نقیضین کا جمع ہونا لازم آیا۔ اور اگر دونوں میں سے ایک کے ارادہ کا نفاذ ہوا اور دوسرے کے ارادہ کا نفاذ نہ ہوا تو وہ جس کے ارادہ کا نفاذ نہ ہوا عاجز ہوگیا اور چونکہ دونوں کے درمیان مماثلت فرض کیگئی ہے اسلئے دوسرا بھی عاجز ٹھیرا۔ اگر دونوں میں سے کسی کے ارادہ کا نفاذ نہ ہوا تو ہم

تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ محتاج ہوگا واسطہ کی طرف بعض افعال کے ایجاد کرنے میں، لیکن اللہ تعالیٰ کا بعض افعال کے ایجاد کرنے میں واسطہ کی طرف محتاج ہونا باطل ہے۔ اگر یہ تقدیر کیجائے کہ کائنات کی کوئی چیز تاثیر کرتی ہے اسکی طبیعت کے سبب سے تو یہ تاثیر مستغنی ہوگی اللہ تعالےٰ سے حالانکہ کُل ماسوا اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج رکھنے میں ہر چیز کی تاثیر موقوف ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اختیار پر یہانتک کہ عادی اسباب میں بھی اللہ تعالیٰ قوت کی تخلیق کرتا ہے۔ اس لحاظ سے سارے افعال اللہ تعالیٰ کی مراد پر ہونگے۔

پس ظاہر ہوا کہ " توحید لا الٰہ الا اللہ کے معنی میں یہ تینوں اقسام شامل ہیں جنکا جاننا واجب ہے مکلف پر اللہ تعالےٰ کے حق میں اور وہ امور واجبات سے ہیں یا مستحیلات سے یا جایزات سے۔ " توحید تینوں اقسام حکم عقلی پر اس طرح شامل ہے کہ اللہ تعالےٰ کے کُل ماسوا سے استغنا میں گیارہ صفات واجبات مندرج ہیں۔ وجود، قدم، بقا، مخالفتِ حوادث، قیام بالنفس، سماعت، بصارت اور کلام اور انکے لوازم سمیع، بصیر اور متکلم ہونا۔ اللہ تعالےٰ کی طرف کُل ماسوا کے افتقار میں مندرج ہیں نو صفاتِ واجبات، حیات، قدرت، ارادہ اور علم اور انکے لوازم حی، قادر، مرید اور عالم ہونا اور ان سے وحدانیت بھی لازم آتی ہے۔ اسی طرح واجبات کی جملہ تعداد بیس ہوئیں اور انکی اضداد جو مستحیل ہیں وہ بھی بیس ہوئیں۔ ان واجبات اور مستحیلات سے ممکنات کا فعل اور ترک فعل کا جواز لازم آتا ہے۔ اسکو شمار کرنیکے بعد مجموعی تعداد اکتالیس قرار پاتی ہے جنکا جاننا مکلف پر واجب ہے۔ اور محمد رسول اللہ کے قول میں داخل ہے ایمان تمام انبیاء، ملائکہ، کتب سماوی اور یوم آخر پر۔ اسکے پہلے لا الٰہ الا اللہ کے معنی میں کونسے امور اعتقادی مضمر ہیں بیان کئے گئے اور اب محمد رسول اللہ کے معنی میں کونسے امور اعتقادی داخل ہیں بیان کئے جائیں گے۔ ایمان سے مراد یہاں تصدیق ہے۔ انبیاء میں رُسُل بھی داخل ہیں۔ اس کے پہلے انبیا اور رُسُل کی نسبت ص۲۰ پر تفصیل سے بحث کیجا چکی ہے۔

# ملائکہ

ملائکہ یعنی فرشتے لطیف نورانی اجسام ہیں۔ انکی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے سفیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح خبریں پہنچاتے ہیں۔ کھاتے پیتے نہیں، نکاح نہیں کرتے، نہ بچے جنتے اور نہ سوتے ہیں۔ انکے اعمال نہیں لکھے جاتے اور نہ انکا محاسبہ ہوتا ہے۔ اِنس وجن کے ساتھ انکا حشر ہوگا۔ جنت میں داخل ہونگے اور اسکی نعمتوں سے استفادہ کرینگے جس طرح اللہ چاہے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ جنت میں ایسے ہونگے جیسے کہ اس عالم میں تھے نہ کھائیں گے نہ پئیں گے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کرتے رہیں گے اور اس میں ایسی لذت پائیں جیسی کہ اہلِ جنت عمدہ غذا اور شراب میں پائیں گے۔ انکے لئے بھی موت جائز ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی نفخہ اول

انکے آثار کے درمیان **تخلف** کا امکان ہے یعنی آگ کا نہ جلانا اور چھری کا نہ کاٹنا بھی ممکن ہے۔ یہ فرقہ انشاء اللہ تعالیٰ نجات پائیگا۔ صحیح اعتقاد یہ ہے کہ کسی چیز کو ان امور میں سے تاثیر نہیں ہے اور تخلف ممکن ہے۔ کبھی آگ ہوتی ہے اور جلاتی نہیں ہے۔ سیدنا **ابراہیم** منجنیق کے ذریعہ آگ میں پھینکے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگ سے محفوظ رکھا۔ آپ ابھی ہوا ہی میں معلق تھے کہ جبرئیل علیہ السلام اس نازک لمحہ میں نازل ہوئے اور آپ سے سوال کیا آلَكَ حَاجَةٌ کیا تمہیں کوئی حاجت ہے تم کوئی مدد طلب کرتے ہو؟ آپ نے کہا اَمَّا اِلَیْكَ فَلَا تمھاری طرف! ہرگز نہیں۔ پھر جبرئیلؑ نے آپ کو مشورہ دیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ آپ نے کہا عِلْمُهٗ بِحَالِي يُغْنِيْ عَنْ سُؤَالِيْ وہ میرے حال سے بخوبی واقف ہے میرے سوال کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات حقیقت کے غلبہ کی وجہ سے ہوی اور اس سے مشروعیتِ دعا کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن اور احادیث میں کثیر مقامات پر اسکا ذکر ہوا ہے۔ اسکی توضیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں پر بعض وقت حقیقت کو غالب کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم پر اکتفا کرتا ہے بہ نسبت دعا کرنیکے۔ اللہ تعالیٰ کبھی شریعت کو غالب کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔ کبھی چھری ہوتی ہے اور کاٹتی نہیں جیسا کہ اسمٰعیل کے قصہ میں اس قول کی بناء پر کہ آپ کے باپ نے آپ کے گلے پر چھری پھیری تھی۔ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ لَمْ يَقَعْ مِنْهُ اِلَّا مُجَرَّدُ الْهَمِّ عَلٰى ذٰلِكَ صحیح قول یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دماغ میں چھری پھیرنے کا فقط خیال گزرا تھا اور بس۔

**قیاسِ استثنائی**۔ کائنات کی کسی چیز میں اگر کوئی تاثیر ہوتی تو لازم آتا کہ وہ اثر مستغنی ہوتا اللہ تعالیٰ سے چونکہ کُل ماسوا اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج رکھتے ہیں اسلیئے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا استغنا رباطل ہے۔ عام طور سے جمیع ذوات مراد ہیں اور ہر حالت سے جمیع صفات۔ عموماً سے مراد یہ ہے کہ خواہ کسی سببِ عادی کی مقارنت ہو جیسا کہ شکم سیری یا آبیاری کسی سببِ عادی کی مقارنت نہ ہو جیسا کہ آسمان اور زمین کی خلقت۔ ہر حالت سے مراد وجود اور عدم کی دونوں حالتیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف ممکن احتیاج رکھتا ہے دونوں حالتوں میں حالتِ عدم میں اس طرح کہ اسکی ایجاد میں اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج رکھتا ہے اور حالتِ وجود میں اس طرح کہ اپنے وجود کے دوام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف ممکن احتیاج رکھتا ہے۔ طبیعت کے لحاظ سے تاثیر کرتی ہے سے یہ مراد ہے کہ اپنی ذات اور اپنی حقیقت سے تاثیر کرتی ہے۔ اس قوت کے سبب سے نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں ودیعت کی ہے۔ اس قوت کے سبب سے تاثیر کرے جسکو اللہ تعالیٰ نے اس میں ودیعت کیا ہے سے مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس قوت کو اس سے نکال دے تو تاثیر نہیں کرسکتی۔ جہلاء سے یہاں عامۃُ المسلمین مراد ہیں جو کہتے ہیں کہ عادی اسباب تاثیر کرتے ہیں اس قوت کے سبب سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہے۔ اگر اس قوت کو اللہ تعالیٰ چھین لے تو تاثیر نہیں کریگی۔ جہلاء سے معتزلہ مراد نہیں ہیں اسلئے کہ معتزلہ یہ نہیں کہتے کہ عادی اسباب تاثیر کرتے ہیں قوت کے سبب سے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے نفس کے افعال آپ تخلیق کرتا ہے اس قدرت کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا کی ہے

بزرگ لکھنے والے، جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ بیجوری نے لکھا ہے کہ اس کتابت پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے انکار سے کفر لازم آتا ہے، اسلئے کہ قرآن کی تکذیب ہوتی ہے۔

**محاسبہ نفس کا کرے۔** امام مالکؒ نے کہا ہے کہ بندہ کی ہر ایک بات کو لکھتے ہیں یہانتک کہ بیماری میں اس کے کراہنے کو آیت ۲۶ / ۱۹۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ کوئی بات نہیں کہتا مگر اسکے پاس نگرانی کرنے والا حاضر ہے۔ جب واقعہ یہ ہے تو چاہئے کہ محاسبہ کرے ہر صبح کو ساری اُن باتوں کا جو راتوں میں گزریں اور ہر شام کو ان ساری باتوں کا جو دن میں گزریں۔ نیکی کا پتہ چلے تو اس پر اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں شکر بھیجے، برائی کا پتہ چلے تو اللہ تعالےٰ سے مغفرت مانگے۔ اس سے زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ ہر فعل کے اقدام سے پہلے غور کرے اور جبتک یہ معلوم نہ ہو کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے عمل نہ کرے۔ فعلِ حسن معلوم ہو تو اس پر عمل کرے ورنہ اس سے احتراز کرے۔ جس نے دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا، اسکے لئے آخرت کا حساب آسان ہوا۔ حدیث۔ حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا۔ حساب لو اپنے نفوس کا پیشتر اسکے کہ تمہارا حساب لیا جائے۔

**قصرِ اَمل**۔ امیدوں کو نہ بڑھائے۔ اَمل کہتے ہیں اُس چیز کی امید کو جس کو نفس پسند کرتا ہے جیسا کہ عمر کی طوالت اور دولت کی زیادتی۔ یہ دونوں باتیں مذموم سمجھی گئی ہیں۔ البتہ مسلمانوں کی منفعت کے خاطر اگر علماء اپنی عمر میں طوالت چاہیں تو ان کو انکی حسنِ نیت کا ثواب ملیگا۔ بعض کا قول ہے کہ مَنْ قَصَّرَ اَمَلَهٗ قَلَّ هَمُّهٗ وَتَنَوَّرَ قَلْبُهٗ وَرَضِيَ بِالْقَلِيْلِ۔ جس نے امید کو کم کیا، اُسکی پریشانی کم ہوئی، اسکے قلب کو جِلا ہوا اور تھوڑے پر راضی ہوا۔

**ملائکہ، جن اور شیاطین۔** رازی نے لکھا ہے کہ متکلمین کہتے ہیں کہ ملائکہ، جن اور شیاطین اجسامِ لطیفہ ہیں، مختلف اشکال اختیار کرسکتے ہیں۔ فلسفی کہتے ہیں کہ ملائکہ متحیز نہیں ہیں اور نہ متحیز کے ساتھ قائم ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ ایسی ماہیت ہیں جو نوع میں ارواحِ بشری کے خلاف ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ارواحِ بشری کو افعالِ شر سے تعلق ہوتا ہے تو وہ شیطان کی صفت رکھتا ہے اور اگر خیر سے تعلق رکھتا ہے تو وہ فرشتہ صفت ہوتا ہے۔ محقق طوسی نے لکھا ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ ملائکہ جن اور شیاطین نوع میں متحد ہیں اور افعال میں مختلف۔ ان میں سے جو صرف خیر پر عمل کرتے ہیں ملائکہ ہیں، جو شر پر عمل کرتے ہیں شیاطین ہیں اور جو کبھی خیر پر اور کبھی شر پر عمل کرتے ہیں وہ جن ہیں۔ ابلیس کسی وقت ملائکہ میں اور کسی وقت جن میں شمار کیا گیا۔

**فضیلت ملائکہ**۔ انبیاء کے بعد ملائکہ کا درجہ ہے اور سب سے اوپر رؤساء ملائکہ ہیں۔ رؤساء ملائکہ چار ہیں۔ جبرئیل، میکائیل اسرافیل اور عزرائیل اور انکے بعد بقیہ ملائکہ کا درجہ ہے۔ جمیع ملائکہ میں جبرئیل اور میکائیل کو فضیلت حاصل ہے اور سب کو اس پر اتفاق ہے لیکن ان دونوں کے درمیان کس کو فضیلت ہے، اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جبرئیل کو سب پر فضیلت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ میکائیل کو۔ جمہور اشاعرہ کے طریقہ پر انبیا کے بعد صرف رؤساء ملائکہ کا درجہ نہیں ہے بلکہ عوام ملائکہ بھی ان کے ساتھ ہیں اگر یہ طریقہ مرجوح ہے۔ قاضی، ابو عبداللہ حلیمی اور معتزلہ کہتے ہیں کہ انبیاء پر عام طور پر ملائکہ کو فضیلت ہے بجز ہمارے

سے پہلے نہ مرینگا بلکہ نفخۂ اوّل کے ساتھ مرینگے سوائے حاملین عرش اور روٗسائے اربعہ کے۔ حاملین عرش اور روٗسائے اربعہ نفخۂ اوّل کے بعد مریں گے۔ ملک الموت سب سے آخر مریں گے۔ آیت ۲۸/۱۹ ماقبل آخر۔ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ اللہ تعالیٰ جو حکم دیتا ہے اسکے خلاف نہیں کرتے اور جو حکم دیتا ہے اسکی تعمیل کرتے ہیں ہاروت و ماروت کی نسبت جو قصے مشہور ہیں وہ یہود اور نصاریٰ کی کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں، غلط اور بے بنیاد ہیں۔ انکو نہ عذاب دیا گیا اور نہ مسخ کئے گئے۔ اس پر اعتقاد کرنا جایز نہیں ہے۔ سحر کے عام رواج کی وجہ سے جاہل لوگ انبیاؑ کے معجزوں کو بھی سحر سے تعبیر کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان فرشتوں کو نازل کیا تاکہ لوگوں کو سحر اور معجزہ کا فرق ظاہر کریں، سحر کی برائیوں سے آگاہ کریں۔ بعض کی رائے ہے کہ یہ دو نو مردِ صالح تھے اور انکی صلاحیت کے لحاظ سے انکو فرشتے کہا گیا۔

---

جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، رضوان، مالک، منکر و نکیر پر تفصیل کے ساتھ اور حاملین عرش، محافظین اور کاتبین پر اجمالاً ایمان لانا واجب ہے۔ ملائکہ کی تعداد اسقدر زیادہ ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ان پر بطور اجمال ایمان لانا واجب ہے۔ جن فرشتوں کا خاص نام اور خاص نوع کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان پر تفصیل کے ساتھ ایمان لانا واجب ہے۔ پہلے وہ فرشتے ہیں جیسے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل و عزرائیل، رضوان خازن جنت، مالک خازن دوزخ اور رقیب و عتید۔ ان کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ لیکن منکر و نکیر سے انکار پر کفر لازم نہیں آتا اسلئے کہ انکے اصلِ سوال کی نسبت اختلاف ہے۔ دوسرے وہ فرشتے جیسے حاملینِ عرش اور حافظین۔ ان پر اجمالاً ایمان لانا واجب ہے۔ ایمانِ اجمالی سے ایمان تفصیلی اکمل ہے ورنہ تکلیف کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونیکے لئے ان سب پر اجمالی طور پر ایمان لانا بھی کافی ہے۔ بعض ملائکہ محافظین کے نام سے بندہ کی حفاظت کیلئے مقرر کئے گئے ہیں۔ آیت ۱۳/۴۔ لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ۔ بندہ کے آگے اور پیچھے پہرہ دار ہیں جو اسکی حفاظت کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کے حکم سے۔ نطفہ کے رحم مادر میں داخل ہونے کے وقت سے لیکر اسکی موت تک چارسو فرشتے ہر ایک آدمی پر مقرر کئے گئے ہیں۔ آیت ۳۰/۱۱۔ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ اور تمہاری حفاظت کرنے والے مقرر ہیں۔ جوزی کو اس بارے میں تردد ہے کہ جن اور ملائکہ کیلئے بھی محافظین ہیں اور پھر قطعی طور پر رائے ظاہر کی ہے کہ جن کیلئے بھی محافظین ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ملائکہ کیلئے محافظین نہیں ہیں اجہوری نے لکھا ہے کہ ملائکہ کیلئے محافظین کا وجود دور از قیاس ہے۔ محافظین فرشتے، مضرت سے بندوں کی حفاظت کرتے ہیں یا بندوں سے جو افعال، اقوال یا اعتقادات صادر ہوتے ہیں انکی حفاظت کرتے ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ بندوں کی مضرت سے حفاظت کرتے ہیں۔

کاتبین وہ فرشتے ہیں جو مکلف کے ہر قول و فعل، اعتقاد و فکر اور نیت و ارادہ میں جو بھلائی یا برائی ہے اسکو لکھتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ رات اور دن کیلئے دو فرشتے معین ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فقط دو فرشتے ہیں جو زندگی بھر اس کے ساتھ چپٹے ہوئے ہیں اور جب مرجاتا ہے تو اسکی قبر پر قائم ہوتے ہیں، تسبیح، تہلیل، اور تکبیر کہتے رہتے ہیں قیامت کے دن تک اگر وہ مومن تھا اور لعنت بھیجتے ہیں اگر وہ کافر تھا۔ آیت ۳۰/۱۲۔ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ

**زمخشری**۔ خلاصہ یہ ہے کہ جمیع کائنات پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی نسبت تمام مسلمین کو اتفاق ہے حتی کہ معتزلہ بھی اسکی تائید کرتے ہیں بخلاف زمخشری کے۔ زمخشری نے کہا ہے کہ جبرئیل کو آپ پر فضیلت ہے۔ انکا استدلال یہ ہے کہ آیت پ۳۰ ع۳-۲۰۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (بیشک یہ قول ہے ایک بزرگ پیامبر کا) میں جبرئیل کے فضائل بیان کئے گئے ہیں بخلاف اسکے آیت پ۳۰ ع۳-۲۲۔ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ (یہ تمہارا رفیق دیوانہ نہیں ہے) میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صرف جنون کی نفی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ زمخشری نے سارے اجماع کا خرق کیا ہے۔ آیتِ محولہ انکے دعوے پر دلالت نہیں کرتی۔ اس آیت میں صرف کفار کے قول کی نفی کرنا مقصود ہے۔ کفار کا قول یہ تھا۔ آیت ۲۲/۸ ۹۔ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ۔ کیا بہتان لگایا ہے اللہ پر یا اسکو جنون ہے۔ اس آیت کا مقصود مفاضلہ نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دینے کی وجہ سے بھی جبرئیل کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ بہت سے متعلم اپنے معلم سے افضل ہیں۔ اسکے علاوہ جبرئیل کی تعلیم انکی ذاتی تعلیم نہ تھی بلکہ بحکم الٰہی تھی۔ شیخ ابن عربیؒ نے فتوحات میں لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا جبرئیل کے نزول سے پہلے۔

**امام لقانی** کا متن جوہرۃ التوحید عام طور پر اشاعرہ کے مسلک پر مبنی ہے اسلئے امام لقانی نے اپنی نظم میں اشاعرہ کے مسلک کو پہلے ظاہر کیا جس کی رو سے انبیاء کو ملائکہ پر فضیلت ہے اور ملائکہ کو بغیر کسی تفصیل کے جملہ نوعِ بشر پر فضیلت ہے لیکن یہ مسلک مرجوح ہے۔ ماتریدیہ کی ایک جماعت نے ملائکہ کے رؤساء اور ملائکہ کے عوام اور عوام بشر میں امتیاز کرکے دونوں میں فضیلت کا تعین کیا ہے۔ انکا قول ہے کہ رؤساءِ ملائکہ پر انبیاء کو فضیلت ہے۔ جبرئیل اور میکائیل سے بھی انبیاءؑ افضل ہیں۔ رؤساءِ ملائکہ کے بعد ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما جیسے اولیا کا درجہ ہے اور حاملینِ عرش اور کروبیین جیسے عوام ملائکہ سے یہ اصحاب افضل ہیں۔

**حاملینِ عرش** کی تعداد اسوقت چار ہے لیکن قیامت کے دن انکی تائید کیلئے اللہ تعالیٰ دوسرے چار فرشتوں کا اضافہ کریگا۔ آیت ۲۹/۵ ۱۸۔ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ۔ اس دن تمہارے پروردگار کے عرش کو اپنے اوپر آٹھ (فرشتے) اٹھائیں گے۔ (تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے جلال میں زیادتی ہو) ۲۴/۵ آخر۔ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ دیکھو گے تم فرشتوں کو گھیرے ہوئے اطراف عرش کے پاکی بیان کرتے ہیں۔

**کروبیین**۔ کرب درد تکلیف کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ فرشتے امت سے کرب کے رفع کرنے کیلئے دعا کرتے ہیں اسلئے انکو اس نام سے نامزد کیا گیا۔ بعض لوگ کچھ اور بھی بیان کرتے ہیں۔ ماتریدیہ کا یہ طریقہ راجح قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس قول کی بناء پر معصوم پر غیر معصوم کی فضیلت لازم آئیگی تو اسکا جواب یہ ہے کہ تفضیل میں عصمت کا دخل نہیں ہے اور نہ اسکو کوئی اہمیت ہے۔ عبادت میں ثواب کی زیادتی لائقِ لحاظ ہے۔ صحابہ اور اولیاء جیسے نوعِ انسانی کے خاص افراد اکثر ثواب کے مستحق ہیں بہ نسبت عوام ملائکہ کے عبادت میں مشقت کے متحمل ہونے کی وجہ سے بخلاف ملائکہ کے

نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے، جنکو تنہا ملائکہ پر فضیلت ہے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ ملائکہ ہوا و ہوس اور خواہشات و شہوات سے پاک ہیں اور یہ سبب ہے انکی فضیلت کا۔

**رازی** نے بھی معتزلہ کی تائید کی ہے اور الدین میں لکھا ہے کہ میرے پاس مختار یہ ہے کہ فرشتہ بشر سے افضل ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ مخلوق کی نظر میں اپنی عظمت کو ثابت قرار دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کو آسمانوں زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا معبود ہونے کی دلیل اس آیت میں ظاہر کی ہے۔ آیت نمبر ۳۷، رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا۔ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا پروردگار رحمٰن ہے قدرت نہیں کسی کو کہ اس سے بات کرے۔ اسی معنی کی تقریر میں اضافہ کیلئے فرمایا۔ آیت نمبر ۳۸۔ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَةُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا۔ جس دن کہ جبرئیل اور سارے ملائکہ صف بستہ کھڑے ہونگے کوئی بات نہ کریگا سوائے اسکے جس کو رحمٰن نے اجازت دی اور صواب کہا۔ اگر مخلوقات میں ملائکہ کو اعلیٰ درجہ حاصل نہ ہوتا تو یہ ترتیب صحیح نہ ہوتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت ۲۸۵۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ اور ایمان والے سارے ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اسکے ملائکہ پر۔ اسکی کتابوں پر اور اسکے پیغمبروں پر۔ یہی ترتیب صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ اشرف موجودات ہے اور اسکے بعد ملائکہ ہیں۔ فرشتہ ہی نے اللہ تعالیٰ کیجانب سے رسول تک کتاب کو پہنچایا۔ قرآن کی ترتیب دلالت کرتی ہے کہ بشر پر فرشتہ شرف رکھتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ملائکہ جواہر ہیں جو شہوات کی تاریکیوں اور غضب کی کدورتوں سے پاک ہیں تسبیح انکی غذا تہلیل و تقدیس انکی شراب ہے۔ ذکر سے انکو انس حاصل ہوتا ہے اور عبودیت سے فرحت۔ انکو اس شخصیت سے کوئی مناسبت نہیں جو شہوت اور غضب سے موصوف ہوسکے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ملائکہ کیلئے افلاک مثل ابدان کے اور کواکب مثل قلوب کے ہیں۔ بدن کی نسبت بدن کی طرف اور قلب کی نسبت قلب کی طرف ایسی ہے جیسے روح کی نسبت روح کی طرف ہے، اشراق اور صفائی میں۔ اسکی تردید میں یہ وجہ بیان کیگئی ہے کہ نامساعد اسباب کی موجودگی کے باوجود، طاعتِ الٰہی میں بدرجۂ کمال ہمہ تن، صمیم قلب کے ساتھ، انسان مصروف رہتا ہے اور منہیات سے بدرجۂ غایت احتراز کرتا ہے۔ بخلاف اسکے ملائکہ کی طاعت و عبادت اور منہیات سے ان کا احتراز انکی جبلی فطرت پر موقوف ہونے کی وجہ سے ان میں مشقت کا احساس نہیں ہے اسلئے انبیا کو ملائکہ پر فضیلت حاصل ہے حدیث۔ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ اَحْمَزُهَا ای اَشَقُّهَا۔ جن اعمال میں زیادہ مشقت حاصل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس زیادہ محبوب ہیں۔ سعد نے کہا ہے کہ ان مدارج کی نسبت کوئی دلیل قطعی نہیں ہے۔ اسی لئے تاج الدین سبکی نے کہا ہے کہ فرشتہ پر بشر کی تفضیل کا اعتقاد کرنا واجب نہیں ہے اور نہ اس بارے میں ناواقفیت سے کوئی نقصان پہنچتا ہے اس مسئلہ میں سکوت کرنے میں ہی سلامتی ہے۔ بغیر کسی قطعی دلیل کے ان دو اصناف کی باہمی فضیلت کے بارے میں کسی رائے کے اظہار کرنے میں بڑا خطرہ لگا ہوا ہے اور ہم اسکے اہل نہیں ہیں کہ کوئی حکم لگائیں۔

# قرآن

کلامِ الٰہی کے قدیم ہونے کی بحث صفحہ ۱۵۱ پر اور اعجازِ قرآن کی بحث صفحہ ۲۲۴ پر درج ہے۔ یہاں قرآن کی نسبت دیگر مباحث قلمبند کئے جاتے ہیں۔

**نزولِ قرآن** - لوحِ محفوظ میں قرآن موجود ہے۔ آیت ۳۰ آخر۔ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ بلکہ وہ قرآنِ مجید ہے جو لوحِ محفوظ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو صحائف کی شکل میں **لیلۃ القدر** میں دنیا کے آسمان پر اُس مقام پر اُتارا جسکو **"بیت العزت"** کہا گیا ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ ہم نے قرآن کو قدر کی رات میں اُتارا۔ اس کے بعد موقع اور محل کے لحاظ سے مختلف اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسکا نزول ہوتا رہا۔ آیت ۱۵/۱۲ ۶۔ وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ۔ قرآن کو جدا جدا کر کے ہم نے اُتارا تاکہ وقفہ کے ساتھ لوگوں پر پڑھو۔ سورتوں کی ترتیب اور سورتوں میں آیتوں کی ترتیب اس وقت اُسی شکل میں ہے جس طرح لوحِ محفوظ میں ہے اور جس کی خبر جبرئیلؑ نے رسول اللہ کو دی تھی۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ سورتوں میں آیتوں کی ترتیب **توقیفی** ہے۔ رسول اللہ نے بتائی تھی اور مسلمانوں میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وقتِ واحد میں آپ پر متعدد سورتیں اور متعدد آیتیں بھی نازل ہوتی تھیں۔ ابوداؤد، نسائی، ترمذی وغیرہ نے عثمانؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں اُترتی تھیں۔

**کتابتِ قرآن**[1] - مختصر کنز میں لکھا ہے وَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰذَا فِي السُّوْرَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی چیز نازل ہوتی تو آپ کاتب کو طلب فرماتے اور کہتے کہ اس آیت کو اس سورت میں لکھو جس میں فلاں فلاں باتیں لکھی ہیں۔ آپ خود لکھنا نہیں جانتے تھے۔ آیت ۲۱/۴۔ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِيْنِكَ تم اسکو نہیں لکھتے تھے داہنے ہاتھ سے۔ عراقی نے اپنی منظومہ سیرت میں لکھا ہے کہ کاتبین کی جملہ تعداد بیالیس تھی اور انکے نام بھی عراقی نے لکھے ہیں۔ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے کہ حنظلہ بن ربیع کاتبوں کے صدر تھے۔ لکھوانے کے بعد پڑھوا کر بھی آپ سنتے اور تصحیح کرواتے تھے۔ زید بن ثابتؓ نے کہا ہے، وَإِنْ كَانَ فِيْهِ سَقَطٌ أَقَامَهُ اگر کچھ چھوٹ جاتا تو درست کرواتے۔ مجمع الزوائد میں زید بن ثابت کا یہ قول نقل کیا گیا ہے ثُمَّ اَخْرُجُ بِهٖ اِلَى النَّاسِ۔ تب میں اسکو لوگوں تک پہنچاتا۔ کتانی نے لکھا ہے کہ قرآن کل کا کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا جا چکا تھا، لیکن ساری سورتوں کو ایک جگہ جمع نہیں کیا گیا تھا۔ امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابوزید اور زید بن ثابت ان چاروں کو قرآن حفظ تھا۔

[1] تدوین قرآن مناظر احسن گیلانی

عوام کے حق کیلئے طاعت جبلی امر ہے اور جبلی امر میں کوئی مشقت لاحق نہیں ہوتی۔ ان چاروں طریقوں کی وضاحت کیلئے انکے مراتب کو بالمقابل درج کیا جاتا ہے۔

| جمہور اشاعرہ | قاضی، حلیمی و معتزلہ | سعد و تاج الدین سبکی | جماعت ماتریدیہ |
|---|---|---|---|
| انبیاء | محمد صلی اللہ علیہ وسلم | انبیاء و ملائکہ کے باہمی | انبیاء |
| رؤسائے ملائکہ | ملائکہ | تفاضل میں سکوت کو | رؤسائے ملائکہ |
| عوام ملائکہ | انبیاء | ترجیح دی | صحابہ و اولیاء |
| | | | عوام ملائکہ |

نتیجہ یہ کہ انبیاء اور ملائکہ دونوں میں بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ اولوالعزم انبیاء کو دوسرے انبیاء پر اور رؤسائے ملائکہ کو بقیہ ملائکہ پر افضلیت ہے۔ ماتریدیہ کے طریقۂ راجحہ کے لحاظ سے تفضیل کی ترتیب یوں ہوگی۔ پانچ اولوالعزم انبیاء ہیں اور انکی فضیلت اس ترتیب سے ہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطلق طور پر افضل مخلوقات ہیں۔ آپ کے بعد سیدنا ابراہیمؑ پھر سیدنا موسیٰؑ پھر سیدنا عیسیٰؑ پھر سیدنا نوحؑ۔ انکے بعد بقیہ رسل پھر انبیاء جو غیر رسل ہیں۔ جنکی باہمی فضیلت اللہ بہتر جانتا ہے۔ پھر جبرئیل، پھر میکائیل پھر بقیہ رؤسائے ملائکہ اسرافیل و عزرائیل پھر خاصگانِ صحابہ اور اولیاء اور پھر عوام ملائکہ۔

# کُتُبِ سماوی

**کُتُبِ سماوی۔** واجب ہے اعتقاد اجمالی طور پر کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتابیں نازل ہوئیں اور تفصیل سے اعتقاد واجب ہے چار کتابوں کی نسبت۔ کتبِ سماوی سے مراد وہ کتابیں ہیں جو الواح یا صحیفوں کی شکل میں نازل ہوئیں یا فرشتہ کی زبان پر۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی نسبت تفصیلی بحث صفحہ ۱۵۷ میں درج ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ ان صحائف کی تعداد کی نسبت اختلاف ہے۔

مشہور یہ ہے کہ انکی تعداد ایک سو چار ۱۰۴ ہے۔ شیث علیہ السلام کے صحیفے ساٹھ ۶۰، ابراہیمؑ کے صحیفے تیس ۳۰، موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے تورات سے پہلے دس ۱۰ اور چار ۴ کتابیں، تورات موسیٰؑ کی، زبور داؤدؑ کی، انجیل عیسیٰؑ کی اور فرقان سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ بعض کا قول ہے کہ انکی تعداد ایک سو چودہ ۱۱۴ ہے۔ شیث علیہ السلام کے صحیفے پچاس ۵۰، ادریسؑ کے صحیفے تیس ۳۰ اور ابراہیمؑ کے صحیفے بیس۔ دس کی نسبت اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ دس ۱۰ صحیفے آدمؑ کے اور بعض کا قول ہے کہ موسیٰؑ کے۔ ان چار کتابوں یعنی تورات، زبور، انجیل اور قرآن کے علاوہ بقیہ کتابوں یا صحیفوں کی تعداد کے حصر کرنے سے احتراز کیا جائے۔

قرآن کے جمع رکھنے اور پڑھنے کی ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ۔ پھر ہم پر ہی ہے اسکا سمجھانا بھی۔ آیت ۔ ۱۴/۱۵ ۹۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ ہم ہی نے اُتارا ہے ذکر یعنی قرآن کو اور ہم ہی اسکی حفاظت کرینگے۔ ان آیتوں سے ثابت ہے کہ قرآن آخر تک اکٹھا رہیگا، لوگ اسکو پڑھتے رہیں گے اور اسکے مطالب کو سمجھتے رہیں گے۔

**نقاطِ قرآن۔** ابوالاسود دیلی نے سب سے پہلے نقاط کا استعمال کر کے حروف میں امتیاز پیدا کیا۔ ابوالاسود دیلی علیؓ کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ انھوں نے علیؓ سے نحو کے ابتدائی کلیات سیکھے تھے۔ انکی وفات ۶۹ھ میں ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ نقاط کا استعمال ۶۹ھ کے قبل شروع ہوگیا تھا۔ قرآن مصحفوں میں مجرد تھا، نقطے نہ تھے، نقطے دئیے گئے اور سب سے پہلے باء اور تاء کے نقطے دئے گئے۔ اس کے بعد آیتوں کے ختم پر بڑے نقطے دئے گئے اور پھر آیتوں کے فواتح اور خواتم مقرر کئے گئے۔ حجاج کے زمانہ میں سورتوں کے ناموں کو تحریر میں لایا گیا۔ قرآن کو تیس پاروں اور اَعشار (دس حصوں) اور احزاب میں تقسیم کیا گیا اور ہر پارہ کو چار حصوں میں بانٹا گیا۔ یہ **بدعت** ہے مگر حرام یا مکروہ نہیں ہے اسلئے کہ سہولتِ تلاوت کیلئے یہ عمل کیا گیا۔

**وحیِ غیر متلو۔** ہر وہ چیز جو جبرئیلؑ کے ذریعہ رسول اللہ تک پہنچی اسکا جزوِ قرآن ہونا ضروری نہ تھا جیسا کہ حدیثِ اوقاتِ نماز، تعریفِ ایمان، اسلام اور احسان اور ایسے ہی بعض دیگر امور جو رسول اللہ تک جبرئیلؑ کے ذریعہ پہنچے جزوِ قرآن نہیں تھے۔ انکو وحیِ غیر متلو کہا جاتا ہے۔ آیت ۲۷/ھ ۴۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ (اور نہیں بولتا اپنی خواہش سے، یہ تو وحی ہے، جو بھیجی گئی ہے) اسے مراد یہی ہے۔

**آیاتِ قرآن۔** قاریوں کی امداد سے قرآن کی آیتوں اور حروف کو شمار کیا گیا۔ قرآن میں جملہ چھ ہزار پانسو (۶۵۰۰) آیتیں ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ چھ ہزار دو سو چار (۶۲۰۴)۔ آیتوں کی تعداد میں اختلاف اس بناء پر نہیں ہے کہ آیتیں کم یا زیادہ ہیں۔ بلکہ آیات کی عبارت اور جملوں کی تقسیم کے تعلق سے اختلاف ہے کسی نے ایک آیت کو دو میں تقسیم کر دیا اور کسی نے دو کو ملا کر ایک، بس اسی طرح۔

لہ مولف

**حروفِ قرآن۔** قرآن کے جملہ حروف کی تعداد تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو اکہتر (۳۲۳۶۷۱) ہے۔

**طہارت۔** مس وحمل و قراءتِ قرآن کے تعلق سے طہارت کے احکام، فقہ میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں ملاحظہ ہو المبسوط صفحہ ۳۶۔

**قراءتِ سبعہ۔** قراءت قرآن کی سات طرزیں۔ جس طرز میں قراءت شروع کیجائے اسی طرز میں ختم کیجائے مختلف آیتیں مختلف قراءتوں میں نہ پڑھی جائیں۔ قراءتِ سبعہ اِن حضرات کی طرف منسوب ہے۔ نافعؒ۔ ابو عمروؒ۔ عبداللہ بن کثیرؒ۔ عبداللہ بن عامرؒ۔ عاصمؒ۔ حمزہؒ۔ علی کسائیؒ۔ ھشام بن حکیم نماز میں سورۂ فرقان پڑھ رہے تھے۔ عمر فاروقؓ نے سنا اور طرزِ قراءت پر اعتراض کیا۔ دونوں دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دونوں سے اسی سورت کی قراءت سنی اور

بعض کا قول ہے کہ صحابۂ کرام میں سے چھ شخص کامل قرآن کے حافظ ہوئے۔ اس سے ثابت ہے کہ نزول کے ساتھ ساتھ کتابت اور حفظ کے دونوں طریقے رائج تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت، قرآن سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہو چکا تھا۔ سیرت ابن ہشام میں قبول اسلام سے پہلے، عمر فاروقؓ کا وہ واقعہ درج ہے جو آپ نے اپنی بہن سے اُس صحیفہ کو مانگا تھا جو وہ پڑھ رہی تھی۔ بہن نے انکار کیا اور طہارت کرنے کی ہدایت دی اور طہارت کے بعد آپ کے حوالہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اس صحیفہ میں سورۂ طٰہٰ اور سورۂ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ لکھی تھی۔ یہ واقعہ آپ کی وفات سے بہت دنوں قبل کا ہے۔

**عہد ابو بکر صدیقؓ**۔ زید بن ثابتؓ نو عمری میں مسلمان ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے کتابت کا کام لیا کرتے تھے۔ یہودیوں کے حروف اور زبان کی بھی تعلیم پائی تھی۔ ابو بکر صدیقؓ کی ہدایت پر کتوبہ یادداشتوں سے، سب صورتوں کو ایک جگہ جمع کرکے، قرآن کا ایک نسخہ مرتب کیا۔ اسی ضمن میں ایک واقعہ لائق تذکرہ یہ ہے کہ زید بن ثابت کے پاس جو مکتوب یادداشتیں تھیں اس میں سورۂ توبہ برارت کی آخری دو آیتیں نہیں پائی گئیں۔ خزیمہ بنت ثابت انصاری نے اسکی تصحیح کی۔ وہ آیت یہ ہے ۱۲۸ تا قبل آخر۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ......... اِلٰی آخرہٖ۔ قرآن کی ہر ایک آیت کو دو شہود کے بیان پر قبول کیا گیا بجز اس ایک آیت کے۔ اسلئے کہ خزیمہ وہ اعلیٰ مرتبت صحابی ہیں جن کی شہادت کو رسول اللہؐ نے دو افراد کی شہادت کے مساوی قرار دیا تھا۔ اسکے علاوہ یہ دو آیتیں ایسی مشہور و معروف تھیں جنکو اکثر صحابۂ کرام حلِ مشکلات کیلئے ورد کیا کرتے تھے۔

**عہد عثمانؓ**۔ عرب کے مختلف قبائل کا مختلف لب ولہجہ تھا اور عرب کے ساتھ بہت سے عجمی اصحاب دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، انکا لب ولہجہ اور بھی جداگانہ تھا۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ فَالْهُذَلِیُّ یَقْرَءُ عَتّٰی حِیْنٍ وَالْاَسَدِیُّ یَقْرَءُ تِعْلَمُوْنَ بِالْکَسْرِ وَالتَّمِیْمِیُّ یَهْمِلُ وَالْقُرَشِیُّ لَا یَهْمِلُ۔ هذلی حَتّٰی حِیْنٍ کو عَتّٰی حِیْنٍ اور اسدی تَعْلَمُوْنَ کو تِعْلَمُوْنَ کہتے اور تمیمی اہمال کرتے اور قریشی اہمال نہ کرتے تھے۔ **اہمال** نقطہ نہ دینا۔ **اعجام** نقطہ دینا۔ عثمان غنیؓ نے آیندہ کے مزید اختلافات کا سدّباب کرنیکے ارادہ سے قریشی لہجہ میں قرآن کی کتابت چاہی۔ آپ نے صحابہ کو طلب کرکے، قریشی لہجہ میں، انہی رنگ صحابی زید بن ثابتؓ سے قرآن کی کتابت کرائی اور اسکے نقول مختلف صوبجات کو روانہ کئے جس کی وجہ سے کتابت میں یکسانیت پیدا ہوئی جو آجتک قائم ہے اور تا قیام قیامت قائم رہیگی آیت ۱۵ ۹۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم ہی اسکی حفاظت کرینگے۔ اتقان میں سیوطی نے حارث بن محاسبی کا یہ قول لکھا ہے۔ اَلْمَشْهُوْرُ عِنْدَ النَّاسِ اَنَّ جَامِعَ الْقُرْاٰنِ عُثْمَانُ وَلَیْسَ كَذٰلِكَ اِنَّمَا حَمَلَ عُثْمَانُ النَّاسَ عَلَی الْقِرَاءَةِ بِوَجْهٍ وَاحِدٍ۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ عثمانؓ نے قرآن کو جمع کیا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ عثمانؓ لوگوں کو ایک طریقہ سے پڑھنے پر لائے۔ امام مالکؒ نے کہا ہے اِنَّمَا اُلِّفَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی مَا كَانُوْا یَسْمَعُوْنَ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قرآن کی تالیف کیگئی جس طرح رسول اللہ سے سنا کرتے تھے۔ آیت ۲۹/۷۵ ۱۶۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔ ہم ہی پر ذمہ داری ہے

**آداب قراءت**۔ قاری کیلئے سنت ہے کہ قراءت کے پہلے جہر سے اعوذ پڑھے، قبلہ کی طرف رُخ کرے۔ قراءت میں انقطاع نہ ہو تو پہلی مرتبہ اعوذ پڑھنا کافی ہے۔ اگر قراءت میں فصل ہو جائے تو دوبارہ اعوذ پڑھے۔ دو رکعتوں کے درمیانی فصل کو فصلِ طویل کہتے ہیں۔ جماعت میں، قراءت میں، اعوذ ہر شخص کیلئے مندوب ہے۔ بخلاف اسکے کھانا کھاتے وقت جماعت میں سے ایک شخص کا بسم اللہ کہنا کافی ہے۔ قراءت میں قیام افضل ہے اور لیٹ کر پڑھنے سے بیٹھکر پڑھنا افضل ہے۔ قرآن پڑھتے اور سنتے وقت توجہ کرے اور غور کرے اور خشوع کے ساتھ سنے، ترتیل کے ساتھ پڑھے اور قلب کو متاثر کرے۔ تہدید، وعید، مواثیق اور عہود کی آیتوں پر توجہ کرے اور اپنی کوتاہیوں پر غور کرے۔ اگر اسکا اثر نہ پائے تو اسکے فقدان پر روئے کہ یہ بھی ایک مصیبت ہے۔ آیت ۱۵/۱۲ ماقبل آخر۔ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا۔ اپنی تھوڑیوں کے بل گرتے ہیں، روتے ہیں اور یہ (قرآن) انکے خشوع کو زیادہ کرتا ہے۔ قرآن میں نظر کرکے پڑھنا افضل ہے۔ قرآن کو اول روز، یا رات میں، یا جمعہ کے دن اور رات میں ختم کیا جاوے۔ ختم کے بعد دعا کرنا اور دوسرا دور شروع کرنا مسنون ہے۔ شیخان نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو قرآن سنانے کی فرمائش کی تو انھوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں آپ کو قرآن سناؤں جن پر کہ قرآن نازل ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي۔ میں چاہتا ہوں کہ دوسرے کی زبان سے سنوں۔ ابن مسعودؓ نے سورۂ النساء پڑھی اور اس آیت تک پہنچے تھے فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (۵/۳ ماقبل آخر)۔ پس کیسا ہوگا کہ جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تم کو ان پر گواہ بنائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حَسْبُكَ الْآنَ۔ اب بس ہے۔ ابن مسعودؓ نے قراءت ختم کی اور آپ کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ آپ کی دونو آنکھیں بہہ رہی تھیں

**آداب تلاوت**۔ غزالیؒ نے تلاوت کے دس آداب بیان کئے ہیں۔ تلاوت کے وقت کلام اللہ اور متکلم یعنی اللہ تعالیٰ دونو کی عظمت کو ملحوظ رکھے۔ حضورِ قلب کے ساتھ تلاوت کرے۔ معانی کی نسبت غور و فکر کرے جس کو تدبّر کہتے ہیں۔ ہر آیت کی مناسبت کے لحاظ سے غور و فکر کرے۔ فہم قرآن کے موانعات کو دور کرے جس سے پراگندگی واقع ہوتی ہو۔ یہ سمجھے کہ قرآن کا خطاب اُسی کی طرف ہے، وعدہ ہو یا وعید اس سے عبرت حاصل کرے۔ اختلافِ آیات کے لحاظ سے اپنے دل پر مختلف اثرات پیدا کرے۔ اتنی ترقی کرے کہ خود متکلم سے سنے۔ اس کے تین مدارج ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ اس طرح پڑھے کہ گویا خدا کے سامنے پڑھ رہا ہے، خدا کو سنا رہا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ اسکو دیکھ رہا ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ کلام میں متکلم اور اسکی صفات کو دیکھ رہا ہے۔ جعفر بن صادق فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر تجلی کرتا ہے اپنے کلام میں لیکن وہ دیکھتے نہیں۔ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھتے ہوئے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ میں آیت کو اپنے دل میں بار بار دُھراتا تھا یہانتک کہ متکلم سے سنا۔ میرا بدن اسکی قدرت کے معائنہ کی تاب نہ لاسکا۔ اتنی قوت اور توجہ کو

دونوں سے فرمایا۔ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ۔ اسی طرح یہ سورت نازل ہوئی۔ اور پھر ارشاد فرمایا۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَتْ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے تو چاہئے کہ تمہارے لئے جو آسان ہو اُن ہی حروف کے ساتھ اسکو پڑھو۔

**ترتیل** کہتے ہیں علاحدہ علاحدہ اور صاف پڑھنے کو۔ قرآن کی تلاوت میں ترتیل مستحب ہے اگرچہ کہ معنی نہ سمجھ سکے۔ ترتیل غور و فکر کے لئے نہیں ہے۔

**جہر**۔ اتنی آواز میں تلاوت کیجائے کہ خود سُن سکے۔ اتنی آواز میں پڑھنا جس کو دوسرا سن سکے ایک طرح پسندیدہ اور دوسری طرح مکروہ ہے۔ عمر ابن عبدالعزیز مسجدِ نبوی میں ایک رات نماز میں جہر سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ سعید بن مسیبؒ نے سنکر کہا۔ اے نمازی! اگر نماز میں قراءت سے مقصود اللہ تعالیٰ کو سنانا ہو تو آواز کو پست کرو اور اگر لوگوں کو سنانا چاہتے ہو۔ فَاِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔ تو اُنکو تم سے کوئی بات ایسی نہ ملیگی جو خدا سے بے نیاز کرنے عمر بن عبدالعزیز خاموش ہوئے اور رکعت میں تخفیف کی اور سلام کیا اور نعلین اٹھائے اور چلے گئے۔ وہ اس زمانہ میں مدینہ کے امیر بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تین صحابیوں کو تین حالوں میں پایا۔ ابوبکر صدیق نماز میں قراءت آہستہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے وجہ دریافت کی تو عرض کیا' جس ذات سے میں مناجات کر رہا ہوں وہ سنتا ہے۔ عمرؓ پر گزرے تو آپ آواز سے پڑھ رہے تھے آپ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا' سوتوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو ڈانٹ بتاتا ہوں۔ بلالؓ پر گزرے تو آپ ایک سورت سے ایک آیت اور دوسری سورت سے دوسری آیت پڑھ رہے تھے آپ کے سوال پر عرض کیا' میں طیّب کو طیّب سے ملاتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں اصحاب کی نسبت فرمایا ہر ایک نے اچھا کیا اور ٹھیک کیا۔ ان احادیث پر مجموعی طور پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسرار یعنی پست آواز میں پڑھنے میں' ریا یا تصنّع کی گنجائش نہیں ہوتی اور اُس شخص کیلئے اِسرار افضل ہے جسکو ریا کا خوف ہو۔ ورنہ عام قاعدہ یہ ہے کہ دوسرے مُصلّی کی نماز میں خلل نہ واقع ہوتا ہو تو جہر میں فضیلت ہے۔ ۱

**حفظ** کرنا قرآن کا فرض کفایہ ہے۔

**کراہتِ قراءت**۔ بحیرمی نے لکھا ہے کہ فرشتوں کو قراءتِ قرآن کی فضیلت عطا نہیں ہوئی' اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کو یہ نعمت بخشی ہے اور یہ شرف فقط انسان کو حاصل ہے اسلئے فرشتے انسان سے قرآن سننے کا شوق رکھتے ہیں۔

**فضیلتِ قراءت**۔ قراءتِ قرآن' عام ذکر سے افضل ہے' لیکن وہ ذکر جو کسی محل پر مخصوص ہے یا جس کیلئے شرع میں حکم دیا گیا ہے وہ افضل ہے۔ وقتِ معیّن یا محلِ معیّن میں ذکر میں مشغول ہونا' اسوقت اور محل پر قراءت میں مشغول ہونے سے افضل ہے جیسا کہ شبِ جمعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کیلئے حکم ہے اسمیں درود پڑھنا قرآن پڑھنے سے افضل ہے۔ شبِ عید اور شبِ جمعہ ملکر واقع ہوں تو تکبیر کو فضیلت ہے اسلئے کہ عید کم واقع ہوتی ہے۔

**بالکلام** تفسیر کہتے ہیں علم کلام کے اصول پر تفسیر کرنے کو۔ فلسفیوں اور دیگر مخالفین کی دلیلوں سے بحث کی گئی ہے۔
تفسیر کبیر اس مسلک کی اہم تفسیر ہے۔ مقاتل بن سلیمان نے اسی طریقہ کو اختیار کیا۔

**صوفیہ**۔ ایک تیسرا مسلک صوفیہ کا بھی ہے۔ انھوں نے قرآن کے اسرار بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ محی الدین ابن عربیؒ اس فن کے شیخ اکبر ہیں۔ کاشانی نے بھی صوفیہ کے مسلک پر تفسیر لکھی ہے۔ ظاہری معنی پر تکلیف شرعی موقوف ہے، اسرار کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے لیکن اس پر تکلیف شرعی مرتب نہیں ہوتی۔

**تاویل**۔ آیت کے لفظی معنی کو ترک کرکے، مجازی معنی کے مراد لینے کو تاویل کہتے ہیں بشرطیکہ کتاب اور سنت کے موافق ہو۔ صفائی فہم، مرتبۂ معرفت اور منصب قرب کے لحاظ سے تاویل کرنے والوں کے مراتب میں فرق ہے۔

ابن رشد نے فصل المقال میں لکھا ہے، کسی لفظ سے اسکے حقیقی معنی کے عوض مجازی معنی مراد لینے کو تاویل کہتے ہیں بشرطیکہ زبان عربی اسکی اجازت دیتی ہو۔ جب فقیہ کو اسکی اجازت ہے تو متکلم جو دلائل اور براہین سے کام لیتا ہے اس کیلئے اور بھی زیادہ آزادی ہے۔ مسلمانوں کا عام طور پر اتفاق ہے کہ شرع کے ہر لفظ کو اسکے ظاہر پر محمول کرنا یا ہر لفظ کی تاویل کرنا واجب نہیں ہے۔ البتہ بعض الفاظ کی تاویل اور غیر تاویل میں اختلاف ہے۔ اشعری آیت استوا اور حدیث نزول کی تاویل کرتے ہیں اور حنابلہ اسکے ظاہری معانی مراد لیتے ہیں۔ بلحاظ فہم طبائع انسانی مختلف ہیں، اسلئے شرع میں ظاہر اور باطن دونو وارد ہوئے ہیں۔ صدر اول کے بزرگوں کا قول ہے کہ شرع میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا ہے، حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ۔ لوگوں سے گفتگو کرو جس طرح کہ وہ سمجھ سکتے ہیں۔ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ ہر زمانہ میں علماء وقت نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ شرع میں بعض امور ایسے بھی ہیں جنکی حقیقت ہر ایک شخص نہیں جان سکتا۔ البتہ عملی امور ایسے ہیں جو ہر کس و ناکس پر مساوی طور پر افشا کئے گئے۔

**تفسیر بالرائے**[1]۔ انفرادی اور ذاتی رائے سے قرآن کی تفسیر کے بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حدیث۔ مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ فِي النَّارِ۔ جس نے قرآن کی تفسیر اپنی ذاتی رائے سے کی اس نے اپنی جگہ دوزخ میں قائم کی۔ ابوبکرؓ کا قول ہے۔ اَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ وَاَیُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِیْ اِذَا قُلْتُ فِی الْقُرْآنِ بِرَاْیِیْ۔ کونسی زمین مجھکو سمائیگی اور کونسا آسمان مجھکو سایہ دیگا جبکہ میں قرآن کے معنی اپنی رائے سے بیان کروں۔ ذاتی رائے سے امتناع کے دو اسباب ہوسکتے ہیں۔

کسی امر میں کوئی ذاتی رائے رکھتا ہو اور اس رائے کے موافق قرآن کی تاویل کرے۔ کسی شخص کی کوئی غرض اصلی ہو اور اسکے اثبات کیلئے قرآن کو دلیل میں پیش کرے۔ باطنیہ بسا اوقات فاسد مقاصد کی پیش رفت میں، اپنے مسلک کی جانب لوگوں کو کھینچنے کے لئے اپنے مسلک کی تائید میں قرآن کی تاویل کرتے ہیں۔ تفسیر بالرائے سے منع کرنے کی یہ ایک وجہ ہوسکتی ہے۔ رائے صحیح بھی ہوسکتی ہے اور فاسد بھی اور یہاں رائے فاسد مراد ہے جو ہوائے نفس کے موافق ہو۔

[1] امام غزالیؒ

اپنی ذات سے علیحدہ کرکے، رضا اور تزکیہ کی طرف مائل کرے۔

**معانیٔ قرآن** شیخ ہجویری نے لکھا ہے کہ سابقہ سارے کتب سماوی کے معانی قرآن میں جمع کئے گئے ہیں۔ قرآن کے معانی سورۂ فاتحہ میں اور سورۂ فاتحہ کے معانی بسم اللہ میں اور بسم اللہ کے معانی اسکے ب میں اور بعض نے لکھا ہے کہ ب کے معانی اسکے نقطے میں پنہاں ہیں۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ سورۂ فاتحہ میں قرآن کے سارے معانی پوشیدہ ہیں۔ گویا کہ وہ ایک مختصر فہرست ہے جسکی تفصیل بقیہ قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ تمامی الٰہیات کا علم ایک آیت الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم میں مضمر ہے مالک یوم الدین میں امور اُخروی کی طرف اشارہ ہے۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین میں ساری عبادات شامل ہیں خواہ انکا تعلق عبادات سے ہو یا احکام سے جن پر اوامر و نواہی مبنی ہیں۔ اھدنا الصراط المستقیم میں شریعت کی طرف نسبت ہے۔ انعمت علیھم میں انبیاء اور غیر انبیاء کا ذکر ہے۔ غیر المغضوب علیھم و لا الضالین میں طوائفِ کفار کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن کیا ہے شریعتِ محمدی کا ایک مکمل قانونچہ ہے۔ آلہیات، نبویات اور اُخرویات کے سارے امور اس میں درج ہیں بعض تفصیل کے ساتھ بعض اجمالی طور پر۔ انسانی معاشرت سے تعلق رکھنے والے سیاسی، اجتماعی اور مدنی نظامات اس میں شامل ہیں ورنہ دوسری آسمانی کتابیں اس طرح جامع نہیں ہیں۔ اس میں تاریخی حوادث، اُمم سابقہ و حالیہ کے واقعات کی صراحت کی گئی ہے تاکہ ان سے عبرت حاصل کیجائے۔ تزکیۂ نفس کے ساتھ خلقتِ کائنات کی نسبت غور و فکر کرنے کی دعوت دیگئی ہے۔ آیت ۲/۲۸۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۔ پس عبرت حاصل کرو بصیرت والو۔ آیت ۱۸۵/۹۔ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ۔ کیا وہ غور نہیں کرتے آسمانوں اور زمین کی مخلوقات میں اور اُس چیز میں جسکو اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا۔ آیت ۱۸/۳۰۔ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَی السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ۔ کیا نہیں غور کرتے اونٹ کس ہیئت میں پیدا کیا گیا، آسمان کس طرح بلند کیا گیا اور پہاڑ کیسے کھڑے کیے گئے اور زمین کس طرح بچھائی گئی۔ آیت ۴/۲۔ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی مخلوقات میں۔

**تفسیر**[1]۔ نزولِ آیت کے واقعہ، قصہ اور اسباب کے علم کو تفسیر کہتے ہیں۔ اہلِ سنت کی تفسیر کے دو مسلک ہیں۔ تفسیر بالمرویات اور تفسیر بالکلام۔

**بالمرویات** تفسیر کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخبار اور صحابہ اور تابعین کے آثار کی مدد سے تفسیر کرنے کو۔ تواتر اور تعامل کے ذریعہ ان روایات کی حفاظت کی گئی۔ متاخرین نے اس مسلک میں اختصار کرکے روایتوں کے حوالے کے بغیر آیات کے معانی بیان کئے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر اس مسلک کی بہترین تفسیر ہے۔

[1] اصولِ تواتر محمود حسین خاں

آیت ۳۳/۲۲ ۲۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ یہاں قرآن کو حذف کرکے ضمیر سے اشارہ کیا گیا۔ معنی۔ ہم نے لیلۃ القدر میں قرآن کو نازل کیا۔

آیت ۲۳/۱۲ ۶۔ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۔ سورج مراد ہے۔ معنی۔ یہاں تک کہ سورج پردہ میں چلا گیا۔

آیت ۲۳/۱۵ ۴۔ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی۔ ای یَقُوْلُوْنَ مَا نَعْبُدُهُمْ۔ جو لوگ کہ اسکے سوا دوست بناتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم انکی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ ہم کو اللہ کی طرف قربت دلائیں۔

آیت ۱۱/۵ ۳۔ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔ معناہ۔ لَا یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا یَقُوْلُوْنَ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ یَرِدْ هٰذَا کَانَ مُنَاقِضًا لِقَوْلِهٖ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ معنی ہوئے۔ کیا ہوا ہے ان لوگوں کو' بات نہیں سمجھتے (اور کہتے ہیں) تم کو بھلائی ملی اللہ کی طرف سے اور برائی ملی اپنے نفس کی طرف سے۔ اگر یہ معنی نہ لئے جائیں تو اللہ تعالےٰ کے اس قول کے مخالف ہوگا۔ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ کہدو سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے۔

**منقول منقلب**۔ آیت ۱۲/۳ ۳۔ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ یعنی طُوْرِ سَیْنَآءَ۔ اور (قسم ہے) طور سینا کے پہاڑ کی۔

آیت ۱۳/۸ ۱۶۔ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلْ یَاسِیْنَ یعنی عَلٰۤی اِلْیَاسَ وَ قِیْلَ اِدْرِیْسَ سلام الیاس پر اور بعض نے کہا ہے ادریس پر اسلئے ابن مسعودؓ کے حرف میں علی ادراسین ہے۔

**مکرر قاطع**۔ ظاہر کلام کے وصل کیلئے۔ آیت ۱۱/۱۲ ۶۔ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَکَآءَ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ای وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَکَآءَ اِلَّا الظَّنَّ جو لوگ کہ اللہ کے سوا شرکاء کو پکارتے ہیں وہ اتباع نہیں کرتے مگر گمان کی۔

آیت ۱۰/۶ ۳۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ معناہ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا معنی سرداروں نے جو بڑائی کرتے تھے کہا اپنی قوم میں سے انکو جو ایمان لائے تھے اور کمزور اور غریب تھے۔

**مقدم و موخر**۔ آیت ۱۶/۸ ۱۔ وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَکَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّی ای لَوْلَا الْکَلِمَةُ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَکَانَ لِزَامًا وَلَوْلَاهُ لَکَانَ نَصْبًا کَالْلِزَامِ۔ اور اگر تیرے رب سے بات نکل گئی نہ ہوتی اور وقت مقرر نہ ہوتا تو ایسی ایذا رہوتی جیسے بھینٹ چڑھانے کی۔

آیت ۹/۱۳ ۲۔ یَسْئَلُوْنَكَ کَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ای یَسْئَلُوْنَكَ عَنْهَا کَاَنَّكَ حَفِیٌّ بِهَا۔ اس بارے میں اس طرح تم سے پوچھتے ہیں گویا تم اس راز سے واقف ہو۔

منقول روایتوں سے مدد لئے بغیر، ظاہری عربی الفاظ سے قرآن کی تفسیر میں جلد بازی کرے جیسا کہ غرائبِ قرآن، مبہم اور مبدلہ الفاظ کی نسبت یا اختصار، اضمار، تقدیم یا تاخیر کے بارے میں۔ جس نے ظاہرِ تفسیر کی نسبت غور ہی نہیں کیا اور محض عربی کے فہم کے زعم پر معانی کے استنباط میں عجلت سے کام لیا تو اس سے غلطی واقع ہوگی اور بالرّائے تفسیر کرنے والوں کے زمرہ میں داخل ہوگا۔ ظاہرِ تفسیر کو سمجھنے کیلئے پہلے نقل اور سماع سے کام لینا نہایت ضروری ہے تاکہ غلطی کی گنجایش نہ رہے اور اسکے بعد تفہیم اور استنباط کی کوشش کرے۔ غرائبِ قرآن کی چند مثالیں درج کیجاتی ہیں تاکہ اس اصول پر دوسری مثالوں کی نسبت استدلال کیا جاسکے۔

# غرائبِ قرآن

**ایجاز بالحذف اور اضمار** آیت ۵۹/۱۵۔ وَاٰتَیۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَۃَ مُبۡصِرَۃً فَظَلَمُوۡا بِھَا۔ معناہ آیَۃً مُبۡصِرَۃً فَظَلَمُوۡا اَنۡفُسَھُمۡ بِقَتۡلِھَا۔ ہم نے ثمود کو ناقہ ایک کھلی نشانی بناکر دیا لیکن انھوں نے اسکو قتل کرکے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ ظاہری الفاظ کے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ اونٹنی دیکھنے والی تھی اندھی نہ تھی اور یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ ظلم کیسے ہوا اور پھر ظلم دوسرے پر کیا یا اپنے نفس پر۔

آیت ۲/۱۱۔ وَاُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِھِمُ الۡعِجۡلَ بِکُفۡرِھِمۡ۔ یہاں العجل کے پہلے حُبّ کا لفظ حذف ہے اور حبّ العجل مراد ہے اور معنی ہوئے، اپنے کفر کے سبب سے اپنے دلوں میں عجل[1] کی محبت کو پلا پلاکر پالا تھا۔

[1] عجل بچھڑا

آیت ۱۵/۸۔ اِذًا لَّاَذَقۡنٰکَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوۃِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ای ضعف عَذَابِ الۡاَحۡیَاءِ وَضِعۡفَ عَذَابِ الۡمَوۡتٰی۔ عذاب کو حذف کرکے احیاء اور موتیٰ کے بدلے حیات اور موت کا ذکر کیا گیا۔ معنی ہوئے ہم نے تم کو چکھایا زندوں کا دونا عذاب اور مُردوں کا دونا عذاب۔

آیت ۱۳/۳۔ وَاسۡئَلِ الۡقَرۡیَۃَ الَّتِیۡ کُنَّا فِیۡھَا۔ وَالۡعِیۡرَ وَالۡاَھۡلَ محذوفِ مضمر معنی ہوئے گاؤں والوں سے پوچھو جہاں ہم تھے۔

آیت ۹/۱۶۔ ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ای خَفِیَتۡ عَلٰۤی اَھۡلِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالشَّیۡءُ اِذَا خَفِیَ ثَقُلَ۔ لفظ کو تبدیل کرکے استعمال کیا گیا اور علیٰ کے عوض فی لگا دیا گیا۔ اھل کو حذف کرکے ضمیر کا استعمال کیا گیا معنی ہوئے آسمانوں اور زمین والوں پر پوشیدہ ہوا۔

آیت ۲۷/۱۹۔ وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَکُمۡ اَنَّکُمۡ تُکَذِّبُوۡنَ ای شُکۡرَ رِزۡقِکُمۡ۔ اور تم اپنے رزق کے شکر کو جھٹلاتے ہو۔

آیت ۲/۱۱۔ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ ای عَلٰۤی اَلۡسِنَۃِ رُسُلِکَ۔ اَلۡسِنَۃِ کو حذف کیا گیا۔ معنی ہوئے اپنے رسول کی زبان پر ہم سے جو وعدے کئے ہیں پورے کر۔

يَسْقُوْنَ۔ پایا وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پانی پلاتے ہوئے۔ یہ قول نَحْنُ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہیں۔ **نیک مرد**۔ جسکی پیروی کیجاتی ہے۔ آیت ۲۶ ۱۴/۲۲ ۱۲۰۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ۔ بیشک ابراہیم نیک مرد اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار ہے۔ **دین** کے معنی میں۔ آیت ۲۷ ۲۲/۸ ، اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ۔ ہم نے اپنے باپوں کو دین پر پایا۔ **حین** کے معنی میں آیت ۲۸ ۱۲/۱ ۹۔ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ مدت مقررہ تک۔ **زمان** کے معنی میں آیت ۲۹ ۱۲/۱۹ ۳۔ وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ۔ کچھ زمانہ کے بعد یاد کیا۔ **قامت** کے معنی میں۔ يُقَالُ فُلَانٌ حَسَنُ الْاُمَّةِ اَىِ الْقَامَةِ۔ یعنی فلاں اچھے قامت کا ہے۔ **مرد منفرد** کے معنی میں یعنی دین میں اسکے ساتھ کوئی شریک نہ ہو۔ حدیث۔ يُبْعَثُ زَيْدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ اُمَّةً وَّحْدَهٗ۔ اٹھایا جائیگا زید بن عمرو بن نفیل یکا و تنہا۔ **اُمّ** کے معنی میں۔ هٰذِهٖ اُمَّةُ زَيْدٍ اَىْ اُمُّ زَيْدٍ یعنی زید کی ماں ہے۔

**روح** کا لفظ قرآن میں بہت سے معنی میں استعمال ہوا ہے تفصیل طوالت کی باعث ہوگی۔

**ابہام** حروف میں بھی واقع ہوتا ہے۔ آیت ۳۰ ۱۰۰/۲۵ ۵۔ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا پہلی ضمیرہ کا اشارہ حوافر کی طرف ہے اور وہ موریات ہیں یعنی اَثَرْنَ بِالْحَوَافِرِ نَقْعًا اور دوسری ضمیرہ سے اغارۃ کی طرف اشارہ ہے وَهِيَ الْمُغِيْرَاتُ صُبْحًا فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا۔ جمع المشرکون فاغاروا بجمعهم۔ یعنی سم سے آگ چمکانے والے گھوڑے گرد اڑاتے اور صبح کو حملہ کرنے والے سپاہی دشمنوں پر حملہ کرکے اور شکست دیکر انکے درمیان بیٹھ جاتے۔ آیت ۳۱ ۷/۱۴ ۴۔ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ (یعنی السحاب) فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ یعنی الماء۔ ہم نے اتارا بادل سے پانی اور نکالے پانی سے سارے پھل۔ ماء کا لفظ ابر کے معنی میں استعمال ہوا اور فَاَخْرَجْنَا بِهٖ میں بہ کی ضمیر جو ماء کی طرف راجع ہوتی ہے اس سے پانی مراد لیا گیا۔

**تدریج فی البیان**۔ آیت ۳۱ ۲/۲ ۳۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ اس آیت میں قرآن کا نزول رات میں ہوا یا دن میں ظاہر نہیں ہوا تھا۔ آیت ۳۲ ۲۵/۴۴ ۲۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ہم نے اسکو مبارک رات میں اتارا۔ اس آیت میں رات کا تعین ہوا مگر کونسی رات تعین نہیں ہوا تھا۔ آیت ۳۳ ۳۰/۹۷ ۲۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ہم نے اسکو لیلۃ القدر میں اتارا۔ یہاں یہ بھی تعین ہوا کہ وہ رات قدر کی ہے۔

**خلاصہ**۔ ان آیتوں کے الفاظ او رمفہوم میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ انکے علاوہ اور بہت سی مثالیں ہیں جن میں نقل اور سماعت کے بغیر چارہ نہیں۔ عربی زبان میں قرآن نازل ہوا۔ ایجاز، تطویل، اضمار، حذف، ابدال، تقدیم و تاخیر لسان عرب کی اصناف میں سے ہیں۔ قرآن مجید اول سے آخر تک ان جملہ اصناف کلام پر شامل ہے

آیت ۹ ۴ - لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ - یہ متصل کلام نہیں ہے بلکہ قولِ سابق کی طرف رجوع کرتا ہے۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۔ ای فصارت انفال الغنائم لک اذ انت راض بخروجک وهم کارهون۔ کہہ دو تم مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا جیسا کہ نکالا تم کو تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ یعنی اسلئے کہ تم نکلنے پر راضی تھے اور ایک جماعت ایمان والی راضی نہ تھی۔ اس کلام کے درمیان کی آیتوں میں تقویٰ وغیرہ کی ہدایت کی گئی ہے۔

آیت ۲۸ ۵ - حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ - جبتک کہ تم ایمان نہ لاؤ اکیلے اللہ پر مگر کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو۔ یہ آیت بھی اوپر کی آیتوں کی طرح ہے۔

مبہم یعنی وہ لفظ، کلمہ یا حرف جو متعدد معانی کیلئے مشترک ہے جیسا کہ شَیْءٌ، قرین، اُمّة اور روح وغیرہ۔

**شَیْءٌ** ۔ نفقہ کے معنی میں ۔ آیت ۱۹ ۵ - ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ ای نفقته اللہ نے مثال دی مملوک بندہ کی جو اپنے نفقہ (پرورش) کی قدرت نہیں رکھتا۔ حکم کے معنی میں آیت ۲۰ آخر۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ ای الامر بالعدل والاستقامة۔ اللہ نے مثال دی دو مردوں کی، ان دو میں سے ایک گونگا ہے جو انصاف اور راستی کا حکم نہیں دے سکتا۔ اسرارِ الٰہی کے معنی میں۔ آیت ۲۱ ۱۵ آخر۔ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ ۔ اراد به من صفات الربوبية وهي العلوم التی لا یحل السؤال عنها حتی یبتدئ بها العارف فی اوان الاستحقاق۔ معنی۔ اگر تم میرے ساتھ اور میرے پیچھے رہو تو مجھ سے ان امور کے بارے میں سوال نہ کرو جسکی نسبت سوال کرنا مناسب نہیں۔ یہاں شیٔ سے ربوبیت کی صفات مراد ہیں اور وہ ایسے علوم ہیں جنکی نسبت سوال کرنا ممنوع ہے جبتک کہ عارف خود مناسب موقع پر اس کا اظہار نہ کرے۔ خالق کے معنی میں۔ آیت ۲۲ ۲ ۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ای من غیر خالق۔ یعنی یا پیدا کئے گئے بغیر کسی خالق کے۔ ورنہ یہ گمان ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز پیدا نہیں کی جاتی مگر کسی چیز سے۔

**قرین** ۔ فرشتہ موکل کے معنی میں۔ آیت ۲۳ ۲۶ ۸ - وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ - اراد به الملک الموکل ۔ معنی۔ اس پر جو فرشتہ متعین ہے اس نے کہا ڈال دو دوزخ میں سارے کافروں کو۔ شیطان کے معنی میں۔ آیت ۲۴ ۱۲ - قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ یہاں قرین سے شیطان مراد ہے۔ معنی۔ اسکے شیطان نے کہا۔ اے ہمارے پروردگار میں نے اسکو گمراہ نہیں کیا۔

**اُمّة** کا لفظ آٹھ معنوں میں استعمال ہوا ہے **جماعت** کے معنی میں۔ آیت ۲۵ ۲ - وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ

لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ۔ معلوم ہوا کہ یہ بھی قصور ہے تو کہا اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ یہ خطرات اربابِ قلوب پر کھلتے ہیں اور پھر اس سے بڑھکر اسرار ہیں۔ معنیِ قرب کا فہم اور سجود کے ساتھ اس کا اختصاص' استعاذہ کے معنی' ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف رجوع اور پھر اس سے اسی کی طرف' یہ امور ظاہری تفسیر کے مناقض نہیں ہیں بلکہ اسکو درجۂ کمال تک پہنچاتے ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

**فہم قرآن** - علیؓ فرماتے ہیں' دیکھو' اللہ تعالیٰ بندہ کو قرآن میں فہم دیتا ہے۔ حدیث۔ اَنَّ لِلْقُرْآنِ ظَھْرًا وَّ بَطْنًا وَّحَدًّا وَّمَطْلَعًا۔ قرآن کا ظاہر ہے باطن ہے اور حد اور مطلع ہے۔ سہروردی لکھتے ہیں مَا نُزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ آیَۃٌ اِلَّا وَلَھَا ظَھْرٌ وَّبَطْنٌ وَّلِکُلِّ حَرْفٍ حَدٌّ وَّلِکُلِّ حَدٍّ مَّطْلَعٌ۔ ابوسعیدؓ نے کہا ہے کہ یَطَّلِعُ قَوْمٌ یَعْمَلُوْنَ۔ لوگ اطلاع پاتے ہیں سے مراد وہ ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ ظَھْرُہٗ تِلَاوَتُہٗ یعنی قرآن کا ظاہری عمل تلاوت ہے اور آیت ۲۹/۱۲-۵- وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا میں یہی مراد ہے۔ وَبَطْنُہُ التَّدَبُّرُ وَ التَّفَکُّرُ یعنی قرآن کا باطن غور و فکر ہے۔ آیت ۲۳/۱۲-۳- کِتَابٌ اَنْزَلْنَاہُ اِلَیْکَ مُبَارَکٌ لِیَدَّبَّرُوْا ہم نے مبارک کتاب اتاری ہے ہم پر تاکہ غور و فکر کرو۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں مَا آیَۃٌ اِلَّا وَلَھَا قَوْمٌ سَیَعْمَلُوْنَ' وَلَہٗ بِکُلِّ مَرَّۃٍ فِی التِّلَاوَۃِ مَطْلَعٌ جَدِیْدٌ وَّفَھْمٌ عَتِیْدٌ وَّلَہٗ بِکُلِّ فَھْمٍ عَمَلٌ جَدِیْدٌ۔ کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس پر کچھ لوگ عمل نہ کرتے ہوں' ہر دفعہ کی تلاوت میں جدید مطلع ہے اور بڑی سمجھ ہے اور ہر فہم کے ساتھ جدید عمل ہے۔ حدیث قدسی۔ لَقَدْ تَجَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی لِعِبَادِہٖ فِیْ کَلَامِہٖ وَلٰکِنْ لَّا یُبْصِرُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اپنے بندوں پر تجلی کرتا ہے لیکن وہ دیکھتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو ہدایت کی۔ آیت ۱۶/۱۵ ماقبل آخر۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰی اِلَیْکَ وَحْیُہٗ۔ قرآن میں عجلت سے کام مت لو قبل اسکے کہ تمھارے طرف وحی پوری ہو جائے۔ آیت ۱/۲۹ ۱۶- لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ۔ اپنی زبان کو جنبش میں نہ لاؤ کہ عجلت کرو۔ آیت ۱۷/۶ ۴- فَفَھَّمْنٰھَا سُلَیْمٰنَ وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا۔ ہم نے سلیمان کو اسکا فہم دیا اور دونوں کو حکمت اور علم دیا۔ ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ آدمی فقیہہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قرآن کیلئے متعدد وجوہ پیدا کرے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں۔ مَنْ اَرَادَ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ فَلْیَتَدَبَّرِ الْقُرْاٰنَ۔ جو شخص اولین اور آخرین کا علم سیکھنا چاہتا ہے اسکو چاہیے قرآن میں غور کرے۔ حدیث اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ وَالْتَمِسُوْا غَرَائِبَہٗ۔ قرآن کو پڑھو اور اس میں نادر باتوں کو ڈھونڈو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے بعد امت میں اختلاف و تفرقہ پیدا ہوگا تو حذیفہؓ نے عرض کیا' اگر ایسا موقعہ پیش آئے تو آپ ہمیں کیا ہدایت فرماتے ہیں' آپ نے فرمایا۔ تَعَلَّمْ کِتَابَ اللّٰہِ وَاعْمَلْ بِمَا فِیْہِ۔ کتاب اللہ کا علم حاصل کرو اور اس پر عمل کرو۔ آیت ۳/۵ ۳- وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا جسکو حکمت ملی اسکو بہت سی خوبیاں ملیں۔ ابن عباسؓ

تاکہ اہلِ زبان عرب کیلئے مُسبکت ہو اور معجزہ کی قوت رکھے۔ اگر کوئی شخص عربی لغت کے فہم پر اکتفا کرے اور ان امور میں سماع اور نقل سے مدد لئے بغیر قرآن کی تفسیر کی کوشش کرے تو اُسکا شمار اُن لوگوں میں ہوگا جنہوں نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی۔ معانی کے حقایق کے سمجھنے میں الفاظ کے ترجمہ سے تفسیر کرنا کافی نہیں ہے ذیل کی آیت سے معنی کے حقایق اور تفسیر کے ظاہر کا فرق معلوم ہوگا۔ آیت ۳۵ ۹/۱۶ ۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ اور تم نے نہیں پھینکی خاک کی مٹھی جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی۔ ظاہری تفسیر واضح ہے مگر معنی کی حقیقت پوشیدہ ہے۔ رَمٰی کی اثبات اور نفی دونوں میں بظاہر تضاد ہے۔ حالانکہ ایک وجہ سے رمی ہے اور دوسری وجہ سے لمبہ یرم ہے اور جس جہت سے لم یرم تھا وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ کلام اللہ کے سمجھنے میں نقل اور سماع کی طرف رجوع کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ علم کی گہرائی اور قلب کی صفائی کے درجہ کے موافق کلام اللہ کے اسرار راسخین فی العلم پر منکشف ہوتے ہیں۔ ہر شخص کے مدارج کی ترقی کی ایک حد ہے' استیفاء کی توقع کرنا ناممکن ہے۔ تمام دریا سیاہی ہو جائیں اور سارے درخت قلم بن جائیں تو اللہ تعالیٰ کے کلمات کے اسرار ختم نہ ہو سکیں گے۔ قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات پورے ہوں سارے دریا خشک ہو جائیں گے۔ ظاہری تفسیر کی معرفت میں تو سب کا مشترک ہونا ممکن ہے مگر فہمِ اسرار میں' اُن کے مدارج کے درمیان وسیع خلیج حائل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجود میں دعا مانگتے تھے۔ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سُخْطِكَ وَاَعُوْذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ' لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ' اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔ پناہ مانگتا ہوں میں تیری رضا کی تیرے غضب سے اور پناہ مانگتا ہوں میں تیرے عفو کی تیری عقوبت سے اور پناہ مانگتا ہوں میں تیری طرف تجھی سے' پوری طور پر گن نہیں سکتا تیری ثنا کو' تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تونے اپنے نفس کی ثنا کی۔ آپ سے کہا گیا وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ تو آپ نے سجود میں قُرب پایا۔ پھر صفات کی طرف نظر کی' بعض سے بعض کی طرف پناہ مانگی۔ رضا اور غضب دو وصف ہیں۔ پھر قرب میں زیادتی ہوئی تو ذات کی طرف رجوع کیا اور کہا اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ۔ پھر قرب میں زیادتی ہوئی تو ثنا کی طرف توجہ ہوئی اور کہا

اور نہ بعد میں حاصل ہوا۔ حسبِ ارشادِ آلہی آپ کی دعا رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا۔ (میرے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر) قبول ہوئی۔ اسکا نتیجہ یہ کہ جس شخص کی فہم دو تلاوتوں میں برابر رہی وہ نقصان میں ہے اور جس کو ہر تلاوت میں فہم جدید حاصل ہو وہ فائدہ میں رہا۔

**جن اور ارواح** میں کلام اللہ کے صحیح مفہوم میں سمجھنے کی اہلیت زیادہ ہے۔ چونکہ جن امورِ ظاہری اور باطنی کو تبدیل کر سکتے ہیں اسلیئے ان میں تبدیلِ حال کی صلاحیت بھی آسان ہے۔ جب انکو آسمان کی خبروں کے سننے سے روکا گیا تو زوبعہ انکے سردار نے اپنے معاونین کو وجہ دریافت کرنیکی ہدایت دی۔ یہ لوگ تلاش میں نکلے اور تہامہ کے نخلستان میں رسول اللہؐ کو صلاتِ فجر میں قرآن پڑھتے سنا اور غور سے سنا اور اس نتیجہ کو پہنچے کہ یہی چیز ہے جو انکے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حایل ہے۔ قرآن کی عظمت اور قدر انھوں نے سمجھی اور اپنی قوم کی طرف واپس ہو کر خبر دی۔ آیت [۱] قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ بولے اے قوم ہماری! ہم نے سنی ہے ایک کتاب جو اتری ہے موسیٰؑ کے بعد، تصدیق کرتی ہے اگلی کتابوں کی، ہدایت کرتی ہے حق کی طرف اور سیدھی راہ کی طرف۔ اے ہماری قوم، اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ، بخشیگا تمھارے گناہ۔ بچا دیگا تم کو دردناک عذاب سے۔ آیت [۲] فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝ پھر کہا، ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجب، ہدایت کرتا ہے نیک راہ کی، ہم اس پر ایمان لائے اور ہرگز شریک نہ بنا دیں گے ہمارے پروردگار کا کسی کو، اور یہ کہ اونچی ہے شان ہمارے رب کی۔ نہیں بنائی اس نے بیوی اور نہ بیٹا۔ جب لیلۃ الجن میں سورۂ رحمٰن آپ نے پڑھا اور جب کبھی آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھتے تو جنات کہتے۔ وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ۔ رب ہمارے، تیری نعمتوں میں سے کسی چیز کی ہم تکذیب نہیں کرتے۔ جب یہی سورت آپ نے اپنے انسانی صحابہ پر پڑھی تو کسی نے کچھ نہ کہا جیسا کہ جناتوں نے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اِنِّیْ تَلَوْتُهَا عَلٰی اِخْوَانِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ فَكَانُوْٓا اَحْسَنَ اِنَّمَا عَا لَهَا مِنْكُمْ مَا قِیْلَ لَهُمْ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اِلَّا وَقَالُوْا وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ۔ میں نے اسکو تمھارے بھائیوں جناتوں پر پڑھا، وہ سننے میں تم سے بہتر ثابت ہوئے۔ جب کبھی فبای الاء ربکما کہا جاتا تو وہ کہتے لا بشیٔ من آلائک ربنا نکذب)

**حطاب** نامی ایک شخص کے ساتھ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ حطاب نے ایک سانپ کو ہلاک کیا۔ جنات اسکو اٹھا کر اپنے سردار کے پاس لے گئے اور کہا اس نے انکے برادر عمزاد کو قتل کیا۔ حطاب نے کہا یہ کیا کہتے ہیں؟ میں نے تو ایک سانپ کو ہلاک کیا۔ جناتوں نے کہا، وہی تو ہمارا چچا زاد بھائی تھا۔ انکے سردار نے کہا اسکو مت روکو اور اسکے مقام پر پہنچا دو۔ تمھاری

[۱] سورۂ احقاف
[۲] سورۂ جن

فرماتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد فہم قرآن ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دی اور فرمایا
اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِیْلَ۔ یا اللہ تو اسکو دین میں فہم دے اور تاویل سکھا۔ آیت ہے،۔
لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ۔ البتہ جانتے ہیں وہ لوگ جو اس سے استنباط کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ
فہم معانی قرآن کا میدان نہایت وسیع ہے اور ظاہری تفسیریں جو منقول ہے وہ منتہائے ادراک نہیں ہے۔

شیخ ابن عربیؒ فتوحات جلد سوم میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر توجہ تلاوت کرنیوالوں
کے بارے میں فرمایا۔ اِنَّھُمْ یَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ لَایُجَاوِزُ حَنَاجِرَھُمْ۔ بیشک وہ لوگ پڑھتے ہیں قرآن کو اس طرح
نرخرے سے ورے تجاوز نہیں کرتا۔ یہ وہ قرآن ہے جو زبانوں پر نازل ہوا ہے نہ کہ قلوب پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ۲۔ 19/15
نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ۔ اُتارا اسکو روح الامین نے تمہارے قلب پر۔ یہ ایسا نزول ہے جسکی حلاوت
کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور یہ حلاوت ساری لذتوں سے بالاتر ہے۔ جو قرآن قلب پر نازل ہوتا ہے وہ فہم کے ساتھ
نازل ہوتا ہے اور جو پڑھتا ہے اسکو سمجھتا ہے اگرچہ اسکی زبان میں نہ ہوا اور جو پڑھتا ہے اسکے معانی کو بھی سمجھتا ہے
اگرچہ ان الفاظ کے معانی غیر قرآن میں نہیں سمجھ سکتا۔ جس پر قرآن اس طرح نازل ہو تو وہ قرآن میں موجود پائیگا جو کچھ کہ
ارادہ کرے۔ شیخ ابومدین کہا کرتے لَایَکُوْنُ الْمُرِیْدُ مُرِیْدًا حَتّٰی یَجِدَ فِی الْقُرْاٰنِ کُلَّ مَا یُرِیْدُ۔ مرید مرید نہیں
ہو سکتا یہانتک کہ قرآن میں ہر اُس چیز کو موجود پائے جس کا اس نے ارادہ کیا۔ جب قرآن قلب پر نزول کرے تو وہ ایک
صفت الٰہی ہے جو موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی۔ حدیث قدسی۔ اِنَّهٗ وَسِعَهٗ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ۔ اسکو سموتا
ہے اس کے مومن بندہ کا قلب۔ قلب مومن پر قرآن کا نزول حق کا نزول ہے۔ حق کلام کرتا ہے۔ اس بندہ سے
اپنے سِر سے اُس کے سِر میں۔ اسی پر اہل اللہ نے کہا ہے۔ حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَّبِّیْ مِنْ غَیْرِ وَاسِطَةٍ بات
پہنچائی مجھکو میرے قلب نے میرے پروردگار کی جانب سے بغیر کسی توسط کے۔

عایشہؓ سے رسول اللہؐ کے خُلق کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا۔ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ۔ قرآن آپکا خلق
تھا۔ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کا کوئی حکم اس خاص بندہ کے قلب میں نہ ہو۔ اسلیئے کہ قرآن اسی غرض
سے نازل ہوا کہ حکم دے نہ کہ اس پر کوئی حکم لگائے۔ قرآن کی تلاوت میں رسول اللہؐ جب کسی آیت نعمت پر پہنچتے تو وہ آیت
آپ کو حکم دیتی کہ آپ خدا سے اسکے فضل کے طلبگار ہوں اور آپ خدا کا فضل طلب کرتے۔ آپ آیت وعید پر پہنچتے تو
وہ آیت آپ کو حکم دیتی کہ آپ پناہ مانگیں۔ چنانچہ آپ پناہ مانگتے۔ آیت تعظیم پر پہنچتے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس
کرتے اور تسبیح پڑھتے۔ قصص کی آیت پڑھتے تو اعتبار حاصل کرتے۔ اسی کو "آیات قرآنی میں تدبر اور فہم" کہتے ہیں۔ تلاوت
کرنے والے کا حال یہ نہ ہو تو کہا جائیگا کہ قرآن اسکے قلب پر نازل نہیں ہوا۔ اسکو صرف ترجمہ کا اجر ملیگا۔ قرآن کا اجر نہ ملیگا۔
آپ کو اللہ تعالےٰ نے نورِ قلب عطا کیا تھا۔ آپ کو ہر تلاوت میں ایک خاص فہم حاصل ہوتا تھا جو اس سے پہلے حاصل ہوا،

خدایت اسکے خلاف واجبی نہیں ہے۔ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے۔ مَنْ تَصَوَّرَ فِیْ غَیْرِ صُوْرَتِہٖ فَقُتِلَ فَلَا عَقْلَ فِیْہِ وَلَا قَوَدَ۔ جس کسی نے غیر کی صورت اختیار کی اور ہلاک کیا گیا تو اسکی کوئی دیت یا سزا نہیں ہے۔ تمہارے برادر عمزاد نے سانپ کی صورت اختیار کی جو انسان کا دشمن ہے۔ اس پر حطاب نے سوال کیا کیا آپ رسول اللہؐ سے ملے تھے اور رسول اللہؐ کو یہ کہتے سنا تھا؟ سردار نے کہا ہاں، میں اُن جناتوں میں سے ایک ہوں جو رسول اللہؐ کے پاس پہنچے تھے اور ہم نے سنا تھا۔ اُس جماعت میں سے میں تنہا باقی رہ گیا ہوں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری مخلوق کے مقابلہ میں اِمکان میں بالا انسان سے **اہل برزخ** زیادہ واقف ہیں۔ برزخ کا وجود عالمِ شہادت اور عالمِ غیب کے درمیان ہے۔

**تقبیلِ قرآن** یعنی قرآن کو بوسہ دینا۔ بیکی کا قول ہے کہ حجرِ اسود، عالم اور صالح کے ہاتھ کو بوسہ دینا افضل ہے۔ اسی قیاس پر قرآن کو بوسہ دینا جائز ہے۔ شوافع میں قرآن سے فال لینا مکروہ ہے۔

**کتابت۔** قرآن کی کتابت، عربی کے سوائے، دوسری زبانوں کے حروف میں جائز ہے لیکن دوسری زبانوں میں قراءتِ قرآن ممنوع ہے۔ ... الحلیہ ہے کہ جو شخص عربی میں پڑھیگا اچھا پڑھیگا۔ شیخ سلیمان کا قول ہے کہ قرآن کی کتابت ہندی قلم میں اور ترکی میں جائز ہے اسلئے کہ ہندی میں لکھنے کے باوجود پڑھنے میں عربی کا تلفظ ہو سکتا ہے

# حدیث

**حدیث۔** محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، اقوال اور اقرارات کو اصطلاحِ شرع میں حدیث کہا جاتا ہے۔ یہ علم اپنی جگہ ایک مستقل شعبہ ہے۔ ہم یہاں مناظر احسن مرحوم کی کتاب تدوین حدیث سے کچھ مختصر اقتباس درج کرتے ہیں۔ مناظر احسن نے کوئی تیس ایسے صحابہ کی فہرست مرتب کی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۶۰ سے ۹۰ سال تک زندہ رہے۔ انکے بعد آنے والے دیگر مشہور محدثین یہ ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| امام محمد بن اسمٰعیل بخاری | ولادت ۱۹۴ | وفات ۲۵۴ھ |
| امام مسلم | ۲۰۴ | ۲۶۱ھ |
| ابوداؤد | ۲۰۲ | ۲۷۵ھ |
| ابن ماجہ | ۲۰۹ | ۲۷۲ھ |
| ترمذی | | ۲۷۲ھ |
| نسائی | ۲۱۵ | ۳۰۳ھ |

**فضیلتِ علم حدیث۔** امام احمد حنبلؒ کا قول ہے کہ علمی اشتغال میں رات کا کچھ حصہ گزارنا میرے نزدیک احیاءِ شب سے بہتر ہے۔ ابوہریرہؓ کا قول ہے تھوڑی سی تفقہ میرے نزدیک احیاءِ شب سے بہتر ہے۔ علمِ دین کے سمجھنے کو تفقہ کہتے ہیں

فَوْقَھَا اِلَّا کُتِبَ لَہٗ بِھَا دَرَجَۃٌ وَّمُحِیَتْ عَنْہُ بِھَا خَطِیْئَۃٌ مسلم کو فقط ایک کانٹا چبھنے کی تکلیف پہنچے یا اس سے بڑھکر تو اسکو رتبہ میں ایک درجہ ملتا ہے اور اسکا ایک گناہ مٹا جاتا ہے۔

صبر کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو صبر عبادات اور عبادات کی مشقت پر اور دوسرا صبر مصائب اور مصائب کی حرارت پر اور تیسرا صبر خواہشوں اور خواہشوں کی لذتوں پر۔ ضحاک کا قول ہے کہ جو شخص بازار میں سے گزرا، اپنی خواہش کی چیز دیکھی، اور عدم استطاعت کی وجہ سے خریدا نہیں، فی سبیل اللہ ہزار دینار کا صدقہ دینے سے جو ثواب اس کو مل سکتا تھا اس سے بڑھکر ثواب پایا۔ ابو سلیمان رازی کہتے ہیں، ایک فقیر کا تنفّس اس خواہش کے بغیر جس کی تکمیل کی استطاعت نہیں رکھتا، ایک تونگر کی ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے۔

---

پس یہ ظاہر ہے کہ قلتِ حروف کے باوجود کلمۂ لا اِلٰہ اِلّا اللہ محمد رسول اللہ حاوی ہے عقاید کے ان سارے امور پر جن کا جاننا مکلّف پر واجب ہے اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبروں کے بارے میں۔ لا اِلٰہ اِلّا اللہ کا ایک جملہ ہے اور محمد رسول اللہ کا دوسرا جملہ ہے اور چونکہ ایمان ان دونو جملوں کے مجموعے سے حاصل ہوتا ہے اسلئے اسکو ایک کلمہ قرار دیا گیا۔ قلتِ حروف سے مراد یہ ہے کہ کلمۂ توحید میں جملہ چوبیس [۲۴] حروف اور سات الفاظ ہیں۔ فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ معصیت کا تعلق جن اعضاء سے ہے وہ بھی سات ہیں۔ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، زبان، پیٹ اور شرمگاہ۔ ہر ایک کلمہ ایک عضو کی معصیت کی تکفیر کرتا ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دوزخ کے سات دروازے کلمہ گو پر بفضلِ الٰہی بند ہونگے۔

---

شاید اسی اختصار کی وجہ سے، شرع نے اسکو ترجمہ بنایا اُس اسلام کا جو دل میں ہے۔ کسی کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا بغیر اس کلمہ کے۔ کلمے کے الفاظ اور حروف مختصر ہونیکے باوجود اسکے معانی سارے عقاید پر حاوی ہیں۔ شاید اسی وجہ سے اسکو ترجمہ بنایا اس اسلام کا جو قلب میں مضمر ہے۔ کسی کا ایمان بغیر اس کلمہ کے قبول نہیں کیا جاتا۔ یہاں شاید کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اِسکا مطلب یہ ہے کہ قطعی طور پر کہنا دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات کے اسرار، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ ممکن ہے کہ اس کلمہ میں کوئی دوسرے راز بھی مخفی ہوں۔ شرع سے مراد شارع کے ہیں اور شارع کے معنی شرع کے وضع کرنیوالے کے ہیں اور درحقیقت شارع اللہ تعالیٰ ہے۔ اور مجازاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد لئے جاتے ہیں۔ اس نظریہ کے لحاظ سے کہ شارع کے معنی، ظاہر کرنے والے اور تبلیغ کرنیوالے کے ہیں، شارع سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

یہاں اسلام نام ہے دین کے اُن تمام ضروری امور کی تصدیق کا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور یہ مبنی ہے اس قول پر کہ اسلام اور ایمان مترادف ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ اسلام اور ایمان کے معانی میں تغایر ہے۔ اسلام انقیادِ ظاہری کا نام ہے اور ایمان تصدیقِ باطنی کا۔ البتہ یہ دونو الفاظ باہم متلازم یا لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر متحقق نہیں ہوتا، اس صورت میں جبکہ ہر دو کو باعثِ نجات اعتبار کیا جائے۔ ورنہ ان دونو کے

چاروں چیزیں جائز اور حلال ٹھیریں۔ کسی کافر معاند کے قول پر آپ کا سکوت اس قول کے جواز پر دلالت نہیں کرتا۔

**وحی کا نزول**۔ فصوص الحکم میں شیخ ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو معمولی محسوسات کی طرف توجہ سے روک دئے جاتے اور ایک قسم کی بے حسی آپ پر طاری ہوتی۔ آپ پر کملی اڑھا دی جاتی اور آپ حاضرین سے غائب ہو جاتے۔ جب وحی ختم ہو جاتی تو آپ سے یہ حالت دور ہو جاتی اور آپ پھر محسوسات کی طرف دوبارہ متوجہ کئے جاتے۔

امتوںؒ کی شریعتوں کیلئے، بندوں کے دلوں میں، اللہ تعالیٰ کے وحی کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ جبرئیلؑ یا کسی اور فرشتہ کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کے پاس بھیجے۔ اس نزول کیلئے اس بندہ کو رسول یا نبی کہا گیا ہے۔ رسول یا نبی جو بھیجا گیا اس پر اور جو امور کہ اسکو بھیجے گئے ہیں اُن پر ایمان لانا واجب ہے۔

لہ فتوحات جلد دوم

دوسرا طریقہ عاقل وقت کے ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے نفس میں الہام ڈالتا ہے رسولوں کی **فترت** کے زمانہ میں، اُن مصالح کا جو جان و مال اور شرمگاہوں کی حفاظت کیلئے درکار ہیں۔ وہ اپنے پیروؤں کو ہدایت کرتا ہے اور سزا اور جزا تجویز کرتا ہے۔

**اعراضِ بشری**۔ اس سے یہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ پیغمبروں کیلئے اعراضِ بشری جائز ہیں۔ اسلئے کہ ان سے ان کی رسالت میں کوئی عیب نہیں پیدا ہوتا بلکہ انکے رتبہ میں زیادتی ہوتی ہے۔ پیغمبروں کیلئے رسالت ثابت قرار دیگئی ہے نہ کہ الوہیت یا ملکیت۔ انکے حق میں انسانی اعراض کا لاحق ہونا ممتنع نہیں ہے۔ اسلئے کہ اعراضِ بشری رسالت کے مرتبہ میں عیب ونقص نہیں پیدا کرتے۔ اعراضِ بشری باعثِ ازدیادِ مراتب اسلئے ہیں کہ اعراضِ بشری تین حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو تشریع کے ارادہ کے ساتھ مقارن ہونگے جیسا کہ نکاح۔ یا عبادت پر تقویت حاصل کرنیکے لئے ہونگے جیسا کہ غذا کا استعمال، بدن کی صحت قائم رکھنے اور فرائض کی انجام دہی کیلئے۔ یا مرض کی حالت میں مرض پر صبر کرنا بھی طاعت ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ثواب مصائب پر ہے یا مصائب پر صبر کرنے پر۔ عزّ بن عبدالسلام اور ایک جماعت کا قول ہے کہ ثواب مصائب پر صبر کرنے پر ہے۔ محض نزول مصائب پر کوئی ثواب مترتب نہیں ہوتا۔ انکی دلیل یہ ہے کہ ثواب بندہ کے عمل پر ہے اور مصائب میں بندہ کا کوئی عمل نہیں ہے۔ جمہورِ علماء اس طرف گئے ہیں کہ ثواب مصائب پر ہے۔ آیت ۱۲۰۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ یہ اسلئے کہ انھیں پیاس نہیں ہوتی اور نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہ چلتے ہیں کہیں جس سے کافر خفا ہوں اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز مگر لکھا جاتا ہے ان کیلئے نیک عمل۔ بیشک اللہ ضائع نہیں کرتا نیکوکاروں کا اجر۔ مسلم نے یہ حدیث عائشہؓ سے بطورِ مرفوع روایت کی ہے۔ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُشَاكُ بِشَوْكَةٍ فَمَا

یا رسول اللہ اگر اسکے کچھ گناہ نہ ہوں تو فرمایا، اسکے اہل و عیال اور ہمسایوں کے گناہ بخشے جائیں گے۔ مدِ مذکور سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے۔ بعض مشائخین نے کہا ہے کہ لا کے الف میں سات الفوں کے برابر طوالت دیجائے۔ چونکہ ہر الف دو حرکتوں کے برابر ہوتا ہے اسلئے چودہ حرکتیں ہونگی۔ لفظ جلالت "اللہ" کے الف کو تین الفوں کے برابر کھینچا جائے۔ چونکہ ہر الف دو حرکتوں کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے اسکی چھ حرکتیں ہونگی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مدِ طبعی مراد ہے اور یہ مشائخین اور عارفین کے منقول کے خلاف ہے۔

**معانی**۔ کلمہ کے الفاظ میں ایمان کے عقاید کے جو معانی بیان کئے گئے ہیں انکا اپنے قلب میں اجمالی طور پر ذکر کے وقت اور ذکر کے ساتھ، لحاظ کرنا مطلوب ہے۔ یہ ذکر کے آداب میں شامل ہے، کوئی شرط نہیں ہے۔ ابن عطاء اللہ اسکندری نے لکھا ہے کہ ذاکر ذکر کو اس وجہ سے ترک نہ کرے کہ ذاکر کے قلب کو اللہ تعالیٰ کی حضوری حاصل نہیں ہے۔ اگر حضوری سے غافل بھی ہو تو ذاکر کو چاہئے کہ ذکر کرتا جائے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو غفلت کی پستی سے بلند کرے اور حضوری کے مرتبہ کو پہنچا دے۔ صرف یہی نہیں کہ حضوری نصیب کرے بلکہ حضوری کے حاصل ہونے کے بعد حضوری کے ساتھ ذکر کرتا جائے تو ماسوا کی غیبت بھی عطا کیجائے یعنی ماسوا سے غافل ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے دشوار نہیں ہے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

**غایتِ کثرت**۔ کلمہ کے ذکر کی کثرت کی غایت یہ ہے کہ زبان اور قلب دونوں اس طرح عادی ہو جائیں کہ بغیر اختیار کے خود بخود قلب اس طرف متوجہ رہے اور زبان پر کلمہ کا وِرد جاری رہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے باطنی اختلاط اور سُریان[1] مراد ہے۔ کثرت سے کلمۂ توحید کا ذکر کرنے سے گوشت اور خون بھی اثر پذیر ہو جاتا ہے۔ زبان پر کسی چیز کو کثرت سے جاری رکھنے سے قلب میں اس چیز کی حضوری لازم آتی ہے اور قلب جو تمام اعضاء کا رئیس ہے دوسرے اعضاء کو بھی متاثر کرتا ہے۔ ایسے واقعات منقول ہیں کہ کسی کا سر کاٹا گیا تو خون کی سیلانی سے تہلیل کی آواز سنائی دی۔ بعض کے متعلق سنا گیا کہ نیند کی حالت میں بھی انکی زبان تہلیل میں مصروف پائی گئی۔ ایک ذاکر کو وجد کی حالت میں پتھر کا صدمہ پہنچا، سر پھٹا اور خون زمین پر بہا اور اللہ اللہ لکھا گیا۔

[1] سرایت کرنا، جاری ہونا

**اسرار** سے مراد معارف اور حمیدہ صفات ہیں جس سے اللہ تعالیٰ ذاکر کے باطن کو آراستہ کرتا ہے۔ زہد، توکل اور حیا وغیرہ کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ عجائب سے مراد کرامات ہیں جو اللہ تعالیٰ ذاکر کو بخشتا ہے۔ ذاکر کو چاہئے، اپنی کسی بھی عبادت کے ذریعہ دنیاوی امور کو خدا سے نہ مانگے ورنہ اُس پر شرکِ خفی کا گناہ عاید ہوگا۔ ذاکر کو چاہئے کہ کلمۂ توحید کا ذکر کرے اپنے باطن کو امورِ دنیاوی سے صاف کرے، صرف رضاء الٰہی طلب کرے اور قلب سے کشفِ حجاب کیلئے دعا کرے۔ انشاء اللہ کے فقرہ سے اشارہ ہے مراتب اور صفاتِ مذکورہ کی طرف جس کا حصول اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر موقوف ہے۔ وہی دینے والا ہے اور وہی روکنے والا ہے۔ بعض اوقات ذکر کی کثرت ہو سکتی ہے اور یہ صفات مفقود ہوتی ہیں۔ بندہ سے

درمیان تلازم نہیں ہے۔ اسلام ہوسکتا ہے ایمان کے بغیر اور ایمان ہوسکتا ہے اسلام کے بغیر۔ آیت ۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا۔ اعراب کہتے ہیں کہ ایمان لائے۔ تم کہو کہ ایمان نہیں لائے اور لیکن کہو کہ اسلام لائے۔ یہاں اسلام سے مراد ظاہری انقیاد ہے جس کے ساتھ باطنی تصدیق نہیں ہے۔

ایمان قبول نہیں کیا جاتا ہے یہ مراد ہے کہ احکام دنیاوی کا نفاذ نہیں ہوسکتا اور یہ اس صورت میں جبکہ کافر اصلی ہو۔ ورنہ مومنین کی اولاد کی نسبت اسکی شرط نہیں ہے۔ البتہ نماز میں اس کلمہ کا زبان سے کہنا واجب ہے۔

امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ کم سے کم ایک مرتبہ اس کلمہ کا زبان سے کہنا، خدا کی حمد بیان کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجنا واجب ہے۔ اکثروں کی یہ رائے ہے کہ ایسے الفاظ کا استعمال بھی ضروری ہے جس سے غیر اللہ کی نفی اور اللہ تعالیٰ کا اثبات ظاہر ہو۔ بعض کا قول ہے کہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کافی ہے۔ مالکیہ اس قول پر اعتماد کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| شُرُوْطُ الْاِسْلَامِ بِلَا اِشْتِبَاهٍ | عَقْلٌ بُلُوْغٌ عَدَمُ الْاِكْرَاهِ |
| بے شک اسلام کی شرائط ہیں | عقل، بلوغ، عدم اکراہ |
| وَالنُّطْقُ بِالشَّهَادَتَيْنِ وَالْوِلَا | وَالسَّادِسُ التَّرْتِيْبُ فَاعْلَمْ وَاعْمَلَا |
| شہادتین کا زبان سے کہنا بغیر فصل کے | اور چھٹی شرط ترتیب سمجھو اور عمل کرو |

قولِ اوّل کے لحاظ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ زبان سے کہنا ضروری اور اسکے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اسکے مفہوم کو بھی سمجھتا ہو۔ غیر عرب شہادتین کے بجائے عربی میں کہے اور اسکے معنی نہ جانے تو اسکے اسلام کی نسبت حکم نہیں لگایا جائیگا۔ ان دونو جملوں کی ترتیب بھی اسی طرح ہو اور اسکے درمیان فصل نہ ہو اور کہنے والا بالغ اور عاقل ہو اور مختار ہو۔ جو عمل خلافِ اسلام کرتا تھا اس سے رجوع کرے اور جس عمل سے اسلام سے انکار کرتا تھا اسکا اقرار کرے۔

---

**ذکر کلمہ۔** عقلمند کو چاہیئے کہ ان عقائدِ ایمان کے معانی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کلمہ کے ذکر میں اتنی کثرت کرے کہ اس کے معانی کی آمیزش ہوجائے اسکے گوشت اور خون کے ساتھ۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ انشاء اللہ سب پر اسرار ۔ عجائب ۔ کھلیں گے۔ کلمہ کا کثرت سے ذکر واجب نہیں ہے بلکہ بلحاظِ برکات تاکید کی گئی ہے۔ تقریباً انکے نزدیک اقل کثرت دن اور رات میں تین سو مرتبہ اور صوفیہ کے پاس بارہ ہزار مرتبہ ہے۔

**لَا۔** ایمان لانے کیلئے کافر کے حق میں افضل یہ ہے کہ لفظ لا کو نہ کھینچے تاکہ فوراً ایمان کی طرف منتقل ہو جائے۔ کلا اسکے مومن کے حق میں افضل ہے کہ لا کو کھینچے سوائے اسکے کہ اسکا شیخ کوئی دوسرا طریقہ بتلائے۔ بخاری نے روایت کی ہے کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور لا کو کھینچا تو اس کے چار ہزار گناہ کبیرہ ساقط ہوئے۔ بعض نے کہا

چاہے پکارو، اسکے اسماء اچھے ہیں۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ دعا عبادت ہے بلکہ منتہائے عبادت ہے۔ حدیث اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ دعا عبادت کا مغز ہے۔ احادیث مروی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواقع پر دعا کی جیسا غزوۂ بدر میں۔ سلف اور خلف دونو کا اجماع دعا کی نسبت ہے۔

**اقسامِ قضاء** ۔ قضاء کی دو قسمیں ہیں۔ قضاءِ معلق اور قضاءِ مُبرم۔ **قضاءِ معلّق** اُس قضا کو کہتے ہیں جس کی تعلیق کیگئی ہے۔ ایسی قضاء کا رفع کرنا محال نہیں ہے۔ اسی طرح جس قضاء کے نزول کی تعلیق کی گئی ہے ایسی قضا کے نزول کو رفع کرنا محال نہیں ہے۔ **قضاءِ مبرم** اُس قضا کو کہتے ہیں جسکا نزول قطعی ہے۔ قضاءِ مبرم کو دعا رفع نہیں کرسکتی لیکن اللہ تعالیٰ داعی پر لطف و کرم کرتا ہے۔ جیساکہ کسی کے حق میں قضاءِ مبرم تھی کہ اس پر چٹان گرے اس نے دعا کی، اللہ کا فضل اسکے شاملِ حال ہوا اور وہ چٹان ریت کی طرح ریزہ ریزہ ہوکر اس پر نازل ہوئی اور اسکو نقصان نہیں پہنچائی۔ قضاء کی تقسیم مُبرم اور معلّق میں لوحِ محفوظ کے مطابق ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے علم کے لحاظ سے ہر ایک چیز مبرم ہے۔ اگر اسکے علم میں معلّق ہے تو معلّق کا حاصل ہونا ضروری ہے اور اگر اسکے علم میں اسکا عدمِ حصول ہے تو اسکا حاصل نہ ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالےٰ کے علم کا علم بندہ کو نہیں ہے اسلئے بندہ دعا کو ترک نہ کرے۔

**شروطِ دعا**۔ اِجابتِ دعا کیلئے اہم شرط اَکلِ حلال ہے۔ اجابت کا یقین رکھتے ہوئے دعا کرے۔ سفیان بن عیینہ نے کہاہے کہ اللہ تعالےٰ نے ابلیسِ لعین کی دعا قبول کی۔ آیت ۵ پ۸۔ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ بیشک تجھکو مہلت دیگئی ہے۔ گناہوں سے **توبہ** کرے اور مظالم کو رفع کرے۔ استسقاء کے ضمن میں توبہ کا بیان المبسوط، میں لایقِ ملاحظہ ہے صفحہ ۲۹۴۔ حضورِ قلب کے ساتھ دعا کرے۔ ایسی بات کیلئے دعا نہ کرے جس میں معصیت کا شائبہ ہو یا اپنے رشتہ داروں یا عامۂ مسلمین کے حقوق کو نقصان پہنچائے۔ مطلوب کا حصول امکانی اسباب پر مبنی ہو، فعلِ محال نہ ہو۔

**آدابِ دعا**۔ دعا سے پہلے وضو کرے، نماز پڑھے، قبلہ رُو ہوکر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاکر دعا کرے۔ غزالیؒ نے لکھاہے کہ آسمان کی طرف اسلئے ہاتھ اٹھاتے ہیں کہ وہ دعا کا قبلہ ہے۔ اس سے مدعو کے جلال اور کبریائی کا اظہار مقصود ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے قہر اور استیلاء کی وجہ سے ہر موجود کا فوق ہے۔ غزالیؒ نے یہ بھی لکھاہے کہ آسمان کیطرف نظر نہ اٹھائے۔ شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور پھر اپنے مقصد کی نسبت دعا کرے اور آخر میں پھر حمد و درود پر ختم کرے۔ بیرونِ نماز، دعا کے ختم پر، ہاتھوں سے چہرے کو مسح کرے۔ اپنی آواز میں دعا کرے جو سِر اور جہر دونو کے درمیان ہو۔ آیت ۱۵/۱۲ ماقبل آخر۔ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا نہ پکار کر نماز پڑھو اور نہ آہستہ۔ دعا کے الفاظ میں تکلف نہ کرے یعنی مقفّٰی و مسجّع الفاظ کو استعمال نہ کرے۔ الفاظِ سنت یا اس سے کم استعمال کرے۔ خشوع اور خضوع سے دعا مانگے۔ آیت پ۱۷ ۱۵۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا۔ وہ نیکیوں کی طرف تیزی سے مایل ہیں اور ہم کو پکارتے ہیں امید وبیم کے ساتھ، عاجی

یہ مطلوب ہے کہ طاعت پر قائم رہے اور بقیہ امور کو اللہ تعالےٰ کے تفویض کرے۔ جس طرح اَشْبَاحْ کے اَرْزاق میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اسی طرح ارواح کے ارزاق میں بھی اللہ پر بھروسہ کرے۔

# دعا

**دعا** فائدہ دیتی ہے زندوں اور مُردوں کو اہلِ سنّت کے پاس۔ آیت ۱۳/۱۲ ۲۔ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ۔ مٹاتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور قائم رکھتا ہے۔ حدیث۔ اَکْثِرُ مِنَ الدُّعَاءِ فَاِنَّ الدُّعَاءَ یَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ دعا زیادہ کرو، بیشک دعا قضاءِ مبرم کو بھی رد کرتی ہے۔ قضاءِ مبرم کی تفصیل آگے آئیگی۔ تضرع اور زاری کے ساتھ کسی چیز کے طلب کرنے کو دعا کہتے ہیں۔ بعض کا قول ہے، اپنی مرادوں کو مرادوں کے بر لانے والے کے سامنے پیش کرنے کو دعا کہتے ہیں۔ دعا فائدہ پہنچاتی ہے زندوں اور مُردوں دونو کو اور اسی طرح بد دعا نقصان پہنچاتی ہے دونو کو۔ قول راجح یہ ہے کہ کافر کی دعا بھی اثر رکھتی ہے۔ انسؓ نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ مُسْتَجَابَةٌ وَلَوْ کَانَ کَافِرًا مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے اگرچہ کافر ہو۔ آیت ۱۳/۸ و ۲۴/۱۱ آخر۔ وَمَا دُعَاءُ الْکَافِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ۔ کافروں کی دعا بھٹکتی رہتی ہے (قیامت کے روز) دوزخ کے عذاب کی تخفیف کیلئے کفار کی دعا قبول نہ ہوگی۔ حاکم نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ لَا یُغْنِیْ حَذَرٌ مِنْ قَدَرٍ وَالدُّعَاءُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلْ وَاِنَّ الْبَلَاءَ لَیَنْزِلُ وَیَتَلَقَّاهُ الدُّعَاءُ فَیَتَعَالَجَانِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ قدر سے ڈرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ دعا فائدہ دیتی ہے اُس امر میں جو نازل ہوا اور جو نازل نہیں ہوا۔ بلا نازل ہوتی ہے تو دعا اسکو رستے میں ٹکر روکتی ہے اور دونو میں قیامت تک کشمکش رہتی ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ دعا فائدہ نہیں دیتی۔ اس قول سے اُن پر کفر لازم اسلئے نہیں آتا کہ آیت ۲۴/۱۱ آخر۔ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ سے انکار نہیں کرتے۔ اس آیت میں دعا سے عبادت اور اجابت سے ثواب مراد لیتے ہیں۔

**اثباتِ دعا**۔ دعا ثابت ہے کتاب، سنّت اور اجماع سے۔ آیت ۲/۱ ۴۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ۔ جب میرا بندہ میرے بارے میں تم سے پوچھے تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں۔ جب وہ مجھکو پکارے تو میں جواب دونگا تو چاہئے کہ مجھکو بھی جواب دیں۔ آیت ۲۴/۱۱ آخر۔ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ پکارو مجھکو میں تمہیں جواب دونگا۔ آیت ۸/۱۴ ۲۔ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ پکارو اپنے رب کو زاری کے ساتھ اور پوشیدہ طور پر بیشک وہ پسند نہیں کرتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو۔ آیت ۱۵/۱۲ ماقبل آخر۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی۔ کہدو، پکارو اللہ کو یا رحمٰن کو جس نام سے

---

[۱] اشباح، جسمانی وظاہری۔ [۲] ارزاق سے مراد نعمتیں۔

اے رب تو ہی ہے نرمی کرنے والا مہربان ہے۔ آیت ۱۵/۱۳ ماقبل آخر۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ رب ہمارے، اپنے نزدیک سے ہم کو رحمت دے اور بنا ہمارے کام کو ٹھیک۔ آیت ۲/۹ ۵۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ ہمارے پروردگار دے ہم کو اس دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ آیت ۴/۱۱ ۴۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ ہمارے رب ہم نے سنا پکارنے والے کو پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر تو ہم ایمان لائے۔ رب ہمارے پس بخش دے ہمارے گناہ اور اتار دے ہماری برائیاں اور موت دے ہم کو نیکیوں کے ساتھ۔ رب ہمارے دے ہم کو جو وعدہ کیا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ آیت ۳/۳ آخر۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ رب ہمارے نہ گرفت کر ہماری اگر ہم سے بھول ہو جائے یا غلطی کریں اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا کہ رکھا تھا ہم سے اگلوں پر رب ہمارے اور ہم پر لاد نہیں جسکی ہم کو طاقت نہیں درگزر کر ہم سے اور بخش دے ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہمارا رفیق ہے تو ہماری مدد کر کافر قوم کے خلاف۔ آیت ۱۳/۲ ۲۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا ۔ وَاغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ۔ میرے رب بخش دے مجھکو اور میرے والدین کو اور رحم کر ان پر جیسا پالا ان دونو نے مجھکو چھوٹا۔ اور بخش دے مومنین اور مومنات اور مسلمین اور مسلمات کے زندوں کو اور مردوں کو۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ وَاَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ۔ پروردگار بخش دے اور رحم کر اور درگزر کر اس سے جو تو جانتا ہے اور تو زبردست اور بزرگ ترین ہے اور تو رحم کرنے والوں اور بخشنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ آیت ۲/۳ ۴۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ ہم اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں اور نہیں ہے طاقت اور قوت سوائے اللہ کے ساتھ جو بلند اور بزرگ ہے۔ آیت ۴/۹ ۲۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ بس ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اور رحمت بھیجے اللہ محمد پر جو نبیوں میں آخر ہیں اور انکی آل پر اور صحابہ پر اور سلامتی بھیجے کثرت کے ساتھ۔

دعا۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَمَرْتَنَا بِدُعَائِكَ وَوَعَدْتَنَا بِاِجَابَتِكَ وَقَدْ دَعَوْنَاكَ كَمَا اَمَرْتَنَا فَاَجِبْنَا كَمَا وَعَدْتَّنَا۔ اے اللہ تو نے ہم کو حکم دیا کہ ہم تجھ سے دعا کریں اور تو نے وعدہ کیا ہم سے اپنے قبول کرنے کا اور ہم نے تجھ سے

الحاح کرے اور تین مرتبہ تکرار کرے۔ مقامِ دعا میں اِطناب مطلوب ہے۔ حدیث۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُلِحِّيْنَ فِي الدُّعَاءِ۔ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے دعا میں الحاح کرنے والوں کو۔

لہ اصرار

**اوقاتِ دعا۔** غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اِن اوقات میں دعا قبول ہوتی ہے۔ عرفہ کے دن، رمضان کے مہینے میں جمعہ کے دن، سحر کے وقت، لڑائی میں دو صفوں کے تصادم کے وقت۔ مینہ برستے وقت، اور نماز کے قائم ہونیکے وقت۔

**اجابتِ دعا۔** دعا کے قبول کی مختلف صورتیں ہیں کبھی مطلوب بعینہٖ فوری طور پر حاصل ہوتا ہے کبھی کسی حکمت کی وجہ سے، حصولِ مطلوب میں تاخیر ہوتی ہے۔ کبھی دعا قبول ہوتی ہے مطلوب کے بغیر، جبکہ مطلوب دعا میں مصلحت نہ ہو اور غیر مطلوب میں مصلحت ہو یا یہ کہ مطلوب میں مصلحت ہو مگر غیر مطلوب اصلح ہو۔ اس بناء پر کہ اجابت مشیئت کے ساتھ مقید ہے۔ آیت پ۷ آخر۔ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاءَ۔ اگر وہ چاہے تو کھول دے جسکی طرف تم پکارتے ہو۔ گویا کہ سابقہ آیتیں مطلق تھیں اور اس آیت نے انکو مشیئت سے مقید کیا معنی یہ ہونگے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنْ شِئْتُ۔ پکارو مجھکو میں تمھیں جواب دونگا، اگر چاہونگا۔ وَاُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِنْ شِئْتُ۔ اور میں جواب دونگا پکارنے والے کی پکار کا، اگر میں چاہوں۔

**ادعیۂ قرآن۔** غزالیؒ نے چند ادعیۂ قرآن کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

آیت پ۹ آخر۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ۔ پروردگار ہمارے ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمارا خاتمہ اسلام پر کر۔ آیت پ۱۳ ۵۔ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ تو ہی میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں مجھکو اسلام پر موت دے، اور مجھکو نیکو کاروں سے ملا۔ آیت پ۹ ۴۔ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ○ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ ○ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے، بخش ہمکو اور رحم کر ہم پر، اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔ اور لکھ دے ہمارے واسطے اس دنیا میں اور آخرت میں نیکی۔ ہم رجوع ہوئے تیری طرف۔ آیت پ۲۸ ۵۔ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف پھر جانا ہے۔ اے ہمارے رب ہمکو کافروں کی کسوٹی نہ بنا اور ہم کو معاف کر، اے ہمارے رب، تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔ آیت پ۴ ماقبل آخر۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ ہمارے پروردگار بخش دے ہم کو ہمارے گناہ اور جو زیادتی ہوئی ہم سے ہمارے کام میں اور ثابت رکھ ہمارے قدم اور ہم کو مدد دے منکر قوم پر۔ آیت پ۲۸ آخر۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ رب ہمارے بخش دے ہم کو اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ایمان میں ہم پر سبقت گئے اور نہ کر ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا

بیماری اور تمھارا علاج۔ گناہ تمھاری بیماری ہے اور علاج استغفار ہے بعض حکیم نے کہا ہے۔ مَنْ قَدَّمَ الْاِسْتِغْفَارَ عَلَى النَّدَمِ كَانَ مُسْتَهْزِئًا بِاللّٰهِ جس نے ندامت سے پہلے استغفار کیا گویا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمسخر کیا۔

**صیغۂ استغفار**۔ اقل استغفار اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ہے ورنہ اکمل یہ ہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ تَوْبَةَ عَبْدٍ ظَالِمٍ لِنَفْسِهٖ لَا يَمْلِكُ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّ لَا مَوْتًا وَّ لَا نُشُوْرًا۔ مغفرت چاہتا ہوں میں اللہ تعالیٰ سے جو بزرگ ہے نہیں ہے کوئی معبود سوائے اسکے وہ ہمیشہ زندہ ہے اور ہمیشہ قائم ہے۔ رجوع کرتا ہوں میں اسکی طرف ایک ایسے بندہ کی طرح جس نے اپنے نفس کے ساتھ ظلم کیا ہے اور جو قدرت نہیں رکھتا مضرت کی اور نہ فائدہ پہنچانے کی اور نہ موت کی اور نہ حیات کی اور نہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی۔

**درود کی فضیلت**۔ آیت ۲۲/۴ ۴۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی پر۔ اے ایمان والو! درود بھیجو ان پر اور سلام بھیجو۔ حدیث۔ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ جس نے مجھ پر درود بھیجا اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں حدیث۔ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِيْ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً۔ میرے نزدیک لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جس نے مجھ پر زیادہ درود بھیجا حدیث۔ اَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ جمعہ کے دن مجھ پر درود بھیجنے میں کثرت کرو۔ حدیث۔ اِنَّ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ اُمَّتِيَ السَّلَامَ۔ زمین پر فرشتے ہیں خاص طور پر پہنچاتے ہیں میری اُمت کے سلام کو مجھ تک۔

**اوراد کی فضیلت**۔ آیت ۲۹/۱۲ ۸۔ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا البتہ دن میں تجھ کو شغل رہتا ہے طویل اور ذکر کر اپنے رب کے نام کا اور اسی کی طرف ہو جا سب سے الگ ہو کر۔

آیت ۲۹/۲۰ ۳۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا۔ اور ذکر کر اپنے رب کے نام کا صبح و شام اور کچھ حصہ میں رات کے سجدہ کر اس کو اور تسبیح پڑھ اس کی بڑی رات تک

آیت ۲۷/۴ آخر۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ۔ تسبیح پڑھ اپنے رب کی خوبیوں کی جس وقت تم اٹھتے ہو اور کچھ رات میں تسبیح پڑھ اس کی اور تاروں کے غائب ہوتے وقت۔

آیت ۲۹/۱۲ ۶۔ اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا۔ بیشک اٹھنا رات کا نہایت سخت پامال کرتا ہے اور زیادہ سیدھی نکلتی ہے بات۔

آیت ۱۶/۱۶ ۲۔ وَمِنْ اٰنَآئِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى۔ کچھ گھڑیوں میں رات کی تسبیح پڑھا کر اور دن کی حدوں پر شاید تو راضی ہوگا

آیت ۱۲/۱۰ ۵۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ اور قائم کر

دعا کی جیسا کہ تو نے حکم دیا پس قبول کر جیسا کہ تو نے وعدہ کیا۔

**دعاءِ آدمؑ**۔ پ ۹ ع ۱۳۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور نہ رحم کرے تو ہم بڑے نقصان میں رہیں گے۔

**دعاءِ نوحؑ**۔ پ ۲۹ ع آخر۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا۔ پروردگار معاف کر مجھ کو اور میرے والدین کو اور جو ایمان والے میرے گھر میں داخل ہوں اور مومنین اور مومنات کو اور ظالموں کی تباہی کو زیادہ ہی کرتا جا۔

**دعاءِ ابراہیمؑ**۔ پ ۱۹ ع ۱۵۔ رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ۔ پروردگار مجھ کو حکم دے اور ملا مجھ کو نیکوں میں۔

**دعاءِ موسیٰؑ**۔ پ ۲۰ ع ۳۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ۔ پروردگار بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے پس معاف کر مجھ کو۔

**دعاءِ یونسؑ**۔ پ ۱۷ ع ۱۱۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ۔ کوئی معبود نہیں ہے سوائے تیرے اور تو پاک ہے۔ بیشک میں ظالموں میں سے ہوں۔

**استعاذہ**۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَدُعَاءٍ لَّا یُسْمَعُ وَنَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَقَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَصَلٰوةٍ لَّا تَنْفَعُ وَدَعْوَةٍ لَّا تُسْتَجَابُ اَللّٰهُمَّ اَکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔ یا اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے ایسے علم سے جو مفید نہ ہو اور ایسے قلب سے جس میں خشوع نہ ہو اور ایسی دعا سے جو سماعت نہ ہو اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو۔ یا اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسے قلب سے جو ڈرے نہیں اور ایسی نماز سے جو بے سود ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔ یا اللہ تو میرے لئے حلال کو کافی کر حرام سے بچا کر اور مجھ کو اپنے فضل سے ایسا غنی کر دے کہ تیرے ماسوا کا احتیاج نہ رہے۔

**استغفار** کی فضیلت۔ آیت پ ۴ ع ۵۔ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَکَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۔ وہ جو کر بیٹھیں کھلا گناہ یا اپنے حق میں برا کریں تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش چاہیں اپنے گناہ کی۔ آیت پ ۵ ع ۱۴۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ اور جو کوئی گناہ کرے یا اپنا برا کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے اللہ کو پاویگا بخشنے والا مہربان۔ آیت پ ۳۰ ع ۳۵۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا۔ پس تسبیح پڑھ اپنے رب کی حمد کی اور مغفرت طلب کر اسکی بیشک وہ توبہ قبول کرتا ہے۔ آیت پ ۳ ع ۸۔ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ۔ اور مغفرت طلب کرتے پچھلی رات سے۔ قتادہؒ نے کہا ہے۔ اَلْقُرْاٰنُ یَدُلُّکُمْ عَلٰی دَائِکُمْ وَدَوَائِکُمْ۔ اَمَّا دَاؤُکُمْ فَالذُّنُوْبُ وَاَمَّا دَوَاؤُکُمْ فَالْاِسْتِغْفَارُ۔ قرآن بتاتا ہے تم کو تمہاری

إِذَا ذَكَرَنِي عَبْدِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِذَا ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَئِهِ وَإِذَا تَقَرَّبَ مِنِّي شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَإِذَا تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِذَا مَشَى إِلَيَّ هَرْوَلْتُ إِلَيْهِ۔ جب میرا بندہ مجھکو اپنے نفس میں یاد کرتا ہے تو میں اسکو اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں اور جب جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ جب ایک بالشت مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جب مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک بام قریب ہوتا ہوں اور جب میری طرف چلتا ہے تو میں اسکی طرف دوڑتا ہوں۔

**تہلیل**۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، وہ تنہا ہے کوئی اسکے ساتھ شریک نہیں۔ حکومت اسی کی ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

**تسبیح، تحمید و تکبیر**۔ ہر نماز کے بعد تینتیس ۳۳ بار تسبیح سُبْحَانَ اللّٰهِ پڑھے اور تینتیس بار تحمید اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور چونتیس ۳۴ بار تکبیر اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے اور آخر میں بولے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

**بیدار ہوتے وقت** صبح کو نیند سے کہے۔ رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِالْقُرْآنِ إِمَامًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا وَرَسُولًا۔ پسند کیا میں نے اللہ کو پروردگار، اسلام کو دین، قرآن کو امام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسول۔

**نیند**۔ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ قبلہ کا رخ کرکے سوئے۔ یہ یاد رکھیے کہ نیند ایک قسم کی موت ہے اور اور پھر بیداری بعث کی قسم ہے۔ آیت ۴۲-۳۹۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا۔ اللہ پوری کرتا ہے ملت جانوں کی موت کے وقت اور جان نہیں مرتی نیند کے وقت۔ آیت ۶۰-۶۔ وَالَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وہی ہے جو بھر لیتا ہے تمکو رات میں۔ زندگی اور موت کے بیچ میں نیند ایسی ہے جیسا کہ دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ۔ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا۔ اے پیارے بیٹے! اگر موت کے بارے میں تمکو شک ہے تو تم سو نہیں۔ جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح مرتے ہو۔ اگر تم کو دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق شک ہے تو سونے کے بعد بیدار مت ہو جس طرح سونے کے بعد جاگتے ہو اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گے۔

**سوتے وقت**، قبلہ رخ، سیدھی کروٹ لیٹ کر تسبیح ۳۳ مرتبہ تحمید ۳۳ مرتبہ اور تکبیر ۳۴ مرتبہ پڑھے۔

**بیدار ہوتے ہوئے کہے**۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا فِيهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا فِيهِ۔ تمام تعریف ثابت ہے اللہ تعالیٰ کے لئے

نماز کو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے۔ البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو۔
آیت ۲۳/۱۵ آخر۔ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَائِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ بھلا ایک جو عبادت میں لگا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتا اور کھڑا ہوا، آخرت سے ڈرتا ہے اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی۔ کہہ کیا برابر ہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے
آیت ۲۱/۱۵ ۵۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ الگ رہتی ہیں انکی پہلوئیں بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر اور لالچ سے۔
آیت ۱۹/۱۴ ۴۔ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔ اور وہ جو رات گزارتے ہیں اپنے رب کے آگے سجود و قیام میں
آیت ۲۶/۱۴ ۱۸۔ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ وہ رات میں بہت کم سوتے اور سویرے سے مغفرت طلب کرتے۔
آیت ۱/۵ ۶۔ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ۔ پس پاکی ہے اللہ کی جب شام کرو اور جب صبح کرو۔
آیت ۴/۱۲ ۲۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ اور نہ ہانک دو انکو جو پکارتے اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اسکی مرضی۔

**ذکر**۔ احیاء العلوم میں غزالیؒ نے لکھا ہے کہ عبادات میں سب سے افضل نماز ہے، نماز کے بعد تلاوت قرآن اور تلاوت کے بعد ذکر اور دعا کا درجہ ہے۔ دعا کی تفصیل بیان کیجا چکی ہے۔ یہاں ذکر کے فضائل بیان کئے جائیں گے۔

**آیات**۔ ۲/۱ آخر۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ تم مجھکو یاد کرو میں تم کو یاد کرونگا۔ آیت ۲۲/۳ ۱۔ اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔ یاد کرو اللہ کی یاد کثرت سے۔ آیت ۱/۲ ۴۔ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ جب تم مناسک (حج) ادا کر چکو تو یاد کرو اللہ تعالیٰ کو اسقدر خلوص و محبت سے جیسے تم اپنے والدین کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بڑھکر۔ آیت ۱/۱۱ ۴۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ وہ لوگ جو ذکر کرتے ہیں اللہ کا کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے یعنی ہر حالت میں۔ آیت ۵/۱۴ ماقبل آخر۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔ جب تم نماز پڑھ چکو تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے۔ آیت ۹/۱۴ ماقبل آخر۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ ذکر کر اپنے پروردگار کا اپنے نفس میں خضوع اور خوف کے ساتھ کسیقدر کم آواز میں صبح اور شام اور غفلت مت کرو۔ آیت ۱/۲ ۱۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ اسم اعظم اللہ کا ذکر سب سے بڑھکر ہے۔

**احادیث** ذکر کے متعلق یہ ہیں۔ سُئِلَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ فَقَالَ اَنْ تَمُوْتَ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ بِذِكْرِ اللّٰهِ۔ پوچھا کہ سب اعمال افضل ہیں تو آپ نے فرمایا۔ مرتے دم تمہاری زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہے۔ حدیث قدسی

ڈراؤنی شکل میں پیش آتے ہیں۔

**روح**۔ اہلِ سنّت میں متکلمین، محدثین، فقہاء اور صوفیہ کا قول ہے کہ روح ایک جسمِ لطیف ہے جو بدن میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے جیسا کہ ہری ڈالی میں رطوبت۔ نووی نے اسی قول کی تائید کی ہے۔ صوفیہ کی ایک جماعت اور گروہ معتزلہ کا قول ہے کہ روح نہ جسم ہے اور نہ عرض بلکہ جوہرِ مجرد ہے بدن کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اسکا مدبّر ہے نہ تو بدن میں داخل ہے اور نہ بدن سے خارج ہے۔ اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ روح کا لفظ حاوی ہے ثقلین یعنی اِنس و جن کی ارواح پر، یہانتک کہ فرشتوں، چوپایوں، پرندوں کی ارواح پر۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ثقلین کے سوا، ملائکہ اور چوپایوں اور پرندوں وغیرہ کی ارواح عزرائیلؑ قبض نہیں کرتے۔ بتدعہ کہتے ہیں کہ چوپایوں وغیرہ کی ارواح عزرائیلؑ نہیں قبض کرتے بلکہ عزرائیلؑ کے اَعوان[1] قبض کرتے ہیں۔ اہلِ سنّت اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ آیت ۲۱/۱۱ آخر۔ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ۔ کہدو تمہاری مدت کو پورا کرتا ہے ملک الموت جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ آیت ۴/۱۴ ا۔ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا پوری کرتے ہیں اسکی مدت کو ہمارے رُسُل۔ اس آیت میں اس جمع کے لفظ سے اشارہ ہے عزرائیلؑ کے اَعوان کی طرف جو اعصاب، ہڈیوں اور رگوں سے جان کو نزع کرتے ہیں۔ آیت ۲۴/۴۲ ا۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے مدت کو نفوس کے موت کے وقت۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ کی طرف اشارہ ہے بحیثیت خالق کے۔

**سہولتِ موت**۔ موت ایسے وقت آئے جبکہ بندہ نیک کام میں مصروف ہو تو موت میں سہولت ہوتی ہے۔ **مسواک** کے استعمال سے بھی موت میں سہولت ہوتی ہے۔ سنوسی اور دوسروں نے بھی اسکا ذکر کیا ہے کہ جمعہ کی رات میں مغرب کے بعد دو رکعت نماز سورۂ فاتحہ کیساتھ سورۂ زلزال پندرہ دفعہ پڑھنے سے موت میں سہولت ہوتی ہے اور سارے اَہوال میں جو موت کے بعد پیش آتے ہیں کمی ہوتی ہے۔ سورۂ زلزال کی نسبت روایت ہے کہ نصف قرآن کے برابر ہے۔ موت سب سے بڑی مصیبت ہے اور اس سے غفلت اور بھی زیادہ مصیبت ہے اسلئے موت کو کثرت سے یاد کرنا مستحسن ہے۔ حدیث۔ اَكْثِرُوْا مِنْ ذِكْرِهَا۔ زیادہ کرو موت کا ذکر۔ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ناگہانی موت میں تکلیف میں تخفیف ضرور ہے سوائے اس شخص کے جس کی پشت مظالم کے بوجھ سے بوجھل ہو اور موت کیلئے تیار نہ ہو۔ حدیث۔ مَنْ كَانَ كَلَامُهٗ مِنَ الدُّنْيَا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ ای مَعَ السَّابِقِيْنَ۔ دنیا سے (جاتے ہوئے) جس شخص کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا سابقین کے ساتھ۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔ جس شخص کا آخری کلام لا اِلٰہ الا اللہ ہو اللہ تعالیٰ نے اسکو دوزخ پر حرام کر دیا۔

---

**اتفاقی** اور غیر طبعی موت۔ ہر ذی روح جس کی موت کسی خارجی سبب کی وجہ سے واقع ہو، مرتا ہے انقضاءِ عمر کی بنا پر یہ اہلِ حق کا مذہب ہے۔ انکے پاس اَجل ایک ہی ہے۔ اس میں نہ تو زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ کمی۔ **اجل** کا لفظ آخرِ عمر

[1] اعوان مددگار

جس نے ہم کو مرنے کے بعد زندہ کیا اور اُسی کی طرف اُٹھنے ہیں۔ یا اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں بھلائی آج کے دن
کی اور جو بھلائی اس میں ہے۔ اور پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اسکی برائی سے اور اس برائی سے جو اس میں ہے۔
**کسبِ معیشت** میں مصروف ہوا اور اپنی کمائی سے ضرورت کے موافق خرچ کرکے بقیہ کا صدقہ دے تو وہ
تمام اَوراد سے افضل ہے مسلمین کے مصالح کی تکمیل میں مصروف ہو تو دن کو مکتوبات[1] پر اکتفا کرے اور یہ اَوراد سے
افضل ہے۔ عباداتِ بدنی پر دو امور کو ترجیح ہے علم اور خدمتِ مسلمین۔

[1] نماز پنجگانہ

# موت

**موت** کی تصدیق واجب ہے کہ وقتِ مقررہ پر عزرائیل ؑ روح قبض کرتے ہیں۔ جس طرح شرع میں بیان کیا گیا ہے
بدن سے روح کے جدا ہونے کو موت کہتے ہیں بعض نے کہا ہے کہ موت اُس حالت کو کہتے ہیں جو حیات کے متضاد ہے
بعض نے لکھا ہے کہ موت ایسی چیز کے عدمِ حیات کا نام ہے جس میں حیات کی صلاحیت ہے۔ بخلاف دہریہ کے جو کہتے
ہیں کہ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَرْحَامٌ تَدْفَعُ وَاَرْضٌ تَبْلَعُ۔ رحم اسکو باہر ڈالتے ہیں اور زمین اسکو نگل جاتی ہے۔ انسان کی
زندگی اور موت کی نسبت دہریہ کا یہ بیان ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ موت واقع ہوتی ہے نظامِ طبیعت میں خلل واقع
ہونے سے۔ اہلِ سنت ان دونوں اقوال کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ موت واقع ہوتی ہے وقتِ مقررہ پر اور طریقۂ
معہودہ پر۔ اصل وقوعِ موت کے متعلق کسی نقل کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی سمجھدار موت کے بارے میں شک نہیں
کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آیت ۲۳/۱۲ ماقبل آخر۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تم مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے
ہیں آیت ۵-۴/۱۰ ۲-۴/۲۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر ایک نفس موت کا مزہ چکھیگا۔ بہت سے احادیث
میں موت کا ذکر ہے۔

**صفتِ موت** کی نسبت علماء میں اختلاف ہے۔ اشعری کہتے ہیں کہ موت وجودی صفت ہے جو حیات کے متضاد
ہے۔ حیات اور موت کے درمیان تضاد کا تقابل ہے۔ اسفرائنی اور زمخشری کہتے ہیں کہ موت عدمی صفت ہے۔ موت
کہتے ہیں عدمِ حیات کو اس چیز کے جس میں حیات کی صفت سے متصف ہونے کی صلاحیت ہو۔ انکے پاس موت اور
حیات کے درمیان عدم اور ملکہ کا تقابل ہے۔ آیت ۲۹/۱-۳۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ جس نے پیدا کیا موت اور
حیات کو۔ اس سے اشاعرہ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ موت صفت ہے میت کی اور حیات صفت ہے حی کی اور
دونوں صفات وجودی ہیں۔

**عزرائیل ؑ** موت کے وقت روح کو قبض کرنے کے لئے مامور ہیں۔ عزرائیل ایک عظیم المرتبت فرشتہ ہیں جو مومن
کے پاس مرغوب صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور نرمی و مہربانی سے پیش آتے ہیں بخلاف دوسروں کے جن کے سامنے نہایت

حادثہ کی بناء پر واقع ہوئی، موت کے یہ سارے حالات ہیں اور ان میں امتیاز محض عقل وفہم انسانی کی بناء پر کیا گیا ہے۔ یہ تعلق علم الٰہی ان حالات کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے اگر کوئی امتیاز بار بھی کیا جائے تو اس امتیاز کا تعلق علم الٰہی سے تھا اور وہ تعلق بھی ازلی تھا اسلئے وقوعِ واقعہ کے بعد ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ جس کسی وجہ سے موت واقع ہوئی اسکا واقع ہونا اور اس وجہ کے ساتھ واقع ہونا لابدی تھا اور یہ بموجب علم الٰہی تھا۔ اور یہ عین اصولِ مذہبِ اہلِ سنت ہے۔ اسکے بعد لوحِ محفوظ یا صحفِ ملائکہ اور علم الٰہی کے درمیان جو فرق متکلمین نے ظاہر کیا ہے اسکو اللہ بہتر جانتا ہے۔

**بقاءِ روح** کے بارے میں تمام مسلمانوں کو اتفاق ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد اُسکی روح باقی رہتی ہے۔ اہلِ خیر سے ہو تو اسکی روح نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہے اور اہلِ شر سے ہو تو اسکی روح عذاب کی آفت میں مبتلا ہوتی ہے۔

**اسرافیل** کے **نفخۂ اُولیٰ** کے وقت روح کی حالت کی نسبت علماء میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ روح فنا ہو جاتی ہے۔ آیت ۲۶/۲۷۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ جو کوئی اس (زمین) پر ہے فنا ہونے والا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ روح فنا نہیں ہوتی۔ نفخۂ اُولیٰ کو **نفخۂ فنا** بھی کہتے ہیں۔ اسکے قبل کوئی نہ مرا ہو تو اس نفخہ کے ساتھ ہی مرجائیگا اور کوئی زندہ باقی نہ رہیگا۔ اگر اسکے پہلے مرچکا ہو تو اس پر غشی طاری ہوگی جیسا کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سوائے انکے جنکو اللہ تعالےٰ چاہے جیسا کہ چار رؤساءِ ملائکہ، **حورِعین** اور موسیٰ علیہ السلام۔ اسلئے کہ موسیٰؑ ایک مرتبہ اس دنیا میں بیہوش ہوچکے ہیں۔ موت کے بعد سارے انبیاء کی طرف انکی ارواح عود کریں گی اور پھر نفخۂ اوّل کے وقت ان پر غشی طاری ہوگی سوا موسیٰؑ کے۔

پھر اسرافیلؑ صور میں دوسرا نفخہ پھونکیں گے جس کو **نفخۂ بعث** کہا جاتا ہے۔ دوسرے نفخہ کے وقت اللہ تعالےٰ سارے ارواح کو صور میں جمع کریگا۔ ارواح کی تعداد کے لحاظ سے صور میں سوراخ ہونگے جن سے ارواح نکلکر اپنے اجساد کو پہنچ جائینگی اور اپنے جسد کو پہنچنے میں کوئی روح غلطی نہ کریگی۔ دو نفخوں کے درمیان چالیس برس کا فصل ہوگا جیسا کہ بعضوں نے بیان کیا ہے۔ امام تقی الدین سبکی نے بقاءِ روح کے قول کی تائید کی ہے۔ اسلئے کہ سبھوں کو اتفاق ہے کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے تاکہ قبر میں اس سے سوال کیا جائے اور اسکو تنعیم میں رکھا جائے یا تعذیب میں۔ سبکی کا قول اہلِ حق کے پاس بھی مختار ہے۔ سبکی کے قول کی اسلئے بھی اہمیت ہے کہ سبکی مختلف فنون میں تبحر رکھتے تھے اور معقول اور منقول دونوں پر حاوی تھے۔

**عَجْبُ الذَّنَب** کا حال بھی روح کا سا ہے۔ عَجْبُ الذَّنَبِ مَعْنَاهُ عَجْبُ شَبِيهِ الذَّنَبِ۔ عجب کہتے ہیں نہایت چھوٹی سی ہڈی کو جو خردلہ یعنی رائی کی مقدار میں پیٹھ کے منکوں کے آخری حصہ میں ہے اور انسان کیلئے مختص ہے۔ ذنب کے معنی دُم کے ہیں۔ اسی مقام سے جانوروں کی دُم کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ عَجْبُ الذنب اور روح میں مشابہت صرف فنا ہونے کے بارے میں ہے۔ جس طرح روح کی فنا کی نسبت علما میں اختلاف ہے اسی طرح عجب الذنب کی فنا کی نسبت بھی علماء میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ عَجْبُ الذنب فنا نہیں ہوتی مگر اسکے لئے وقتِ نفخ کی تھہ

اور مدت عمر دونو پر اطلاق ہوتا ہے آیت ۳۴۔ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ جب موت آتی ہے تو ایک گھڑی آگے ہو سکتی ہے اور نہ پیچھے۔ احادیث نبوی بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر ایک ہلاک ہونے والا اپنے اَجل (عمر) کو پوری کرتا ہے بغیر کسی تقدم اور تاخر کے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ صلۂ رحم جیسے بعض طاعات عمر میں زیادتی کرتی ہیں۔ یہ خبرِ آحاد ہونے کی وجہ سے قطعی آیاتِ قرآنی کی معارض نہیں ہو سکتی یا یہ کہ اس حدیث میں زیادتی عمر سے مراد خیر و برکت میں زیادتی کے ہیں یا یہ کہ یہ زیادتی صرف اُس نسبت سے ہے جو ملائکہ کے مُصحف میں ثابت ہے۔ مُصحفِ ملائکہ میں بعض چیز مطلق طور پر ثابت ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں مقیّد ہوتی ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ملائکہ کے مُصحف میں زید کی عمر مطلق طور پر پچاس برس ہو اور اللہ تعالیٰ کے علم میں مقیّد ہو اس بات پر کہ وہ فلاں طاعات پر عمل نہ کرے اور اگر عمل کرے تو اسکی عمر ساٹھ برس ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہو کہ وہ اس پر عمل کرے تو اس شخص کو اس کام کے کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے اور اس لحاظ سے اسکی عمر ساٹھ سال ہوگی اور زیادتی محض مُصحفِ ملائکہ کے ظاہر پر ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ کے علم کے موجب اسکا پایا جانا ضروری ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے اس آیت میں ۱۳/۲۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ۔ اللہ جب چاہتا ہے مٹاتا ہے یا قایم رکھتا ہے اُسکے پاس **اُمّ الکتاب** ہے یعنی اصل **لوحِ محفوظ** ہے۔ اصل لوحِ محفوظ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے جس میں نہ محو ہے اور نہ اثبات ہے۔ لوحِ محفوظ میں جو کچھ ہے اس میں محو و اثبات ہو سکتا ہے جیسا کہ مُصحفِ ملائکہ میں۔ ملائکہ کا علم انکے صحف کی حد تک محدود ہے اللہ تعالیٰ کے علم کا علم انھیں حاصل نہیں۔ بعض نے اُمّ الکتاب کی تفسیر لوحِ محفوظ سے کی ہے جس میں ہر ایک ہونے والی بات لکھی ہوئی ہے لیکن قول اول صحیح ہے۔ اہلِ سنّت کا مختار مذہب یہ ہے کہ ہر مقتول مرتا ہے انقضاءِ عمر پر اور موت کے نازل ہونے پر اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق جو ازلی ہے اور اس میں قاتل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ قاتل قصاص کا مستوجب ہوتا ہے محض اسکے کسب کے لحاظ سے۔ اس بارے میں معتزلہ تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ کعبیؒ نے کہا ہے کہ مقتول میّت نہیں ہے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ قتل بندہ کا فعل ہے اور موت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ آیت ۳/۱۵۸۔ لَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عطف کا اقتضاء مغایرت ہے اور اہلِ سنّت کہتے ہیں کہ موت سبب پر موقوف ہو یا بغیر سبب کے ہو دونو صورتوں میں موت ہے۔ کعبی کہتے ہیں کہ مقتول کی دو اجل ہیں۔ ایک اجل قتل کی اور دوسری اجل موت کی۔ اگر وہ قتل نہ کیا جاتا تو اپنی اجل کی موت تک زندہ رہتا۔ جمہورِ معتزلہ کہتے ہیں کہ قاتل نے مقتول کی اجل کو منقطع کر دیا۔ انکے پاس مقتول کی ایک ہی اجل ہے۔ ابو ہذیل کہتے ہیں کہ مقتول کی اجل اُسی وقت مقرر ہے۔ انکے پاس مقتول کی اجل ایک ہی ہے اور وہ اُسی وقت ہے جس میں کہ وہ قتل کیا گیا اگر قتل نہ کیا جاتا تو اسی وقت اسکی موت واقع ہوتی۔ اس ساری بحث سے معتزلہ اور اہلِ سنّت کے مذاہب کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔

**مؤلّف**۔ موت کس حالت میں واقع ہوئی۔ طبعی اسباب پر موت واقع ہوئی یا خارجی اسباب قتل، مرضِ متعدی یا

اسکی ترکیب ہوئی ہے۔ متکلمین کہتے ہیں کہ وہ جسم ہے اور جمہورِ متکلمین کہتے ہیں کہ وہ بُنیۂ محسوسہ ہے۔ بُنیہ اُس ھویت (اصلی چیز) کو کہتے ہیں جو بچپن سے بڑھاپے تک لاغری اور موٹے پن میں ہر حالت میں قائم رہتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ اجزائے اصلی ہیں جو عمر کے آغاز سے آخر تک باقی رہتے ہیں۔ فلسفی کہتے ہیں کہ وہ غیر جسم ہے۔ معتزلہ میں سے معمر بھی اسی کے قایل ہیں۔ اہلِ سنت میں سے امام غزالیؒ بھی اسی طرف مایل ہیں۔ ارسطا طالیس اور اس کے پیرؤں کی رائے ہے کہ نفوسِ بشری، بلحاظِ نوع، متحد ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ نفوسِ بشری ماہیات میں مختلف ہیں عفت، فجور، ذکاوت وبلادت کے اختلاف سے استدلال کرتے ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف نفس کے لوازم میں سے ہے اور لوازم کا اختلاف ملزومات کے اختلاف پر دلالت کرتا ہے۔

**ارسطا طالیس** اور اسکے پیرؤں کے خیال میں نفس حادث ہے اور ازلی نہیں ہے۔ یہ لوگ **تناسخ** کی تردید میں کہتے ہیں کہ ایک حادث میں دو نفوس کا اجتماع محال ہے، حادث کا موجودہ نفس اور آیندہ ہونے والے حادث کی قابلیت کا نفس۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ہم موجودہ بدن کے پہلے اگر کسی اور بدن میں پلٹے گئے تھے تو اُس بدن کے حالات کا ہم کو علم رہنا چاہیئے۔ فلسفی کہتے ہیں کہ موت کے بعد نفس کو ادراک کی قوت باقی رہتی ہے اور بدن کی ہیئتِ ترکیبیہ سے آزاد ہونیکے بعد بھی نفسِ عالِم سعادت کا، اور نفسِ جاہل شقاوت کا ادراک کرسکتا ہے۔ فلسفی اس امر سے بھی اتفاق کرتے ہیں کہ ارواح کو فنا نہیں ہے۔

**مالکیہ** نے روح کی حقیقت کے معلوم کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ روح ذی صورت جسم ہے، شکل اور ہیئت میں بدن کی صورت پر ہے۔ اصبغ نے عبدالرحیم بن خالد سے نقل کیا ہے کہ روح کا جسم ہے اور اعضا ہیں۔ امام الحرمین کا قول سب سے اصح ہے کہ روح ایک جسمِ لطیف شفاف ہے جو بدن کے ساتھ ملی جلی اور پورے بدن میں اس طرح ساری ہے جیسے کہ رطوبت ہری ڈالی میں۔

**شاہ ولی اللہؒ** نے حجۃ البالغہ میں لکھا ہے کہ انسان کے بدن میں، قلب میں، خلاصۂ اخلاط سے، ایک بخارِ لطیف پیدا ہوتا ہے جس سے قواءِ حاسہ، محرکہ و مُدبرہ کا قیام ہے۔ اس بخار کے رقیق یا غلیظ، صاف یا مکدر ہونے سے قوٰی کے افعال میں خاص اثر پیدا ہوتا ہے۔ اس بخار کی تولید موجبِ حیات اور اسکی تحلیل باعثِ موت ہے۔

اس بخار کو **نسمہ** کہتے ہیں اور یہ جسمِ انسانی میں اس طرح رہتی ہے جس طرح پھول میں رطوبت یا کوئلہ میں آگ۔ نسمہ حقیقی روح نہیں ہے۔ نسمہ کا تعلق چونکہ اخلاطِ بدن سے ہے اسلیئے اخلاطِ بدن کے تغیر کے ساتھ نسمہ میں بھی تغیر ہوتا ہے۔ گو روحِ حقیقی جداگانہ ہے لیکن روحِ حقیقی کو نسمہ سے تعلق ہے گو نسمہ میں تغیر ہوتا ہے اور روحِ حقیقی میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ روحِ حقیقی سے ہر ذی روح کی ہوبیت قائم رہتی ہے۔ روحِ حقیقی کو اولاً نسمہ سے اور ثانیاً بدن سے تعلق ہوتا ہے۔ بدنِ انسانی میں تولیدِ نسمہ کی قابلیت باقی نہ رہے تو بدنِ انسانی سے نسمہ کا انفکاک ہوجاتا ہے

نہیں ہے۔ امام اسمٰعیل بن یحییٰ مزنی نے اس قول کی تصحیح کی ہے کہ عجب الذنب تباہ اور فنا ہو جاتی ہے۔ انھوں نے آیت ۲۷ ۱ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کے ظاہر سے تمسک کیا ہے۔ کل کے فنا سے جز و کا فنا لازم آتا ہے۔ ابن قتیبہ کا قول ہے کہ میت کے سارے اجزاء بدن میں عجب الذنب سب سے آخر میں نابود ہوگی۔ بیجوری کہتے ہیں کہ قوی دلیل یہ ہے کہ عجب الذنب نابود نہ ہوگی۔ حدیث صحیحین۔ لَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَبْلَى إِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ مِنْهُ خُلِقَ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ انسان کی ہر ایک چیز نابود ہو جائیگی سوائے ایک ہڈی کے جو عجب الذنب کہلاتی ہے قیامت کے دن مخلوق کی تخلیق اسی سے ہوگی۔ حدیث مسلم۔ كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَأْكُلُهُ التُّرَابُ إِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ مِنْهُ خُلِقَ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ۔ سارے بنی آدم کو مٹی کھا جاتی ہے سوائے عجب الذنب کے اسی سے پیدا کیا گیا اور اسی سے اسکی ترکیب کیجاتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ إِنَّ فِي الْإِنْسَانِ عَظْمًا لَا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ أَبَدًا۔ انسان کے بدن میں ایک ہڈی ہے جس کو مٹی کبھی نہیں کھاتی۔ عجب الذنب کی بقاء تعبدی ہے یا کسی علت سے معلل ہے اس بارے میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ تعبدی ہے۔ اس لئے کہ علت کا قول نہایت ضعیف ہے کہ فرشتے اسکی نشانی پر ہر ایک انسان کو اسکی دنیاوی صفات کے ساتھ زندہ کرینگے اسلئے کہ ملائکہ پر امر پوشیدہ نہیں ہے۔ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر انسان کو اسکی پوری دنیاوی صفات کے ساتھ پیدا کرینگے۔

**باقیات** ۔ آیت ۲۰ ۱۲ آخر۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے ذات باری کے۔ علماء نے اس آیت کے عمومی مفہوم میں احادیث واردہ کی روشنی میں تخصیص پیدا کرکے آٹھ چیزوں کا استثنیٰ کیا ہے۔ روح، عجب الذنب، اجساد انبیاء و شہداء، عرش، کرسی، جنت، دوزخ اور حور عین۔ جلال الدین سیوطی نے احادیث کے ذریعہ جو آٹھ چیزیں مستثنیٰ کی گئی ہیں نظم میں یوں شمار کیا ہے

ثَمَانِيَةٌ حُكْمُ الْبَقَاءِ يَعُمُّهَا ... مِنَ الْخَلْقِ وَالْبَاقُونَ فِي حَيِّزِ الْعَدَمِ

آٹھ چیزیں ہیں جن پر بقا کا حکم شامل ہے ... مخلوق میں سے اور بقیہ سب معرض عدم میں ہیں

هِيَ الْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ نَارٌ وَجَنَّةٌ ... وَعَجْبٌ وَأَرْوَاحٌ كَذَا اللَّوْحُ وَالْقَلَمُ

وہ عرش، کرسی، دوزخ، جنت ... عجب الذنب، ارواح اور اسی طرح لوح اور قلم ہیں

متاخرین میں کے محققین اس طرف مایل ہوئے ہیں کہ اس آیت کے عموم میں کسی چیز کی استثناء یا تخصیص نہیں ہے۔

## روح

**رازی** نے محصل میں روح کے تعلق سے جو بحث کی ہے اسکا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے "انا" یعنی "میں" کی ضمیر سے ہر شخص جس چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ کیا ہے۔ جسم ہے جسمانی ہے یا نہ جسم ہے نہ جسمانی ہے یا ان اقسام میں سے کسی دو باتوں سے

فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اِئْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ. ارواح کی فوج صف بستہ ہے، جس کے درمیان تعارف ہے ان میں اتحاد ہے اور جن کے درمیان تعارف نہیں ہے ان میں بیگانگی ہے۔

**مَقرِ روح** بعض کہتے ہیں کہ روح کا مقر پیٹھ ہے اور بعض قلب اور بعض قلب کے قرب کو بتاتے ہیں۔ ابن راوندی نے کہا ہے کہ وہ قلب میں ایک جزء لایتجزّیٰ ہے۔ نظام کہتے ہیں کہ وہ اجزاء لطیفہ ہیں جو سارے بدن میں ساری ہیں۔ اطبّاء کہتے ہیں کہ وہ روح لطیف ہے جو قلب کی بائیں جانب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ روح کا مقام دماغ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اخلاطِ اربعہ کے اختلاط کا نام روح ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ خون کی روانی اور گرمی ہی روح ہے۔ لیکن اس بارے میں بھی امام الحرمین کا قول صواب ہے۔ یہ تو زندگی کی حالت میں روح کا بدن سے تعلق ہوا لیکن مرنے کے بعد روح کا مقر کیا ہے، صحیح یہ ہے کہ روحیں قبور کی نواح میں ہوتی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ آدم علیہ السلام کے پاس دنیا کے آسمان پر ہوتی ہیں مگر دوامًا نہیں اسلئے کہ جس طرح چاہتی ہیں پھرتی ہیں۔ کفار کی روحیں زمین کی ساتویں طبق سجّین میں محبوس ہوتی ہیں۔

**بیجوری** نے اپنے فقہ کی شرح میں لکھا ہے کہ مومنین کی ارواح علّیین میں ہوتی ہیں اور انکا نور میّت سے متصل ہوتا ہے۔ بخلاف اسکے کفار کی ارواح سجّین میں ہوتی ہیں اور انکا اتصال بدن سے رہتا ہے۔ تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ راحت اور عذاب، روح اور بدن دونو سے ایک ساتھ متعلق ہیں۔ ارواح کی پانچ قسمیں ہیں۔ اَرْواحِ انبیاء بدن سے نکلتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہیں اور اسکی نعمتوں سے مستفید ہوتی ہیں۔ اسی طرح اَرْواحِ شہداء بھی بدن سے نکلتے ہی جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں۔ اَرْواحِ مومنین صالحین جنت میں پہنچکر جنت کا نظارہ کرتی ہیں مگر جنت کی نعمتوں سے استفادہ نہیں کرتیں۔ اَرْواحِ مومنین عُصاۃ[1] آسمان اور زمین کے درمیان ہوا میں معلق ہوتی ہیں۔ اَرْواحِ کفار سجّین میں ہوتی ہیں۔

[1] عاصی کی جمع عاصی گنہگار

بہرحال روح کے بارے میں غور و خوض کی اجازت ہے بھی تھی اسی مذہب چنانچہ مالک رضی نے اس بارے میں اشارہ کیا ہے۔ اس سے بڑھکر نظر دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہودیوں کی کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ بیان کی گئی تھی کہ روح کے بارے میں سوال کیا جائے تو آپ تامّل کرینگے اور غیر شافی جواب دینگے چنانچہ یہودیوں کے سوال پر آپ کو اس جواب کے دینے کی ہدایت کی گئی۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔

# عقل

**عقل**۔ اونٹ کو روک رکھنے کیلئے اسکے اگلے دو پاؤں باندھنے کو عقل کرنا کہتے ہیں۔ اسلئے عقل کے معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ شرع میں عقل کا اطلاق تمیز پر ہوتا ہے۔ عقل ایسی صفت ہے جو بھلائی اور برائی کے درمیان تمیز کرنے میں

اور اسی انفکاک کا نام **موت** ہے۔ موت کی وجہ سے روح حقیقی کا نسمہ سے انفکاک نہیں ہوتا بلکہ روح حقیقی اور نسمہ دونوں کیلئے نشأۃ ثانیہ ہو جاتی ہے۔

روح کی حقیقت کے بارے میں غور نہ کرنا اولیٰ ہے۔ جمہور محققین روح کی حقیقت کے بارے میں غور و خوض کرنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی **نقل** وارد نہیں ہوئی ہے اور نہ کوئی **توقیف** ہے اسلئے اس مسئلہ میں غور کرنا مکروہ ہے۔ جنیدؒ کے الفاظ حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ روح ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے علم سے اثر پذیر کیا ہے مخلوق میں سے کوئی اس راز سے واقف نہیں۔ روح موجود ہے بس اتنا سمجھنا کافی ہے' اس سے زیادہ بحث جائز نہیں ہے۔ آیت ۱۷/۸۵۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ لوگ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں کہدو کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے۔ اس سے بندہ کا کامل عجز ظاہر ہوتا ہے' اپنے ہی نفس کی حقیقت کو نہیں جانتا جو اسکے پہلو میں موجود ہے اور جس کے وجود کی نسبت وہ قطعی یقین رکھتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت ہونیکے پہلے' اللہ تعالےٰ نے آپ کو روح اور دوسری تمام باتوں سے آگاہ کیا جن کا بشریت کے علم میں آنا ممکن تھا اور جس کی نسبت اسکے پہلے آپ کو ابہام میں رکھا گیا تھا۔ آگاہ کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کو اپنے جمیع معلومات سے مطلع کیا' اسلئے کہ اس سے قدیم کے ساتھ حادث کی مساوات لازم آتی ہے۔ آیت ۶/۵۰ آخر۔ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (مجھکو غیب کا علم نہیں ہے) محمول ہے اُس زمانہ کی نسبت جبکہ اسکا انکشاف آپ پر نہیں ہوا تھا۔ لیکن عدم خوض کا قول ہی مختار ہے۔ اسلئے کہ اسکی حقیقت کے بیان کرنے اور بدن میں اسکے مقام کے معین کرنے سے احتراز کرنا اولیٰ ہے۔

**تعددِ ارواح** مشہور یہ ہے کہ ہر ایک بدن میں ایک ہی روح ہے اور ارواح کا تعدد نہیں ہے۔ عز بن عبد السلام نے یہ صراحت کی ہے کہ ہر بدن میں دو روحیں ہیں۔ ایک **روحِ یقظہ** یعنی بیداری کی روح ہے جب وہ بدن میں داخل رہتی ہے تو انسان بیدار رہتا ہے اور جب وہ باہر نکل جاتی ہے تو سو جاتا ہے اور یہ روح خوابوں کو دیکھتی ہے۔ دوسری **روحِ حیات** ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کی ہے کہ جب وہ بدن میں رہتی ہے تو زندہ رہتا ہے اور جب جدا ہوتی ہے تو مر جاتا ہے۔ یہ دونوں روحیں انسان کے باطن میں ہیں۔ انکے مستقر کا علم صرف اُسی کو ہے جسکو اللہ تعالےٰ نے آگاہ کیا۔

**تعلقِ ارواح**۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے دن بعض روح بعض روح کے چہرے کے مقابل تھیں اور بعض پیٹھ پلٹائی تھیں اور بعض پہلو بہ پہلو تھیں۔ مواجہ کی روحوں میں غایتِ محبت و اتحاد اور روگردانوں میں غایتِ عداوت اور آزردہ بازوں کی روحوں کے درمیان بَین بَین کی حالت ہوتی ہے جیسا کہ یواقیت میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض اشخاص پر اسکا کشف ہوتا ہے جیسا کہ سہل بن عبداللہ پر چنانچہ یہ لوگ اپنے تلامذہ کو اس طرح پہچانتے ہیں حدیث میں آیا ہے۔ اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ

ڈھاتکی جاتی ہے اور نیند میں مشوش ہوتی ہے۔ ان جملہ صورتوں میں قلب سے شعور کی قوت زایل ہو جاتی ہے مگر فرق یہ ہے کہ اعصاب سے رطوبت سے پوشیدہ اعضاء کی حرکت بغیر طرب کے باقی رہے تو **جنون** ہے، طرب کے ساتھ **نشہ**، اعضا میں فتور واقع ہو تو **غشی** اور اعصاب ڈھیلے پڑ جائیں تو **نیند** ہے۔

**مقر عقل**۔ عقل کے مقر کی نسبت بھی اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قلب اسکا محل ہے اور اسکا نور دماغ کے متصل ہے جیسا کہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور جمہور متکلمین کا قول ہے۔ حکماء اور فقہاء کا قول ہے کہ عقل کا محل دماغ ہے، اسلئے کہ دماغ کے فساد سے عقل میں فساد واقع ہوتا ہے۔

## قبر
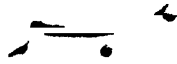
**ضمۂ قبر** سب کیلئے عام ہے۔ قبر کی تنعیم اور تعذیب واجب ہے۔ قبر کی دونو جانب کے مل جانے اور انکے درمیان میت کے بھنچ جانے کو ضمۂ قبر کہتے ہیں اور اسکو ضغطۂ قبر بھی کہتے ہیں۔ یہ قبر کی سب سے پہلی مصیبت ہے جو نکیرین کے سوالات سے پہلے پیش آتی ہے۔ روایات سے ثابت ہے کہ اس مصیبت سے اللہ کے نیک بندوں اور گنہگاروں دونو کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ سعد بن معاذؓ انصار میں نہایت ارفع و اعلیٰ رتبہ رکھتے تھے۔ انکی موت پر انکی روح کے استقبال کی مسرت میں عرش ہل گیا جس سے انکی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ باوجود ان مراتب کے سعد بن معاذؓ ضمۂ قبر کی مصیبت سے نجات نہ پا سکے۔ مروی ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے ضمۂ قبر سے نجات پائی تھی۔ بچوں کو بھی ضمۂ قبر ہوگا، صرف انبیاء علیہم السلام اس سے محفوظ رہے۔

**تنعیم و تعذیب**۔ ضمہ کی اضافت قبر کی طرف صرف غلبہ کی وجہ سے کی گئی ورنہ اللہ تعالےٰ اگر میت کی تعذیب کا ارادہ کرے تو قبر اور بغیر قبر دونو مساوی ہیں۔ کوئی شخص سمندر میں ڈوب جائے، آگ میں جل جائے یا اسکی راکھ ہوا میں اڑ جائے یا درندے کھا جائیں، یہ سب صورتیں اللہ تعالیٰ کی تعذیب یا تنعیم کیلئے برابر ہیں۔ اہل حق کا اتفاق ہے کہ تعذیب اور تنعیم، بدن اور روح دونو کیلئے ہیں۔ محمد بن جریر طبری، عبداللہ بن کرام اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ فقط بدن کو تعذیب پہنچتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بدن میں ادراک کو پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ سنتا، جانتا اور لذت یا الم پاتا ہے۔ عذابِ قبر کافر، منافق اور عصاۃِ مومنین سب کیلئے عام ہے مگر فرق یہ ہے کہ کافر اور منافق پر علی الدوام ہوگا اور بعض عصاۃِ مومنین سے جن سے خفیف گناہ سرزد ہوئے، یہ عذاب منقطع بھی ہوگا۔ انقطاعِ عذاب کیلئے مدت انکے گناہ کی مقدار اور اللہ تعالےٰ کے ارادہ پر موقوف ہے۔ دعا اور صدقہ وغیرہ سے بھی عذابِ قبر رفع ہوتا ہے جیسا کہ ابنِ قیم کا قول ہے۔ قبر میں جن لوگوں سے سوالات نہیں کئے جاتے قبر میں انکی تعذیب بھی نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ تنعیم قبر میں سے یہ بھی ہے کہ قبر ستر ہاتھ اور ستر چوڑی وسیع ہو جاتی ہے اور اس میں

مدد دیتی ہے۔ عقل کو عقل اسلئے کہا گیا کہ وہ انسان کو برائیوں سے روکتی اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔
عقل کی حقیقت کے بارے میں غور و فکر کرنا اولیٰ ہے اور مختار قول یہی ہے۔ اسلئے کہ عقل مُغیبات میں سے ہے اور جو چیز مغیبات سے ہو اسکے بارے میں غور و خوض کرنے سے احتراز کرنا اولیٰ ہے۔

**اقسامِ عقل** عقل کی پانچ قسمیں ہیں۔ عقلِ غریزی یعنی طبیعی جس کے ذریعہ نظری علوم کا ادراک کیا جاتا ہے یہ شیخ الاسلام کا قول ہے۔ عقلِ کسبی وہ ہے جس کا اکتساب انسان عقلمندوں کی صحبت میں کرتا ہے۔ عقلِ عطائی وہ ہے جس کو اللہ تعالےٰ مومنین کو عطا کرتا ہے تاکہ ایمان کی طرف انکی رہنمائی کرے۔ عقلِ زہاد وہ عقل ہے جس کے ذریعہ صفتِ زہد حاصل ہوتی ہے۔ عقلِ شرفی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل ہے جو سارے عقول میں اشرف ہے۔

**حقیقت** عقل کی نسبت علماء میں اختلاف ہے۔ اہلِ سنت کہتے ہیں کہ عقل عَرَض ہے جو قلب کے ساتھ قائم ہے اور دماغ سے اسکا اتصال ہے۔ عقل کسی فرد میں زیادہ اور کسی میں کم ہو سکتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ عقل علوم کی قبیل سے ہے اور بعض علومِ ضروری کے علم کو عقل کہتے ہیں جیسا کہ جرم کیلئے تحیّز واجب ہے۔ جرم کا حرکت اور سکون دونوں سے ایک ساتھ عاری ہونا محال ہے، آگ کا جلانا جانا ہے وغیرہ۔ ایسے بعض ضروری علوم ہیں جس کو عقل کہا گیا ہے۔ یہ امام الحرمین اور ایک جماعت کا قول ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ عقل، علوم کی قبیل سے نہیں ہے بلکہ وہ قوّتِ غریزی (طبیعی) ہے جس کے ذریعہ ضروریات کا علم حاصل ہوتا ہے، آلاتِ علم کی سلامتی کی صورت میں۔ شیرازی نے یہ تعریف بیان کی ہے کہ عقل ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ حُسن اور قبیح میں تمیز کی جاتی ہے۔ ہجوری نے کہا ہے کہ عقل کے بارے میں سب سے احسن قول یہ ہے کہ وہ روحانی نور ہے جس کے ذریعہ نفس، علومِ ضروریہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے۔ دوسری قوّتوں کی طرح عقل بھی ادراک کا ایک آلہ ہے اور حقیقت میں ادراک کرنے والا نفس ہے بعض محققین کہتے ہیں کہ کلیّات اور جزئیات کا مُدرک نفسِ ناطقہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں ربّانی لطیفہ ہے جس کو اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے۔

**عقل، روح و نفس**۔ اسی کو تفکّر کی صفت کی وجہ سے عقل کہتے ہیں اور بدن کی حیات اس پر موقوف ہوتی ہے تو اسکو روح اور شخصی خواہشات کا لحاظ کرتے ہوئے نفس کہا گیا ہے۔ پس یہ تینوں ذات میں متحد اور اعتبار میں مختلف ہیں۔ معتزلہ خوارج اور حکماء عقل کی جوہریت کے قایل ہیں اور اسکی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں کہ عقل ایک جوہر ہے مادّہ سے مجرّد، لیکن عمل کے وقت مادّہ سے مقارن ہو جاتا ہے۔ عقل کے ذریعہ بوسایط غائبات کا ادراک اور محسوسات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

**جنون، نشہ، غشی و نیند**۔ غزالیؒ نے کہا ہے کہ عقل جوہرِ مجرّد ہے۔ جنون میں عقل زایل ہو جاتی ہے، بیہوشی میں

---

۱؎ مُغیب کی جمع مغیبات، منغیب غائب رہنے والی چیز یعنی غیر محسوس۔

میت کے پورے بدن میں روح سرایت کرتی ہے اور ابن عمرؓ نے لکھا ہے کہ نصف اعلیٰ بدن میں۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ روح کے بغیر صرف بدن سے سوال ہوتا ہے یا روح سے سوال ہوتا ہے بدن کے بغیر میت کی حالت موت اور حیات کے بین بین ہوتی ہے۔ میت کی حیات کامل نہیں ہوتی۔ میت کے حواس، عقل اور علم تینوں لوٹ کر آتے ہیں تاکہ نکیرین کے سوالات کو سُنے، سمجھے اور سمجھ کر جواب دے۔ بعض میت کو دونو فرشتے نہایت تشدد کے لہجہ میں سوالات کرتے ہیں اور بعض میت کو ان میں سے ایک حقت کے ساتھ سوال کرتا ہے۔ ہر ایک سے اُسی کی زبان میں سوال کرتے ہیں بخلاف اسکے بعض کا قول ہے کہ سُریانی زبان میں سوال کرتے ہیں۔ میت کے اعضا پارہ پارہ ہوجائیں یا میت کو درندے کھا جائیں میت سے سوال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے کہ اعضاء متفرقہ میں روح ڈالے اور جواب کی اہلیت پیدا کرے۔ وقتِ واحد میں مختلف مقامات پر اموات کی کثرت واقع ہوسکتی ہے اور واقع ہوتی بھی ہے تو قرطبی کہتے ہیں کہ نکیرین خلقِ کثیر کو ایک خطاب بھی کرسکتے ہیں اور حافظ سیوطی احتمال ظاہر کرتے ہیں کہ اس کام کے انجام دینے کیلئے فرشتوں کی تعداد بھی کافی ہوگی۔ حلیمی نے بھی رائے ظاہر کی ہے کہ سوال کرنے والے فرشتوں کی جماعت کثیر ہے جن میں سے بعض کو منکر اور بعض کو نکیر کہا جاتا ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ سوال اور جواب کی کیفیت کے بارے میں مختلف احادیث ہیں کسی سے بعض اعتقادات کی نسبت اور کسی سے کل اعتقادات کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ شہادتین کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے اور عکرمہؓ نے بیان کیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور توحید کی نسبت سوال کیا جاتا ہے۔ نکیرین کی مہیب شکلوں کو دیکھکر میت بحالتِ پریشانی انکے سوالات کے جوابات دینے میں لکنت کرتی ہے۔

**استثناء**۔ سوالاتِ نکیرین کے عام حکم سے انبیاء مستثنیٰ ہیں۔ حق یہ ہے کہ ان سے سوال نہیں کیا جاتا بعض کی رائے ہے کہ جبرئیلؑ کے بارے میں اور وحی کی نسبت جو اُن پر نازل ہوئیں سوال کیا جاتا ہے۔ انبیاء کی طرح صدیقین اور شہداء کو بھی سوالات سے مستثنیٰ ظاہر کیا گیا ہے اور یہی رائے بچوں کی میت کی نسبت ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ عمرؓ، امام الحرمین[1] اور ہارون الرشید نکیرین کے سوالات سے محفوظ ہے۔ بعض لوگ سورۂ تبارک یا سورۂ سجدہ کی ملازمت کرتے ہیں یا جس نے مرضِ موت میں سورۂ اخلاص کی مزاولت کی یا جس کی موت شبِ جمعہ یا یوم جمعہ واقع ہوئی انکو بھی محفوظ بتایا گیا۔ راجح قول یہ ہے کہ انبیاء اور شہداء کے سوائے دوسروں سے سوال کیا جاتا ہے مگر خفیف۔ جلال سیوطی کہتے ہیں کہ سوالات کیلئے مکلف کی شرط ہے بخلاف اطفال کے۔ ظاہر یہ بھی ہے کہ ملائکہ سے سوال نہیں کیا جاتا اور جن سے سوال کیا جاتا ہے اسلئے کہ وہ ثقلین سے ہیں اور مکلف ہیں۔

**سوالات**۔ چار سوالات کی روایت کی گئی ہے۔ ۱۔ اتو۔ قُمْ يَا عَبْدَ اللهِ اُٹھ اے اللہ کے بندہ۔ ۲۔ اقتح

[1] امام الحرمین۔ شیخ ابوالمعالی محمد الجوینی، استاد امام غزالیؒ۔

جنت کا ایک دریچہ کھل جاتا ہے اور خوشبو داخل ہوتی ہے اور جنت کی ایک کیاری بنجاتی ہے اور ایک قندیل ہوتی ہے جو قبر کو چودھویں چاند کی چاندنی سے منور کردیتی ہے۔ حدیث۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَوْحٰی اِلٰی مُوْسٰی تَعَلَّمِ الْخَیْرَ وَعَلِّمْهُ النَّاسَ فَاِنِّیْ مُنَوِّرٌ لِمُعَلِّمِ الْعِلْمِ وَمُتَعَلِّمِهٖ قُبُوْرَهُمْ حَتّٰی لَا تَوَحَّشُوْا لِمَکَانِهِمْ۔ اللہ تعالٰی نے موسٰیؑ پر وحی بھیجی کہ خیر کو سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ۔ میں معلم اور متعلم دونوں کی قبروں کو نور سے معمور کرتا ہوں تاکہ اس مکان سے وحشت زدہ نہ ہو۔ عمرؓ سے یہ حدیث مرفوع ہے۔ مَنْ نَوَّرَ فِیْ مَسَاجِدِ اللّٰهِ نَوَّرَ اللّٰهُ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ۔ جس نے مساجد کو منور کیا اللہ تعالٰی نے اسکی قبر کو منور کیا۔

**غزالیؒ**۔ اَلْقَبْرُ اِمَّا حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ اَوْ رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ۔ قبر دوزخ بن سکتی ہے اور جنت بھی، بندہ کے اعمال پر موقوف ہے۔ قبر کی تعذیب اور تنعیم دونوں حق ہیں اور اسکا حکم بدن اور روح دونوں پر برابر ہے۔ آیت ۴۲۔ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ آگ پر پیش کئے جائیں گے صبح اور شام اور جس دن قیامت قائم ہوگی فرعون کی آل کو شدید عذاب میں داخل کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلفِ صالحین نے عذاب قبر سے پناہ مانگی۔ عذاب قبر ممکن ہے اور اسکی تصدیق واجب ہے۔ درندوں کے پیٹ میں، پرندوں کے پوٹوں میں، بدن کے اعضاء کی تفریق، تصدیق کے مانع نہیں ہے۔ حیوان کے اجزاء میں سے عذاب کی تکلیف کا ادراک کرنے والا مخصوص حصہ ہے اور اللہ تعالٰی میں قدرت ہے کہ اُس میں ادراک پیدا کرے۔

## سوالِ نکیرین

**نکیرین** کا سوال مرنیکے بعد قبر میں واجب ہے۔ یہ حکم سمعی دلیل پر مبنی ہے۔ نکیرین کا سوال کرنا ممکنات میں سے تھا مگر چونکہ رسول صادق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی خبر دی ہے اسلئے وہ واجب بھی ہے۔ اہلِ سنت اور جمہور معتزلہ کا قول یہی ہے مگر ملحدین اس سے انکار کرتے ہیں۔ نکیرین دو فرشتے ہیں۔ جنکو منکر اور نکیر کہا جاتا ہے۔ منکر ناگوار اور کریہہ چیز کو کہتے ہیں۔ چونکہ ان فرشتوں کی صورت ڈراؤنی ہوتی ہے اسلئے انکو منکر اور نکیر کہا گیا۔ صحیح یہ ہے کہ مومن طائع اور غیر طائع اور غیر مومن کیلئے بھی انکی شکلیں ڈراؤنی ہونگی مگر فرق یہ ہے کہ مومن کے ساتھ رفق و مدارات کے ساتھ پیش آئیں گے اور سوالات میں عجلت نہ کریں گے۔ نکیرین کے سوالات مومنین منافقین اور کافرین کیلئے عام ہیں۔ عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ کافر چونکہ مسلمہ کافر ہے اس سے سوال کی ضرورت نہیں البتہ مومن اور منافق سے سوال کرتے ہیں۔ منافق سے سوال اسلئے کرتے ہیں کہ منافق بظاہر اسلام کی طرف اپنا انتساب کرتا ہے۔ جمہور اس قول سے اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کافروں کے حق میں نکیرین منکر و نکیر کی حیثیت سے پیش آئیں گے اور مومنین کیلئے مبشر و بشیر یعنی بشارت دینے والے ثابت ہوں گے۔ میت کے دفن ہو جانے اور لوگوں کے لوٹ جانیکے بعد نکیرین قبر میں داخل ہونگے۔ جمہور کا قول ہے کہ اللہ تعالٰی کے حکم سے

آپ وارد ہونگے جنت میں بھی سب سے پہلے آپ داخل ہونگے اور آپ کے بعد نوح علیہ الصلاۃ والسلام۔ ایک حدیث میں آپ کے بعد جو ابوبکر صدیقؓ کا نام لیا گیا ہے اسکی تاویل یہ ہے کہ انبیاء کے بعد ابوبکر صدیقؓ جنت میں داخل ہونگے۔ حشر میں سب کے مراتب میں تفاوت رہیگا متقی اشخاص سواری پر گزرینگے اور قلیل العمل اشخاص پیادہ پا ہونگے اور کافر سر کے بل چلیں گے۔

دوسرا حشر وہ ہوگا جبکہ ان سب کو موقف سے جنت کو یا دوزخ کو لیجایا جائیگا۔ حشر کے ان دو واقعات کا تعلق تو قیامت سے ہے۔ انکے علاوہ اور دو واقعات ہیں جنکا تعلق اس دنیا کی زندگی سے ہے۔

ایک مرتبہ یہودی جزیرۃ العرب سے شام کی طرف ہانکے گئے تھے جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے آیت پ۲۸ ع ۳۔ هُوَ الَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔ اُسی نے اہل کتاب کے کفار کو انکی بستیوں سے نکالا پہلے حشر کے لئے یعنی دنیاوی زندگی کے پہلے حشر کیلئے۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ قیامت کے قریب کے زمانہ میں کفار اور غیر کفار یمن میں سرزمین عدن سے جو آگ پھیلے گی محشر تک ہانکے جائیں گے اور وہاں ٹھیرائے جائیں گے۔ پس دنیا گھومیگی اور اُڑیگی اور اس طرح گرجیگی جس طرح کہ رعد قاصف گرجتی ہے۔ اس میں امتحان اور اختیار کی حکمت ہوگی۔ جس نے یہ سمجھا کہ یہ آگ اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور اسکے آگے چلا تو سلامتی پایا اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اسکو آگ جلا دیگی اور کھا جائیگی۔ یہ سب کے سب محشر کو ہانکے جانے کی ایک مدت کے بعد مر جائیں گے۔ جملہ واقعات حشر اس طرح چار ہوئے۔ شیخ ابن عربیؒ نے ایسے بہت سے واقعات حشر بیان کئے ہیں۔ الست بربکم کے دن جو مخلوق کو جمع کیا گیا تھا اسکو بھی انھوں نے حشر میں شمار کیا ہے۔ باجوری نے یہ تفصیل شعرانی کے یواقیت سے اخذ کی ہے

**اعادۂ جسم**۔ اللہ تعالیٰ بعینہٖ جسم کا اعادہ کریگا عدم کے بعد یا اجزا کی تفریق کے بعد جسم دوم بعینہٖ جسم اول ہوگا نہ کہ اُسکا مثل۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ لازم آئیگا کہ ایک جسم سے نیکی یا گناہ واقع ہوئے اور دوسرے جسم کو اسکا ثواب یا عذاب ملا جو اجماع سے باطل ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اوّلاً پیدا کیا تھا اسی طرح اُس کا اعادہ کریگا۔ آیت پ۸ ع ۴۔ کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ جیسا تم کو پہلے بنایا دوسری بار ہونگے۔

**معاد**۔ اعادۂ جسم کے مسئلہ کو فخر رازی نے محصل میں معاد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اہل سنت معاد بدنی کے قائل ہیں۔ اور فلسفی کہتے ہیں کہ معاد نفسانی ہوگا اور دہریہ معاد سے بہرے سے انکار کرتے ہیں۔ جالینوس نے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کیا اور کسی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ اہل سنت کے پاس معدوم کا اعادہ جائز ہے۔ فلسفی کہتے ہیں کہ کوئی چیز عدم کے بعد محض نفی ہو جاتی ہے اُسکے اعادہ کا حکم صحیح نہیں ہوسکتا۔ دوسرے الفاظ میں فلسفی کے پاس ایک ہی شئی کے درمیان نفی کا تخلل غیر معقول ہے۔ اسکا جواب قرآن کی کثیر آیتوں میں ملتا ہے۔ آیت پ۲۳ ع ۱۱۔ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ کون زندہ کریگا اُن ہڈیوں کو جو بوسیدہ ہوگئیں

فِيمَنْ كُنْتَ - تو کن لوگوں میں تھا - ۳ - کا ۱۱ ۵ - مَنْ رَبُّكَ وَمَا دِيْنُكَ - تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے - ۴ -
مَا يَقِيْن - مَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ وَفِي الْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ - تم کیا کہتے ہو اس شخص کے بارے
میں جو تمھارے میں اور ساری خلق میں بھیجا گیا -

غزالیؒ نے لکھا ہے کہ نکیرین قبر کے فتان ہیں - موت کے بعد پہلا فتنہ انہی کا ہے - جن اعضاء میں فہم خطاب ہے صرف
اُن اعضاء کی حیات کا اعادہ کیا جاتا ہے اور یہ فی نفسہ ممکن ہے - میت کے اجزاء کے سکون کی حالت جو ہم کو نظر آتی ہے
یا یہ کہ میت سے جو سوالات کئے جاتے ہیں ہم کو سنائی نہ دینے سے کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا - اسلئے کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ
سویا ہوا آدمی بظاہر ساکن ہے اور اپنے باطن میں تکلیف یا راحت پاتا ہے جس کو بیدار ہونے کے بعد بھی محسوس کرتا ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیلؑ کی گفتگو سنتے اور انھیں دیکھتے تھے اور جو لوگ آپ کے اطراف ہوتے نہ دیکھتے
تھے اور نہ سنتے تھے -

# بعث

**بعث** واجب ہے - مُردوں کے اصلی اجزاء کو جمع کر کے، انکو زندہ کرنے اور قبر سے اٹھانے کو بعث کہتے ہیں - بدن کے
اُن اجزاء کو اصلی اجزاء کہتے ہیں جنکی شان یہ ہے کہ عمر کے آغاز سے آخر وقت تک باقی رہیں اگرچہ موت سے قبل کوئی
جزو قطع کردیا جائے بخلاف انکے جو اس طرح باقی نہیں رہتے جیسا کہ ناخن وغیرہ - امام لقانی کا فقرہ یہ ہے نعیمہ
واجب کبعث الحشر قبر کی تنعیم واجب ہے جیسا کہ بعث حشر واجب ہے - رازی نے محصل میں لکھا ہے کہ بعث اللہ تعالے
کے افعال میں سے ہے اور اللہ تعالی کے افعال غرض سے خالی ہیں بخلاف اسکے معتزلہ بعث کو واجب قرار دیتے
ہیں اللہ تعالی پر تاکہ مکلفین کو سزا یا جزا دیجائے لیکن الم ولذت کو اسکی علت قرار دینا کسی کے پاس صحیح نہیں ہے -
موقف تک ان سب کو ہانک لیجانے کو حشر کہتے ہیں - یہ پہلا حشر ہے - ارض قدس میں ایک مقام کا نام **موقف**
ہے جہاں سب کو فصل قضاء کیلئے ٹھیرایا جائیگا - محققین کہتے ہیں کہ انس، جن، فرشتہ، چوپایہ اور وحوش مکلف اور
غیر مکلف سب کا بعث ہوگا - نووی نے اس قول کی تصحیح کی ہے - ایک جماعت کہتی ہے کہ نہیں، حشر صرف انکا
ہوگا جو مکلف ہیں - جس مولود کے چھ مہینے پورے نہ ہوئے ہوں مگر جان پڑنے کے بعد وضع حمل ہوا ہے تو اسکی روح
اعادہ کریگی اور زندہ ہوگا اور جنت میں داخل ہوتے وقت، قد وقامت اور صورت میں، دوسرے ساکنین جنت
کی طرح ہوجائیگا - اگر جان پڑنے کے پہلے وضع حمل ہو تو دوسرے بے جان اجسام پتھر وغیرہ کی طرح جمادی حالت میں
اسکا حشر ہوگا اور پھر مٹی ہوجائیگا -

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے چاک زمین سے برآمد ہونگے - سب سے پہلے آپ کا بعث ہوگا، سب سے پہلے محشر میں

**ادۂ اعراض** کی نسبت دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جسم کے اعادہ کے ساتھ اسکے اعراض کا بھی اعادہ کیا جائیگا اور اعراض کے اعادہ میں سفیدی
یرہ جیسے طویل بقا والے اعراض اور آواز جیسے غیر طویل بقا کے اعراض میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ وہ اعراض جو بندہ کے
قدور میں تھے یا جو مقدور میں نہ تھے اُن میں بھی کوئی فرق نہ ہوگا۔ اعراض کے اس اعادہ سے اُن اعراض کا اس طرح
ل میں آنا لازم نہیں آتا جس طرح دنیا میں عمل میں آئے تھے۔ بلکہ وہ اعراض جو ذات کے ساتھ ملازم تھے جیسا کہ سفیدی وغیرہ
ید طویل وغیرہ انکا اعادہ کیا جائیگا جسم کے ساتھ۔ انکے سوائے دوسرے اعراض جیسا کہ شرح کفر اور معاصی وغیرہ اور نماز
وزہ اور طاعات وغیرہ انکا اعادہ کیا جائیگا صُورِ جسمیہ میں، حسنات کا حسین صورتوں میں اور سیئات کا قبیح صورتوں
ں۔ بیجوری نے آخر میں لکھا ہے کہ یہ امور منقولات سے ظاہر ہیں اور ایسے مسائل میں انھوں نے **تفویض** کو احسن قرار دیا ہے
تفویض کہتے ہیں عقلی دلایل سے سکوت کرنے اور اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرنے کو۔ اگر عوارض کے اعادہ کی نسبت یہ اعتراض
یا جائے کہ طول و قصر اور کبر و صغر جیسے متنافیات کا اجتماع لازم آتا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اعراض کا اعادہ وقتِ واحد
ں نہ ہوگا بلکہ تدریجی ہوگا جیسا کہ دنیا میں وقوع میں آیا لیکن فرق یہ ہوگا کہ جمیع اعراض یکے بعد دیگرے نہایت تیزی کے
ساتھ چشم زدن میں گزریں گے۔ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور تمھارا پروردگار ہر بات پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

دوسرا قول مطلق طور پر اعراض کے عدم اعادہ کی نسبت ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ اجسام کا اعادہ ہوگا کسی دوسرے ہی اعراض
کے ساتھ اسلئے کہ اجسام بغیر اعراض کے نہیں ہوسکتے۔ بعض اہل سنت اس قول کے طرف مایل ہیں۔ علماء کی ایک
جماعت نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اعراض کا اعادہ ہوگا انکے اشخاص اور نفوس کے ساتھ اور بعینہ اُنہی اعراض
کے ساتھ انکا اعادہ ہوگا جس کے ساتھ دنیا میں متصف تھے کوئی دوسرے اعراض ان پر لاحق نہ ہونگے۔

**اعادۂ زمن** کے متعلق بھی دو قول ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ دنیا میں جتنے زمانے طاعتوں اور گناہ کے گزرے ہیں
ان سب کا اعادہ ہوگا۔ دوسرا قول زمانہ کے اعادہ کے خلاف ہے انکی دلیل یہ ہے کہ زمانوں کے اعادہ سے متنافیات کا
اجتماع لازم آئیگا۔ جیسا کہ ماضی حال اور استقبال۔ قولِ اوّل کے قائلین اسکا یہ جواب دیتے ہیں کہ زمانوں کا اعادہ
وقتِ واحد میں نہ ہوگا بلکہ دنیا کی عادت کی طرح تدریجی ہوگا لیکن کمتر زمانہ میں۔

**موقف** میں ہر شخص اس حالت میں ہوگا جس حالت میں کہ اُسکی موت واقع ہوئی۔ البتہ مومنین جب جنت میں داخل
ہونگے تو امرد کی حالت میں ہونگے، تینتیس ۳۳ سال کا شباب ہوگا۔

# قیامت یا یومِ آخر

**یوم آخر** پر ایمان واجب ہے۔ کتاب، سنت اور اجماعِ مسلمین سے ثابت ہے۔ یومِ آخر اور یومِ قیامت دونوں ایک ہیں
یامت کو آخری دن اسلئے کہا گیا کہ وہ تمام دنوں میں آخر ہے یا اسلئے کہ اس دن کے بعد رات نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ

کہدو وہی زندہ کریگا جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ آیت ۲۳/۱۲ ۱۔ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ پس اسوقت قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف نکلیں گے۔ آیت ۵۱ ماقبل آخر۔ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۔ وہ لوگ کہیں گے ہم کو کون لوٹائیگا۔ کہدو وہی جس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ آیت ۱۵/۵ ۲۔ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۔ ہڈیوں کو دیکھو ہم نے اسکو کیسا اُبھارا اور پھر اس پر گوشت چڑھایا۔ آیت ۲۹/۱ ۴۔ أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ ۔ کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اسکی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے (ہڈیاں ایک طرف) ہم کو قدرت ہے کہ اسکی انگلیوں کی پوریاں بھی برابر کردیں گے۔ ۳۰/۱۲ ۱۲۔ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۔ کیا جب ہم ہو چکے ہڈیاں کھوکری۔ آیت ۲۴/۱ ۳۔ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ انھوں نے اپنی کھالوں سے کہا، تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔ جواب دیا، ہم کو گویا کیا اللہ نے جس نے ہر چیز کو گویا کیا۔ آیت ۵ ۶۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا ۔ جب انکی کھالیں جل گئیں تو بدل دی گئیں دوسری کھالیں۔ آیت ۲۶/۱ ماقبل آخر۔ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۔ جس دن زمین سرعت کے ساتھ پھٹ پڑیگی لوگوں کے نکلنے کی وجہ سے ایسا ہانک کر لیجانا ہم پر آسان ہے۔ آیت ۳۰/۲۵ ۱۔ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ کیا وہ نہیں جانتا جب اُٹھائے جائیں گے قبروں سے۔

**اعادۂ جسم**۔ مرنے کے بعد انسان کے عین اور اثر دونوں کو پوری طور پر اللہ تعالیٰ زائل اور ناپید کرتا ہے اور پھر اسکے جسم کو لوٹاتا ہے بالکل ویسا ہی جیسا کہ پہلے تھا۔ عدم سے اعادہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ جسم اول بالکلیہ معدوم ہو چکا تھا اور کسی جزو کی نسبت وجود کا شائبہ باقی نہ رہا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد اجزاءِ بدن کی بالکلیہ تفریق ہو چکی تھی اور کوئی دو جوہرِ فرد آپس میں متصل نہ تھے اور نہ کسی دو جوہر فرد کے اتصال کا شائبہ باقی رہا تھا۔ دونوں اقوال میں یہ فرق ہے کہ قولِ اول کی رو سے مرنے کے بعد کوئی جزو باقی نہیں رہا اور ہر ایک جزو معدوم ہو گیا۔ اور قولِ دوم میں اجزاءِ اصلی کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے فقط اُن اجزاء کے اتصال کی نفی کی گئی۔ ایک قول میں عدمِ محض اور دوسرے قول میں تفریقِ محض ہے اور محققین نے قولِ اول کو ترجیح دی ہے۔

**انبیاء** علیہم الصلاۃ والسلام کی نسبت اس بارے میں استثناء ہے۔ اُنکے جسدِ مبارک دوبارہ زندہ کئے جائیں گے یعنی اُنکے بدن کے اجزاءِ ترکیبی نہ معدوم ہونگے اور نہ اُن میں تفریق ہوگی۔ علماء کا اتفاق اس پر ہے کہ انبیاء کے جسد کو نہ مٹی کھاتی ہے اور نہ انکا جسد فنا ہوتا ہے۔ شہداءِ معرکہ، مؤذنین، علماءِ عاملین اور حاملینِ قرآن جو اُسکی تلاوت کی مداومت کرتے ہیں اور اہم امور میں اس پر عمل کرتے ہیں، اپنی زبان، طہارت اور آداب کے انضباط کے ساتھ ان کی بھی استثناء شارع سے منقول ہے اور یہ مسئلہ توقیفی ہے۔

كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا۔ قیامت کے دن سورج لوگوں سے قریب ہو جائیگا ایک میل کی مقدار میں اور لوگ اپنے اعمال کی مناسبت کے لحاظ سے پسینہ میں ہونگے۔ بعض کے ٹخنوں تک، بعض کے گھٹنوں تک اور بعض کے کولہوں تک اور بعض کے منہ تک ہوگا یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنے منھ کی طرف اشارہ کیا۔ سلیم بن عامر نے کہا ہے کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا میل سے کیا معنی مراد ہیں، آیا مسافت مراد ہے یا سرمہ لگانے کی کاڑی۔ بیجوری نے کہا ہے کہ میل کی مسافت اقرب ہے۔ بندوں کے اعمال کی نسبت سوال کیا جائیگا۔ آیت ۲۴ پ ۲۳۔ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ ٹھیرائے رکھو انہیں۔ اُن سے سوال کیا جائیگا زبان، ہاتھ، پاؤں، سماعت و بصارت اور جلد اور زمین، رات اور دن اور محافظین فرشتے وغیرہ سب شہادت دینگے یہ باتیں جو بیان کی گئی ہیں، انبیاء، اولیا، اور صلحاء وغیرہ جیسے اشخاص کو نہ پیش آئیں گی۔ آیت پ ۱۷ ۱۰۱۔ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ۔ ان پر فزعِ اکبر کا یعنی بڑی پریشانی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

**آثارِ قیامت** ۔ ایمان واجب ہے قیامت کے علامات پر جو متواتر وارد ہوئے ہیں۔ بیجوری نے لکھا ہے کہ قیامت کی علامتیں دو قسم کی ہیں۔ بعض علامات صغریٰ اور بعض علامات کبریٰ کہلاتی ہیں۔ علامتِ صغریٰ میں سے بعض وقوع میں آچکی ہیں اور بعض ابھی واقع نہیں ہوئی ہیں۔ علامات کبریٰ دس ہیں۔ ظہورِ مہدی علیہ السلام، خروجِ دجال، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام، خروجِ یاجوج و ماجوج۔ خروجِ دابّہ ایک قسم کے حشرات الارض برآمد ہونگے جو مومن کی آنکھوں کے درمیان مومن لکھیں گے اور مومن کا چہرہ روشن ہوگا۔ کافر کی آنکھوں کے بیچ میں کافر لکھیں گے اور کافر کا چہرہ سیاہ ہو جائیگا۔ سورج مغرب سے طلوع ہوگا، دھواں نمودار ہوگا اور روئے زمین پر چالیس دن ٹھیرا رہیگا۔ عیسیٰؑ کی وفات کے بعد اہلِ حبشہ کے ہاتھوں سے کعبہ کی بربادی ہوگی۔ مصحفوں اور سینوں سے قرآن برخواست ہو جائیگا۔ روئے زمین پر جتنے لوگ ہونگے کفر کی طرف رجوع کریں گے۔

**احادیث** ۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِيْبًا مِّنْ ثَلَاثِيْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ترمذی ابوداؤد) قیامت قائم ہوگی اسی وقت جبکہ جھوٹے دجال ظاہر ہونگے تقریباً تیس کی تعداد میں ہر ایک اللہ کا رسول ہونے کا دعوے کریگا۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَاِذَا طَلَعَتْ وَرَاٰهَا النَّاسُ اٰمَنُوْا اَجْمَعُوْنَ وَذٰلِكَ حِيْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ شیخان۔ قیامت اُسی وقت قائم ہوگی جبکہ سورج مغرب کی طرف سے نکلیگا۔ جب سورج اس طرح نکلیگا اور لوگ اسکو دیکھیں گے تو سب کے سب ایمان لائیں گے اور یہ وقت ایسا ہوگا جبکہ کسی کا اسکا ایمان کوئی فائدہ نہ دیگا جو اسکے پیشتر ایمان نہ لایا ہو یا جس نے ایمان سے اکتسابِ خیر نہ کیا ہو۔

غزالیؒ نے لکھا ہے کہ قیامت اُسوقت آئیگی جبکہ سات برس مسلسل کوئی کعبۃ اللہ کا حج نہ کریگا تو کعبۃ اللہ اٹھا لیا جائیگا

اس دن کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دن ختم ہوگا جب کہ اہلِ جنت، جنت میں اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں داخل ہوجائیں گے۔ اس دن کو دنیا کے دنوں سے تعلق نہیں ہے اور نہ دنیا کے دنوں کا آخر ہے۔ یومِ آخر کو یومِ قیامت اس لئے کہا گیا کہ اُس دن لوگ قبر سے نکل کر اپنے خالق کے روبرو کھڑے ہونگے اور اُنکے حق میں حجت قائم ہوگی ثواب کیلئے اور عذاب کیلئے۔ کہتے ہیں کہ یومِ قیامت کے بہت سارے نام ہیں۔ یومِ آخر کا آغاز نفخۂ ثانیہ سے ہوگا اور بعض نے کہا ہے حشر سے اور بعض نے کہا ہے موت سے۔ **نفخۂ ثانیہ** سے، نفخۂ بعث مراد ہے اور بعث، قبور سے اجسام کے زندہ اُٹھنے کو کہتے ہیں اور یہ **نفخۂ اولیٰ** کے بعد ہے جبکہ خلایق کی موت واقع ہوگی۔ نفخۂ اولیٰ سے پہلے ایک ہلکی ہوا چلیگی جس کے اثر سے مومنین مرجائیں گے اور اسکے بعد نفخۂ اولیٰ ہوگا جس سے کافر مرینگے نفخۂ اولیٰ کو نفخۂ **صعق** بھی کہتے ہیں صعق بجلی گرنے اور موت واقع ہونے کو کہتے ہیں۔ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس برس کی مدت گزریگی۔ آسمان سے چالیس روز گاڑھا پانی برسیگا شدت کے ساتھ۔ پھر اللہ تعالیٰ اجساد کو حکم دیگا سب زندہ اٹھیں گے اور کامل ہوجائیں گے۔ نفخۂ اولیٰ سے دنیا کی زندگی ختم ہوجائیگی اور نفخۂ ثانیہ سے آخرت شروع ہوگی۔ **نفخ** کے معنی پھونکنے کے ہیں اور اصطلاح میں صور پھونکنے کو نفخ کہتے ہیں۔ **صور** ایک سینگ ہے نور کی ناقوس کے مانند لیکن صور اتنا بڑا ہوگا جتنا کہ زمین اور آسمان کا پہناؤ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارواح کو پکاریگا اور اُن کو صور میں ڈالیگا اور اسرافیل کو حکم دیگا پھونکنے کیلئے۔ ارواح صور میں سے نکل کر اجساد میں داخل ہونگی اسی کا نام **نشر** ہے۔

**حشر**۔ حدیث۔ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى اَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيهَا عَلَمٌ لِاَحَدٍ (شیخان)۔ قیامت کے دن لوگوں کا حشر ہوگا، سفید گرد کی زمین پر جو ایک صاف گردے کے مانند ہوگی اس میں کسی کو کسی کا علم نہ ہوگا۔ حشر کہتے ہیں مخلوق کو محشر کی طرف ہانک لیجانے کو۔ ثعلبی سے منقول ہے کہ حشر میں انسانوں میں تفاوت ہوگا۔ بعض سوار ہونگے بعض پیادہ اور بعض سر کے بل چلیں گے۔

**موقف** اس مقام کا نام ہے جہاں لوگ جمع ہونگے اور کھڑے ہونگے اور اس وقوف کا طول بعض کہتے ہیں کہ ہزار سال کے برابر ہوگا جیسا کہ آیت ۲۲/۱۱۔ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (اس دن میں جس کا طول ہزار برس ہے)۔ میں بیان کیا گیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا جیسا کہ آیت ۷۰/۴۔ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (اُس دن میں جس کا طول پچاس ہزار برس ہے۔) میں اشارہ ہے۔ ان دو متولہ مقداروں کی وجہ سے کوئی منافات اسلئے پیدا نہیں ہوتی کہ گنتی کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ مقدارِ طوالت مختلف ہوسکتی ہے ہر ایک شخص کے حالات کے لحاظ سے۔ کفار پر طویل معلوم ہوگی اور فساق پر اوسط درجہ اور نیک بندوں پر خفیف گزریگی یہانتک کہ دو رکعت نماز کی مقدار کے برابر ہوگی۔ حدیث مسلم۔ تَدْنُوا الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنُوْا مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ فَيَكُوْنُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى

فَیَدْ خُلُ النَّارَ مِنْ غَیْرِ حِسَابٍ ۔ میری امت میں سے ستر ہزار جنت میں داخل ہونگے بغیر حساب کے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے اپنے پروردگار سے زیادتی کیلئے دعا نہیں کی۔ آپ نے فرمایا میں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار میں سے ہر ایک کیلئے ستر ہزار کا اضافہ کیا۔ پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ نے اس پر مزید زیادتی نہیں چاہی تو آپ نے فرمایا ہاں تین مٹھی کنکریاں اپنے دستِ کریم سے اضافہ کیں یا جیسا کہ وارد ہوا ہے تین مٹھی کنکریاں تین غُرفہ بغیر گنتی کے۔ یہ سب بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے۔ مومنین میں سے جو کوئی ادنیٰ ترین رحمت کے قریب ہوگا بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔ کافرین میں سے جو ادنیٰ ترین غضب کے قریب ہوگا' دوزخ میں بغیر حساب کے داخل ہوگا۔ ایک جماعت بغیر حساب کے جنت میں اور ایک جماعت بغیر حساب کے دوزخ میں داخل ہوگی اور ایک جماعت حساب کیلئے ٹھیری رہیگی اس لحاظ سے حساب کے بارے میں جو نصوص وارد ہوئی ہیں ان میں منافات نہیں ہے۔

**توقیف**۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں کو اُن کے اعمال سے واقف کرانے سے کیا مراد ہے۔ اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے قلب میں علوم ضروری پیدا کریگا' انکے ثواب اور عذاب کے اعمال کی مقداریں اور یہ فخرؒ کا قول ہے بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنے سامنے ٹھیرائیگا اور انکو نامہ ہائے اعمال دیگا جس میں نیک و بد دونوں اعمال درج ہونگے اور فرمائیگا کہ یہ تمھارے گناہ ہیں میں نے ان سے تجاوز کیا۔ یہ تمھاری نیکیاں ہیں جنکو میں نے اضعافہ[1] کیا ہے۔ یہ قول ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اس میں ایک قصور یہ ہے کہ حساب اس مقدار محدود نہیں ہے بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گفتگو کریگا انکے اعمال کے بارے میں جس عذاب یا ثواب کے وہ مستحق ہیں اور انکو اپنا کلام قدیم سنائیگا۔ یہ وہ امور ہیں جو احادیثِ صحیحہ سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے حساب میں انفراداً مشغول نہ ہوگا بلکہ سب کا حساب ایک ساتھ لیگا اور ہر ایک یہ باور کریگا کہ وہ ایک ہی حساب لیتا ہے لیکن کیفیت مختلف ہوگی۔ بعض کا حساب آسان ہوگا اور بعض کا مشکل' بعض کا برملا اور بعض کا پوشیدہ کسی میں سرزنش ہوگی اور کسی میں فضل و عدل ہوگا۔ حکمت یہ ہے کہ پرہیزگاروں کے کمال کے مراتب اور گنہگاروں کی فضیحت کے مدارج میں تفاوت کا اظہار ہوگا' نیکیوں کی ستایش اور گناہ کی سرزنش ہوگی۔

**سَیِّئَات**۔ گناہ کے مساوی سزا ہوگی اگر اللہ تعالیٰ سزا ہی دینا چاہے' ورنہ وہ معاف بھی کرسکتا ہے بشرطیکہ کفر کی حد تک نہ پہنچیں۔ اگر گناہ کفر ہو تو دوزخ میں مداومت ہوگی۔ سَیِّئَات جمع ہے سَیِّئَۃٌ کی جس کے معنی گناہ کے ہیں صغیرہ ہو یا کبیرہ جس کی شرع نے مذمت کی ہے۔ اسکو سَیِّئَۃٌ اسلئے کہا گیا کہ قیامت کے دن اسکا مقابلہ بندہ کو رسوا کریگا۔ یہاں وہ سَیِّئَات مراد ہیں جن پر بندہ نے حقیقۃً یا حکماً عمل کیا۔ حکماً کی مثال یہ ہے کہ عملِ ظلم کے نتیجہ میں ظالم کے حسنات مظلوم کو دئے جائیں گے اور اگر اس پر بھی حقِ ظلم ادا نہ ہوا تو مظلوم کی سَیِّئَات ظالم کے حساب میں لگا دیجائیگی۔

---

[1] یہ ترجمہ ہے ضاعفتہا کا جس کے معنی ہیں دو چند سہ چند چہار چند وغیرہ کے۔

اوراسکی نشانی باقی نہ رہیگی۔ پھر قرآن صحفوں سے اٹھالیا جائیگا‘ پھر دجال برآمد ہوگا اور عیسیٰ نازل ہونگے اور اسکو قتل کرینگے
شیخ ابن عربیؒ نے فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ نوعِ انسانی میں جو شخص سب سے آخر پیدا ہوگا وہ شیث علیہ السلام کے قدم
پر ہوگا اور حاملِ اسرارِ شیث ہوگا اور اسکے بعد کوئی انسان پیدا نہ ہوگا۔ نکاح وجماع جاری رہیگا مگر عورتیں عقیم ہونگی اور
اولاد نہ ہوگی۔ وہی شخص خاتم الاولیاء یعنی آخرالاولیاء ہوگا اور خاتم بنی آدم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسکی اور اسکے ہمعصر مومنین کی
روح قبض کریگا تو باقی لوگ حلال وحرام میں تمیز نہ کرینگے‘ خواہشاتِ نفسانی کے بندے ہونگے اور انہی پر قیامت قائم
ہوگی۔ ایک دوسرے مقام پر شیخؒ نے لکھا ہے ۔حدیث ۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مَنْ
يَقُوْلُ اللّٰهُ اَللّٰهُ ۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا باقی رہے۔ آیت ۲۱/۱
وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ کا ذکر سب سے بڑھکر ہے۔

**وقتِ قیامت** ۔ حدیث ۔ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ مسئول سائل سے کچھ زیادہ نہیں
جانتا۔ سائل جس طرح اس بارے میں جاہل اور ناواقف ہے اسی طرح مسئول جس سے سوال کیا گیا وہ بھی ناواقف ہے

**قیامتین**۔ قیامتِ صغریٰ وقیامتِ کبریٰ۔ موت کے سبب سے‘ دنیاوی زندگی سے برزخ کی طرف‘ بجسدِ ممثّل میں‘ [۱]
انسان کے انتقال کرنے کو قیامت صغریٰ کہتے ہیں۔ حدیث ۔ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ‘ ۔ جو مرا اسکی قیامت
ہوگئی۔ بعث وحشر کی قیامت کو قیامتِ کبریٰ کہتے ہیں۔

[۱] فتوحات علد سوم

# حساب

**حساب حق ہے**‘ قیامت کے دن‘ کتاب‘ سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ آیت ۲/۹ ۔ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ
تیزی سے حساب لیتا ہے اللہ تعالیٰ۔ حدیث ۔ حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا ۔ تم اپنے نفوس کا حساب لو
قبل اسکے کہ تمھارا حساب لیا جائے۔ حساب کی نسبت مسلمانوں کا عام طور پر اجماع ہے ۔حساب کے لغوی معنی گنتی کے میں اور
اصطلاح میں‘ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو انکے اعمال سے تفصیل کے ساتھ آگاہ کرنے کو کہتے ہیں‘ بھلے ہوں یا برے‘ قول سے ہوں
یا فعل سے‘ انکو نامہ اعمال ملنے کے بعد۔ مومن وکافر‘ انسان وجن‘ سب کا حساب ہوگا سوائے انکے جنکو مستثنےٰ کیا گیا
فَفِي الْحَدِيْثِ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا لَيْسَ عَلَيْهِمْ حِسَابٌ فَقِيْلَ لَهٗ هَلَّا اسْتَزَدْتَ رَبَّكَ
فَقَالَ اسْتَزَدْتُهٗ فَزَادَنِيْ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ السَّبْعِيْنَ اَلْفًا سَبْعِيْنَ اَلْفًا فَقِيْلَ لَهٗ هَلَّا اسْتَزَدْتَ
رَبَّكَ فَقَالَ اسْتَزَدْتُهٗ فَزَادَنِيْ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ بِيَدِهِ الْكَرِيْمَةِ اَوْكَمَا وَرَدَ وَالثَّلَاثُ حَثَيَاتٍ ثَلَاثُ [۱]
دَفَعَاتٍ مِنْ غَيْرِ عَدَدٍ فَهٰؤُلَاءِ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَاِذَا كَانَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَنْ تَكُوْنُ
اَدْنٰى اِلَى الرَّحْمَةِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ غَيْرِ حِسَابٍ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ مَنْ يَكُوْنُ اَدْنٰى اِلَى الْغَضَبِ

[۱] حثیات جمع حثیہ بمعنی مٹھی

گناہ انکے درمیان گزرے جبکہ تم کبائر سے اجتناب کرو۔ اجتناب کبائر پر تکفیر کے مترتب ہونیکی نسبت سب کو اتفاق ہے لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ تکفیر کی دلیل قطعی ہے یا ظنی۔ فقہاء محدثین اور معتزلہ کی ایک جماعت کا قول ہے کہ تکفیر کی دلیل قطعی ہے اور ائمہ متکلمین کا قول ہے کہ ظنی ہے اور یہی حق ہے۔ گناہ کی **مغفرت** گناہ کے معاف کرنے اور گناہ کا مواخذہ نہ کرنے کو کہتے ہیں۔ گناہ کے معاف کرنے کی دو صورتیں ہیں صحیفوں میں گناہ کے اندراج کو باقی رکھکر ملائکہ کی نظر سے اسکو مستور رکھا جائے یا ملائکہ کے صحیفوں سے ہی اسکو پورے سے میٹ دیا جائے بعض کا قول ہے کہ محققین کے پاس پہلی صورت صحیح ہے۔

**تکفیر** گناہِ صغیرہ۔ عثمان بن عفانؓ نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ لَا يُسْبِغُ اَحَدُ الْوُضُوْءَ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ۔ کوئی شخص وضو پوری نہ کرتا گر اسکے گناہ بخشے جاتے ہیں اگلے اور پچھلے۔ حدیث۔ مَنْ تَوَضَّاَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهٗ يعني بِسُوْءٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَتَوَضَّاُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ فَيُصَلِّيْ صَلٰوةً اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الصَّلٰوةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا اور پھر کھڑا ہوا اور دو رکعتیں پڑھیں (سنت وضو کی) جن کے درمیان اسکے نفس میں کوئی برائی خلل انداز نہیں ہوئی تو اسکے پچھلے گناہ معاف ہوئے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ مردِ مسلم وضو کرے اور اچھا وضو کرے اور پھر نماز پڑھے گر بخشے گئے گناہ اس نماز اور اس کی متصل نماز کے درمیان کے۔ ان دونوں حدیثوں میں نماز کا ذکر سنتِ وضو کی طرف ترغیب دلانے کیلئے کیا گیا ہے تاکہ اسکی وجہ سے ثواب میں زیادتی ہو ورنہ تکفیرِ گناہ نماز پر موقوف نہیں ہے۔ جیسا کہ امام احمدؒ نے بطور مرفوع اخراج کیا ہے کہ اَلْوُضُوْءُ يُكَفِّرُ مَا قَبْلَهٗ ثُمَّ تَصِيْرُ الصَّلٰوةُ نَافِلَةً۔ وضو تکفیر کرتا ہے پچھلے گناہ کی اور پھر نماز نفل ہو جاتی ہے۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ صرف کبائر کے اجتناب پر صغائر کی تکفیر موقوف نہیں ہے بلکہ وضو بھی اسکی تکفیر کرتا ہے پنجوقتہ نماز بھی تکفیر کرتی ہے رمضان کے روزے بھی اور اسی طرح حج مبرور۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب وضو سے گناہ کی تکفیر ہو گئی تو روزے کس کی تکفیر کریں گے۔ جواب یہ ہے کہ گناہ بمنزلۂ امراض اور طاعات بمنزلۂ ادویہ ہیں۔ جس طرح ہر ایک قسم کے مرض کیلئے ایک خاص قسم کی دوا ہوتی ہے جو اس مرض کو فائدہ پہنچاتی ہے اور دوسری دوا فائدہ نہیں پہنچاتی۔ اسی طرح طاعات کا تعلق گناہ کے ساتھ ہے۔ یہ حدیث اس طرف دلالت کرتی ہے۔ اِنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبًا لَا يُكَفِّرُهَا صَوْمٌ وَّلَا صَلٰوةٌ وَّ لَا جِهَادٌ وَّاِنَّمَا يُكَفِّرُهَا السَّعْيُ عَلَى الْعِيَالِ۔ گناہ میں ایسے گناہ بھی ہیں جنکی روزہ نماز یا جہاد تکفیر نہیں کرتے بلکہ عیال کی پرورش کیلئے سعی سے انکی تکفیر ہوتی ہے۔ اس ساری بحث کا تعلق اس گناہ سے ہے جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے لیکن وہ گناہ جنکا تعلق آدمیوں کے حقوق سے ہے ان میں **مقاصہ** لابدی ہے مقاصہ کہتے ہیں کمی کرنے اور دور کرنے کو۔ مقاصہ اس طرح ہوگا کہ ظالم کی بعض نیکیاں چھین کر مظلوم کو دی جائیں گی۔

**حسنات**۔ اللہ تعالیٰ نیکیوں کی تضعیف کرتا ہے اپنے فضل سے اور یہ اللہ پر واجب نہیں ہے۔ تضعیف کے معنی لغت میں دو گنا کرنے کے ہیں مگر اصطلاحِ شرع میں دو گنے پر موقوف نہیں ہے کئی گنا کا اضافہ بھی اس میں شامل ہے۔ حسنات جمع ہے حسنہ کی اور حسنہ اُس فعلِ نیک کو کہتے ہیں جس کی شرع میں ستائش کی گئی ہے۔ قیامت کے دن ان حسنات کی رویت پر اُس کے عمل کرنے والے کے چہرہ پر بشاشت ہوگی۔ یہاں وہ حسنات مراد ہیں جن پر بندہ نے عمل کیا ہے اصل میں یا یہ کہ کسی دوسرے نے عمل کیا ہے بطور صدقہ اس کے حق میں۔ وہ نیکیاں خارج ہوتی ہیں جو رد ہوتی ہیں جیسا کہ فعلِ ریا جس کا کوئی ثواب نہیں ہے۔ اصل کی قید سے وہ حسنات خارج ہونگی جو تضعیف سے حاصل ہوئیں۔ انکی دوبارہ تضعیف ہوگی وہ حسنات بھی خارج ہوتی ہیں جنکا ارادہ کیا اور عمل نہ کیا۔ اس نوع کی حسنات ایک ہی مرتبہ لکھی جائیگی بغیر تضعیف کے۔ اسی طرح کسی معصیت کا ارادہ کیا اور پھر اسکو ترک کیا تو اسکو نیکی ملیگی بغیر تضعیف کے۔

**تضعیفِ حسنات** اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ دوسری امتوں کیلئے نیکی کا بدلہ ایک ہی ہے تضعیف کا اقل درجہ دس گنا ہے اور اسکا تضاعف ہوسکتا ہے ستر یا سات سو یا اس سے زیادہ بار بغیر کسی انتہا کے۔ جس قدر خلوص یا حسنِ نیت کے ساتھ نیکی کا عمل ہوگا اسکے لحاظ سے تضعیف کے مدارج میں امتیاز ہوگا۔

**مغفرت**۔ کبائر سے اجتناب کرنے پر صغائر کی مغفرت ہوتی ہے، وضو سے انکی تکفیر ہوتی ہے۔ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کے بعد اس سے توبہ کیجائے تو وہ بھی اجتنابِ کبائر میں داخل ہے۔ البتہ وہ گناہ کبیرہ جس سے توبہ نہیں کی گئی خارج ہوجاتا ہے۔ گناہ کبیرہ بلحاظِ شدتِ مواخذہ اور کثرتِ عذاب کبیرہ ہے۔ کبیرہ گناہ سے احتراز کرنے پر صغیرہ گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔ آیت ۵۔ ۶۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّئَاتِکُمْ ای الصغائر۔ اگر تم کبیرہ گناہ سے جس سے تم کو منع کیا گیا اجتناب کرو تو ہم تکفیر کریں گے تمہارے گناہ کو یعنی صغائر کو۔ حدیث۔ مَا مِنْ عَبْدٍ یُؤَدِّی الصَّلٰوٰتِ الْخَمْسَ وَیَصُوْمُ رَمَضَانَ وَیَجْتَنِبُ الْکَبَائِرَ السَّبْعَ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ ثَمَانِیَةُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی اِنَّهَا لَتَصْفِقُ ای یضرب بَعْضُهَا بَعْضًا مِنْ خُلُوْدِهَا فَلَا یَدْخُلُهَا اَحَدٌ حَتّٰی یَدْخُلَهَا۔ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس نے پنجوقتہ نماز ادا کی اور رمضان کے روزے رکھے اور سات کبیرہ گناہ سے احتراز کیا مگر اس کیلئے جنت کے آٹھ دروازے قیامت کے دن کھولے گئے۔ یہانتک کہ وہ آپس میں کھٹ کھٹائیں گے اندر سے پس جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا یہانتک کہ ان (دروازوں) میں داخل ہو۔ سات ہی گناہ کبیرہ کی قید نہیں ہے بلکہ دوسرے گناہ بھی اسی طرح ہیں۔ سات گناہ کبیرہ سے موبقاتِ[1] سبع مراد ہیں۔ شرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ، سحر، قتلِ نفس بغیر حق، اکلِ مال یتیم، اکلِ ربا، روگردانی لڑائی کے دن اور قذف (بہتان) محصناتِ غافلات کا۔ قذف بہتان لگانے کو اور محصنات ان عورتوں کو کہتے ہیں جو نکاح میں محفوظ ہیں۔ حدیث۔ اَلصَّلَوٰاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَی الْجُمُعَةِ وَاِلٰی رَمَضَانَ مُکَفِّرَاتٌ لِمَا بَیْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْکَبَائِرُ۔ پانچ نمازیں اور جمعہ جمعہ تک، رمضان رمضان تک تکفیر کرتے ہیں جو کچھ

[1] موبق کے معنی ہیں ہلاکت میں ڈالنے والا۔

خبر نہ ہوتی میرے حساب کی، کسی طرح موت مل جاتی۔

آیت ۸-۹۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا وَّیَنْقَلِبُ اِلٰی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا۔ جس کو اس کی کتاب داہنے ہاتھ میں تو اسکا حساب لیا جائیگا آسان اور پھریگا اپنے لوگوں کی طرف ہشاش بشاش۔ اور جس کو کتاب ملیگی اسکے پیچھے سے تو وہ پکاریگا موت کو اور داخل ہوگا آگ میں۔

**قراوت** نامۂ اعمال۔ راجح قول یہ ہے کہ ہر شخص اپنا نامۂ اعمال حقیقۃً پڑھیگا بعض کا قول ہے کہ قراوت مجازی ہوگی، ہر شخص جان لیگا کہ اسکی تائید میں یا اسکے خلاف کونسی باتیں ہیں۔ ہر شخص اپنی کتاب پڑھیگا اگرچہ وہ اُمّی یا بے علم ہو۔

# میزان

**میزان**۔ بندوں کے اعمال کا تولا جانا قیامت کے روز واجب ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ میزان ایک ہوگی۔ حساب کے بعد میزان کی نوبت آئیگی۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر ایک شخص کی متعدد میزانیں ہونگی۔ اور ہر ایک میزان سے مختلف صنف کے عمل تولے جائیں گے۔ اعمال کے وزن کرنے کی نسبت یہ آیت ہے۔ ۸/۱۸۔ وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ اُس روز تولنا حق ہے میزان پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔ ۱۷/۵۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ اور ہم انصاف کی میزانوں کو رکھیں گے قیامت کے دن۔ آیت ۱۸/۱۸ ماقبل آخر۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ جنکی میزانیں بھاری ہونگی وہ فلاح پانے والے ہونگے وہ جنکی میزانیں ہلکی ہونگی وہ لوگ گھاٹے میں ہونگے بھاری پن سے پلڑا اوپر کی طرف چڑھیگا اور ہلکے پن سے نیچے کی طرف جھکیگا۔ آیت ۲۲/۲۲-۲۔ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ۔ اور نیک عمل اسکو بلند کریگا۔ مشہور یہ ہے کہ تمام امتوں اور تمام اعمال کیلئے ایک ہی میزان ہے اور اسکی نسبت جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں تواتر کے درجہ کو پہنچی ہیں۔ اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اسکی حقیقت کا تعین کرنا دشوار ہے۔ میزان حساب کی تابع ہے اور بعض افراد مثل انبیاء ملائکہ اور ان لوگوں کے جو حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے ان سب کے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا۔ کافروں کی سیّئات کا وزن کیا جائیگا آیت ۱۶/۱۶-۴۔ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا قیامت کے دن ان کیلئے ہم وزن قائم نہیں کرینگے سے مراد یہ ہے کہ انکے فائدہ کیلئے قائم نہیں کرینگے۔ کافروں کے بعض اعمال ایسے بھی ہوسکتے ہیں جو نیت کی صحت پر موقوف نہیں ہیں جیسا کہ صلۂ رحمی، عامۃ الناس کے ساتھ جذبۂ ہمدردی اور غلاموں کی رہائی وغیرہ۔ ایسے امور جو کافروں سے صادر ہونگے انکو انکی عام سیّئات کے مقابلہ میں وزن کیا جائیگا۔ قرطبی کے کلام سے ظاہر ہے کہ کافروں کے کفر کو بھی انکی دیگر خوبیوں کے مقابلہ میں وزن کیا جائیگا مگر کفر کا پلڑا بھاری رہیگا۔

اگر ظالم کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں اور حقِ مظلوم پھر بھی باقی رہے تو مظلوم کے گناہ ظالم کے سر تھوپے جائیں گے۔
**سورۂ اخلاص**۔ بزار نے انس بن مالکؓ سے اس مرفوع حدیث کا اخراج کیا ہے۔ مَنْ تَلَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ مِائَةَ اَلْفِ مَرَّةٍ فَقَدِ اشْتَرٰى نَفْسَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَنَادٰى مُنَادٍ مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ سَمٰوٰاتِهٖ وَفِيْ اَرْضِهٖ اَلَا اِنَّ فُلَانًا عَتِيْقُ اللّٰهِ فَمَنْ لَهٗ قِبَلَهٗ تَبَاعَةٌ فَلْيَاْخُذْهَا مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ جس نے سورۂ قل ہو اللہ ایک لاکھ مرتبہ پڑھی اس نے اللہ تعالےٰ سے اپنے نفس کو خرید لیا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسکے آسمانوں اور زمین میں، منادی ندا دیتا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ فلاں اللہ تعالیٰ کا عتیق یعنی رہا کیا ہوا غلام ہے جس کسی کا اسکے ذمّہ کوئی مطالبہ ہے تو وہ اسکو اللہ عزّ وجل سے حاصل کرے۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اس طرح بھی کبائر کی تکفیر ہوتی ہے اور یہی **عتاقة الکبرٰی** ہے۔ **حج** مبرور بھی کبائر کی تکفیر کرتا ہے۔ حج مبرور کی نسبت یہ حدیث ہے۔ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ جنت کے سوا اسکی کوئی جزا نہیں ہے۔ **جہاد** بھی اسی قبیل سے ہے۔ حدیث۔ اِنَّ الْغَزْوَ بِالْبَرِّ يُكَفِّرُهَا اِلَّا التَّبِعَاتِ وَفِي الْبَحْرِ يُكَفِّرُهَا حَتَّى التَّبِعَاتِ خشکی میں لڑائی تکفیر کرتی ہے سب گناہ کی سوائے حقوقِ عباد کے اور سمندر کی لڑائی حقوقِ عباد کی بھی تکفیر کرتی ہے۔

## صحائف (اعمال نامے)

**صحائف**۔ بندوں کو اُنکے اعمال نامے ملیں گے اور یہ واجب ہے۔ صحائف سے مراد وہ کتابیں ہیں جس میں فرشتوں نے دنیا میں بندوں کے اعمال تحریر کئے ہیں۔ حدیث۔ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا لَهٗ كُلَّ يَوْمٍ صَحِيْفَةٌ۔ ہر ایک ایمان والے کا دن بھر میں ایک صحیفہ ہے۔ قرآن اور احادیث سے یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم عام ہے ساری اُمتوں کے ہر فرد کیلئے ایک اعمال نامہ ہے۔ البتہ انبیاء اس سے مستثنیٰ ہیں اُنکا کوئی اعمال نامہ نہیں ہے اور اسی طرح فرشتوں کا بھی اعمال نامہ نہیں ہے اسلئے کہ فرشتے بھی معصوم ہیں، اُنکا بھی اعمال نامہ نہ ہوگا اور وہ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے لوٰن کے ستر ہزار ابو بکر صدیقؓ ہونگے۔
بندوں کو اُنکے اعمال نامے کون دیگئے۔ حدیث میں وارد ہے کہ عرش کے نیچے ایک مخزن ہے اس مخزن سے ہوا اعمال نامے اُڑا لیجائیگی اور ہر ایک کا نامۂ اعمال اسکے گلے میں لٹکا دیگی۔ یہ بھی وارد ہے کہ ہر ایک فرد پکارا جائیگا اور اسکا اعمال نامہ اسکو دیا جائیگا۔ مومن مطیع اپنا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں لیگا اور کافر اپنے بائیں ہاتھ میں پیٹھ پیچھے سے لیگا۔
آیت ۲۹/۵ - ۲۰۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ پس جسکو ملی اسکی کتاب داہنے ہاتھ میں، وہ کہیگا، لو، پڑھو میری کتاب۔ میں نے خیال رکھا تھا کہ مجھ کو ملیگا میرا حساب۔
آیت ۲۹/۵ ۲۶۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ۔ جس کو ملیگی اسکی کتاب بائیں ہاتھ میں، وہ کہیگا، کاش مجھکو میری کتاب نہ ملتی اور مجھ کو

# صراط

**صراط** - پرسے گزرنا واجب ہے۔ آیت ۲۳۔ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ۔ پھر چلاؤ انکو دوزخ کی صراط پر۔ لغت میں صراط کے معنی واضح راستے کے ہیں اور شرع میں صراط کہتے ہیں ایک پل کو جو دوزخ کے تن پر کھینچا ہوا ہے **موقف** سے شروع ہو کر جنت کے دروازے پر ختم ہوتا ہے۔ اولین، آخرین، حتیٰ کہ کفار بھی اس پر سے گزریں گے۔ انبیاء، صدیقین اور وہ اصحاب جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے سب کے سب صراط پر سے گزرینگے سب خاموش گزرینگے سوائے انبیاء کے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ انبیاء اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ (اے پروردگار سلامتی دے سلامتی دے) کہتے گزریں گے۔

**صراط**۔ بعض روایتوں میں ہے کہ صراط، بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی باڑھ سے زیادہ تیز ہے اور اللہ تعالےٰ کی قدرت اس پر سے گزرنے کی صلاحیت عطا کریگی۔ عز بن عبد السلام اور شیخ قرافی کے علاوہ بدر زرکشی کہتے ہیں کہ اگر اس قول کی صحت فرض بھی کیجائے تو یہ ظاہر پر محمول نہ ہوگا بلکہ اسکی تاویل یوں کیجائیگی کہ صراط کی تیزی سے شدت مشقت کی طرف کنایہ ہے جو اس پر سے گزرنے میں محسوس ہوگی۔ صحیح یہ ہے کہ صراط عریض ہوگی اور اس پر دو جانب دو راستے ہونگے۔ سعادت والے داہنی جانب سے گزرینگے اور شقی لوگ بائیں جانب سے۔ اس میں کمانیں ہونگی اور ہر ایک کمان واقع ہوگی دوزخ کے طبقات میں سے ایک طبقہ پر۔ بعض کا قول ہے کہ صراط باریک بھی ہوگی اور وسیع بھی اور اسکی باریکی اور وسعت، نور کے تنگ ہونے یا نور کے پھیلنے پر موقوف ہوگی۔ ہر ایک کی صراط کا عرض اسکے نور کے انتشار کی مقدار میں ہوگا۔ ہر ایک آدمی کا نور اسکی ذات تک محدود ہوگا اور دوسرے تک نہ پہنچیگا اور کوئی شخص دوسرے کے نور میں نہیں چلیگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ صراط ایک قوم کے حق میں باریک، دوسرے کے حق میں عریض ہوسکتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ فَاَكُوْنُ اَنَا وَاُمَّتِيْ اَوَّلَ مَنْ يُّجُوْزُ دوزخ کی دو پشتوں پر صراط قائم ہوگی، میں اور میری امت پہلے اس پر سے گزریگی۔ سیوری نے لکھا ہے کہ آپ کے بعد عیسیٰؑ اور انکی امت، پھر موسیٰؑ اور انکی امت گزریگی۔ سب کے آخر میں نوحؑ اور انکی امت ہوگی جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہے۔ اہل سنت کو، صراط کے لفظ کو اسکے ظاہر پر باقی رکھنے کے قطع نظر، فی الجملہ صراط کی نسبت اتفاق ہے۔

معتزلہ کی بڑی جماعت اسکی تاویل کرکے کہتی ہے کہ اس سے مراد جنت کا راستہ اور دوزخ کا راستہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف واضح دلائل ہیں۔ ترمذی نے روایت کی ہے کہ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهٖ مَا عَمِلَ بِهٖ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ۔ قیامت کے دن، بندہ کے ہر قدم پر پوچھا جائیگا چار باتوں کی نسبت۔ عمر کے بارے میں،

**موزوں** کیا چیز ہوگی، کس چیز کا وزن کیا جائیگا۔ اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ جمہورِ مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اعمال نامے تولے جائیں گے اسلئے کہ حسنات اور سیّئات کے دو اعمال نامے علٰحدہ علٰحدہ ہونگے۔ حدیثِ بطاقہ سے اسکی تائید ہوتی ہے۔ بطاقہ کاغذ کی چِٹھی کو کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے اس حدیث کی روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَسْتَخْلِصُ رَجُلًا مِنْ اُمَّتِي عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِنْهَا مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُوْنَ فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ۔ فَيَقُوْلُ اَلَكَ عُذْرٌ فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ۔ فَيَقُوْلُ اَلَكَ حَسَنَةٌ فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا الْحَسَنَةَ وَاِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ فَتُخْرَجُ لَهٗ بِطَاقَةٌ كَا لْاَنْمُلَةِ فِيْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِي كَفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ وَلَا يَثْقُلُ مَعَ اِسْمِ اللّٰهِ شَيْءٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو، قیامت کے دن، سب مخلوق کے سروں پر برآمد کریگا اور اس پر ننانوے ۹۹ کاغذوں کی لپیٹیاں کھولیگا اور ہر ایک لپیٹی کا طول نظر کے طول کے برابر ہوگا اور پھر کہیگا کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے۔ کیا حفاظت کرنے والے فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم کیا ہے تو جواب دیگا نہیں پروردگار۔ پھر پوچھیگا تیرا کوئی عذر ہے تو جواب دیگا نہیں پروردگار۔ پھر پوچھیگا تیری کوئی نیکی ہے تو جواب دیگا نہیں پروردگار۔ اللہ تعالیٰ پھر فرمائیگا ہمارے پاس تیری نیکی بھی ہے اور تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہے۔ پھر نکالیگا ایک چِٹھی انگلی کی نوک کے موافق اور اس میں کلمۂ شہادت لکھا ہوگا۔ پھر وہ شخص عرض کرے گا اے پروردگار یہ کیا چِٹھی ہے ان لمبے کاغذوں کے ساتھ تو اس سے کہا جائیگا، تجھ پر ظلم نہ ہوگا۔ کاغذوں کی لپیٹیاں ایک پلڑے میں اور بطاقہ دوسرے پلڑے میں رکھتے ہی لپیٹیوں کا پلڑا یکلخت اوپر اٹھ جائیگا اور بطاقہ کا پلڑا وزن سے نیچے آ جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے اسم کی عظمت کے وزن کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھیر سکتی۔ یہ عمل صرف اس بندہ کے ساتھ ہوگا جس کی بھلائی اللہ تعالیٰ چاہیگا۔

**اَعیان**۔ بعض کی رائے ہے کہ اعمال کے اَعیان یعنی اعمال کی ذات تولی جائیگی۔ عملِ صالحہ اچھی نورانی صورت میں ظاہر ہونگے اور نور کے داہنے پلڑے میں رکھے جائیں گے جو حسنات کیلئے مقرر ہے اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اسکا وزن بھاری ہوگا۔ اعمالِ سیّئہ بدنما تاریک صورت میں ظاہر ہونگے اور بائیں پلڑے میں رکھے جائیں گے جو سیّئات کیلئے مقرر ہے اور یہ پلڑا ہلکا ہوگا۔

**فائدہ** وزن کرنے میں یہ ہے کہ اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت کے درمیان امتیاز ہوگا اور بندے اپنی نیکیوں اور بدیوں سے واقف ہونگے اور اس بارے میں اُن پر حجت قائم ہوگی۔

سمجھ سے باہر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ کسی حکمت کا لزوم اسلئے نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ جیسا چاہے تصرف کرتا ہے۔ آیت پ ۱۷ ع ۲ - لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے سوال نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالےٰ نے عرش کو اتقاء کیلئے نہیں پیدا کیا اور نہ کرسی کو بیٹھنے کیلئے اور نہ قلم کو اسلئے پیدا کیا کہ یاد رکھے اور کوئی چیز اسکے علم سے خارج نہ ہونے پائے۔ ان امور پر ایمان لانا امرِ تعبدی ہے۔

## جنّت
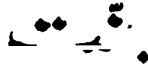
**جنّت**۔ یہ جاننا واجب ہے کہ جنّت دارِ ثواب ہے اور حق ہے اور پہلے سے پیدا کیجا چکی ہے۔ کتاب سنّت اور اتفاقِ علماء سے ثابت ہے۔ آیت پ ۴ ع ۵ ۔ وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ اور جلدی کرو اپنے پروردگار کی بخشایش کی طرف اور جنّت کی طرف جس کا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور مہیا کیگئی ہے پرہیزگاروں کیلئے۔ اس آیت میں سماوات اور ارض سے جنّت اور دوزخ کا سقف اور سطح مراد ہے۔ اس دنیا کا سماء اور ارض مراد نہیں ہے، اسلئے کہ یہ دونو تبدیل ہو چکے ہونگے۔ اُعِدَّتْ فعلِ ماضی ہے اور دلالت کرتا ہے کہ جنّت پیدا ہو چکی ہے اور اس میں کوئی استحالہ بھی نہیں ہے۔ پس اسکے ظاہری معنی پر جاری کرنا واجب ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یوم جزاء سے پہلے اسکے پیدا کرنے میں کوئی حکمت نہیں ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۔ اللہ تعالےٰ جو کچھ کرتا ہے اس سے سوال نہیں کیا جاتا اور دوسروں سے سوال کیا جاتا ہے فلسفی جنّت ہی سے انکار کرتے ہیں۔ ابو ہاشم اور عبد الجبار معتزلین، زمانۂ دنیا میں جنّت کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت کے دن جنّت پیدا کیجائیگی۔ ہمارے پاس آدم و حوا علیہما السلام کے قصہ سے جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے اور احادیثِ نبوی سے جنّت کا وجود زمانۂ سابق سے ثابت ہے۔ اجماع اس پر بھی ہے کہ جنّت کی نسبت کوئی تاویل کرنا صرف غیر ضروری نہیں بلکہ دین میں الحاد ہے۔

**مقامِ جنّت**۔ جنّت کس مقام پر ہے، اس بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ یہ سوال کہ اگر جنّت کا وجود ہوتا تو ہم کو اسکا پتا چلتا، اسلئے صحیح نہیں ہے کہ اس دنیا کے جملہ اجزاء سے ہم واقف نہیں ہیں تو پھر اعتراض کا موقع نہیں ہے۔ جنّت کے مقام کی نسبت اس آیت سے استدلال ممکن ہے۔ آیت پ ۲۷ ع ۵ - ۱۶ ۔ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۔ اسکے نزدیک جنّت ماویٰ ہے یعنی سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى کے پاس ہے۔ حق بات یہ ہے کہ اسکو اللہ تعالیٰ کے علم کے تفویض کیا جائے، وہ لطیف و خبیر ہے۔

**تعدادِ جنّت** کی نسبت اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ انکی تعداد سات ہے اور ایک دوسرے سے متجاور ہیں۔ سب سے افضل اور اوسط فردوس ہے اور وہ سب سے اوپر ہے۔ اسکے بعد افضلیت میں جنّت عدن ہے، پھر جنّتِ خلد،

کس طرح گزری، علم کے بارے میں، اس پر کیا عمل کیا، مال کے بارے میں، کہاں سے کمایا اور کس طرح خرچ کیا اور جسم کے بارے میں، کن کاموں میں مبتلا کیا۔

رفتار کے لحاظ سے لوگوں میں فرق ہوگا سب کی رفتار ایک نہ ہوگی۔ معاصی سے اعراض کرنے میں جس نے تیزی کی تھی وہ تیز رفتار ہونگے اور جنھوں نے سستی کی تھی وہ آہستہ گزرینگے۔ جو متوسط تھے انکی رفتار بھی متوسط ہوگی۔ وہ لوگ جو دنیا میں معاصی سے بچتے رہے ہیں دوزخ کی آگ میں گرنے سے محفوظ رہیں گے اور جو معاصی میں مبتلا رہے ہیں دوزخ کی آگ میں گرینگے۔ بعض لوگ دوزخ میں اُس مدت تک رہیں گے جب تک کہ اللہ تعالےٰ چاہے اور پھر انھیں اللہ تعالےٰ نجات دیگا جیسا کہ بعض عصاۃِ مومنین۔ نیک لوگوں کی نیکیوں کے بھی مراتب ہونگے۔ بعض طرفۃ العین یعنی پلک کی جھپک میں گزریں گے، بعض بجلی کی چمک کی طرح، بعض تیز ہوا کی طرح، بعض اُڑتے ہوئے پرند کی طرح بعض تیز گھوڑے کی رفتار میں، بعض دوڑتے ہوئے اور بعض چلتے ہوئے اور بعض رینگتے ہوئے گزریں گے۔ ان کے لئے صراط کی مسافت بہت طویل ہو جائیگی۔

عرش، کرسی، قلم، لوح اور کاتبین پر اعتقاد واجب ہے۔

عرش ایک جسم عظیم، نورانی، علوی ہے۔ اَولیٰ یہ ہے کہ قطعی طور پر اس کی حقیقت کے تعین کرنے سے تامل کیا جائے۔ اس کے چار ستون ہیں جس کو عالمِ دنیا میں چار رؤس فرشتگان اٹھائے ہوئے ہیں اور آخرت میں چار کا اضافہ ہوگا اور آٹھ فرشتے اُٹھائیں گے تاکہ عرش کے جلال و عظمت میں اضافہ ہو۔

کرسی، ایک جسمِ عظیم نورانی ہے، ساتویں آسمان کے اوپر، عرش کے نیچے مگر عرش سے ملی ہوئی ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ قطعی طور پر اسکی حقیقت کے تعین کرنے سے تامّل کیا جائے۔ کرسی عرش کے سوائے ہے۔

قلم، جسمِ عظیم نورانی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسکو پیدا کیا اُن تمام امور کے لکھنے کیلئے جو گزرے یا گزریں گے قیامت تک اولیٰ یہ ہے کہ قطعی طور پر اسکی حقیقت کے تعین کرنے سے تامّل کیا جائے۔

کاتبین فرشتے ہیں۔ انکی تین قسمیں ہیں وہ فرشتے جو دنیا میں بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ وہ فرشتے جو لوحِ محفوظ سے ملائکہ کے مُصحف میں، ہر سال، ان امور کو لکھتے ہیں جن پر عمل کرنے کیلئے انکو مامور کیا گیا ہے۔ وہ فرشتے جو ملائکہ کے صحیفوں سے کتاب میں لکھتے ہیں جو عرش کے نیچے رکھی جاتی ہے۔

لوح، جسمِ نورانی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے حکم سے، جو کچھ ہوا یا ہوگا قیامت تک اسکو قلم نے اس میں لکھدیا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اس میں قلم اب بھی لکھتا جا رہا ہے ان امور کو جو مٹے جاتے ہیں اور تبدیل ہوتے ہیں۔ آیت ۱۳ ۲۔ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور قائم رکھتا ہے۔ ہمارے لئے بہتر یہ ہے کہ اسکی حقیقت کے تعین کرنے سے احتراز کریں۔ ان سارے مذکورہ امور میں ایسی حکمت پوشیدہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ہماری بشری

امرد کی حالت میں تینتیس سال کا شباب ہوگا۔

# دوزخ

**دوزخ** کی نسبت یہ جاننا واجب ہے کہ دارِ عذاب ہے اور حق ہے اور پہلے سے پیدا کیجا چکی ہے۔ کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ کافر کیلئے یہ دارِ خلود ہے اور انکی تعذیب بھی ابدی ہے۔ آیت ۱۱۱-۱۰۵۔ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ان میں کوئی بدبخت ہے اور کوئی نیک بخت۔

جس طرح اس کے پہلے بیان کیا گیا ہے سماوات اور ارض سے دوزخ کا سقف اور دوزخ کی سطح مراد ہے۔ اس دنیا کا آسمان اور زمین مراد نہیں ہے اسلئے کہ وقوعِ قیامت کے ساتھ یہ دونو تبدیل ہو چکے ہونگے فلسفی دوزخ ہی سے انکار کرتے ہیں۔ ابوہاشم اور عبد الجبار معتزلی زمانۂ دنیا میں دوزخ کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت کے دن دوزخ پیدا کیجائیگی۔ آدم و حوا علیہما السلام کا قصہ جہاں جنت کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے اس کے ساتھ ہی اسکے ضد مقام تعذیب دوزخ کے ثبوت پر بھی دلالت کرتا ہے۔ کوئی قول ایسا نہیں ہے جو تنہا جنت کو ثابت قرار دے اور دوزخ کی نفی کرے۔ تعذیبِ دوزخ کی نسبت آیاتِ قرآنی صاف صریح کثرت کیسا تھ وارد ہوئی ہیں۔

**مقامِ دوزخ**۔ دوزخ کس مقام پر ہے اس بارے میں کوئی نقل وارد نہیں ہوئی ہے جیسا کہ شرح مقاصد میں بیان کیا گیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اسکو اللہ تعالے کے علم کے **تفویض** کیا جائے۔

**طبقاتِ دوزخ** سات ہیں۔ سب سے اعلیٰ طبقہ جہنم کہلاتا ہے۔ اس کے بعد لَظیٰ، پھر حُطَمہ، پھر سَعِیر، پھر سَقَر، پھر جَحِیم اور پھر ھَاوِیہ۔ آیت ۶-۲۸ ماقبل آخر۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ اے ایمان والو بچاؤ اپنے نفوس اور اپنے لوگوں کو دوزخ کی آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہے۔

**دارِ خلود** ہے دوزخ شقی کیلئے۔ شقی وہ ہے جس کی موت کفر پر واقع ہوئی اگرچیکہ ایمان پر ساری زندگی گزاری تھی شقی کی تعریف میں کافر جاہل اور کافرِ معاند داخل ہیں اور وہ شخص بھی داخل ہے جو غور و خوض میں پڑ گیا اور حق کو نہ پہنچا اور تقلید واجب کو بھی ترک کیا۔

**اطفالِ مشرکین** دوزخ میں نہیں جائیں گے بلکہ صحیح قول یہ ہے کہ جنت میں جائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ دوزخ میں جائیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ اعراف میں وغیرہ وغیرہ۔ شقی میں انس و جن میں کوئی فرق نہیں ہے۔

**تعذیب**۔ جو لوگ کہ دوزخ میں جھونکے جائیں گے وہ اقسام کے عذاب میں مبتلا ہونگے۔ آیت ۳۰-۷۸ آخر۔ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا۔ ہم تم پر عذاب ہی عذاب بڑھائیں گے۔

پھر جنّتِ نعیم اور جنّتِ ماویٰ و دار السلام اور دار الجلال ہے۔ یہ جملہ جنّتیں متّصل ہیں مقامِ وسیلت سے تاکہ اہلِ جنّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں۔ آپ اسی مقامِ وسیلت سے ظہور فرمائیں گے۔ جس طرح دنیا میں سورج مشرق سے برآمد ہوتا ہے اسی طرح آپ مقامِ وسیلت سے ظہور فرمائیں گے۔ یہ تفصیل ابن عباسؓ کے قول پر مبنی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنّتوں کی تعداد چار ہے اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ آیت ۔ ۲۷/۱۴۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔ اور جو کوئی ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اس کیلئے دو باغ ہیں بعض مفسّر کہتے ہیں کہ یہ جنّتِ نعیم اور جنّتِ ماویٰ ہیں۔ ثم قال۔ آیت ۲۷/۱۴۔ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ۔ اور ان دو کے سوا اور دو جنّتیں ہیں بعض مفسّرین کہتے ہیں کہ یہ جنّتِ عدن اور جنّتِ فردوس ہیں جمہور اسی طرف مائل ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ جنّت ایک ہی ہے اور یہ سارے نام اسی پر جاری ہیں مختلف حالات اور معانی میں۔ سب پر جنّتِ عدن کا نام صادق آتا ہے اسلئے کہ عدن کے معنی اقامت کے ہیں۔ جنّتِ ماویٰ کا نام اسلئے صادق آتا ہے کہ وہ مومنین کا ماویٰ ہے۔ جنّتِ خُلد اسلئے کہ یہ دارِ خلود ہے اور دار السلام اسلئے کہ اس میں خوف و حزن سے سلامتی ہے اور جنّتِ نعیم اسلئے کہ یہ نعمتوں سے معمور ہے۔

**وسعتِ جنّت** ۔ حدیث ۔ وَلَا يَزَالُ فِي الْجَنَّةِ فَضْلٌ حَتّٰى يُنْشِئَ اللّٰهُ خَلْقًا آخَرَ فَيُسْكِنُهُمْ فِي فُضُوْلِ الْجَنَّةِ۔ جنّت میں اتنی زیادہ گنجائش فاضل رہے گی کہ اللہ تعالیٰ ایک دوسری مخلوق کو پیدا کریگا اور انکو جنّت کے فاضل رقبہ میں ٹھیرائیگا۔ اور آیت ۴/۳۔ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ سے بھی اسکی وسعت کی مقدار ظاہر ہے۔

جنّت دارِ خلود ہے سعید کیلئے۔ یعنی اہلِ جنّت کی اقامت جنّت میں دائمی ہوگی۔ آیت ۱۲/۹۔ ۱۰۔ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ سو اُن میں کوئی بدبخت ہے اور کوئی نیک بخت۔ بخلاف فرقۂ جہمیہ کے۔ یہ فرقہ جنّت اور اہلِ جنّت دونو کو فانی تصوّر کرتا ہے۔ کتاب اور سنّت سے اختلاف پر ان پر کفر لازم آتا ہے۔ ایک شخص کا نام جہم تھا۔ اسکی طرف انتساب سے یہ فرقہ جہمیہ کہلایا۔ سعید وہ شخص ہے جس کی موت اسلام پر واقع ہوئی اگرچہ اسکے پہلے اس سے کفر و فجور میں آیا ہو۔ عُصاۃِ مومنین بھی سعید میں داخل ہیں اور جنّت میں مداومت کرینگے۔ اگر یہ دوزخ میں داخل بھی ہوئے تو دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔ بلکہ جس مدّت تک دوزخ میں رہینگے بھی تو اُنکے عذاب میں مداومت نہ ہوگی۔ دوزخ میں داخل ہوتے ہی تھوڑی دیر میں وہ مرجائیں گے جس کی مقدار کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پھر وہ اُسی وقت زندہ ہونگے جبکہ دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ جمہور کی رائے ہے کہ مومنین کے اطفال بھی جنّت میں جائیں گے۔ انبیاء کی اولاد کی نسبت اجماع ہے کہ جنّت میں داخل ہونگے۔ سعید کی سعادت کے بارے میں انس و جن میں کوئی فرق نہیں ہے۔

**تنعیم** ۔ جنّت کی نعمتوں سے اہلِ جنّت مستفید ہوتے رہیں گے اور اہلِ جنّت کیلئے سب سے بڑی نعمت رویتِ باری تعالیٰ ہے۔

**موقف** میں ہر شخص اس حالت میں ہوگا جس حالت میں کہ اسکی موت واقع ہوئی۔ پھر مومنین جنّت میں داخل ہونگے

(لِلْغَیْرِ) یعنی غیر سے غیر کیلئے خیر کے طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ اردو میں لفظ "سفارش" تقریباً اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔
قیامت میں جب لوگ محشر کو پہنچیں گے فرشتے انہیں گھیرے ہوئے ہونگے۔ سورج سر کے قریب ہوگا شدت کا خوف اور دہشت ہوگی اور بڑے کرب کی حالت ہوگی۔ لوگ اس مقام سے لوٹنے کی آرزو کرینگے بلکہ دوزخ میں جھونکے جانا پسند کرینگے۔ اس ہراسانی کی حالت میں بہت دیر گزرنے کے بعد انکی سمجھ میں آئیگا کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اور اسکے بندوں کے درمیان اگر کوئی واسطہ ہوسکتا ہے تو وہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا۔ آدمؑ کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے کہ آپ ابو البشر یعنی بنی نوع انسان کے جدِ امجد ہیں ہمارے لئے شفاعت کیجئے آپ جواب دینگے لَسْتُ لَهَا لَسْتُ لَهَا نَفْسِیْ نَفْسِیْ لَا اَنْ عَمَلُ الْیَوْمِ غَیْرَهَا۔ مجھ سے یہ کام نہیں ہوسکتا نہیں ہوسکتا نفسی نفسی میں آج کے دن اسکے سوائے کچھ نہیں مانگ سکتا۔ اور آپ درختِ ممنوعہ کا پھل کھانے کی وجہ سے اپنے کو قصوروار اور معذور ٹھرائیں گے۔ پھر سب کے سب نوحؑ کے پاس جائیں گے اور شفاعت کی درخواست کرینگے۔ آپ بھی اپنے کو معذور ظاہر کرینگے۔ آخر میں سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں گے اور طالبِ شفاعت ہوں گے آپ فرمائیں گے اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ۔ میں ہوں اس کام کیلئے اور اُمتی اُمتی پکارینگے۔ آپ عرش کے نیچے سجدہ میں جائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ندا آئیگی یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ یا محمد اپنا سر اٹھاؤ شفاعت کیا کرو تمھاری شفاعت قبول ہوگی۔ آپ سجدہ سے سر اٹھائیں گے اور فصلِ قضاء میں اللہ تعالیٰ سے شفاعت طلب کرینگے۔ اُسوقت شفاعت کا دروازہ دوسروں کیلئے بھی کھل جائیگا۔ جیسا کہ شیخ ابن عربیؒ نے لکھا ہے۔ اسی کو **شفاعتِ عظمیٰ** کہتے ہیں اور یہ قطعی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی پہلا **مقامِ محمود** ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ۱۵ پ۱۵۔ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا قریب ہے شاید تمھارا پروردگار تمھیں مقامِ محمود کو پہنچائیگا۔ مقامِ محمود کی یہ تفسیر کلبی ہے کہ یحمدك فيه الاولون والآخرون۔ یعنی اس مقام میں تمھاری تعریف کرینگے اولین اور آخرین سیوطیؒ اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ شفاعتِ عظمیٰ کے سوائے آپ کی دوسری شفاعتیں بھی ہیں۔ دوسری شفاعت یہ ہے کہ آپ چاہیں گے کہ بندوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کیا جائے۔ تیسری شفاعت یہ ہوگی کہ آپ درخواست کرینگے کہ جو لوگ دوزخ کے عذاب کے مستوجب ہیں انکو دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ چوتھی شفاعت یہ ہوگی کہ آپ چاہیں گے کہ موحدین کو دوزخ سے نکالا جائے پانچویں شفاعت یہ ہوگی کہ آپ اہلِ جنت کے درجات میں زیادتی کی سفارش کرینگے۔ اس طرح اور بہت سی باتوں کی آپ سفارش کرینگے۔ صحیحین کی حدیث ہے۔ اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔ میں پہلا سفارش کرنے والا ہوں اور پہلا ہونگا جس کی سفارش قبول ہوگی۔

**واجباتِ شفاعت** تین چیزیں واجباتِ شفاعت میں سے ہیں۔ پہلی چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شافع ہونا۔

# حوضِ کوثر

**حوضِ کوثر** کے بارے میں ایمان لانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کو آخرت میں عطا کریگا۔ گو اس پر ایمان لانا واجب ہے لیکن اس سے انکار پر کفر عاید نہیں ہوتا مگر فسق میں مبتلا کرتا ہے۔ معتزلہ نے اسکی نفی کی ہے۔ حوض ایک بڑا جسم ہے جس کے جوانب وسیع ہیں اور وہ بدلی ہوئی زمین پر ہوگا۔ اس کی سطح چاندی کی طرح سفید ہوگی کسی نے اس کا پانی ایک مرتبہ پیا تو پھر کبھی اسکو پیاس نہ لگے گی۔ امتِ محمدی اس پر پانی پیے گی جسن؄ سے یہ حدیث مرفوع ہے۔ اَنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى حَوْضِهٖ وَبِيَدِهٖ عَصًا يَدْعُوْ مَنْ عَرَفَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ اَلَا وَاِنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ تَبِعًا وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَبِعًا۔ ہر ایک نبی کا ایک حوض ہوگا اور وہ اپنے حوض پر کھڑا ہوگا اور اسکے ہاتھ میں عصا ہوگا۔ اپنی امت سے جس کو پہچانے گا بلائیگا دیکھو! یہ آپس میں فخر کرینگے کہ کس کی پیروی کرنے والوں کی اکثریت ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ میری پیروی کرنیوالے زیادہ تعداد میں ہونگے۔

صحیحین میں عبداللہ بن عمرو بن العاص؄ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔ حَوْضِيْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ وَزَوَايَاهُ سَوَاءٌ مَاؤُهٗ اَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيْحُهٗ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيْزَانُهٗ اَكْثَرُ مِنْ نُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَا يَظْمَاُ اَبَدًا۔ میرے حوض کی وسعت ایک مہینے کے سفر کی مسافت کے برابر ہے اور اس کے زاویے مساوی ہیں۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور اسکے کوزے تعداد میں آسمان کے تاروں سے زیادہ ہیں جس کسی نے اس سے ایک مرتبہ پیا اسکو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔

**مقامِ حوض**۔ حوض کے محلِّ وقوع کی نسبت علماء میں اختلاف ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ صراط سے پہلے یہ حوض ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ صراط کے بعد یہ حوض ہوگا۔ اس تفصیل کے ساتھ اعتقاد واجب نہیں ہے کہ حوض صراط سے پہلے ہوگا یا بعد۔ اتنا اعتقاد کافی ہے کہ آپ کا حوض ہوگا۔

**شاربین**۔ مرد اور عورت سب اس حوض سے پانی پئیں گے لیکن پینے والوں کے احوال باہم مختلف ہونگے بعض پیاس بجھانے کیلئے پئیں گے اور بعض حصولِ لذت کیلئے اور بعض مسرت کی تعجیل کیلئے۔

# شفاعت

**شفاعت** بندوں کے حق میں واجب ہے اور پہلے شفیع محمد صلّی اللہ علیہ وسلم ہونگے۔ کفر کے سوا دوسرے گناہ کی بخشایش جائز ہے۔ شفاعت کے معنی لغت میں وسیلہ اور طلب کے ہیں اور عرفِ شرع میں سُؤَالُ الْخَيْرِ مِنَ الْغَيْرِ

بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۔ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشتا کہ اسکا شریک ٹھیرائے اور بخشتا ہے اس سے نیچے (دوسرے گناہ) کو جس کو چاہے۔ کفر کے سوا دوسرے گناہ کے غفران میں یہ حکمت ہے کہ کوئی بندہ عذاب کے خوف اور عفو و رحمت کی امید سے کسی حال میں خالی نہ ہوگا بخلاف کفر کے۔ اسلئے کہ مسلم گناہگار اپنے نفس کے نقص کو جانتا ہے اور عذاب سے ڈرتا اور عفو و رحمت کی امید رکھتا ہے۔

**تکفیر مومن** جائز نہیں ہے، خواہ صغیرہ کا ارتکاب کیا ہے یا کبیرہ کا جان بوجھ کر یا غفلت میں۔ مَنْ كَفَّرَ مُؤْمِنًا كَفَرَ جس نے مومن کو کافر ٹھیرایا خود کفر کا ارتکاب کیا۔ مگر شرط یہ ہے کہ گناہ مکفرات سے نہ ہو۔ اگر گناہ مکفرات میں سے ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت جزئیات کے علم سے انکار کرے تو قطعی طور پر کفر کا مرتکب قرار پائیگا دوسری شرط یہ ہے کہ دین کے کسی ضروری امر کو جان بوجھکر حلال نہ ٹھیرائے جیسا کہ زنا بخلاف خوارج کے۔ خوارج ہر مرتکب گناہ کو کافر ٹھیراتے ہیں اور ساری خلاف ورزی کو کبیرہ میں شمار کرتے ہیں۔ مرتکب ذنوب کی تکفیر کی بناء پر خوارج کی نسبت کفر کی ذمہ داری اسلئے عائد نہیں کیجا سکتی کہ انہوں نے تاویل اور اجتہاد کی بناء پر یہ کہا ہے۔ معتزلہ کبیرہ کے مرتکب کو ایمان سے خارج کرتے ہیں اور کفر میں بھی داخل نہیں کرتے بجز اسکے کہ حرام کو حلال ٹھیرائے۔ گویا کہ انہوں نے دو منزلوں کے درمیان ایک اور منزل قرار دی۔ خوارج اور معتزلہ دونوں کے پاس کبیرہ کا مرتکب دوزخ میں ہمیشہ رہیگا مگر فرق یہ ہے کہ خوارج کے قول سے کفار کا عذاب پائیگا اور معتزلہ کے پاس فساق کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

**موت بغیر توبہ**۔ جو شخص گناہ کے توبہ کے بغیر فوت ہوا اسکا حکم خدا کے تفویض ہے۔ ایسے کبیرہ کے ارتکاب کے بعد جو مکفرات میں سے نہ ہو اور کسی حرام کو حلال نہ ٹھیرایا ہو کوئی شخص توبہ کے بغیر مرجائے تو کوئی قطعی رائے نہیں دی جاسکتی اسکی مغفرت کی نسبت اسلئے کہ ذنوب بھی مباح کے حکم میں داخل ہوجائیں گے اور نہ اسکی عقوبت کی نسبت اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جائز ہے کہ کفر کے سوا دوسرے گناہ معاف کرے یا یہ کہ اگر وہ عذاب میں مبتلا ہو تو عذاب کا دوام نہ ہو۔ اسلئے آیات اور احادیث دلالت کرتی ہیں کہ مومنین جنت میں کبھی نہ کبھی داخل ہونگے۔ آیت ۳۰/۲۴ ۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ جس نے مثقال کے موافق بھی کوئی نیکی کی تھی تو اسکو دیکھے گا یعنی اسکی جزاء پائیگا۔ حدیث۔ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ جس نے لا الہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہوا۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی مومن جنت میں داخل ہونے کے بعد دوزخ میں داخل ہوگا۔ اسلئے کہ جو شخص جنت میں ایکمرتبہ داخل ہوا تو اس سے خارج نہ ہوگا۔ آیت ۱۴/۳ ۔ وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ وہ لوگ اس سے نکالے نہیں جائینگے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ وہ جنت میں داخل ہونگے دوزخ میں داخل ہوئے بغیر۔ اسی کو عفو تام یعنی کامل معافی کہتے ہیں۔ بقدر گناہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد جو جنت میں داخل ہونگے انکو عدم خلود فی النار کہتے ہیں۔

**کبیرہ**۔ بعض کبیرہ کی تعذیب واجب ہے علاوہ واجب نہیں ہے۔ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اس امت کے گنہگاروں میں سے

دوسری چیز آپ کا مُشفّع ہونا یعنی آپ کی شفاعت کا مقبول ہونا۔ تیسری چیز آپ کی شفاعت کی تقدیم دوسروں کی شفاعت پر۔

**رازی** نے الدین میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اُمت کے گنہگاروں کے حق میں سچ ہے آیت ۲۹/۱۴، ۱۔ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ۔ کفار کو شافعین کی شفاعت کام نہ دیگی۔ کفار کو کفر کی وجہ سے شفاعت کا فائدہ نہیں پہنچ سکتا تو اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ مومنین کا حال اسکے خلاف ہوگا۔ شافعین کی شفاعت سے مومنین کو فائدہ پہنچیگا۔ آیت ۲۶/۴ آخر۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بخشش چاہو گناہوں کی اپنے لئے اور مومنین اور مومنات کیلئے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلب مغفرت کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے استغفار کو قبول بھی کریگا۔ آیت ۳۰/۱۸ ۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اور قریب ہی تمہارا پروردگار تم کو ایسا دیگا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ حدیث۔ اَعْدَدْتُ شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ۔ میری امت کے اہل کبائر کیلئے اپنی شفاعت مہیا کی ہے میں نے۔

**شفعاء**۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے پیغمبر، نبی، فرشتے، صحابہ، شہداء، علماء باعمل اور اولیاء عند اللہ اپنے مراتب کے لحاظ سے عصاۃ مومنین مرتکبین کبائر کی شفاعت کرینگے۔ ملائکہ کی شفاعت انکے مراتب کی ترتیب کے لحاظ سے ہوگی سب سے پہلے جبرئیل شفاعت چاہیں گے اور سب سے آخر میں وہ انیس ۱۹ فرشتے شفاعت چاہیں گے جو دوزخ پر متعین ہونگے۔ کوئی شفاعت کی درخواست نہ کریگا بجز اسکے کہ مواخذہ کی مدت گزر جائے۔ مواخذہ کا جاری رہنا اور نہ رہنا دونوں کا جواز ہے اور صورت اول میں اس طرح کی شفاعت کی بھی ضرورت باقی رہتی ہے۔ شفاعت کے جتنے طریقے بتائے گئے ہیں **قضاء معلق** سے تعلق رکھتے ہیں۔ معتزلہ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان بندوں کی نسبت جنھوں نے ارتکاب معاصی کیا تھا کبیرہ کا یا صغیرہ کا، اور جو دوزخ کے عذاب کے مستوجب ہونگے انکی شفاعت نہیں کرینگے کہ دوزخ میں نہ داخل کئے جائیں۔ اور جو لوگ دوزخ میں داخل ہو چکے ہونگے انکے اخراج کی درخواست نہ کرینگے۔ شفاعت عظمیٰ اور شفاعت ازدیاد درجات سے انکو انکار نہیں ہے۔ گویا یہ جماعت فصل قضاء میں شفاعت کے قائل ہیں۔ اور غفران ذنوب میں شفاعت سے انکار کرتے ہیں۔

**دلیل** یہ ہے کہ عقلاً اور نقلاً جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کرے کفر کے سوا سارے گناہ بغیر کسی غیر کی شفاعت کے۔ اللہ تعالیٰ شفاعت کریگا اس شخص کی بھی جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور جس نے اثبات کی اس رسول کی جو اسکی طرف بھیجا گیا اور کبھی کوئی نیکی پر عمل نہیں کیا۔ بغیر کسی کی شفاعت کے اللہ تعالیٰ کیلئے جائز ہے کہ اپنے محض فضل و کرم سے ایسے بندہ کو بھی دوزخ میں داخل نہ کرے۔ جب بغیر شفاعت کے گناہ کی عفو عقلاً جائز ہے تو شفاعت کے ساتھ اولیٰ ہے۔ عصیان کفر کی معافی اگرچہ عقلاً جائز ہے لیکن نقلاً و شرعاً ممتنع ہے۔ آیت ۵/۱۵ ۱۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ

آیت ۳ ۱۰ قبل آخر ۔ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ بیشک تمہارا پروردگار معاف کرنے والا ہے لوگوں کو انکی گناہگاری کے باوجود ۔ اس آیت کا اقتضاء یہ ہے کہ بندے کے ظلم یعنی معصیت میں مبتلا ہونیکے باوجود اسکو مغفرت حاصل ہوتی ہے ۔ یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ توبہ سے پہلے بھی مغفرت حاصل ہوسکتی ہے ۔ سب مسلمانوں کو اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ **عفوّ** ہے ۔ عفو متحقق نہیں ہوتا جبتک کہ مستحقہ عذاب کو ساقط نہ کیا جائے ۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ توبہ کے پہلے صغیرہ کا عذاب اور توبہ کے بعد کبیرہ کا عذاب واجب ہے ۔

**کافر** سب کو اتفاق ہے کہ کافر معاند (دشمن) کی وجہ دائم ہوگی لیکن وہ کافر جس نے کوشش کی مگر مطلب کو نہیں پہنچا اسکی نسبت جاحظ اور عنبری کا قول ہے کہ معذور ہوگا آیت ۲ آخر ۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۔ تم پر دین میں مشکل نہیں رکھی لیکن دوسروں نے اس سے انکار کیا اور اجماع کا ادعا کیا ۔ آخر میں رازی نے اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کے **تفویض** کیا ہے ۔ شیخ ابن عربیؒ نے فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ کفار جنت میں جائینگے مگر انقضاء یعنی زمانۂ عظیم گزرنے اور دوزخ میں طویل مدت تک ٹھہرنے کے بعد جبکہ اللہ تعالیٰ کا حب ذاتی غضب عارضی پر غالب آئیگا کسی وقت آگ سرد ہو جائیگی ۔ جیسا کہ کہا ہے کہ آئیگا دوزخیوں پر انکا عین تا مدت کمال جاریگا سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلَىٰ غَضَبِي (میری رحمت میرے غضب پر سبقت کی) کا ظہور ہوگا ۔ عذاب جہنم نعیم خاص سے مبدل ہوگا ۔ وعید میں خبر استحقاق عذاب ہے نہ کہ خبر عذاب ۔ خلف وعید صفات حمیدہ سے ہے اور وعدہ خلافی عیب ہے ۔

# شہید

شہید کی حیات کاملہ کا اعتماد واجب ہے اگرچہ اسکی کیفیت کا علم ہم کو حاصل نہیں ہے آیت ۴ ۱۶ ۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۔ ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارے گئے مردہ مت سمجھو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور روزی پاتے ہیں ۔

**شہید** شہادت سے مشتق ہے جس کے معنی گواہی دینے کے ہیں ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتوں نے اسکے لئے جنت کی گواہی دی ہے اس اعتبار سے شہید بمعنی مشہود لہ ہے ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسکی روح نے دوسروں سے قبل جنت کو دیکھا اور اس اعتبار سے شہید بمعنی شاہد ہے ۔ شہید وہ شخص ہے جو کافروں کی لڑائی میں لڑائی کی حالت میں لڑائی کے سبب سے فوت ہوا اسکو کسی کافر نے قتل کیا ہو یا کسی مسلم نے خطاءً قتل کیا ہو یا اسی کا ہتیار پلٹ کر لگا ہو یا سواری سے گر کر فوت ہو یا اسی طرح اور کوئی صورت ہو ۔ کافروں کی لڑائی ہو یا کافروں نے کسی مسلم سے عدوان ہو ۔ اس مسلم کے ہاتھ سے کوئی مسلم مارا جائے تو وہ بھی شہید ہے ۔ لڑائی کی قید ہے قاتل کون تھا اسکی قید نہیں ہے ۔ لڑائی کی نسبت

جنھوں نے بغیر کسی تاویل کے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور توبہ کے بغیر فوت ہو گئے ان میں سے کسی نہ کسی کی تعذیب واجب ہے یعنی تعذیب ثابت ہے اور شرعاً واقع ہے بخلاف اُن لوگوں کے جنھوں نے صغیرہ کا ارتکاب کیا یا تاویل کے ساتھ کبیرہ کا ارتکاب کیا جیسا کہ بعض باغی متأولین کرتے ہیں یا بغیر کسی تاویل کے ارتکاب کیا لیکن توبہ کیا اور مرا انکی عدمِ تعذیب جایز ہے۔ انکی رائے میں وعید کا نفوذ ہر صنف کے گنہگاروں میں سے ایک طائفہ پر یا کم سے کم ایک فرد پر لابدی ہے۔ اسلئے کہ انکے پاس وعید کا تخلف جایز نہیں ہے۔ امام لقانی اپنے متن جوہرۃ التوحید میں اسی طرح کی طرف مایل ہیں۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ وعید کا تخلف جایز ہے۔ کریم کی عادت ہے، جب کسی خلاف ورزی پر سزا دونگا کہتا ہے تو اسکی مراد یہ ہوتی ہے کہ اگر چاہونگا تو سزا دونگا۔ نتیجہ یہ کہ بعض عُصاۃ کی تعذیب واجب نہیں ہے۔ بعض موحدین کی تعذیب اور انکے بارے میں شفاعت کی نسبت حدیث وارد ہوئی ہے لیکن وہ پورے انواع پر حاوی نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ لوگ دو قسم کے ہیں۔ مومن اور کافر۔ کافر دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اس پر اجماع ہے۔ مومن کی بھی دو قسمیں ہیں مطیع اور عاصی مطیع جنت میں جائیگا، اس پر اجماع ہے۔ عاصی کی دو قسمیں ہیں تائب اور غیر تائب۔ تائب جنت میں جائیگا، اس پر اجماع ہے۔ غیر تائب مشیئت میں ہے۔ اگر غیر تائب کی تعذیب ہوگی بھی تو دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیگا۔
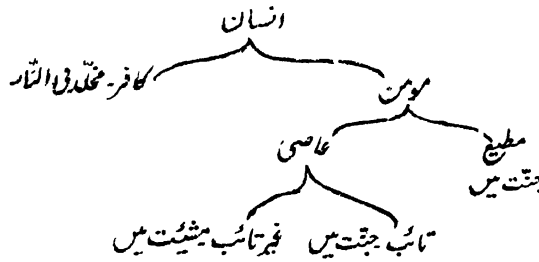
**فخر رازی** نے محصّل میں لکھا ہے کہ گناہِ کبیرہ کی وعید اشاعرہ میں منقطع ہے اسکا تخلف جایز ہے۔ یعنی اس وعید پر عمل نہ ہونا اور سزا کا نفاذ نہ ہونا جائز ہے۔ آیت ۳۰/۲۴ ۹ - فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ جس نے مثقال بھر بھلائی کی وہ دیکھ لیگا اُسے اور جس نے مثقال بھر برائی کی وہ دیکھ لیگا اُسے۔ ان دونو عمومی تکلیفوں کا جمع ہونا ضروری ہے اور اسکی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایمان کی وجہ سے صاحبِ کبیرہ جنت میں داخل ہوگا اور پھر دوزخ میں جائیگا۔ بالاتفاق یہ صورت باطل ہے۔ نہ جنت میں جائے اور نہ دوزخ میں یہ بھی باطل ہے کبیرہ کی وجہ سے دوزخ میں جائے اور پھر ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل ہو یہ صحیح ہے آیت ۴/۱ ۲۴ ۴ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ جس نے بھلائی کی مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو وہ جنت میں جائیں گے۔ آیت ۵/۱ ۱ - اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ بیشک اللہ تعالیٰ نہ معاف کریگا کہ اسکے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس سے نیچے دوسری چیزوں کو معاف کریگا جسکو چاہا

رزق کی اس تعریف میں انسان اور چوپایہ وغیرہ سب کا رزق داخل ہے اور ماکولات کے سوا دوسری چیزیں بھی اس میں داخل ہیں جس سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ وہ چیز خارج ہوتی ہے جس سے بالفعل استفادہ نہیں کیا۔ ایک شخص کو ایک چیز کی ملکیت حاصل ہوئی اور اس سے بالفعل استفادہ کرنا ممکن بھی تھا اگر استفادہ نہیں کیا تو وہ چیز اسکے رزق میں شامل نہیں ہے۔ البتہ اس شخص کے رزق میں شامل ہوگی جس نے بالفعل استفادہ کیا۔ اکابر اہل سنت کا قول ہے۔ اِنَّ کُلَّ اَحَدٍ یَسْتَوْفِیْ رِزْقَهٗ وَاِنَّهٗ لَا یَأْکُلُ اَحَدٌ رِزْقَ غَیْرِهٖ وَلَا یَأْکُلُ غَیْرُهٗ رِزْقَهٗ۔ ہر شخص اپنے رزق کو پورا کرتا ہے اور دوسرے کے رزق کو نہیں کھاتا اور نہ دوسرا شخص اسکا رزق کھاتا ہے۔ ابن مسعودؓ سے یہ حدیث مرفوع ہے۔ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْ لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَلَا یَحْمِلَنَّ اَحَدَکُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ یَطْلُبَهٗ بِمَعْصِیَةِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَا یُنَالُ مَا عِنْدَهٗ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ۔ رَوع کے معنی قلب کے ہیں۔ ترجمہ یہ ہوا کہ جبرائیلؑ نے میرے قلب پر القا کیا کہ ہر ایک نفس اسکا رزق پورا ہونے اور ختم ہونیکے بعد ہی مرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور رزق کے طلب کرنے میں اچھے اسباب اختیار کرو کوئی شخص رزق کے دیر سے پہنچنے کا یہ جواز نہ اٹھائے کہ اسکو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعہ سے حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ نہیں دیگا کوئی چیز جو اسکے پاس ہے بجز اسکی طاعت کے۔ آیت ۴۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ میں رزقنا کے لغوی معنی اعطینا مراد ہیں۔ ہم نے جو کچھ انکو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں دوسروں پر۔ اس لحاظ سے یہ آیت بالفعل انتفاعِ رزق کے مفہوم کے خلاف نہیں ہے۔

**اقسامِ رزق**۔ رزق ظاہری بدن کیلئے جیساکہ ماکولات و مشروبات وغیرہ رزقِ باطنی قلوب کیلئے جیساکہ علوم اور معارف۔ معتزلہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ رزق سے مراد وہ چیز ہے جس کی ملکیت حاصل ہوئی۔ بالفعل اس سے انتفاع کیا جائے یا نہ کیا جائے اس قول کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ کبھی کوئی شخص اپنے رزق کو پورا نہ کرے اور کبھی وہ دوسرے کے رزق کو کھائے اور کبھی دوسرا اسکے رزق کو کھائے۔ رزق کی اس طرح تعریف کرنے میں فساد بھی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا مالک ہے اور اتفاق اس پر ہے کہ اسکی ملکیت کی اشیاء کو اسکا رزق نہیں کہا جاتا۔ اور پھر چوپایہ، غلام اور باندی کا رزق خارج ہوتا ہے۔ اسلئے کہ امام شافعیؒ اور بعض ائمہ کا قول ہے کہ غلام اور باندیوں میں ملکیت کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور وہ کسی چیز کے مالک ہی نہیں ہو سکتے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ غلام اور باندی مالک ہو سکتے ہیں مگر ان کی ملکیت غیر تام اور ناقص ہے۔

**رزق** دینا ہے اللہ تعالیٰ حلال، مکروہ اور حرام۔ حلال وہ ہے جو نص، اجماع یا قیاسِ جلی سے مباح ہے۔ مکروہ وہ ہے جس سے منع کیا گیا ہے بغیر تاکید کے۔ ابن عمرؓ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کا گوشت کھانے اور اسکا دودھ پینے سے منع کیا تھا چالیس رات چارہ کھلانے سے پہلے **جلالہ** اس مادہ گائے کو کہتے ہیں جو غلاظت کھاتی ہے۔

شرط ہے کہ فرض کفایہ ہو یا مباح ہو۔ ایسے کافر ذمی سے لڑائی جس نے عہد شکنی نہیں کی حرام ہے۔ باغیوں کے ساتھ لڑائی میں فوت ہو تو شہید نہیں ہے مگر باغیوں نے کسی کافر سے مدد لی ہو اور اُس کافر کے ہاتھ سے قتل ہو تو شہید ہے۔ اگر لڑائی کے ختم ہونیکے بعد ایسے زخم سے فوت ہو جو لڑائی میں پہنچا ہو اور زخمی میں حیاتِ مستقرہ باقی رہے تو اظہر قول یہ ہے کہ وہ شہید نہیں ہے۔ اگر لڑائی میں ایسا زخم پہنچے کہ زخمی میں صرف حرکتِ مذبوح باقی رہے اور لڑائی کے بعد فوت ہو جائے تو شہید کے حکم میں داخل ہے۔ کافروں کی لڑائی میں بغیر لڑائی کے سبب کے مرض وغیرہ کے سبب سے فوت ہو تو شہید نہیں ہے۔

**اقسامِ شہداء۔** شہداء کی تین قسمیں ہیں۔ شَہِیۡدُ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃ وہ شہید ہے جس نے اعلاءِ کلمۃ اللہ کیلئے لڑائی کی۔ شَہِیۡدُ الدُّنۡیَا وہ شخص ہے جس نے اعلاءِ کلمۃ اللہ کیلئے نہیں بلکہ مالِ غنیمت وغیرہ کیلئے لڑائی کی۔ اس نوع کے شہید کیلئے اتنا ثواب نہیں ہے جتنا کہ نوعِ اوّل کیلئے ہے اگرچہ اس پر شہید فی الدنیا کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ ان دونو قسم کے شہیدوں کی میتوں کو غسل نہیں دیا جاتا اور انکی میت پر نماز نہیں پڑھی جاتی۔ شَہِیۡدُ الۡاٰخِرَۃ وہ شہید ہے جس کیلئے صرف آخرت میں رُتبہ کی زیادتی ہے اور دنیا میں وہ غیر شہید کے مانند ہے۔ اُسکی میّت کو غسل دیا جائیگا اور اس پر نماز پڑھی جائیگی۔ شہید الآخرۃ کی بہت سی قسمیں ہیں۔ وہ عورت جو وضعِ حمل میں فوت ہو۔ وہ شخص جس کی موت غرقابی کی وجہ سے واقع ہوئی ہو اگرچہ غیر دانشمندی سے سمندر کا سفر کیا اور خطرہ مول لیا جیسا کہ چھوٹی اور ناقص کشتی میں سمندر میں نکل جائے۔ وہ شخص جو کسی عمارت وغیرہ کے گرنے سے دب کر فوت ہو جائے۔ وہ شخص جو جلنے سے فوت ہو جائے۔ وہ شخص جو غربت اور تنہائی میں فوت ہو جائے۔ وہ شخص جو حصولِ علم میں فوت ہو جائے اگرچہ بستر پر اسکی موت واقع ہو۔ وہ شخص جو عشق میں فوت ہو جائے بشرطیکہ عفت قائم رکھے (اور تخلیہ میں بھی) حدودِ شرع سے تجاوز نہ کرے معشوق سے بھی اپنے عشق کو پوشیدہ رکھے۔ اباحتِ شرعی کا امکان ہو مگر حصولِ مقصد دشوار ہو۔

شہید بحوالہ اللہ تعالیٰ جنت کی پسندیدہ نعمتوں ماکولات مشروبات اور ملبوسات وغیرہ سے بہرہ اندوز کرتا ہے۔ آیت لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ میں شہداء معرکہ مراد ہیں اور دیگر دو اقسامِ شہداء اس سے خارج ہیں نسفی نے لکھا ہے کہ دیگر مومنین کی ارواح جنکی نسبت یہ قول ہے کہ جنت میں داخل ہوتی ہیں جنت کی نعمتوں سے استفادہ نہیں کرتیں صرف جنت اور جنت کی نعمتوں کا مشاہدہ کرتی ہیں۔ شہداءِ معرکہ کو حیاتِ کاملہ حاصل ہے انکی ارواح جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اور یہ قول حق ہے اور اس پر اعتقاد واجب ہے لیکن انکی حیات کی کیفیت کیا ہے اور کس طرح جنت سے استفادہ کرتے ہیں اس بارے میں ابراہیم بیجوری نے اپنی شرح جوہرۃ التوحید میں لکھدیا ہے کہ ہم اس سے واقف نہیں۔

## رزق

رزق: اہلِ سنت کے پاس وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہر جاندار کو عطا کرتا ہے اور جس سے وہ بالفعل استفادہ کرتا ہے۔

ہو گئی اور کبھی توکل کو۔ جو شخص کہ تنگدستی پر صبر کرے چیخے چلائے نہیں اور کسی غیر کا دست نگر نہ ہو تو اسکے حق میں توکل کو ترجیح ہے۔ اسلئے کہ توکل میں شہوات اور لذات کے ترک کرنے کیلئے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرتا ہے اور جو شدت اس میں برداشت کرنی پڑتی ہے اس پر صبر کرتا ہے جس شخص میں یہ صفات نہ ہوں اسکے حق میں اکتساب کو ترجیح ہے۔ پریشانی و پراگندگی خاطر کا خطرہ نہیں رہتا جو بے صبری کے نتائج ہیں۔ بلکہ بعض حالات میں اسکے حق میں اکتساب واجب ہے۔ یہ سب کچھ اس صورت میں ہے جبکہ اکتساب اور توکل میں منافات تصور کیجائے جیسا کہ ابوجعفر طبری اور انکے مؤیدین کا طریقہ ہے۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ توکل اور کسب میں منافات نہیں ہے۔ اکتساب کے ساتھ بھی آدمی متوکل ہو سکتا ہے۔ اس طریقہ کے لحاظ سے توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر خلوص نیت کے ساتھ بھروسہ کرے اور اعتقاد رکھے کہ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اگرچہ کہ اسباب ظاہری اور عادتی پر عمل کرے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا

غزالیؒ نے لکھا ہے کہ سفر میں کسی مسلم کی مدد کے خیال سے زادِ سفر رکھنا افضل ہے۔ مضبوط قلب والے تنہا مسافر کیلئے ترکِ زاد افضل ہے اسلئے کہ وہ اللہ کی طرف غفلت کا باعث ہوتا ہے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور سلف صالحین اپنے ساتھ زادِ سفر رکھتے تھے خیر کی نیت انکے شامل حال تھی زاد کی طرف انکے قلوب مائل نہ تھے اور نہ خدا سے غافل تھے۔ اس بارے میں میانہ روی ہی معتبر سمجھی گئی ہے۔ بہت سے حاملِ زاد ایسے ہیں جنکا قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہے اور بہت سے تارکِ زاد ایسے ہیں جنکا قلب زاد کی طرف ہے۔ لق و دق بیابانوں میں توکل کر کے بغیر زاد کے قدم رکھنا بدعت ہے کسی سلف نے ایسا عمل نہیں کیا۔ اسلئے کہ اس میں جان کا خطرہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت ہے۔ وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔ آپ اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں مت ڈالو

## شئ

**شئ** کہتے ہیں موجود کو اشاعرہ کے پاس کسی امر کو، فی نفسہ اسکے تحقق کے اعتبار سے **شئ** کہتے ہیں اور خارج میں اسکے تحقق کے اعتبار سے **موجود** کہتے ہیں۔ شئ اور موجود دونو کے درمیان تساوی کی نسبت ہے۔ ہر امر جس پر شئ کا لفظ صادق آتا ہے اس پر موجود کا لفظ بھی صادق آتا ہے اور اسکے برعکس۔ ہر شئ موجود ہے اور ہر موجود شئ ہے معدوم شئ نہیں ہے ممکن ہو یا ممتنع۔ اسلئے کہ وجود سے پہلے نفس الامر میں کسی امر کو ثبوت نہیں ہے۔ معتزلہ کے پاس معدوم بھی شئ ہے۔ اسلئے کہ انکی رائے میں وجود سے پہلے اشیاء فی نفسہٖ ثابت ہیں۔ البتہ وہ پوشیدہ ہیں جس طرح کپڑے صندوق میں پوشیدہ ہیں۔ اسی لئے معتزلہ کہتے ہیں کہ جاعل کے جعل پر حقایق موقوف نہیں ہیں۔ قدرت ہی کو اسکے ظہور سے تعلق ہے اسلئے کہ ظہور سے پہلے حقائق مستتر تھے۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ جاعل کے جعل پر حقائق موقوف ہیں، قدرت کو اسکے

حرام وہ ہے جس سے روکا گیا ہے۔ تاکیدی طور پر یہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے۔ قزوینی نے کہا ہے کہ زمانہ حال میں اصل شئ کی نسبت سوال کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلئے کہ حلال وہ ہے جس کی اصل معلوم نہیں ہے۔ ظاہر شرع پر عمل کرنا بہتر ہے اس سے کہ اس شئ کی نسبت اس طرح سوال کیا جائے کہ اسکی تحریم ظاہر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس بات کی تکلیف نہیں دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں جو چیز حلال ہے اس کا پتہ لگائیں بلکہ اس بات کی تکلیف دی ہے کہ اعتقاداً اور ظنِ غالب کے لحاظ سے حلال پر عمل کریں۔ معتزلہ چونکہ تحسین و تقبیح عقلی کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ حرام رزق نہیں ہوسکتا۔

**اکتساب اور توکل** کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ امام لقانی کہتے ہیں کہ اس میں تفصیل میں جانا بہتر ہے۔ اختلاف افضلیت کے بارے میں ہے۔ آیا اکتساب کو فضیلت ہے یا توکل کو۔

**اکتساب** کہتے ہیں اختیار کے ساتھ اسباب پر عمل کرنے کو جیسا کہ بیع و شراء کی معاملت فائدہ کیلئے اور مرض کا علاج کرنا صحت کیلئے بعض علماء نے اکتساب کو ترجیح دی ہے اسلئے کہ اکتساب کی وجہ سے انسان ان چیزوں کی طرف نظر نہیں دوڑاتا جو دوسروں کو حاصل ہیں اور دوسروں کا دست نگر نہیں رہتا اور نہ دوسروں کے سامنے اپنی تذلیل کا باعث ہوتا ہے اسکو یہ منصب حاصل ہوتا ہے کہ بندگانِ خدا کی تنگدستی اور افلاس کو رفع کرے اور محتاجین کی مدد کرے اور صلۂ رحمی کے ساتھ پیش آئے۔

**توکل** کہتے ہیں قدرت رکھنے کے باوجود اسباب کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے کو۔ بعض علماء نے توکل کو ترجیح دی ہے اسلئے کہ توکل میں ان باتوں سے نجات ملتی ہے جو شغلِ الٰہی میں خلل ڈالتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ کی دین پر وثوق حاصل ہوتا ہے، مال و اسباب کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے اور محاسبہ کا خوف نہیں رہتا۔ قضاعی نے اس حدیث کا اخراج کیا ہے۔ مَنِ انْقَطَعَ اِلَى اللهِ تَعَالٰى كَفَاهُ اللهُ كُلَّ مَؤُنَةٍ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنِ انْقَطَعَ اِلَى الدُّنْيَا وَكَلَهُ اللهُ اِلَيْهَا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف انقطاع کیا، اللہ تعالیٰ اسکی مؤنت کیلئے کافی ہے اور اتنا رزق دیتا ہے جس کا حساب نہیں اور جس نے دنیا کی طرف انقطاع کیا اسکو اللہ تعالیٰ دنیا کا موکل بنا دیتا ہے اور وہ دنیا کے تابع رہتا ہے۔ سلیمان خواص کہتے ہیں کہ لَوْ اَنَّ رَجُلًا تَوَكَّلَ عَلَى اللهِ بِصِدْقِ النِّيَّةِ لَاحْتَاجَ اِلَيْهِ الْاُمَرَاءُ وَمَنْ دُوْنَهُمْ وَكَيْفَ يَحْتَاجُ هُوَ اِلٰى اَحَدٍ وَمَوْلَاهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۔ اگر کسی شخص نے صدقِ نیت کے ساتھ اللہ پر توکل کیا تو امراء اور دوسرے لوگ اسکے پاس اپنی حاجتیں لاتے ہیں اور وہ خود کسی کا حاجتمند نہیں ہوتا جبکہ اسکا مولیٰ غنی اور حمید ہے۔ بعض کا قول ہے کہ غنیِ شاکر کو فقیرِ صابر پر ترجیح ہے۔ احیاء العلوم میں غزالیؒ اور قشیریؒ اپنے رسالہ میں اس باب میں ذرا تفصیل میں گئے ہیں اور یہی قول راجح ہے۔

**تفصیل** کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور ان حالات کے لحاظ سے کبھی اکتساب کو فضیلت

مُتْ مُسْلِمًا وَمِنَ الذُّنُوْبِ فَلَا تَخَفْ — حَاشَا الْمُهَيْمِنُ اَنْ يَّرٰى تَنْكِيْدًا

اسلام پر مرو اور گناہ سے مت ڈرو — یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ مصیبت میں مبتلا دیکھے

لَوْرَامَ اَنْ يُّصْلِيْكَ نَارَ جَهَنَّمَ — مَاكَانَ اَلْهَمَ قَلْبَكَ التَّوْحِيْدًا

اگر اسکو دوزخ کی آگ میں جھونکنا مقصود ہوتا — تو تمہارے دل میں توحید کا القاء ہی نہ کرتا

خوارج کہتے ہیں کہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور ہر کبیرہ کا ارتکاب کفر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سب کبیرہ ہیں اس ذات کی عظمت کے لحاظ سے جس کی نافرمانی کی گئی لیکن اسکے ارتکاب سے کفر نہ ہوگا سوائے اسکے کہ مکفرات میں سے ہو جیسا کہ بت کو سجدہ کرنا اور قرآنِ مجید کی بیحرمتی کرنا وغیرہ۔ گناہِ کبیرہ کی تعداد محدود نہیں ہے۔ ابن صلاح کہتے ہیں کہ جو گناہ بڑا ہو اس پر کبیرہ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

**کبیرہ** ۔ کبیرہ گناہ کی نشانیاں اور حدود ہیں۔ جس میں حد یعنی سزاء شرعی واجب ہے۔ جس میں عذاب کی وعید صادر ہوئی ہے۔ اس کے مرتکب کو فسق سے متصف کیا جائے۔ یا اس کو لعن کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سارق کو لعن کیا لعن کرنا لعنت کرنے کو کہتے ہیں۔ سب سے بڑا گناہ شرک باللہ ہے۔ پھر نفس کا قتل کرنا ہے بلا وجہ۔ انکے سوائے زنا، لواطت، عقوقِ والدین، سحر، قذف تہمتِ زنا، لڑائی میں پیٹھ پلٹنا اور بھاگنا اور سود خواری وغیرہ ہیں۔ ان کے مفاسد اور احوال کے اختلاف کے لحاظ سے احکام بھی مختلف پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی نسبت کہا جاتا ہے کہ بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ نووی کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کذب اکبر کبائر ہے۔ شیخ ابو محمد جوینی کا قول ہے کہ جس نے عمداً آپ کی نسبت کذب کیا تو اس پر کفر عاید ہوگا اور ملت سے خارج کیا جائیگا اور ایک جماعت نے انکی اتباع کی لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

**صغیرہ** ۔ جو گناہ کبیرہ کے حد اور ضابطہ میں داخل نہیں ہوا اور خارج ہوا وہ صغیرہ ہے۔ ابن حجر کا قول ہے کہ کسی گناہ کے ارتکاب کے وقت اسکے اعادہ کی نیت ہو اور تکرار پر اصرار کیا جائے تو اس پر بھی کبیرہ کا اطلاق ہوتا ہے اگر عود کی نیت کے بغیر اسکا اعادہ کرے تو اصح قول یہ ہے کہ اصرار کی تعریف میں داخل نہ ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ محض تکرارِ گناہ سے کبیرہ کا حکم عائد ہوتا ہے اعادہ کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور کسی گناہ کے ضعیف ٹھیرانے یا اس کی نسبت لاپروائی کرنے اور اس پر خوشی منانے اور فخر کرنے پر بھی یہ حکم عاید ہوتا ہے اور خاص طور پر جبکہ کسی ایسے عالم سے یہ فعل صادر ہو جس کی پیروی کیجاتی ہے۔

## توبہ

کبیرہ گناہ سے ملتبس کی حالت میں فوراً توبہ کرنا واجب ہے۔ توبہ میں تاخیر کرنا دوسرا گناہ ہے اور یہ سب ایک ہی

وجود سے تعلق ہے۔ اسلئے کہ وجود سے پہلے اسکو ثبوت نہیں ہے۔ یہ صورتیں شئی کی اصطلاحی معنی میں پیدا ہوتی ہیں۔ ورنہ لغت میں مطلق امر کو شئی کہتے ہیں موجود ہو یا معدوم۔ موجود جو خارج میں ثابت ہے اسکی ادویت ہوسکتی ہے۔ سوفسطائی اشیاء کے حقایق سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ محض خیالات ہیں۔ ہماری رائے میں اشیاء کے حقایق ثابت ہیں اور اس کا علم متحقق ہے۔ ایک سوفسطائی امام ابو حنیفہؒ سے مناظرہ کیلئے اپنے خچر پر سوار آیا۔ امام نے اپنے بعض شاگردوں سے کہدیا کہ اسکے خچر کو غائب کردیں۔ جب سوفسطائی جانے کیلئے نکلا تو اپنا خچر نہ پایا اور اسکو تلاش کیا۔ امام نے کہا کہ تمھارا یہ دعوٰی تھا کہ تمھارے خچر کی حقیقت نہیں ہے تو پھر کیوں اسکو ڈھونڈتے ہو۔ سوفسطائی کے سمجھ میں بات آئی اور اپنے اعتقاد سے پلٹ گیا اور اسکا خچر اسکو واپس کردیا گیا۔

**وجودِ شئی**۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ موجودات میں سے ہر شئی کا وجود اسکی حقیقت کا عین ہے۔ امام رازی نے کہا ہے کہ شئی کا وجود اسکی حقیقت کا عین نہیں ہے۔ انھوں نے تاویل کی ہے کہ وہ حال ہے ذات کیلئے ثابت ہے جب تک کہ ذات قائم ہے اور یہ حال کسی علت سے معلل نہیں ہے۔ پھر بعضوں نے اشعری کی عبارت کو اسکے ظاہر پر باقی رکھکر وجود کو صفت میں شمار کیا۔ سعد جیسے بعض محققین کی رائے ہے کہ شئی کا وجود خارج میں زاید نہیں ہے جو دیکھا جائے جیسا کہ قدرت اور ارادہ۔ اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ وجود امر اعتباری ہے اور وہ شئی کا ثبوت ہے اور تحقیق یہی ہے۔

**جوہر فرد** حادث ہے اشاعرہ کے پاس، یعنی وجود سے پیشتر وہ عدم میں تھا اور معدوم تھا۔ جتنے اجسام جوہر فرد سے ترکیب پائے ہیں سب حادث ہیں اور عالم اپنے پورے اجزاء کے ساتھ حادث ہے۔ ایسے جزء کو جوہر فرد کہتے ہیں جسکی تجزی نہیں ہوسکتی اور تقسیم کو قبول نہیں کرتا اصل میں نہ قطع کے ذریعہ نہ کسر سے نہ وہم سے اور نہ فرض سے جو واقع کے مطابق ہو۔ فلسفی کہتے ہیں کہ تمام اجسام ہیولی اور صورت سے ترکیب پائے ہیں۔ مٹی سے بنائے ہوئے کوزہ میں مٹی کے مادّہ کو ہیولی اور اس کوزہ کے کوزہ پن کو اسکی صورت کہتے ہیں جو جوہر ہے اور اپنے غیر میں حال ہے جیسا کہ کوزہ پن مٹی میں حال ہے۔ ہمارے پاس کوزہ پن اور کوزہ کی صورت عرض ہے جوہر نہیں ہے۔ فلسفی جوہر فرد سے انکار کرتے ہیں اور اشاعرہ جوہر فرد کو ثابت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالے تفریق اجسام پر اس طرح قادر ہے کہ کوئی جزء دوسرے جزء سے ملا ہوا نہ رہیگا۔ اس لحاظ سے اشاعرہ عالم کو حادث اور فلسفی قدیم باور کرتے ہیں۔

# ذُنُوب (گناہ)

**گناہ** کی دو قسمیں ہیں صغیرہ اور کبیرہ بخلاف دوسروں کے۔ فرقۂ مُرجیہ کہتا ہے کہ سارے گناہ صغیرہ ہیں اور ان کے ارتکاب سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا جبتک کہ اسلام قائم ہے۔

چنانچہ انکا شاعر کہتا ہے:۔

اس بناء فاسد پر انکے اصول مبنی ہیں۔ اعادہ گناہ سے اشاعرہ کے پاس توبہ کا نقض نہیں ہوتا اور گناہ سابقہ عود نہیں کرتا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ توبہ کا نقض ہوگا اور گناہ عود کریگا اسلئے کہ انکے پاس توبہ کی شروط میں سے ہے کہ توبہ کرنیکے بعد گناہ کا اعادہ نہ کرے۔ صوفیہ کے پاس توبہ کرنیکے بعد گناہ کا اعادہ ستر گناہ سے زیادہ قبیح ہے جو توبہ کے بغیر گزرے۔

**تجدید توبہ** بھی واجب ہے جبکہ گناہ کا دوبارہ ارتکاب کیا۔ البتہ معاصی پر بار بار اصرار میں مضرت ہے بخلاف اسکے کہ جب کبھی کسی معصیت میں واقع ہو تو اس سے توبہ کرے۔ آیت ۔ ۲/۱۲ ۔ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے توبہ زیادہ کرنے والوں کو اور یہ وہی لوگ ہیں جو گناہ کرتے ہی توبہ کرتے ہیں۔ حدیث ۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ گناہ نہیں کیا۔

**قبول توبہ** میں علماء کو اختلاف ہے۔ ابوالحسن اشعری نے لکھا ہے کہ توبہ قطعاً قبول ہوتی ہے اور دلیل قطعی سے ثابت ہے آیت ۱۱/۲۵ ۔ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ۔ وہی ہے جو اپنے بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے۔ امام الحرمین اور قاضی کا قول ہے کہ ظن یہ ہے کہ توبہ قبول ہوتی ہے اور دلیل ظنی اس پر دلالت کرتی ہے لیکن یہ دلیل ظنی بھی قطعی کے قریب پہنچتی ہے۔ اسلئے کہ اس آیت سے احتمال پیدا ہوتا ہے کہ إِنَّهٗ يَقْبَلُهَا إِنْ شَاءَ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو قبول کریگا۔ یہ اختلاف صرف غیر کافر یعنی مومن عاصی کی توبہ کی نسبت ہے۔ کافر کی توبہ قطعاً قبول ہے اور اتفاق ہے کہ اس بارے میں دلیل قطعی ہے۔ آیت ۹/۱۹ ۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ کافروں سے کہدو اگر وہ کفر سے باز آئیں تو سارے گزرے ہوئے گناہ بخشے جائیں گے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا نفس اسلام کافر کی توبہ ہے یا اسکے لئے کفر پر ندامت کے احساس کی بھی ضرورت ہے۔ امام الحرمین کی رائے ہے کہ کفر سے توبہ بھی واجب ہے اور دوسروں کی رائے ہے کہ ایمان لانا کافی ہے۔ اسلئے کہ ایمان اسکے سابقہ کفر کو میٹ دیتا ہے۔

# کلیّاتِ ستّ

**کلیّاتِ ستّ**۔ دین، نفس، نسب، عقل، مال و عزت کی حفاظت واجب ہے۔ انکو کلیات اسلئے کہا گیا ہے کہ ان پر بہت سے احکام متفرع ہوتے ہیں۔ یہ امور ایسے اہم بھی ہیں کہ ہر مذہب میں اسکی پابندی کی گئی ہے اور واجب قرار دیا گیا ہے اور کسی نے انکو نظر انداز نہیں کیا۔

**دین**۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کیلئے جو احکام مقرر کئے ہیں اسکو دین کہتے ہیں۔ دین کی حفاظت سے یہ مراد ہے کہ کفر سے اسکی حفاظت کیجائے تاکہ محرمات کی حرمت اور واجبات کا وجوب نہ ٹوٹے۔ حرمت کے توڑنے کی مثال یہ ہے کہ محرمات کو اس طرح برملا عمل میں لایا جائے کہ انکی حرمت کا لحاظ باقی نہ رہے اور واجبات کو یوں ترک کرے گویا وہ واجب ہی نہ تھے۔ دین کی حفاظت کیلئے کفار حربیین اور مرتدین وغیرہم کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا۔

گناہ میں شمار ہوگا البتہ طولِ مدت اور عدمِ طولِ مدت کے اعتبار سے اسکی کیفیت میں تفاوت ہوگا بخلاف معتزلہ کے جنکا قول یہ ہے کہ توبہ میں طوالت کے لحاظ سے گناہ میں بھی تعدد ہوگا۔ توبہ کرنے میں جسقدر تاخیر ہوتی جائیگی گناہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائیگا۔ توبہ کا حکم، صغیرہ اور کبیرہ دونو قسم کے گناہ سے متعلق ہے مگر اہمیت کے اعتبار سے کبیرہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور اس پر صغیرہ کی نسبت قیاس کیا جائیگا۔ نووی کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ جمیع معاصی سے، علی الفور، توبہ کرنا واجب ہے، تاخیر جایز نہیں ہے، گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

**توبہ**۔ کے معنی لغت میں مطلق رجوع کرنے کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں تین ارکان کے مجموعہ کا نام توبہ ہے۔ گناہ کو ترک کرے قطعی طور پر۔ متردد کا توبہ صحیح نہیں ہے جب تک کہ تردد کو دور کرے۔ سابقہ گناہ پر خالصتہً لوجہ اللہ ندامت کا اظہار کرے۔ ندامت کے احساس کے بغیر توبہ صحیح نہیں ہے ندامت اللہ کے لئے ہو، کسی اور کے لئے یا کسی مصیبت کی وجہ سے ندامت کا احساس کرے تو توبہ صحیح نہیں ہے۔ آیندہ ایسا عمل نہ کرنے کی نسبت مستقل ارادہ کرے۔ اس شخص کی توبہ صحیح نہ ہوگی جس نے ایسا عزم نہیں کیا۔ اجہوری نے امیر کے حوالہ سے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ شیخ ابنِ عربیؒ نے اس شرط کی نسبت لکھا ہے کہ ندامت کا احساس کافی ہے، آیندہ ایسا عمل نہ کرنے کی نسبت عزم کی شرط نہیں ہے بلکہ آیندہ کی نسبت تفویض اولی ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام کے واقعہ میں گذرا۔ یہ تو اس صورت میں ہے جبکہ گناہ حق اللہ کے بارے میں سرزد ہو۔ اگر گناہ کا تعلق کسی آدمی کے حق سے ہو تو ایک چوتھی شرط بھی ہے وہ یہ کہ اُس آدمی کے ظلم کو رفع کردے یا تفصیل سے اس آدمی سے براءت واصل کرے۔ بہ شافعیہ کے پاس ہے۔ مالکیہ میں اجمالی طور پر براءت حاصل کرنا کافی ہے۔ اس میں یہ گنجایش بھی ہے کہ اگر اتنی ذمہ داریوں میں مستغرق ہو کر اس سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہ ہو تو خلوصِ نیت سے کثرت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع اور دعا کرے، تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسکے خصم کو راضی کرے۔ توبہ کی شرایط میں سے یہ بھی ہے کہ توبہ نزع کی حالت میں غرغرہ سے پہلے اور قیامت کی نشانی سورج کے مغرب سے طلوع کرنے سے پیشتر کیجائے۔ ایک دن ایسا آئیگا کہ سورج مغرب تک جائیگا اور پھر لوٹیگا۔ اس نشانی کے ظاہر ہونیکے بعد توبہ قبول نہ ہوگی۔ اشاعرہ کے پاس، غرغرہ کی حالت میں، عدم صحتِ توبہ کے تعلق سے، کافر اور مومن عاصی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے بخلاف ماتریدیہ کے۔ ماتریدیہ کے پاس غرغرہ کی حالت میں، کافر کی توبہ صحیح نہیں ہے اور مومن کی توبہ صحیح ہے اور بعض کا قول بالکل اسکے برعکس ہے۔ ہر حال میں یہ بعید ہے۔ عین توبہ کے وجوب میں کوئی خلاف نہیں ہے۔ البتہ دلیلِ وجوب میں خلاف ہے۔ ہمارے پاس دلیلِ سمعی ہے۔ آیت جو ارشاد وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ اے ایمان والو سب کے سب اللہ کی طرف رجوع کرو اور توبہ کرو۔ معتزلہ کے پاس دلیلِ عقلی ہے۔ اسلئے کہ عقل اسکی خوبی کا ادراک کرتی ہے اور جس چیز کی خوبی کا عقل ادراک کرے وہ واجب ہے

نص نہ وارد ہوئی ہو یا یہ کہ امام سابق نے اپنے جانشین کا تعین نہ کیا ہو نص من اللہ کی مثال یہ ہے۔ آیت ۲۳ آخر
اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ۔ ہم نے تمکو روئے زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ امام سابق کی استخلاف ابوبکر صدیق رض
کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ آپ نے اپنے بعد عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی نسبت وصیت کی تھی۔ اہل سنت اور اکثر
معتزلہ کے پاس نصب امام کیلئے زمانۂ فتنہ یا زمانۂ امن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بعض کا قول ہے کہ تسکین فتنہ کیلئے
نصب امام کا وجوب ہے، بعض کہتے ہیں کہ زمانۂ امن میں واجب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عقلاً واجب ہی نہیں ہے۔

نصب امام کا مسئلہ قواعد دین کا رکن نہیں ہے جس کے انکار سے کفر لازم آئے۔

**شرائط** امامت پانچ ہیں۔ اسلام اسلئے کہ کافر سے مصلحت مسلمین کی رعایت و حفاظت نہیں ہوسکتی۔ بلوغ و عقل اسلئے کہ
کمسن یا مجنون اپنے نفس کی حفاظت نہیں کرسکتا، حفاظت عامۃ الناس کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ حریت اسلئے کہ غلام اپنے
مالک کی خدمت میں مصروف رہتا ہے۔ عدم فسق اسلئے کہ فاسق کے امر و نہی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ غزالی نے
ذکورت کا بھی اضافہ کیا ہے۔ عورت لائق امامت نہیں ہے۔ غزالی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ان صفات کے ساتھ ایک سے
زیادہ اشخاص امامت کے لائق ہوں تو اکثر خلق کی بیعت سے امامت منعقد ہوگی۔ اکثریت کے ساتھ جس نے اختلاف
کیا وہ باغی ہوگا اور اسکو حق کی طرف انقیاد کیلئے مجبور کیا جائیگا۔ یہ شرائط ابتدائے انعقاد اور حالت اختیار میں ملحوظ
رہیں گے۔ ان شرایط کی مداومت کا لزوم نہیں ہے۔ اگر کسی نے بجبر غلبہ حاصل کرلیا تو اسکی امامت منعقد ہوگئی اور
اسکی اطاعت واجب ہوگئی۔

شرعاً نصب امام واجب ہے اہل سنت کے پاس۔ بخلاف معتزلہ کے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ عقلاً واجب ہے۔ اس لئے کہ
انکے پاس تحسین اور تقبیح عقلی امور تھے۔ دلیل شرعی یہ ہے کہ شارع نے حدود شرع کے قائم رکھنے اور سرحدوں کی حفاظت کرنے
اور فوج کی تنظیم کیلئے حکم دیا ہے اور یہ امور بغیر امام کے پورے نہیں ہوسکتے۔

نصب امام کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد صحابۂ کرام آپ کی
تجہیز و تکفین کو ملتوی کرکے آپ کے جانشین کے انتخاب کی نسبت غور و خوض میں مصروف رہے۔ پیر کے روز زوال کے وقت
آپ کی وفات ہوئی۔ پیر کا دن ختم ہوا منگل کی رات گزری اور منگل کا دن گزرا اور چہارشنبہ کی رات کے آخر حصہ میں
آپ کے دفن سے فارغ ہوئے۔ ابوبکر صدیق نے فرمایا، یہ امر بہاہت ضروری ہے، اللہ تعالے تم پر رحم کرے، غور کرو اور اپنی
رائیں پیش کرو۔ مسجد کی ہر سمت سے آواز آئی آپ سچ کہتے ہیں آپ سچ کہتے ہیں کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہمکو امام کی حاجت نہیں۔
مہاجرین خلافت کے بارے میں مشورہ کرنے لگے اور ابوبکر صدیق رض سے کہا چلئے، ہم اپنے انصار بھائیوں کو بھی اپنے مشورہ میں
شریک کریں۔ انصار نے کہا۔ مِنَّا اَمِيْرٌ وَمِنْكُمْ اَمِيْرٌ ہمارے میں سے ایک امیر اور تمھارے میں سے ایک امیر۔ عمر فاروق رض
کہنے لگے کس کو یہ فضائل حاصل ہیں جو ابوبکر رض کے حق میں ثابت ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ آیت ۳-۱۰ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا

**نفس** جان کو کہتے ہیں اور یہاں انسانی جان مراد ہے۔ کمسن اور مجنون بھی اس میں داخل ہیں۔ چوپائے اس سے خارج ہیں۔ جان کی حفاظت کیلئے قصاص اور طرف کا حکم دیا گیا ہے۔ طرف کے معنی عضو کے ہیں یعنی عضو کے لئے عضو۔

**نسب** ۔ باپ اور اولاد کے درمیان کے رشتہ کو نسب کہتے ہیں۔ نسب کی حفاظت کیلئے زنا کی حد یعنی سزا مقرر کی گئی ہے

**عقل** کی حفاظت بھی واجب ہے اور عقل کی حفاظت کیلئے شراب پینے کی حد مقرر کی گئی ہے اور جس نے بحالت نشہ کسی جنایت یعنی جرم کا ارتکاب کیا اسکے لئے دیت یعنی تاوان کی سزا مقرر کی گئی ہے۔

**مال** ۔ بروئے شرع جس کسی چیز کی ملکیت ہوسکتی ہے خواہ قلیل کیوں نہ ہو مال ہے۔ مال کی حفاظت کیلئے سرقہ اور رہزنی کی حد مقرر کی گئی ہے۔

**عزت** ۔ عرض کا ترجمہ عزت کیا گیا ہے۔ عرض کے مفہوم میں مدح و ذم دونو داخل ہیں مگر اردو زبان میں عزت کے مفہوم میں فقط مدح داخل ہے اور یہاں مراد بھی یہی ہے۔ عزت کی حفاظت کیلئے تعزیری سزا مقرر کی گئی ہے بعضوں نے عرض کو نسب میں داخل کرکے کلیات کی تعداد پانچ قرار دیکر کلیاتِ خمس کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مگر امام لقانی نے اسکو علیحدہ قسم قرار دیا ہے اسلیئے کہ عرض اور عزت میں نسب کے امور کے علاوہ دیگر امور اہم بھی داخل ہوتے ہیں۔ جس ترتیب سے کہ ان امور کا وجوب ہے اسی ترتیب سے یہاں بیان کئے گئے ہیں۔ حفاظت کیلئے سب سے پہلا رتبہ دین کا ہے اسکے بعد نفس کا اور پھر نسب کا اور پھر عقل اور پھر مال اور پھر عزت کا رتبہ اور اسی ترتیب سے حفاظت میں مسابقت کیجائیگی۔ امام لقانی کا ایک مستقل فقرہ یہ بھی ہے کہ جس نے دین کے ضروری اور بدیہی امور جیسا کہ نماز روزہ سے انکار کیا اسکو اس کے کفر کی بنا پر قتل کیا جائیگا نہ کہ حد یا سزا کے طور پر۔ اسکے علاوہ ان احکام کی خلاف ورزی کو بھی کفر قرار دیا ہے جس پر قطعی طور پر اجماع ہے۔ شیخ بیجوری نے بصراحت کی ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔ مجمع علیہ کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا سوائے اسکے کہ دین کے معلوم اور ضروری امور سے انکار کرے یا یہ کہ مجمع علیہ محرم کی اباحت کا اعتقاد کرے بعینہٖ تحریم ہو جیسا کہ زنا اور شرب خمر یا کسی عارض کی وجہ سے جیسا کہ صومِ یومِ عید بخلاف **ماتریدیہ** کے۔ ماتریدیہ اس میں امتیاز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جہاں تحریم عینی ہے تو وہ کفر ہے ورنہ نہیں۔ مجمع علیہ محرم جو دین کی ضروریات میں سے ہے وہ امورِ دین کے شعبہ میں داخل ہے مگر مزید وضاحت کیلئے اسکی تکرار کی گئی۔

# امامت

**امام** عدل کا قائم کرنا شرعاً واجب ہے امت پر جبکہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کی طرف سے کسی معین شخص کی نسبت

ثواب حاصل ہوگا۔ مثلاً اگر امیر مباح کو خوشی کی امتناع کرے تو اسکی تعمیل واجب ہے۔ اگر امام ایسے امر کیلئے حکم دے جس سے کفر عاید ہوتا ہو تو علانیہ اسکی بیعت سے دست بردار ہو جائے۔ اگر علانیہ دست برداری کی طاقت نہ ہو تو اپنے دل میں بیزاری کا احساس کرے سارے عاصی ہیں سے کفر کے سوا، امام کا خلع و عزل جائز نہیں ہے نہ علانیہ اور نہ باطن میں۔ ایک مرتبہ تکمیل شرائط کے ساتھ جب امام کا انتخاب ہوا اور وہ منصب امامت پر فائز ہو چکا تو دوران امامت میں اگر سابقہ کوئی صفت زایل ہو جائے تو اسکو معزول نہ کیا جائیگا بخلاف ایک جماعت کے جو ایسی صورت میں عزل امام کی قایل ہے۔

# امر بالمعروف

واجب پر عمل کرنے اور حرام سے احتراز کرنے کیلئے حکم دینا واجب کفایہ ہے اور اسی طرح مندوب پر عمل کرنے اور مکروہ سے احتراز کرنے کیلئے حکم دینا مندوب ہے **معروف** وہ ہے جس کی شرع نے تحسین کی ہے اور وہ واجب اور مندوب ہے۔ **منکر** وہ ہے جس سے شرع نے انکار کیا ہے اور وہ حرام اور مکروہ ہے۔

**واجب کفایہ** کے یہ معنی ہیں کہ جب کسی ایک نے اس پر عمل کیا تو دوسروں سے اسکی ذمہ داری ساقط ہوئی اجماع اس پر ہے کہ اسکا وجوب فوری ہے۔ یہ بھی تخصیص نہیں ہے کہ جو شخص امر و نہی کا حکم دے وہ خود اس فعل کا ارتکاب نہ کرے بلکہ جس نے دوسرے کو ارتکاب کرتے دیکھا گو خود بھی اس فعل کا ارتکاب کر رہا ہو تو اس پر واجب ہے کہ دوسرے کو منع کرے اسی لئے امام الحرمین نے کہا ہے کہ ساقی جو شراب کے پیالہ کا دور کر رہا ہو اس پر واجب ہے کہ اہل مجلس کو شراب پینے سے منع کرے۔ غزالیؒ نے کہا ہے کہ جس نے زنا کیا کسی عورت کے ساتھ اس پر بھی واجب ہے کہ عورت کو اپنا چہرہ ڈھانپنے کیلئے حکم دے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب پر کتاب اور سنت کی نص ہے اور اس پر اجماع ہے

**کتاب**۔ آیت ۱۰۴/۳۔ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو خیر کی طرف بلائے، معروف پر عمل کرنے کیلئے حکم دے اور منکر سے منع کرے۔ آیت ۱۱۰/۳۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ تم ایک بہترین امت ہو، انسانوں (کی بہی خواہی) کیلئے تم کو ظاہر کیا گیا تاکہ لوگوں کو بھلائی کی ہدایت دو اور برائی سے روکو۔

**سنت**۔ ابو سعید خدریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا۔ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ۔ تم میں سے جس کسی نے منکر کا ارتکاب کرتے دیکھا تو اسکو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ یعنی اپنی قوت سے اسکو بدل دے یعنی روک دے اور اگر یہ طاقت نہ ہو تو اپنی زبان کے ذریعہ منع کرے، اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے دل میں اس فعل سے بیزاری ظاہر کرے۔ یہ آخری صورت آمر و ناہی کے ضعف ایمان پر دلالت کرتی ہے۔ ورنہ بہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ بندہ کو اسکی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ انکار کے

فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ۔ "وہاں سے تھے غار میں کہنے لگا ساتھی سے غم نہ کھاؤ۔ اس آیت سے ابوبکر صدیقؓ کی صحبت ثابت ہے اور نبی کی معیت کی طرح آپ کی معیت ثابت ہے۔ آیت ۴۰ پ ۱۰۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ عمر فاروقؓ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ابوبکرؓ کی بیعت کی۔ اور اسکے ساتھ ہی سبھوں نے آپ کی بیعت کی۔ یہیں اسکے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز شروع ہوئی۔

چونکہ یہاں ذکر آگیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل، تکفین، نماز اور تدفین کے واقعات اختصار کے ساتھ قلمبند کئے جاتے ہیں۔ صحابہؓ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کو آپ کے موجودہ لباس میں غسل دیا جائے یا لباس نکالا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب پر نیند کو طاری کیا اور گھر کی ایک سمت سے آواز سنائی دی لَا تَغْسِلُوْهُ فَاِنَّهٗ طَاهِرٌ۔ آپ طاہر ہیں آپ کو نہلاؤ نہیں۔ عباسؓ نے کہا، لَا نَتْرُكُ سُنَّةً لِصَوْتٍ لَا تَدْرِيْ مَا هُوَ۔ ہم سنت کو ترک نہ کریں گے ایسی آواز پر جس کو ہم نہیں جانتے کہ کس کی ہے۔ پھر سب پر غنودگی طاری ہوئی اور آواز آئی غَسِّلُوْهُ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهٗ فَاِنَّ ذٰلِكَ اِبْلِيْسُ وَاَنَا الْخِضْرُ۔ آپ کو آپ کے لباس کے ساتھ غسل دو۔ وہ آواز ابلیس کی تھی اور میں خضر بول رہا ہوں۔ علیؓ نے آپ کو غسل دیا، جبکہ آپ کے بدنِ اطہر پر قمیص تھا۔ علیؓ کو عباس اور آپ کے فرزند فضل مدد دے رہے تھے۔ قثمؓ، اسامہ اور شقران موالئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم يَصُبُّوْنَ الْمَاءَ وَاَعْيُنُهُمْ مَعْصُوْبَةٌ[1] پانی ڈال رہے تھے اور انکی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ تین سوتی سفید کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا، قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔ سبھوں نے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی، ایک جماعت آتی اور ایک جماعت جاتی تھی۔ کس مقام پر آپ کو دفن کیا جائے، اختلاف پیدا ہوا تو ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، میں نے رسولؐ کو یہ کہتے سنا ہے کہ لَا يُدْفَنُ نَبِيٌّ اِلَّا حَيْثُ قُبِضَ۔ نبی کو اسی مقام پر دفن کیا جاتا ہے جہاں پر کہ روح قبض کی گئی۔ عائشہؓ کے گھر میں آپ کو دفن کیا گیا۔ یہ شتونی کے حاشیہ سے تفصیل درج کی گئی ہے

## اطاعتِ امام

اطاعتِ امام۔ امام کے مامور ہونیکے بعد حسبِ شریعت جو احکام امام صادر کرے اسکی تعمیل رعایا پر ظاہراً اور باطناً واجب ہے۔ آیت ۵۹ آخر۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تمھارے میں جو اولوالامر ہے اسکی۔ یہاں اولوالامر سے مراد علماء اور امراء ہیں۔ حدیث مَنْ اَطَاعَ اَمِيْرِيْ فَقَدْ اَطَاعَنِيْ وَمَنْ عَصٰى اَمِيْرِيْ فَقَدْ عَصَانِيْ۔ جس نے میرے امیر کی اطاعت کی میری اطاعت کی، جس نے میرے امیر کی عدول حکمی کی میری عدول حکمی کی۔ حرام اور مکروہ میں امیر کی اطاعت نہیں کیجائیگی امرِ مباح میں بھی عامۃ المسلمین کی مصلحت ہو تو امام کی اطاعت واجب ہے ورنہ نہیں۔ واجب، مسنون، حرام اور مکروہ اپنی جگہ قائم رہیں گے۔ اسلئے کہ انکا تعلق اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی طاعت سے ہے۔ امام کا تعلق صرف مباح سے ہے۔ مباح کے کرنے یا نہ کرنے میں نہ ثواب ہے اور نہ گناہ ہے۔ لیکن جب امام نے فعلِ مباح کے کرنے یا نہ کرنے کیلئے حکم دیا تو اسکی تعمیل رعایا پر واجب اور مخالفت حرام ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ جو چیز مباح تھی واجب ہوگئی اور اس پر عمل کرنے میں واجب کا

[1] فتوحاتِ مکیہ جلد سوم

اِلَّا الْبَلَاغُ۔ رسول کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔ آیت ۲۷/۲ ۹۔ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ۔ سمجھاتے رہو، سمجھانا ایمان والوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اسی بنا پر نووی نے لکھا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم مکلف سے ساقط نہیں ہوتا اس بنا پر کہ وہ گمان کرتا ہے کہ اس سے فائدہ نہ پہنچے گا۔

# تصوف

امام لقانی نے جوہرۃ التوحید کے آخر میں بطور تکملۂ فن تصوف کے بعض مسائل

تحریر کئے ہیں اور شیخ بیجوری نے ان کی تشریح کی ہے۔ اسے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

**تصوّف** ایسے اصول کا علم ہے جس کے ذریعہ قلب اور حواس کی اصلاح کیجاتی ہے۔ اور اس سے غرض بندہ کے احوال کی درستگی ہے۔ اعتقاد کی صفائی سے اعمال میں کمال کی خوبی پیدا ہوتی ہے۔ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے قلب کی تجرید اور ماسوا اللہ کے احتقار کو تصوف کہتے ہیں۔ احتقار ماسوا اللہ سے مراد یہ ہے کہ ماسوا اللہ میں سے کوئی چیز نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان اور ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتی ہے۔ احتقار سے یہ مراد نہیں ہے کہ کسی چیز کی بنفسہٖ تحقیر اور تذلیل کیجائے۔ حق یہ ہے کہ تمامی شرعی علوم کا ثمرہ تصوف ہے۔ تصوف کے کوئی مخصوص اور مدوّن قواعد نہیں ہیں۔ چونکہ اہلِ تصوف زیادہ تر صوف کا لباس پیوند در پیوند پہنتے تھے اسلئے اس فن کو تصوف کے نام سے نامزد کیا گیا۔ شیخ شعرانی نے اس میں یہ حکمت بیان کی ہے کہ انکو حلال کے ذریعہ سے کوئی کامل لباس نہ ملتا تھا اسلئے وہ پارچہ کے قطعات کو پیوند در پیوند مرقع کی شکل میں سی کر پہنتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ اہلِ صفہ کے ساتھ تشبیہ کے لحاظ سے صوفی کہا گیا اور بعض نے کہا ہے کہ صفائی قلب کے لحاظ سے۔ سہل بن عبداللہ نے صوفی کی یہ تعریف کی ہے مَنْ صَفَا مِنَ الْكَدَرِ وَامْتَلَأَ مِنَ الْعِبَرِ وَانْقَطَعَ إِلَى اللّٰهِ عَنِ الْبَشَرِ وَتَسَاوَىٰ عِنْدَهُ الذَّهَبُ وَالْمَدَرُ صوفی وہ ہے جو کدورت کے میل سے صاف ہو، عبرتوں کے ذخیروں سے معمور ہو اور مخلوق سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہو۔ اس کی نظر میں سونا اور ٹھیکری برابر ہوں۔ شیخ ابن الحاجؒ نے اپنی کتاب مدخل میں کیا اچھے اشعار اس مضمون میں لکھے ہیں۔

| وَلَا بُكَاؤُكَ إِنْ غَنَّى الْمُغَنُّونَا | لَيْسَ التَّصَوُّفُ لُبْسَ الصُّوفِ تَرْقَعُهُ |
| --- | --- |
| اور مغنیوں کے گانے پر رونا تصوف نہیں ہے | صوف کے ٹکڑے لگا کر پہننا تصوف نہیں ہے |

تین مراتب ہیں۔ سب سے قوی مرتبہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھ اور قوت سے منکر کو بدل دے اور اسکے قریب مرتبہ پہنچتا ہے اس شخص کا جو زبان سے روکے اور سب سے کمزور مرتبہ ہے اُس شخص کا جو اپنے دل میں بیزاری اور تنفر کا احساس کرے

**اجماع۔** صدرِ اوّل میں اور اسکے بعد بزرگانِ دینِ متین اس بارے میں اپنے خطبوں اور تقریروں میں وصیت کرتے تھے اور باوجود اقتدار کے اگر کسی نے اس منصب کو ترک کیا تو اسکی سرزنش کرتے تھے۔

**اثر** امر و نہی کیا ہوا، اس بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آیت پ ۵۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ۔ اے ایمان والو! تم اپنے نفوس کے آپ ذمہ دار ہو اگر کسی نے تمھاری ہدایت کی پروا نہ کرکے گمراہی کی تو تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اِنَّ مِنْ اَکْبَرِ الذُّنُوْبِ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ یُّقَالَ لِلْعَبْدِ اِتَّقِ اللّٰهَ فَیَقُوْلُ عَلَیْكَ بِنَفْسِكَ۔ اللہ تعالیٰ کے پاس یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ کسی شخص سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو اور وہ کہے "تمھیں کیا" تم اپنی خیر مناؤ۔ حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ قِیْلَ لَهٗ اتَّقِ اللّٰهَ فَغَضِبَ وَقَفَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَلَمْ یَبْقَ مَلَكٌ اِلَّا مَرَّ بِهٖ وَقَالَ لَهٗ اَنْتَ الَّذِیْ قِیْلَ لَكَ اِتَّقِ اللّٰهَ فَغَضِبْتَ جس شخص سے کہا جائے "اللہ سے ڈرو" اور وہ غصہ کرے، تو ایسا شخص، قیامت کے دن موقف میں کھڑا ہوگا، ہر ایک فرشتہ اس پر سے گزریگا اور کہیگا، "تو وہی ہے جسکو خدا سے ڈرنے کیلئے کہا گیا اور تو نے غصہ کیا۔ یعنی اس طرح فرشتے اسکی سرزنش کرینگے۔

**شروط** امر و نہی پہلی شرط یہ ہے کہ وہی شخص ایسا حکم دینے کا مجاز ہوگا جو اُس امر و نہی سے واقف ہو جس کا حکم دیرہا ہو۔ ناواقف اور جاہل شخص اسکا مجاز نہیں ہے۔ بات ایسی ہو جس کو عام اور خاص سب جانتے ہوں تو اسکے بارے میں امر و نہی کا حکم عالم اور غیر عالم دونو دیسکتے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ امر و نہی کی وجہ سے یہ خطرہ نہ ہو کہ اس سے بڑھکر فعلِ منکر کا ارتکاب کرے۔ جیسا کہ شراب خواری سے منع کیا جائے اور وہ قتل کے ارتکاب پر آمادہ ہو جائے۔ پہلی اور دوسری شرط کی عدمِ موجودگی میں امر و نہی کا حکم دینا ہی حرام ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ظنِ غالب ہو کہ امر بالمعروف کی تعمیل کریگا اور منکر سے باز آئیگا۔ اس شرط کے نہ پائے جانے پر وجوب ساقط ہوگا اور جواز باقی رہیگا جبکہ افادہ کی قطعی توقع نہ ہو اور مندوب ہوگا جبکہ افادہ میں شک ہو۔ یہ قرافی وغیرہ کا قول ہے۔ سعد اور آمدی کہتے ہیں کہ عدمِ افادہ کی نسبت ظن اور شک ہو تو امر و نہی واجب ہے بخلاف اسکے کہ عدمِ افادہ کی نسبت یقین ہو۔ سعد کا قول ہے کہ عدمِ افادہ کا یقین ہو تو بھی باوجود امر و نہی کی ہدایت کرنا فعلِ عبث ہے اور باعثِ تضییعِ وقت۔ آمدی نے وجوب کیلئے یہ شرط بھی قائم کی ہے کہ اجابت سے مایوس نہ ہو یعنی اگر اجابت سے مایوس ہو تو وجوب ساقط ہو جائیگا مسافحتہ لہ کے اور دوسرے علماء کا قول ہے کہ یہ شرط ہی نہیں ہوسکتی۔ اسلئے کہ ہدایت کرنے والے اور منع کرنے والے پر امر و نہی کی ذمہ داری ہے اُسکو قبول اور عدمِ قبول سے تعلق نہیں ہے۔ آیت پ ماقبل آخر۔ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ

اس کے ساتھ بغض رکھنا واجب ہے۔

**سوءِ گمان** جس کے بارے میں ایسی بات کہی گئی اسکی نسبت بدگمان نہ ہونے پائے۔ آیت ۲۶/۱۲ اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ احتراز کرو بدگمانی سے بعض بدگمانی گناہ کے درجہ کو پہنچاتی ہے۔

**تجسس** سنی ہوئی بات کی تحقیق کیلئے تجسس نہ کرے۔ آیت ۲۶/۱۲ وَلَا تَجَسَّسُوْا بھید نہ ٹٹولو کسی کا۔

**نقل** سنی ہوئی بات کو دوسرے کے سامنے بیان نہ کرے کہ فلاں نے یہ بات مجھ سے کہی تھی ایسا کہنے پر سامع بھی نمام کی تعریف میں داخل ہوگا

**حکم** نمیمت حرام ہے اور کبیرہ میں داخل ہے اس پر اجماع ہے اور جملہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے۔ حدیث صحیحین لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ و فی روایۃ مسلم قَتَّاتٌ۔ نمام جنت میں داخل نہ ہوگا۔ قتات کے معنی بھی نمام کے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ تمام جنت میں داخل نہ ہوگا سابقین کے ساتھ سوائے اسکے کہ اسکی بخشش ہو جائے۔ یہ سب اس صورت میں جبکہ بیانِ واقعہ کی حاجت اور ضرورت نہ ہو ورنہ جائز ہے اسلئے کہ یہ نصیحت کی ہو جائے گی۔ اسکی مثال یہ ہے کہ کسی نے خبر دی کہ فلاں شخص تمہارا مال غصب کرنا چاہتا ہے یا تمہارے اہل و عیال پر حملہ کرنا چاہتا ہے وغیرہ تاکہ ہوشیار کر دے۔ چونکہ یہ بات فساد کے دفع کرنے کیلئے کہی گئی اسلئے حرام نہیں ہے۔ بلکہ بعض صورت میں واجب بھی ہے جبکہ نہ دینے پر واقعہ کا وقوع یقینی ہو۔ اگر وقوعِ واقعہ میں شک ہو تو خبر دینا مستحب ہے۔ نووی نے یہ تفصیل بیان کی ہے۔

**غیبت** سے احتراز کرنا بھی واجب عینی ہے۔ ایک شخص نے دوسرے سے ایسی بات کہی جو اسکو ناگوار ہو اگرچہ وہ اس میں مبتلا ہو اور اسکے حضور میں بیان کی جائے۔ غیبت کے لفظ کے ظاہری معنی سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جو بات حضوری میں کہی جائے غیبت نہیں ہے بلکہ **بہتان** ہے اور اگر ایسی بات کہے جس میں وہ شخص مبتلا نہیں ہے تو کذب، کا گناہ اس پر زیادہ ہوگا۔ بعض عامۃ الناس جو کہتے ہیں کہ یہ غیبت نہیں ہے بلکہ اظہارِ واقعہ ہے گمراہی ہے اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ غیبت کیلئے یہ تخصیص نہیں ہے کہ زبان سے کہی جائے بلکہ ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ بات غیبت میں داخل ہے جس سے غیر کے سمجھ میں آئے کہ مسلم کا نقصان مقصود ہے، الفاظ کے ذریعہ یا کتابت کے ذریعہ یا آنکھ، ہاتھ یا سر وغیرہ سے اشارہ کے ذریعہ خواہ اس بات کا تعلق اسکے بدن، دین، دنیا، بیٹے یا باپ یا زوجہ یا خادم یا بشرہ یا رنگ یا سواری، عمامہ یا لباس وغیرہ سے ہو۔ بعض اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ "فلاں نے ایسا کہا ہے، غلط ہے" یہ بھی حرام ہے سوائے اسکے کہ ایسا لکھنے سے مقصود یہ ہو کہ کسی کی حماقت کیجانب تاکہ دوسرا اس کی تقلید نہ کرے یہ غیبت نہ ہوگی بلکہ **نصیحت** ہوگی۔ اگر کوئی یہ لکھے کہ کسی مصنف نے یہ لکھا ہے اور کسی قوم یا جماعت کا یہ قول ہے اور وہ غلط ہے تو یہ غیبت نہیں ہے۔ اسلئے کہ شخص یا جماعت کا تعین کر کے کہنے کو غیبت کہتے ہیں۔ اگر ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جس سے مخاطب کے ذہن میں اس شخص کا تعین ہو جائے تو غیبت ہے اور حرام ہے۔ اسکا نتیجہ یہ کہ شخص

وَلَا صِيَاحٌ وَّلَا رَقصٌ وَّلَا طَرَبٌ — وَلَا انْخِبَاطٌ كَأَنْ قَدْ صِرْتَ مَجْنُوْنَا

نہ چیخنا ہے نہ ناچنا ہے اور نہ خوشی کے مارے بے قابو ہونا ہے — اور نہ اس طرح منڈلانا ہے گویا کہ دیوانہ ہو گیا

بَلِ التَّصَوُّفُ اَنْ تَصْفُوْ بِلَا كَدَرٍ — تَتْبَعِ الْحَقَّ وَالْقُرْآنَ وَالدِّيْنَا

بلکہ تصوف یہ ہے کہ صفائی حاصل کرے اور کدورت دور کرے — حق، قرآن اور دین کی پیروی کرے

وَاَنْ تَرٰى خَاشِعًا لِلّٰهِ مُكْتَئِبًا — عَلٰى ذُنُوْبِكَ طُوْلَ الدَّهْرِ مَحْزُوْنَا

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے خضوع کے ساتھ — اپنے گناہ پر عمر بھر محزون رہے

**تخلیہ اور تحلیہ۔** تصوف کے اصول کی تقسیم دو نوع میں ہو سکتی ہے، تخلیہ اور تحلیہ۔ تخلیہ کہتے ہیں ذمیمہ صفات سے خالی ہونے اور تحلیہ کہتے ہیں فضائل سے سنورنے کو۔ تخلیہ میں ذمیمہ صفات کو زائل کرنا اور تحلیہ میں فضائل کو حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تخلیہ کو آرائش اور تحلیہ کو زیبائش کہہ سکتے ہیں۔ صفاتِ ذمیمہ پر عمل کرنا حرام اور ان سے احتراز کرنا واجب ہے۔ اسکے مقابل میں فضائل کے حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے فضیلت کے مدارج میں ترقی ہوتی ہے تحفۃ المرید سے اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

# ذمائم

نمامت، غیبت، عُجب، حسد، مراء و جدل

## نمیمہ

**نمیمہ** چغلخوری سے احتراز کرنا واجب عینی ہے۔ نمیمہ کہتے ہیں ایک کی بات دوسرے تک اس طرح پہنچانے کو کہ دونو کے درمیان فساد پیدا کرے جیسا کہ زید عمرو سے کہے کہ بکر تمھاری نسبت یہ کہہ رہا تھا۔ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ نمیمہ کی حقیقت یہی نہیں ہے بلکہ یہ بات بھی نمیمہ میں داخل ہے جس کا انکشاف کردہ یا ناپسند یدہ ہو۔ انکشاف کا زبان سے ہونا ضروری نہیں ہے، تحریر کے ذریعہ یا کنایہ اور اشارہ سے بھی ہو سکتا ہے، نقل کی ہوئی چیز کا تعلق اعمال سے ہو یا احوال سے، عیوب سے ہو یا غیر عیوب سے۔ نووی نے کہا ہے کہ نمیمہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی ایسے راز کو فاش کرے جسکا افشا ناگوار ہو۔

**سامع** کی ذمہ داری کیلئے چھ باتیں لازم ہیں۔

**عدمِ تصدیق**۔ سامع ایسی خبر کو صحیح باور نہ کرے۔ نمام فاسق ہے اور فاسق کی خبر مردود ہے۔

**منع**۔ سامع بولنے والے کو روکے اور اسکو ایسا نہ کرنے کیلئے نصیحت کرے۔

**بغض** کرے بولنے والے کے ساتھ اسلئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس مبغوض ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بغض کرے

بھی ضرور ہے بعض لوگ غیبت کی مجلس کی نسبت اجابت کا گمان کر کے کہتے ہیں۔ اللہم ہم پر اور فلاں شخص پر رحم کرے جس نے ایسا ایسا کیا مستفہمین اور متعتبین کی غیبت اسی قبیل سے ہے۔ ان سے کسی کا حال پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا بھلا کرے اور ہمیں معاف کرے اور فلاں کا بھلا کرے' اللہ سے عافیت مانگتے ہیں اللہ ہماری توبہ قبول کرے وغیرہ وغیرہ ایسے الفاظ کہتے ہیں جس سے شخص متعلق کی تنقیص اور برائی سمجھ میں آتی ہے یہ سب طریقے غیبت کے ہیں اور حرام ہیں۔ اسی طرح سے یہ کہنا بھی ہے کہ ایسا کرنے کیلئے فلاں شخص کے پاس کوئی حیلہ و عذر نہ تھا اور ہم سب بھی ایسا کرتے ہیں۔۔

**مستثنیات**۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ بعض احوال ہیں جہاں مصلحت ہو غیبت مباح ہے بلکہ بعض اوقات میں واجب بھی ہے۔ ایسی چھ حالتیں ہیں جسکو جوہری نے نظم کیا ہے۔

لَیْسَتْ غِیبَۃٌ کَرِّرْ وَخُذْهَا — مُنَظَّمَۃً کَاَمْثَالِ الْجَوَاهِرْ
تَظَلُّمْ وَاسْتَعِنْ وَاسْتَفْتِ حَذِّرْ — وَعَرِّفْ وَاذْكُرَنْ فِسْقَ الْمُجَاهِرْ

**تظلم** کی حالت میں مظلوم کسی حاکم یا قاضی سے بیان کرے کہ فلاں نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے۔

**استعانت**۔ مضرت سے محفوظ رہنے کیلئے مدد چاہے کسی شخص سے اس توقع میں کہ وہ مضرت کے ازالہ کی قدرت رکھتا ہے یہ کہے کہ فلاں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے میری مدد کیجئے کہ میں اسکو باز رکھوں۔

**استفتاء**۔ کوئی شخص مفتی سے فتویٰ طلب کرے کہ فلاں نے مجھ پر ظلم کیا ہے کیا اسکو یہ حق تھا اور میں اس سے کس طرح خلاصی پا سکتا ہوں۔

**تحذیر**۔ ایک شخص کو دوسرے شخص کے عیوب سے آگاہ کرے جس سے وہ ملنا چاہتا ہے اور بغیر اپنے ذکر کے اسکو روکا نہ جا سکے۔

**تعریف**۔ فلاں اندھا' لنگڑا لولا ہے جبکہ اسکے اس نقص کی عام شہرت ہے اور لوگ جانتے ہیں اور اس تذکرہ سے صرف اسکی شناخت مقصود ہے۔

**مجاہر فسق**۔ ایسے شخص کی نسبت جو علانیہ اپنے فسق کا مجاہرہ کرے جیسا کہ شراب خواری اور اصول ٹکس وغیرہ جس بارے میں فسق کا وقوع ہوا ہے صرف اسکا ذکر کرنا جایز ہے اور دوسرے عیوب کا بیان کرنا جایز نہیں ہے۔ لَا غِیبَۃَ فِی فَاسِقٍ فاسق کے بارے میں کوئی غیبت نہیں ہے' ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔

**توبہ**۔ غیبت کے گناہ میں توبہ سے فائدہ پہنچتا ہے ارتکاب کی حیثیت سے لیکن جس شخص کے حق میں غیبت کی تھی اس سے معافی چاہنا بھی ضروری ہے اگر اسکو غیبت کا علم ہوا ہے ورنہ فقط استغفار کافی ہے۔ اگر استغفار کے بعد اس کو غیبت کی خبر ملی ہے تو وہ غیبت توبہ کے سبب سے محو ہو چکی ہوگی۔ **ابراء** یعنی عذر خواہی صحیح نہیں ہو سکتی اصل غیبت سے بے خبر رکھکر جیسا کہ کوئی کہے کہ میں نے تمہارے بارے میں کچھ کہا تھا

متعلق سے واقف نہ ہو تو غیبت نہیں ہے۔ اگر ذاکر اور سامع دونوں کے ذہن میں وہ شخص معین ہے تو حرام ہے اور مبہم ہے تو جائز ہے۔ اگر ذاکر کے ذہن میں معین ہے اور سامع کے ذہن میں مبہم ہے تو ذاکر پر حرام ہے۔ اگر کافر حربی کے بارے میں کوئی بات کہی جائے تو اس میں غیبت نہیں ہے اور اگر کافر ذمی ہو تو غیبت ہے۔ احادیث میں مسلم کا ذکر اسکے شرف کی بناء پر کیا گیا ہے۔

**حکم**۔ غیبت حرام ہے اور اس پر اجماع ہے۔ آیت ۲۶/۱۲۔ ۲۔ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کریگا کہ اپنے بھائی کی میت کا گوشت کھائے۔ اس آیت میں غیبت سے شدید ترین نفرت کی گئی ہے۔ پانچ امور پر یہ آیت شامل ہے۔ گوشت وہ بھی میت کا بغیر پکایا ہوا کچا آدمی کا اور بھائی کا۔ سنن ابوداؤد و ترمذی میں روایت کیگئی ہے کہ عائشہؓ نے کہا قُلْتُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَسْبُكَ مِنْ صَفِیَّةَ كَذَا وَكَذَا تَعْنِیْ قَصِیْرَةً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ آپ کیلئے کافی ہے صفیہ کی جانب سے یہ اور یہ بات یعنی صفیہ کی یہ اور یہ کوتاہی۔ آپ نے فرمایا، تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اس کو سمندر کے پانی میں ملایا جائے تو سمندر کے پانی کو بدل دیگی یعنی اس بات میں اتنی قباحت اور بدبو اور بڑا اوٹ ہے کہ سمندر کے کثیر پانی میں بھی تغیر پیدا کر دیگی۔ اس حدیث کے مفہوم سے غیبت کی بہت بڑی سرزنش ہوتی ہے۔

**مراتب تحریم**۔ مالکیہ میں سے قرطبی کہتے ہیں کہ کبیرہ ہے اور مذہب مالکی میں کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہے۔ اور اکثر شافعیہ بھی اسی طرف مایل ہیں۔ مصنف العدۃ نے شافعیہ سے ذکر کیا ہے کہ صغیرہ ہے۔ رافعی اور انکے تابعین نے اس قول کا اقرار اس بنا پر کیا ہے کہ کثرت سے لوگ اس میں مبتلا ہیں، کون اس مرض سے سلامت رہا۔ یہ تعلیل غور طلب ہے۔ اس تعلیل کا اقتضاء یہ نہیں ہوسکتا کہ اسکو صغیرہ میں شمار کیا جائے۔ ابن حجر ہیتمی نے شرح شمائل میں وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ عالم اور حامل قرآن کی غیبت کبیرہ ہے اور ان دو کے سوا دوسروں کی غیبت صغیرہ ہے اور یہی معتمد علیہ ہے۔

**حرمت سماعت**۔ جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی حرام ہے کسی کو غیبت کرتے سنے تو واجب ہے کہ اسکو روکے اور منع کرے بشرطیکہ کسی ضرر ظاہری کا خدشہ نہ ہو۔ حدیث۔ مَنْ رَدَّ غِیْبَةَ مُسْلِمٍ رَدَّ اللّٰهُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ بِالْیَدِ وَلَا بِاللِّسَانِ فَارِقْ ذٰلِكَ الْمَجْلِسَ۔ جس نے کسی مسلم کی غیبت کو رد کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکے چہرہ یعنی اسکی ذات سے آگ کو لوٹا دیگا۔ اگر ہاتھ اور زبان سے رد نہیں کرسکتا تو اسکو چاہئے کہ اس مجلس سے علیحدگی اختیار کرے محض ظاہری انکار سے اپنی ذمہ داری سے کوئی شخص سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ زبان سے تو خاموش رہنے کہہ دے اور دل میں ایسی بات کی طوالت چاہے تو یہ نفاق کی ایک صورت ہے جیسا کہ غزالی نے لکھا ہے۔ سامع کے قلب میں غیبت کے الفاظ کا ناگوار گزرنا

بارے میں تکبر کرتا ہے نکل جا، تو ذلیلوں میں سے ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَالَ یعنی اللہ تعالیٰ صفاتِ جمال یعنی صفات کمال سے متصف ہے۔ یہ حدیث لباس کی عمدگی وغیرہ کو ثابت کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار کیلئے، اس میں کوئی کبر یا بڑائی نہیں ہے، بلکہ مندوب ہے نماز اور مجلس وغیرہ میں اور عورت کے حق میں، اپنے شوہر کیلئے اور علماء کے حق میں لوگوں کے دلوں میں علم کی عظمت قائم کرنیکے لئے۔ اور واجب ہے حاکم اور والی کے حق میں جس کے ذمہ واجبات کا نفاذ ہے۔ دورِ آخر میں لباس اور صورتِ ظاہری سے متاثر ہونیکی عادت ہوگئی ہے۔ زبوں حالی اور خستگی کے ساتھ عامۃ الناس کے مصالح کا باحسن وجوہ انجام دینا مشکل ہے۔ اسکے برعکس سلف صالحین کے دور میں دین اور تقویٰ کو عظمت دیجاتی تھی۔ کبر حرام ہے جبکہ کسی فعلِ محرم کیلئے وسیلہ بنائے اور مکروہ ہے جبکہ کسی فعلِ مکروہ کیلئے وسیلہ بنائے اور مباح ہے جب ان باتوں سے خالی ہو۔

**علاج کبر** عارضۂ کبر کا علاج عقلی، شرعی اور عادی طریقہ سے یوں بیان کیا گیا ہے۔

**عقلی** علاج یہ ہے کہ یہ سمجھے کہ تاثیر فقط اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بندہ خود اپنے نفس کو یا دوسرے شخص کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا تو پھر عقلمند کو تکبر نہ کرنا چاہئے۔ طاقتور اور کمزور، رفیع اور وضیع سب برابر ہیں۔ سردارِ دوجہاں سے یہ کہا گیا ہے کہ آپ کی کوئی چیز نہیں ہے یعنی آپ کی کچھ نہیں چلتی تو پھر دوسروں کی کیا مجال۔

**شرعی** علاج وہ وعید ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہے۔ کبر پروردگار کی صفت ہے جس نے اس صفت میں اس سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی وہ ہلاک ہوگا اور ساری کائنات اسکے خلاف کھڑی ہوگی۔

**عادی** یعنی عادتی علاج یہ ہے کہ اپنے آغاز، انجام اور درمیانی تقلبات پر غور کرے۔ ایک حقیر نطفہ، اسکی اصل ہے اور ایک مدت تک حیض کے خون میں لت پت رہا اور زندگی بھر اسکے بدن میں بعض نجاستیں رہیں اور اپنے ہی ہاتھ سے نجاست کو پاک کرتا رہا اور آخرکار مرنے کے بعد سڑ گل کر عفونت اس میں پیدا ہوگئی۔ اگر کوئی شخص اپنی ان صفات پر غور کریگا تو اسکو اپنی قدر معلوم ہوگی۔ متواضع وہ ہے جو حق کو پہچانے اور سمجھے کہ جو کچھ اسکو نصیب ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے نصیب ہوا ہے۔ اپنے مالک کی ملکیت میں کسی چیز کو حقیر نہ تصور کرے۔ اُسکے فضل سے جو چیز عنایت ہوتی ہے اسکے باقی رکھنے کیلئے دعا کرے۔ کبر اُسوقت حرام ہے جبکہ صالحین اور ائمۂ مسلمین کے مقابلہ میں کبر کا اظہار کرے اور ایسی صورت میں یہ کبیرہ میں بھی شمار ہوگا اور قلبی بڑے گناہ میں داخل ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اسکا اظہار ہو تو وہ شرعاً مطلوب اور عقلاً مستحسن ہے۔ اُنکا احتقار اُنکے کفر کی بناء پر ہوگا، انکی ذات کا احتقار نہ ہوگا۔

**حسد** حرام ہے۔ دوسرے شخص کی نعمت کے زایل ہونے کی تمنا کرنے کو حسد کہتے ہیں، اپنی ذات کیلئے کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو جیسا کہ کسی دوسرے کے فائدہ کیلئے تمنا کرے اور یہ سب سے زیادہ کمینہ پن ہے۔ اسلئے کہ اس میں گویا کہ حاسد نے اپنی

معاف کیجئے۔ شافعیہ کے پاس اصح قول یہ ہے کہ تعین کر کے کہے کہ تمہارے بارے میں فلاں سے فلاں بات کہی تھی معاف کیجئے۔ مالکیہ کے پاس ناواقف رکھکر بھی ابراء صحیح ہو سکتی ہے۔ حدیث۔ اِنَّہٗ تُؤْخَذُ حَسَنَاتُ الْمُغْتَابِ لِمَنِ اغْتَابَہٗ وَتُطْرَحُ عَلَیْہِ سَیِّاٰتُہٗ۔ غیبت کرنے والے کی نیکیاں دیجائیں گی اس شخص کو جس کی غیبت کی تھی اور اس پر ڈالی جائیں گی اسکی برائیاں۔ ابن مبارک سے منقول ہے اگر میں غیبت کرنا پسند کرتا تو میں اپنے والدین کی غیبت کرتا اسلئے کہ والدین میری حسنات کے پانیکے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کے عیوب میں مشغول ہو جائے۔ اگر کوئی کہے کہ مجھ میں کوئی عیب نہیں ہے تو یہی اسکا بڑا عیب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طُوْبٰی لِمَنْ شَغَلَہٗ عَیْبُہٗ عَنْ عُیُوْبِ النَّاسِ۔ کیا ہی پاک ہے وہ شخص جس کو اس کے عیب نے لوگوں کے عیوب سے مشغول کر لیا۔

برا جو دیکھن میں چلا برا نہ ملیا کوئے  جو دل کھوجوں آپنا مجھ سے برا نہ کوئے

**عُجب** یعنی خود پسندی حرام ہے اگر عبادت میں فساد نہیں پیدا کرتی جیسا کہ عابد اپنی عبادت پر اور عالم اپنے علم پر گھمنڈ کرے۔ اسی طرح ریا بھی حرام ہے لگر عبادت میں فساد نہیں پیدا کرتی اسکے خلاف بعض کہتے ہیں کہ عجب اور ریاء عبادت میں فساد پیدا کرتے ہیں بعض محققین نے صراحت کی ہے کہ اس سے فقط ثواب ساقط ہوتا ہے اور عمل کی صحت باقی رہتی ہے۔ عجب میں حرمت اسلئے ہے کہ اس میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ سوء ادبی ہے بندہ کے لایق نہیں ہے کہ اپنے مالک سے تقرب حاصل کرنیکے امور میں بڑائی کرے بلکہ اپنے کو گھٹا کر دیکھے اپنے مالک کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے۔ آیت پ۱۷۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو جتنی عظمت دینی چاہئے نہیں دی۔ عجب کے دفع کرنے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ اِنَّہٗ یُفْسِدُ الْعَمَلَ فَاِذَا اَرَادَتْ نَفْسُکَ الْعُجْبَ فَقُلْ عَوَّضَاکَ اللّٰہُ فِی الْعَمَلِ خَیْرًا۔ وہ عمل کو فاسد کرتا ہے یعنی عمل کے ثواب کو ساقط کرتا ہے۔ جب تم اپنے نفس میں خود پسندی دیکھو تو کہو اللہ تعالےٰ تمہارے عمل میں نیکی دے۔ عمل قبول ہوا یا نہیں قبول ہوا اسکا تو علم نہیں پھر عجب کے کیا معنی۔ جب اس بات کا یقین کرے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے تو پھر کونسی چیز عجب کیلئے باقی رہی۔

**کبر حرام ہے۔** کبر کے معنی غرور اور بڑائی کے ہیں۔ حدیث مسلم۔ لَنْ یَدْخُلَ الْجَنَّۃَ مَنْ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنَ الْکِبْرِ۔ جس کے دل میں مثقال کے برابر کبر ہے وہ ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا۔ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اَحَدَنَا یُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُہٗ حَسَنًا وَّنَعْلُہٗ حَسَنَۃً۔ تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کوئی اچھا لباس اور اچھا نعل پہننا پسند کرے تو۔ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ۔ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ اس حدیث میں جنت میں داخل نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ سابقین کے ساتھ داخل نہ ہوگا۔ سب سے پہلے کبر کرنے والا ابلیس ہے اور اسکو کہا گیا۔ آیت پ۸۔ ۳۔ فَمَا یَکُوْنُ لَکَ اَنْ تَتَکَبَّرَ فِیْھَا فَاخْرُجْ اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ۔ تجھکو کیا ہوا ہے جو اس

**جدال**۔ دلیل کے ذریعہ مخالف کے حملہ کو دفع کرنے کو جدال کہتے ہیں تاکہ اپنے کلام کی صحت قائم کیجائے۔ جدال حرام اُسی صورت میں ہے جبکہ محض دوسرے کے قول کی تردید کرنا مقصود ہو۔ اگر جدال سے مقصد حق کا ثابت کرنا اور باطل کو رد کرنا ہو تو حرام نہیں ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا ہے۔ مَا ذَاکَرْتُ اَحَدًا وَ قَصَدْتُ اِفْحَامَهٗ وَ اِنَّمَا اُذَاکِرُهٗ لِاِظْهَارِ الْحَقِّ مِنْ حَیْثُ هُوَ حَقٌّ میں نے کسی سے اس غرض سے بحث نہیں کی کہ اسکو خاموش کروں یا اس پر غلبہ حاصل کروں بلکہ بحث سے میرا مقصد یہ رہا ہے کہ حق کو حق کی حیثیت سے ظاہر کروں۔

**فرق** درمیان مراء و جدال۔ مراء و جدال کے درمیان فرق یہ ہے کہ مراء میں بحث خصم کی جانب سے ہوتی ہے اور جدال میں قایل کی جانب سے تاکہ اپنے قول کی تردید کو رفع کرے۔ غور کیا جائے تو دراصل دونو کا نتیجہ ایک ہے۔ دلیل کا مقابلہ دلیل سے کرنے کو مراء اور جدال کہتے ہیں۔

ظلم، بغاوت، رہزنی، غل وغش، کذب، عقوقِ والدین، ترکِ صلاۃ، منعِ زکات، اور مداہنت ذمیمہ خصلتیں ہیں، ان سے احتراز کرنا چاہیئے، بغیر انکے دور کئے اصلاحِ حال نہیں ہوسکتا۔ کھرے میں کھوٹے کی آمیزش کرنے کو **غل وغش** کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آمیزش ہمارے طریقہ میں سے نہیں ہے۔ **کذب** حرام ہے جبکہ شرعی مصلحت نہ ہو۔ شرعی مصلحت ہو تو جایز ہے۔ بیوی کی دل بہلائی کیلئے مذاقاً کوئی خلافِ واقعہ بات کہنا کذب نہیں ہے بلکہ کسی مسلم کو بچانا یا کسی عداوت کو دور کرنیکے لئے کذب واجب بھی ہے۔ **مداہنت** خوشامد اور چاپلوسی کو کہتے ہیں۔ مداہنت حرام ہے اگر دین میں فساد پیدا کرے۔ ظالم کے ظالمانہ فعل کی تعریف کرنا حرام ہے کسی فعلِ حرام کا دفع کرنا اس پر موقوف ہو تو مداہنت واجب ہے اگر کسی امر مندوب کا ذریعہ ہو تو مندوب ہے۔ اگر کسی امر مکروہ کا ذریعہ ہو تو مکروہ ہے اور اگر ان سب باتوں سے خالی ہو تو مداہنت مباح ہے۔ حالات کے اختلاف کے لحاظ سے احکام بھی مختلف ہیں اور اس طرح مداہنت پر پانچ احکام صادق آتے ہیں۔ صفاتِ ذمیمہ جن سے احتراز واجب ہے، بیان کرنیکے بعد صفاتِ ستودہ اور فضایل درج کئے جاتے ہیں۔

# فضایل

خیارِ خلق کے اوصاف سے خود کو متصف کرے اور حق کی اتباع کرے۔ خیارِ خلق سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسلئے کہ آپؐ میں ساری صفاتِ حمیدہ جمع ہوئی ہیں جو دوسروں میں انفرادی طور پر پائی گئیں۔ اسلئے آپ مطلق طور پر خیارِ خلق ہیں۔ خیارِ خلق سے جمیع انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام بھی مراد لئے جاسکتے ہیں اسلئے کہ انبیاء خیارِ خلق تھے۔ اولیٰ یہ ہے کہ خیارِ خلق سے وہ سب اشخاص مراد لئے جائیں جنکی نسبت خیریت ثابت ہے۔ اگرچیکہ یہ خیریت صرف نسبتہً ہے یعنی ایک شخص کی خیریت بمقابل اس شخص کے جو درجہ میں اس سے کمتر ہے۔ اس معنی میں خیارِ خلق کا لفظ شامل ہوگا

آخرت کو دوسرے کی دنیا کیلئے بیچ دیا۔ دوسرے شخص کی نعمت کے زوال کے بغیر اپنے لئے ویسی نعمت کی تمنا کرنے کو **غبطہ** یا **رشک** کہتے ہیں اور یہ ایک نیک اور پسندیدہ صفت ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ حسد فقط دو کے درمیان ہے۔ حسد کی تحریم پر کتاب، سنت اور اجماع دلالت کرتے ہیں آیت۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ (پناہ مانگتا ہوں) حاسد کے شر سے جبکہ حسد کرے۔ حاسد کے حسد سے بہت سے نقصانات پہنچ سکتے ہیں بعض پر اُسکا اختیار نہیں ہے جیسا کہ چشم بد یعنی بُری نظر اور بعض اُسکے اختیاری ہیں جیسا کہ دوسرے کے فائدہ کو زایل کرنے اور دوسروں کی نظر میں اسکو گرانے کی کوشش کرے۔ بسا اوقات اسکے لئے بددعا دیتا ہے اور اس پر حملہ کرتا ہے۔ حدیث۔ اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ اَوِالْعُشْبَ تم حسد سے بچتے رہو، حسد کھاجاتا ہے نیکیوں کو جیسا آگ کھاجاتی ہے لکڑی یا جھرکاٹی کو۔

**علاجِ حسد** یہ ہے کہ اس بارے میں جو وعید صادر ہوئی ہے اس پر غور کرے۔ حسد میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوءِ ادبی بھی ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔

روایت کی گئی ہے کہ ابلیس نے نوح علیہ السلام کو وصیت کی کہ آپ مجھ سے پانچ باتیں اختیار کیجئے۔ آپ نے فرمایا میں تیری تصدیق کبھی نہ کرونگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو وحی کے ذریعہ ہدایت کی کہ تصدیق کریں، اس پر آپ نے ابلیس سے فہمایش کی۔ ابلیس نے کہا۔ کبر سے بچتے رہو، میں کبر ہی کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہوں۔ حسد سے بچتے رہو، قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو حسد کے سبب سے قتل کیا۔ طمع سے بچتے رہو، اللہ تعالیٰ نے آدم پر جو کچھ نازل کیا وہ انکی طمع کی وجہ سے۔ حرص سے بچتے رہو، حوا، حرص ہی کی وجہ سے مبتلا ہوئیں۔ طولِ اَمَل یعنی لمبی امید سے بچتے رہو، آدم، حوا، و نوح جس مصیبت میں مبتلا ہوئے وہ اسی طولِ اَمَل کا نتیجہ ہے۔

**مراء** اور **جدال** سے احتراز کیا جائے۔ مراء کے معنی استخراج کے ہیں۔ مَارَیٰ فُلَانٌ فُلَانًا کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے کے مقابلہ میں دلیل کا استخراج کیا۔ اور عُرفِ شرع میں مراء کہتے ہیں دوسرے کے ساتھ جھگڑنے کو اُس بات میں جس کے صواب ہونیکا اس نے دعوے کیا۔ مراء مذموم اُس صورت میں ہے جبکہ دوسرے کی حقارت اور اپنی برائی کا اظہار مقصود ہو۔ حدیث۔ ھَلَکَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ ثَلٰثًا۔ بحث میں بال کی کھال کھینچنے والے ہلاک ہونگے تین مرتبہ۔ طبرانی نے ثعبان سے اس مرفوع حدیث کا اخراج کیا ہے۔ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یُغَلِّطُوْنَ فُقَھَاءَ ھُمْ بِعُضَلِ الْمَسَائِلِ اُولٰئِکَ شِرَارُ اُمَّتِیْ۔ میری امت میں ایسے لوگ ہونگے جو اپنے فقہاء کو دشوار مسائل سے الزام لگائیں گے اور پریشان کرینگے اور یہ لوگ امت کے شریروں میں سے ہونگے۔ اگر اس سے حق کی حقیقت اور باطل کے بُطلان کا اظہار مطلوب ہو تو شرعًا ممدوح ہے اگرچیکہ لڑکے کی جانب سے اسکے باپ کے خلاف ہو اور عقوق کے درجہ کو پہنچے بلکہ ایسا عقوق پسند یدہ بھی متصور ہوگا۔

تبع تابعین کی بزرگ ہستیاں ہیں جو اس سے پہلے گزریں۔ خاصکر ائمۂ اربعہ مجتہدین فی الدین کی پیروی اختیار کرے۔ اجماع اس پر ہے کہ افتاء اور احکام میں انکے مذاہب سے خارج نہ ہو۔ حدیث۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔ میرے بعد میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنتوں کو (دانتوں سے) مضبوط پکڑے رہو۔ صالح کی صفات میں وہ بزرگان دین داخل ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد پر قائم اور اسکے پابند ہیں اور ایسے اشخاص کبریت احمر سے زیادہ نادر ہیں۔ صالح کی صفت ولی کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی صادق آتی ہے مگر فرق یہ ہے کہ' اولیاء کے مقابلہ میں انبیاء کی صلاح' زیادہ کامل ہے۔

**خلف** کی ابتداء میں تشریح ہے۔ خلف سے مراد وہ لوگ ہیں جو پیچھے آئے ہیں' جنھوں نے شہوات نفسانی کی پیروی کی اور فرائض سے غفلت کی۔

**احکام بدعت** پانچ ہیں بعض وقت بدعت واجب ہے جیساکہ مصحفوں اور شریعتوں کو ضبط تحریر میں لانا جبکہ انکے بغیر ضائع ہونے کا خوف ہو کبھی بدعت حرام۔ ہے جیساکہ ساری نئی باتیں جو شریعت کی منافی ہیں کبھی بدعت مندوب ہے جیساکہ تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا۔ عمرؓ نے فرمایا۔ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هِيَ۔ یہ کیسی اچھی بدعت ہے کبھی بدعت مکروہ ہے جیساکہ مسجد اور مصحف کی زیبایش۔ کبھی بدعت مباح ہے جیساکہ چھلنی کا استعمال آٹے کے لئے۔ آثار صحابہ میں آیا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ شَيْءٍ اَحْدَثَهُ النَّاسُ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتِّخَاذُ الْمَنَاخِلِ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد' پہلی نئی چیز جس کو لوگوں نے شروع کیا وہ چھلنیوں کا استعمال ہے مباح اسلئے ہے کہ معاشرت کی سہولت مباحات میں سے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہر وہ بات جو کتاب' سنت اجماع یا قیاس کے موافق ہے وہ **سنت** ہے اور جو ان سے خارج ہے وہ مذموم ہے۔

**اخلاص** کی رجاء چاہیے اللہ سے اور ریاء سے خلاصی۔

**رجاء**۔ عادتی اسباب پر عمل کرکے اپنے مقصد کے حصول کی آرزو کرنے کو رجاء کہتے ہیں۔ اسباب پر عمل کئے بغیر کسی مقصد کی آرزو کرنے کو طمع کہتے ہیں اور یہ مذموم صفت ہے۔ ابن جوزی کا قول ہے کہ معصیت پر اصرار کرتے ہوئے مقصد کی تمنا کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیساکہ کوئی شخص بوئے بغیر فصل کی امید کرے یا نکاح کئے بغیر اولاد کی توقع کرے عبداللہ بن مبارک نے کیا خوب کہا ہے۔

| | |
|---|---|
| مَا بَالُ دِيْنِكَ اَنْ تَرْضٰى تُدَنِّسُهُ | وَثَوْبُكَ الدَّهْرَ مَغْسُوْلٌ مِنَ الدَّنَسِ |
| تمہارا دین ہی کیا ہے جسکو تم پلید کرنا پسند کرتے ہو | حالانکہ تمہارا لباس زمانہ میں دھویا ہوا ہے میل سے |
| تَرْجُو النَّجَاةَ وَلَمْ تَسْلُكْ طَرِيْقَتَهَا | اِنَّ السَّفِيْنَةَ لَا تَجْرِيْ عَلَى الْيَبَسِ |
| تم نجات کی آرزو کرتے ہو اور نجات کا راستہ اختیار نہیں کرتے | خشک زمین پر کشتی نہیں چلتی |

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور شامل ہوگا سارے انبیاء، علماء، شہداء، اولیاء، زہاد اور عابدین پر۔ گویا کہ خیارِ خلق کی تعبیر ہوگی بلحاظ اشخاص کے اور باعتبار غیر کے انواع کے بعض لوگ ایسے ہونگے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مجاہدہ کی صورت پر قدرت رکھتے ہونگے اور بعض لوگ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مجاہدہ کی صورت پر قدرت رکھتے ہونگے، اور بعض علماء کے مجاہدہ کی صورت پر قدرت رکھیں گے اور اسی طرح اسکا سلسلہ نیچے اُترے گا۔ عارفین میں سے کسی ایک شیخ کے ہاتھ پر مجاہدہ ہو تو وہ زیادہ نفع بخش ہوگا۔ انکا مقولہ ہے کہ حَالُ رَجُلٍ مِنْ اَلْفِ رَجُلٍ اَنْفَعُ مِنْ وَعْظِ اَلْفِ رَجُلٍ فِي رَجُلٍ۔ ہزار مردوں میں سے ایک مرد کا حال زیادہ نفع بخش ہو سکتا ہے ہزار مردوں کے وعظ سے ایک مرد کے بارے میں اس لئے مرد کو چاہئے کہ ایک ایسے شیخ کا دامن پکڑے جو کتاب اور سنت کا عارف ہو اور اسکو اختیار کرنے سے پہلے جانچ کر دیکھے۔ اگر وہ کتاب اور سنت پر قائم ہے تو اسکی پیروی کرے اور اس سے ادب سیکھے۔ بہت ممکن ہے کہ اس سے ایسا کسب حال کرے جو اُسکے باطن کی صفائی کا باعث ہو سکے اور اللہ تعالیٰ اسکو ہدایتِ کامل عطاء کرے۔ ایسے شخص کی صحبت کی ملازمت اختیار کرے جو بندگانِ خدا کی مشقتوں کے برداشت کرنیکی صلاحیت رکھتا ہو۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ شیطان اور ہوا و ہوس بے چین نہ کرینگے اور غیض و غضب برافروختہ نہ کریگا۔ بہادری پچھاڑنے میں نہیں ہے بلکہ غضب کے حالات میں اپنے نفس پر قابو رکھنے میں بہادری ہے لیکن اُن امور میں تحمل و بردباری مذموم ہے جو غضب الہٰی کے باعث ہیں حق کی اتباع ایسی صورت میں ہو سکتی ہے جب اوامر کی تعمیل کرے اور منہیات سے پرہیز کرے۔ آیت ۲۸ـــــ ۷۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ رسول نے جو باتیں تم کو دی ہیں اُنکو پکڑے رہو اور جن سے تمکو منع کیا ہے اُن سے باز آؤ۔ اقوال، افعال اور اعتقادات کو شریعت کی میزان سے تولا جائے جو اس کی حفاظت اور انفاس کی نگرانی کیجائے۔

**ہدایت** کے طریقے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ترجیح کے لائق ہیں۔ ہدایت کے سارے طریقے از قسمِ اقوال، افعال اور اعتقادات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں انکو دوسروں کی ہدایتوں پر ترجیح ہے۔ احوال میں سب سے افضل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال ہیں جو منسوخ نہیں ہوئے ہیں۔ منسوخ شدہ کی مثال قیام اللیل ہے۔ قیام اللیل کہتے ہیں پوری رات عبادت میں گزارنے کو۔ بعض افعال ایسے ہیں جن سے جواز کی صراحت مقصود تھی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء میں اعضاءِ وضو کو ایک ایک بار دھویا تھا۔ بعض وہ امور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص تھے جیسا کہ چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح۔

**مباح** پر عمل کرے اور غیر مباح کو ترک کرے۔ مباح کا فقرہ واجب، مندوب اور مباح پر حاوی ہے۔ مباح وہ ہے جس کے جانبین مساوی ہیں یعنی جس کا کرنا یا نہ کرنا دونوں مساوی ہے۔ غیر مباح کا فقرہ حرام، کردہ اور خلافِ اَولیٰ پر شامل ہے۔

**سلف** کی اتباع میں خیر ہے۔ سلف سے مراد انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین و

کوئی عمل کیا اور اس عمل میں کسی دوسرے کو میرے ساتھ شریک کیا تو میں اسکو چھوڑ دیتا ہوں شریک کیلئے یعنی اسکو شریک کے تفویض کرتا ہوں۔ آیت۔ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَاءُوْنَ۔ افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں اور جو لوگوں کو دکھاتے ہیں۔

**اقسامِ ریاء**۔ ریاء کی دو قسمیں ہیں جلی اور خفی جلی وہ ریاء ہے کہ عمل طاعت کو صرف دوسروں کی موجودگی میں ادا کرے اور تنہائی ہو تو کچھ نہ کرے خفی وہ ریاء ہے کہ عمل طاعت بجالائے دوسرے کوئی موجود ہوں یا نہ ہوں لیکن دوسرے کی موجودگی میں فرحت پائے فضیل ابن عیاض کا قول ہے کہ عمل لوگوں کی خاطر شرک ہے لوگوں کی خاطر ترک عمل ریاء ہے اور اخلاص اس میں ہے کہ ان دونو سے اللہ تعالیٰ بچائے کسی وا نے عبادت کا عزم کیا اور لوگوں کے خوف سے اسکو ترک کیا تو وہ بھی ریاء ہے بجز اسکے کہ اس خیال سے ترک کیا کہ خلوت میں ادا کرے تو وہ مستحب ہے۔

**خلاصی** چاہیے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں شیطان نفس اور ہوا سے کسی نے کیا اچھا کہا ہے

| | |
|---|---|
| اِنِّیْ بُلِیْتُ بِاَرْبَعٍ تَرْمِیْنَنِیْ | بِالنَّبْلِ قَدْ نَصَبُوْا عَلَیَّ شِرَاکًا |
| میں مبتلا ہوں چار چیزوں میں جو مجھ پر تیر چلاتی ہیں | اور مجھ پر جال ڈالتے ہیں |
| اِبْلِیْسُ فِی الدُّنْیَا وَنَفْسِیْ وَالْهَوٰی | مِنْ اَیْنَ اَرْجُوْ بَیْنَهُنَّ فِکَاکًا |
| ابلیس دنیا میرا نفس اور ہوا و ہوس | میں ان سے رہائی کی امید کیسے کروں |
| یَا رَبِّ سَاعِدْنِیْ بِعَفْوِکَ اِنَّنِیْ | اَصْبَحْتُ لَا اَرْجُوْ لَهُنَّ سِوَاکَا |
| اے میرے پروردگار اپنی عفو سے میری مدد کر | بیشک میں ان سے تیری ہی آرزو رکھتا ہوں |

**شیطان** رجیم کے مکاید میں واقع ہونے سے خلاصی کی رجاء اللہ تعالیٰ سے رکھے۔ رجیم بمعنی مرجوم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مردود ہے۔ رجیم بمعنی راجم بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی ہونگے شیطان کے جو آدمیوں کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔ شیطان رجیم سے مراد ابلیس اور اسکے اعوان اور اولاد ہیں جو اسکی پیٹھ سے نکلے ہیں۔ ابلیس جب جنت سے خارج ہوا تو تنہا تھا۔ حدیث۔ وَهُوَ اَبُو الشَّیَاطِیْنِ کَمَا اَنَّ آدَمَ اَبُو الْاِنْسِ۔ وَالْعَدَاوَةُ بَیْنَ الثَّقَلَیْنِ تُوْرِثُ الْعَدَاوَةَ بَیْنَ الْاَبَوَیْنِ۔ وہ (ابلیس) شیطانوں کا باپ ہے جس طرح آدم انسانوں کے باپ ہیں ثقلین یعنی جن و انس کے درمیان عداوت انکے باپوں کی عداوت کی نشانی ہے۔ آیت ۲۲ فاطر آخر۔ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ شیطان تمہارا دشمن ہے، اسکو اپنا دشمن ہی سمجھا کرو اپنے عقاید افعال اور اقوال میں اور اس سے ہر حال میں دوری اختیار کرو۔

**نفس** کے مکاید میں واقع ہونے سے خلاصی کی امید رکھے اللہ تعالیٰ سے۔ کہ نفس شیطان سے زیادہ شدید ہے۔

| | |
|---|---|
| تَوَقَّ نَفْسَکَ لَا تَاْمَنْ غَوَائِلَهَا | فَالنَّفْسُ اَخْبَثُ مِنْ سَبْعِیْنَ شَیْطَانًا |
| حفاظت کرو اپنے نفس کی اور اسکی مصیبتوں سے بے فکر مت رہو | نفس ستر شیطانوں سے زیادہ خبیث ہے |

حدیث قدسی - مَا اَقَلَّ حَیَاءً مَنْ اَنْ یَّطْمَعَ فِیْ جَنَّتِیْ بِغَیْرِ عَمَلٍ کَیْفَ اَجُوْدُ بِرَحْمَتِیْ عَلٰی مَنْ بَخِلَ بِطَاعَتِیْ کس قدر بے شرم ہے وہ شخص جو میری جنت کی آرزو کرے بغیر عمل کے، میں اپنی رحمت سے کیسا نوازونگا اُس شخص کو جس نے میری اطاعت میں بخل کیا۔

**اخلاص** واجب عینی ہے ہر مکلف پر ساری عبادتوں میں۔ عبادت سے تنہا اللہ تعالےٰ کی عبادت کا قصد کرے اور وہ سبب ہوسکتا ہے قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے خلاصی کا۔ آیت ۳/۲۲ - وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ - انکو فقط یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں اسکے دین کو خالص کرکے۔ حدیث مسلم و مشکوٰۃ - اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ - اللہ تعالےٰ نہیں دیکھتا تمھاری صورت ظاہری اور دولت کی طرف لیکن دیکھتا ہے تمھارے دلوں اور تمھارے اعمال کو۔ انسؓ نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ مَنْ فَارَقَ الدُّنْیَا عَلَی الْاِخْلَاصِ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ مَاتَ وَهُوَ اللّٰهُ عَنْهُ رَاضٍ جس نے دنیا سے جدا ہوتے ہوئے، تنہا اللہ تعالےٰ کے ساتھ اخلاص کیا اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا، نماز کو قائم رکھا، زکات ادا کی، تو وہ دنیا سے جدا ہوا ایسی حالت میں کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی تھا۔ اس حدیث کی ثوبانؓ نے روایت کی ہے۔ طُوْبٰی لِلْمُخْلِصِیْنَ اُولٰٓئِکَ مَصَابِیْحُ الْهُدٰی تَنْجَلِیْ عَنْهُمْ کُلُّ فِتْنَةٍ ظَلْمَاءَ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَتْمَاءَ - اخلاص والوں کو خوشخبری ہے کہ وہ ہدایت کے چراغ ہیں، ان سے ہر تاریک فتنہ پر روشنی پڑتی ہے - قتماء کے معنی بھی تاریکی کے ہیں - اس بات کا دلنشین رکھنا کہ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اخلاص کی نیت کو تقویت پہنچاتا ہے - جو شخص اخلاص میں صادق ہے ہرگز نہیں پسند کریگا کہ لوگ اسکے حُسنِ عمل سے واقف ہوں اور اسکو یہ بات بھی ناگوار نہیں ہوتی کہ لوگوں کو اسکے عیوب کی خبر ہو یعنی اپنی نیکیوں کو ظاہر نہیں کرتا اور عیوب کو چھپاتا نہیں۔ مخلوق کی نظر میں اپنی قدر و قیمت کے کم ہونے کا ملال اسکو نہیں ہوگا۔ بعض بزرگ کو مرنیکے بعد خواب میں یہ کہتے سنا گیا، جنت کی زمین ایمان اور اسکے درخت اعمال اور اسکا ثمرہ اخلاص ہے۔

**ریا** اس میں ہے کہ طاعت کا عمل کریں اسلئے کہ لوگ دیکھیں **تسمیع** یہ ہے کہ عمل کے خاطر عمل کریں اور پھر سنائیں دوسروں کو تاکہ اسکو عزت کی نظر سے دیکھیں یا اسلئے کہ دوسروں سے جلبِ منفعت کریں۔ ریا اور تسمیع دونوں سے عمل کا ثواب ساقط ہوتا ہے مگر عمل کی صحت قائم رہتی ہے بخلاف ساداتِ مالکیہ کے جنکی رائے میں عمل عبادت خود باطل ہوجاتا ہے۔ حسن کا قول یہ ہے کہ جس نے دوسرے سے حیا کرکے کچھ دیا اس میں بھی اسکے لئے اجر ہے۔ ابنِ سیرین کا قول ہے کہ اہلِ جنازہ سے حیا کرکے جس نے جنازہ کا ساتھ دیا اسکے لئے بھی اجر ہے۔ یہ دونو قول محمول ہیں اس بات پر کہ معطی لہٗ کو خوش کیا اور اہلِ جنازہ کی دلجوئی کی ورنہ یہ دونو باتیں ریا ہی میں شمار ہونگی۔ حدیث قدسی۔ اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ فَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَکَ فِیْهِ غَیْرِیْ تَرَکْتُهٗ لِشَرِیْکِهٖ - میں سب شریکوں سے غنی تر ہوں شرک سے جس نے

# اشاریہ

اگر کسی مضمون کے مقابل متعدد صفحات کا حوالہ درج ہے اور ان میں سے
کوئی خاص حوالہ اس مضمون کی پوری صراحت کرتا ہے تو اس پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔

## (ا)

**اقسامِ نفس** ہجویری نے سات بیان کئے ہیں۔ اَمّارہ، لَوّامہ، مُلہمہ، مُطمئنّہ، راضیہ، مرضیہ اور کاملہ۔ اَمّارہ وہ نفس ہے جو برائی کی ہدایت کرتا ہے، نیکی کی ہدایت شاذ و نادر ہی کرتا ہے اور یہاں نفس آمارہ ہی مراد ہے۔ لَوّامہ وہ نفس ہے جو غالب ہوتا ہے اور پھر رجوع کرتا ہے اور جو بات کہ واقع ہوئی اس پر ملامت کرتا ہے۔ اسلئے کہ مجاہدہ کے سبب سے اس نفس کو حق کا اذعان ہوا ہے۔ مُلہمہ وہ نفس ہے جو مجاہدہ کے سبب سے گناہ اور تقوے دونو کا انسان کے دل پر القا، کرتا ہے۔ مُطمئنّہ وہ نفس ہے جو مکارمِ اخلاق میں اطمینان و سکون پاتا ہے۔ رَاضیہ وہ نفس ہے جو اللہ تعالےٰ کو اپنا ربّ بنانے پر راضی ہو، بغیر کسی باطنی تکرار کے مجاہدہ کے سبب سے۔ مَرضیّہ وہ نفس ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلّی ڈالی اور گزرے ہوئے کو معاف کیا۔ کَامِلہ وہ نفس ہے کمالات جس کی طبیعت اور خصلت بن گئے ہیں۔ اور اس کے سبب سے کمال میں ترقی کرتا جاتا ہے۔

ہَوٰا ہے ہر نفس کے مائل ہونے کو اپنے مرغوب کی طرف اگرچہ کہ اس میں اسکی ہلاکت ہو۔ مگر اسکو مطلق چھوڑ دیا جائے تو غالب یہ ہے کہ حق کے خلاف اس میں میلان ہو۔ ہَویٰ اسلئے کہا گیا کہ اپنے صاحب کو آگ میں جھونکتا ہے۔ جو شخص شیطان، نفس یا ہَوا کی طرف مائل ہوا، بہت سارے فتنے اور فساد اس میں پیدا ہوئے، راہِ رُشد و استقامت سے بھٹکا اور گمراہ ہوا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب وَاِلَیْہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآب

منزل تمام گشت و بپایان رسید عمر    ما ہمچنان باوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِوَالِدِیْنَا وَلِاُسْتَادِنَا وَلِجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۃ

سوماجی گوڑہ۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔ روز دوشنبہ
۳ جمادی الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۱ء

احمد جنگ